ماہنامہ آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل
ماہنامہ
حجاب
کراچی
aanchalpk.com
aanchalnovel.com

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی/دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔74400

مستقل سلسلے

خط وکتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 کے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز - ای میل Infoohijab@gmail.com

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

مارچ ۲۰۱۶ء کا حجاب حاضر مطالعہ ہے۔

امید ہے کہ تمام قارئین بہنیں بخیر ہوں گی۔ آج کل بقول شخصے سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں کیوں کہ آپ کے محبوب آنچل کے خاص نمبر کو سجانے سنوارنے میں پوری ٹیم مصروف ہے۔

بہت سی بہنوں کو یہ شکایت ہے کہ ان کے خطوط کا جواب کسی ایک پرچے میں دیا جاتا ہے حالانکہ انہوں نے خط آنچل اور حجاب دونوں کے بارے میں بھیجا ہوتا ہے اس لیے تمام بہنوں سے گزارش ہے کہ ہر شمارے کے لیے علیحدہ علیحدہ اپنی رائے کا اظہار کیا کریں تاکہ انہیں شکایت کرنے کا موقع نہ ملے۔

آپ نے جس طرح حجاب کو پسند کیا اسے اپنایا اس سے نا صرف مجھے بلکہ میری ساتھیوں کو بھی حوصلہ ملا ہے اس لیے میں اور میری ساتھی تہہ دل سے آپ کے شکر گزار ہیں امید کرتی ہوں کہ آپ اپنی محبت اور تعلق کا اسی طرح اظہار کرکے میری رہنمائی کرتی رہیں گی۔

اللہ کا شکر ہے کراچی کے حالات اب بہتر ہورہے ہیں خوف کے بادل چھٹ رہے ہیں بلدیات کے انتخابات ہونے کے باوجود اختیارات کے فقدان کے باعث کراچی، روشنیوں کا شہر نہیں نظر آرہا جگہ جگہ گندگی کے ڈھیر ہیں اللہ اس مشکل سے بھی جلد نکال دے گا موسم نے ایک بار پھر کروٹ بدل لی ہے گرمی نے ڈیرے ڈالنا شروع کردیا ہے آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا ان سرد وگرم موسموں آپ کی آرا اور مشوروں کی منتظر رہوں گی۔

اس ماہ کے ستارے

☆ چاہتوں کے دکھ — محبت کی راہ میں جب انا کی فصلیں حائل ہوجائیں تو محبت کا وجود معدوم ہوجاتا ہے اقبال بانو کے دلنشیں انداز میں۔

☆ بڑا آدمی — دلوں کو نور ایمان سے فروزاں کرتا دلکش پیرائے میں سباس گل کا مکمل ناول۔

☆ تمہاری راہ دیکھی ہے — انتظار کے جانگسل لمحات وصل کے حسین لمحوں میں کیونکر بدلے جاتے ہیں نزہت جبیں کی تحریر میں۔

☆ تیرے خیال سے — حسد وبغض کے منفی جذبات نے محبت کے نوخیز شجر کو خزاں رسیدہ کرڈالا صائمہ قریشی کی موثر تحریر۔

☆ کیا کھیل عشق نے کھیلا — ہما ایوب شیخ اپنے مکمل ناول کے سنگ طویل عرصے بعد شریک محفل ہیں۔

☆ اسکینڈل — نوخیز کلیوں کے لیے نادیہ احمد کی بہترین اصلاحی کاوش ایک نئے انداز میں۔

☆ من کا سیپ — محبت کی متلاشی ایک لڑکی کی کہانی جو دام فریب میں الجھ کر رہ گئی۔

☆ بند گلی — تاریکیوں میں راستہ تلاش کرتی ایک ایسی لڑکی کی کہانی جس کا مقدر تاریکی ٹھہرا۔

☆ پر رحمت — صنف نازک، بنت حوا کو بوجھ سمجھنے والوں کے لیے مصباح علی کا بہترین پیغام۔

☆ حجاب — ترقی کی راہ میں حجاب کو رکاوٹ سمجھنے والوں کے لیے سبق آموز تحریر۔

☆ میں ایک لڑکی ہوں — صنف نازک کے جذبات کی ترجمانی کرتا عائشہ پرویز کا موثر مختصر افسانہ۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آرا

حمد

یارب مجھے سجدوں کی فراوانی دے
میری عبادت میرے جذبوں کو جوانی دے
تاحشر حمدیہ اشعار لکھوں میں
میرے قلم کو بس یہی کہانی دے
ملے خوابوں خیالوں میں تیرا محبوب ﷺ
ہر نیکی و خوشی ان ﷺ کی زبانی دے
گزاروں تیرے ذکر میں لمحہ لمحہ
سوچ میں وسعت، لفظوں میں روانی دے
حالات ہوں کوئی ہر بات کہوں تجھ سے
اعجاز دکھا ''کن'' کا زیست سہانی دے
کائنات کی ہر شے کا تو ہی ماخذ ہے، رہے گا
کوثر ہے تیری یا رب اسے آسانی دے

نعت

خزاں رسیدہ چمن کو بہار کر گئے
صحرا و دمن کو سنوار کر گئے
حسن تابانیاں تپتے ذروں کو دیں
نوری جلووں سے دامن گزار کر گئے
کنارے لگے ڈوبنے والے سب
بھنور میں گھری ناؤ اتار کر گئے
گرد آنکھوں کو دیدۂ بینا عطا کی
بصارتوں کے جالے خمار کر گئے
کیا بانگِ درا سے انہیں روشناس
قافلے ان کو جتنے پکار کر گئے
درود دل سے پڑھا تھا کبھی ایک بار
اپنی رحمت سے آپ ﷺ بے شمار کر گئے
میں محمد محمد ﷺ ہی پڑھتی رہی
جانے کب آپ ﷺ وفا شعار کر گئے
قبولیت کی سند مل گئی ہے مجھے
دل کوثر کو زارو زار کر گئے

(کوثر خالد......جڑانوالہ)

امہات المومنین

ندا حسنین

حضرت سودہ بنت زمعہؓ

آپ کا نام سودہؓ تھا' والد کا نام زمعہ بن قیس تھا جو قبیلہ عامر بن لوی سے تھے۔ ماں کا نام سموس بنت قیس تھا جو انصار کے خاندان بنو نجار سے تھیں۔

آپؓ کا پہلا نکاح اپنے چچازاد بھائی حضرت سکرانؓ بن عمرو سے ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سودہؓ کو نہایت صالح طبیعت عطا کی تھی جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت حق کا آغاز کیا تو آپ نے فوراً اسے قبول کرلیا اور اس طرح سابقون اولون میں شمار ہوئیں۔ ان کے شوہر نے بھی ان کے ساتھ اسلام قبول کرلیا۔ حبشہ کی دوسری ہجرت میں حضرت سودہؓ اور حضرت سکرانؓ بھی دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ حبش کی طرف ہجرت کر گئے کئی برس وہاں رہ کر مکہ واپس لوٹے' کچھ دنوں بعد حضرت سکرانؓ نے وفات پائی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت خدیجہ الکبریٰ نے وفات پائی تھی بن ماں باپ کے بچوں کو دیکھ دیکھ کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارکہ افسردہ رہتی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جان نثار صحابیہ حضرت خولہؓ بنت حکیم نے ایک دن بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض کیا۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدیجہؓ کی وفات کے بعد میں ہمیشہ آپ کو ملول دیکھتی ہوں۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں گھر کا نظام اور بچوں کی تربیت خدیجہ ہی کے سپرد تھی۔''

خولہؓ نے عرض کی ''تو پھر آپ ﷺ کو ایک رفیق وغم گسار کی ضرورت ہے اگر اجازت ہو تو آپ کے نکاح ثانی کے لیے سلسلہ جنبانی کروں۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا حضرت خولہؓ اب حضرت سودہؓ کے پاس تشریف لے گئیں اور ان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش بیان کی۔

حضرت سودہؓ نے بخوشی حرم نبوی بننے پر اظہار رضا مندی دی ان کے والد زمعہؓ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام قبول کرلیا اور 10 نبوی میں انہوں نے اپنی لخت جگر کا نکاح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے چار سو درہم پر خود پڑھا دیا۔ نکاح کے بعد ان کے صاحبزادے عبداللہ گھر تشریف لائے وہ ابھی تک مشرف با اسلام نہیں ہوئے تھے اس نکاح کا حال سن کر سخت رنجیدہ ہوئے اور سر پر خاک ڈالی' اسلام قبول کرنے کے بعد انہیں ساری عمر اپنی اس نادانی کا بہت قلق رہا۔

اپنے پہلے شوہر سکرانؓ کی زندگی میں حضرت سودہؓ نے ایک دفعہ خواب دیکھا کہ تکیہ کے سہارے لیٹی ہیں کہ آسمان پھٹا اور چاند ان پر گر پڑا۔ انہوں نے یہ خواب حضرت سکرانؓ سے بیان کیا' آپؓ نے کہا اس کی تعبیر یہ معلوم ہوتی ہے کہ میں عنقریب فوت ہو جاؤں گا اور تم عرب کے چاند محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آؤ گی۔

واقعی اس خواب کی تعبیر چند دن بعد پوری ہوگئی' بعض روایتوں کے مطابق حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی وفات کے بعد حضرت سودہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اور بعض کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ثانی ہوا۔

13 نبوی میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو حضرت ابو رافعؓ اور زید بن حارثؓ کو مکہ بھیجا کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ، ام کلثومؓ اور سودہؓ بنت زمعہؓ کو ساتھ لے کر آئیں چنانچہ وہ سب حضرت زیدؓ بن حارثؓ اور ابو رافعؓ کے ہمراہ تشریف لے آئیں۔

ام المومنین سیدہ خدیجہ بنت خویلدؓ کے وصال کے بعد ام المومنین حضرت سودہؓ وہ واحد زوجہ محترمہ تھیں جنہوں نے اپنی محبت ووفا اور خدمت گزاری وغم گساری کی شمع روشن رکھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی توجہ کا مرکز بنی رہیں اس دوران اپنے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کی وجہ سے ان کے اندر ایسا نکھار اور حسن پیدا ہوا جس کی بدولت 2 ہجری کے بعد حرم نبوی میں داخل ہونے والی خواتین کے لیے اپنی محبت اور بہترین سلوک کی بانہیں وا کردیں اور کسی نوع کی قربانی و ایثار سے دریغ نہ کیا۔

آیات حجاب کے نزول سے قبل ازواج مطہرات قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے جاتی تھیں حضرت عمر فاروقؓ کا خیال تھا کہ ازواج مطہراتؓ کو باہر نہ نکلنا چاہیے اس کے لیے وہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی عرض کرچکے تھے لیکن حضور خاموش رہے تھے۔ ایک دن حضرت سودہؓ قضائے حاجت کے لیے جنگل کی طرف جارہی تھیں کہ راستے میں حضرت عمر مل گئے، حضرت سودہؓ کا قد بلند و بالا تھا' حضرت عمرؓ نے انہیں پہچان لیا اور کہا "سودہؓ تم کو ہم نے پہچان لیا" حضرت سودہؓ کو حضرت عمرؓ کا یہ جملہ سخت ناگوار گزرا اور انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمرؓ کی شکایت کی' اس واقعہ کے بعد آیت حجاب نازل ہوئی اور تمام خواتین پردہ کی پابند ہوگئیں۔

حضرت سودہؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں 22 ہجری میں وفات پائی۔

حضرت سکرانؓ کے صلب سے ایک فرزند پیدا ہوئے جن کا نام عبدالرحمٰن تھا' انہوں نے خلافت فاروق میں جنگ جلولاء میں شرکت کی اور نہایت بہادری سے لڑ کر رتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

آپؓ کا وصال 14 ہجری میں ہوا' اس وقت آپ کی عمر 72 سال تھی۔ وصال سے قبل انہوں نے اپنے گھر کے متعلق وصیت فرمائی تھی۔

"میرے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد میرا گھر حضرت عائشہ صدیقہؓ کو دے دیا جائے۔"

جب ام المومنین حضرت سودہؓ کا وصال ہوگیا اور وہ اپنے محبوب آقا وشوہر رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دوسرے جہان میں تشریف لے گئیں تو حضرت عمر فاروق خلیفہ المسلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"مومنوں کی اس مقدس ماں کا جنازہ رات کو اٹھاؤ۔"

حضرت اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حبشہ میں عورتوں کی میت کے لیے پردہ دار مسہری بناتے دیکھا تھا لہٰذا انہوں نے حضرت سودہؓ کے لیے ویسی ہی مسہری تیار کی' جب اسے حضرت عمر فاروقؓ نے ملاحظہ فرمایا تو حضرت اسماء بنت عمیسؓ کو دعا دی اور فرمایا۔

"ستر تہا سترک اللہ' تم نے ان کو پردے میں ڈھانپا اللہ تعالیٰ تمہاری پردہ پوشی فرمائے۔"

جب جنازہ تیار ہوگیا تو اسے آخری منزل کی طرف لے چلے اور جنت البقیع میں لے جا کر قبر میں اتار دیا جو آخرت کی پہلی منزل ہے۔ حرم نبوی ﷺ کا ایک اور چراغ بجھ گیا تھا لیکن حقیقتاً اس کی روشنی آج بھی برقرار ہے اور قیامت تک رہے گی۔

صبا زرگر

ڈیئر قارئین اینڈ حجاب کی تمام ممبران کو ماہ دولت کی طرف سے السلام علیکم میرا نام صبا زرگر ہے اسکول اور کالج رجسٹروں میں میرا نام صباء رفاقت ہے' میرا تعلق جوڑہ سے ہے' اور میری تاریخ پیدائش 21 نومبر ہے۔ ہم چار بہنیں اور تین بھائی ہیں۔ میری سب سے بڑی آپی سنیاں زرگر ہے۔ جو یقیناً آپ لوگوں کی فرینڈ بھی ہے۔ دوسرے نمبر پر میں ہوں' تیسرے نمبر پر ذکا اور پھر بھائی رحمٰن ہیں اس سے چھوٹی صدف پھر علی مرتضٰی اور آخری میری جان جس کو جب میں شدت سے یاد کروں تو خدا ہم دونوں کو ملوا دیتا ہے۔ ریحان علی۔ میں سیکنڈ ایئر کی طالبہ ہوں۔ مجھے پڑھنے اور پڑھانے کا شوق ہے۔ جب میں نے میٹرک کا آخری پیپر دیا تو میں نے گھر آ کر سب سے پہلے ڈائجسٹ آنچل پکڑا تھا اور دن میں پندرہ پندرہ آنچل پڑھتی تھی۔ کیونکہ مجھے اسکول ٹائم میں آنچل پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ بقول آپی کے جب میں نے میٹرک مکمل کرلیا تب آنچل پڑھا' میں اپنے پاپا سے بہت پیار کرتی ہوں' میری پسندیدہ رائٹرز میں نازیہ آپی' سمیرا آپی' ام مریم' اور اقرا صغیر ہیں' ان سب سے میں دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ میرا گھر کے کام کرنے کو دل نہیں کرتا مگر جب کرنے پر آتی ہوں تو سب ہی کرلیتی ہوں' میں اپنے دل کی ہر بات آپی شفاء اور رومین سے شیئر کرتی ہوں۔ بقول گھر والوں کے غصہ کم کرتی ہوں' میری آنٹی صائمہ کہتی ہیں پاپا کی طرح اس کا دل بھی نرم اور حساس ہے' میں ہر ایک پر آنکھ بند کرکے یقین کرلیتی ہوں' تھوڑا سا جھوٹ بول لیتی ہوں' اب بات ہوجائے فیورٹ چیزوں کی تو جناب فیورٹ ڈش میں آنٹی صائمہ کے ہاتھ کی بریانی' پلاؤ' راج ماہ چاول' میٹھے میں کھیر' کسٹرڈ' آئسکریم' من پسند ہیں۔ آپ لوگ سوچ رہی ہوں گی کہ آنٹی صائمہ کون ہیں تو یہ میری سیکنڈ مما ہیں۔ پہلی مما کی ڈیتھ ہوچکی ہے' موڈی ہوں ہر کام اپنی مرضی سے کرتی ہوں۔ اگر دل نہ ہو تو آپی کو کہتی ہوں وہ کردیتی ہیں' بارش بہت انجوائے کرتی ہوں بھیگ کر بارش چاہے سردیوں کی ہو یا گرمیوں کی بہت پسند ہے' گھومنے کا بہت شوق ہے' سفر چاہے شام کا ہو یا دن کا بہت انجوائے کرتی ہوں۔ پہاڑوں پر چڑھنے کا شوق ہے۔ جھیل اور سمندر کی گہرائی بہت پسند ہے اور ایسے ہی گہرے لوگ پسند ہیں' پھولوں میں گلاب اور رات کی رانی پسند ہے' گلاب سفید اور سرخ دونوں پسند ہیں' گیلی مٹی کی خوشبو بہت پسند ہے' پودے لگانے کا شوق ہے مگر میرا یہ شوق میری پھوپو اقصٰی پورا کردیتی ہیں مختلف پودے لگا کر' پھل شوق سے کھاتی ہوں' مگر آم کی دیوانی ہوں۔ کھانے میں نخرے کرتی ہوں' لباس میں لانگ شرٹ اور ٹائس پسند ہیں' اور ساتھ میں بڑا سا دوپٹہ بھی۔ جیولری میں باریک سی چین' بریسلٹ اور رنگ پسند ہے اور عموماً پہنتی بھی ہوں' سنگر میں راحت فتح علی خان' نصرت فتح علی خان' عاطف اسلم' پسند ہیں۔ سیڈ گانے سنانا اور سننا پسند ہیں۔ میری فیورٹ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم' میرے پاپا اور علامہ اقبال ہیں۔ میری بہترین دوستیں آمنہ' ثناء' کنزیٰ' گلناز' رومین' اروا' علینہ' عفیفہ ہیں۔ رومین میری بچپن کی

دوست ہے' ردا میری کزن ہے اور دوست بھی۔ میری طرح وہ بھی آنچل کی دیوانی ہے۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے سے گفٹ لینا اور دینا بہت پسند ہے

سائرہ رضی

السلام علیکم! پیارے قارئین سب کو میری طرف سے خلوص بھرا اسلام قبول ہو۔ مابدولت کو سائرہ رضی کہتے ہیں۔ جناب 9 مئی کی گرما گرم شام کو ٹھنڈک بکھیرنے اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئی۔ ہم چھ بہن بھائی ہیں۔ یعنی دو بھائی اور چار بہنیں۔ سب سے بڑی آپی شادی شدہ اور ایک کیوٹ سے بیٹے انزل شہریار کی مما جانی ہیں' میرا نمبر چوتھا ہے۔ اور میں بی اے کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ ماشاء اللہ پورا خاندان ویل ایجوکیٹڈ ہے۔ اور نعت خواں خاندان کی وجہ سے مشہور ہے جن میں مابدولت کا نام صف اول ہے۔ آئیڈیل شخصیت حضور پاک ﷺ ہیں۔ اپنے والدین سے بہت پیار کرتی ہوں۔ میرے ابو جی' اٹامک فورس میں ہیں اور امی جان' ہاؤس وائف ہیں۔ میری امی جان دنیا کی عظیم ماں ہیں اور ہمارے لئے دوستوں کی طرح ہیں۔ آئی لو یو سو چ امی جان! بظاہر بہت اسمارٹ اور سٹرونگ ہوں مگر اندر سے بہت حساس ہوں' لیکن کبھی کسی کے سامنے آنسو نہیں بہائے کیونکہ میرے خیال میں آنسو صرف اللہ کے سامنے بہانے چاہئیں کیونکہ وہی انسان کی تکلیف کو دور کرتا ہے۔ اور بندے کو صبر عطا کرتا ہے۔ میرے چہرے پر ہلکی سی مسکان ہر وقت رہتی ہے جس کی سب بہت تعریف کرتے ہیں' بقول سونوں کے (سائرہ تمہارے گال پر جو ہلکا سا ڈمپل پڑتا ہے نا اس کے بھنور میں ہزاروں دل ڈوبتے ہوں گے) پلیز شک میں مت پڑ جایئے گا' سونوں میری کلاس فیلو ہے' کلرز میں مجھے وائٹ اینڈ ریڈ کے ساتھ شاکنگ پنک کلر پسند ہے' لباس میں لانگ شرٹ اور چوڑی دار پاجامہ اور ساڑھی پہننا اچھا لگتا ہے۔ اپنے نین نقش میں مجھے اپنی آنکھیں بہت پسند ہیں' کیونکہ میری آنکھوں کا رنگ ڈارک براؤن ہے۔ وہ لوگ جن کی آنکھوں کا رنگ ڈارک براؤن ہو وہ لوگ پرکشش شخصیت کے مالک ہوتے ہیں۔ سردیوں کی شامیں گرمیوں کی راتیں اور قدرتی مناظر میری ذات کو بہت اٹریکٹ کرتے ہیں۔ شاعری سے جنون کی حد تک عشق ہے' اس لیے کبھی کبھی ٹائم نکال کر شاعری کرتی ہوں۔ اور ہر ویک پر آنے والے "تلہ گنگ ٹائمز" میں میرے شعر آتے ہیں تو بہت خوشی ہوتی ہے۔ کوکنگ بہت اچھی کر لیتی ہوں' کھانے میں مجھے بریانی' فروٹ کسٹرڈ' دال کا حلوہ بہت پسند ہے' خوشبو میں چارلی اور Doit پسند ہے۔ پھولوں میں گلاب اور موتیا بہت اچھے لگتے ہیں۔ پھول تحفے میں دینا اور لینا بہت اچھا لگتا ہے' سنگرز میں راحت فتح علی خان' نصرت فتح علی خان' حمیرا چنا' نور جہاں' آشا اور کمار سانو کی آواز بہت اٹریکٹ کرتی ہے۔ بہت نرم اور کھلے دل کی مالک ہوں۔ مگر ایک عادت جو بعض اوقات بہت پریشان کرتی ہے وہ عادت یہ ہے کہ مجھے غصہ بہت آتا ہے' جس کی ایک وجہ میری صاف گوئی بھی ہے۔ بہت کوشش کرتی ہوں کہ کوئی بھی میرے غصے کا نشانہ نہ بنے سوائے تکیوں کے' کرکٹ میچ بہت اچھا لگتا ہے' میری نیک دعائیں میرے پیارے ملک اور پاک ٹیم کے لیے ہمیشہ سایہ فگن رہیں گی۔ مشکل اردو بولنا اور لکھنا اچھا لگتا ہے۔ شاعروں میں احمد فراز' محسن نقوی' وصی شاہ' پروین شاکر اور سچل سرمست

بہترین شاعر ہیں۔ دوستی کرنا اور نبھانا بہت اچھا لگتا ہے۔ میری دو دوستیں شہلا اسلم، بلقیس بیگم ہیں جو بہت اچھی ہیں۔ اس کے علاوہ میری کزن اقصیٰ یونس اور صائمہ بھی بہت اچھی ہیں۔ او کے بس اب آپ کو اور بور نہیں کر رہی' اس لیے ایک آخری بات کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں کہ کبھی کسی کا حق مت چھینیں یہ سوچ کر کہ آپ کا حق ہے آپ کو ضرور ملنا چاہیے' بلکہ یہ سوچ کر صبر کریں کہ آپ کا حق اگر آپ کے حق میں ہوا تو آپ کو ضرور ملے گا۔ (فی امان اللہ)

زنیرا ذوالفقار

ڈیئر قارئین اینڈ اسٹاف' السلام علیکم! اف آپی ...... اتنی دیر لگا دی آپ نے دروازہ کھولنے میں۔ میرا تو گرمی کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ خیر چلیے اب ذرا تعارف کا مرحلہ طے کرتے ہیں۔ میرا نام زنیرا ذوالفقار ہے۔ میں گجرات کے گاؤں لدھا سدھا کی باسی ہوں۔ ہماری کاسٹ راجپوت' جنجوعہ ہے۔ مابدولت 19 دسمبر کی سرد گر رومینٹک صبح کو اس دنیا میں اپنے والدین کا آنگن قلقاریوں اور خوشیوں سے بھرنے آئی (آخر ددھیال میں پہلی اولاد جو تھی) میں B.S.C پارٹ ٹو کی اسٹوڈنٹ ہوں اور M.S.C میتھ کرنا میرا سب سے بڑا خواب ہے۔ ہم تین بھائی اور تین بہنیں ہیں' میرا نمبر سب سے پہلا اور پھر بھائی ارسلان' بھائی رحمٰن' عافیہ' فضاء اور سب سے آخر میں فرحان ہے (جس میں میری جان ہے) میرا اسٹار قوس ہے جس کی تمام خوبیاں اور خامیاں مجھ میں موجود ہیں۔ میری والدہ حیات ہیں جبکہ والد صاحب وفات پا چکے ہیں۔ آنچل سے میری ملاقات نومبر 2008ء میں ہوئی اور تب سے اس کی لت لگ گئی ہے (بقول امی کے) سب سے پہلا ناول جو میں نے پڑھا وہ سمیرا شریف طور کا ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' ہے اور نازیہ کنول نازی کا ''پتھروں کی پلکوں پر'' تو جیسے میرے دل میں گھر کر گیا ہے۔ عشناء کوثر سردار' سندس جبین' اقراء صغیر احمد' سعدیہ اال' سباس گل' عفت اور عمیرہ احمد بھی بہت اچھا لکھتی ہیں۔ عمیرہ احمد کا ''پیر کامل'' میرا موسٹ فیورٹ ہے۔ میری پسندیدہ ہستی حضرت محمد ﷺ ہیں ان کے بعد میرے والد صاحب اور پھر میری چھوٹی پھوپو ہیں کھانا بنانے کا اتنا شوق نہیں جتنا کھانے کا ہے۔ میٹھے میں ڈیزرٹ اور فالودہ جبکہ نمکین میں چاول پسند ہیں۔ میرا مشغلہ ڈائجسٹ پڑھنا ہے (میرے پاس آنچل کا فل کلیکشن ہے 2008ء سے اب تک) موسم سردیوں کا پسند ہے' لباس میں لانگ شرٹ کے ساتھ چوڑی دار پاجامہ اور بڑا سادہ دوپٹہ پسند ہے' جیولری میں ہلکا سا نیکلس اور رنگ پسند ہے' میک اپ میں کاجل اور لپ اسٹک پسند ہے' میں بہت موڈی ہوں' بقول فرینڈ ضدی اور نخریلی بھی ہوں' ہر کسی سے بہت زیادہ فرینک ہو جاتی ہوں' باتیں نان اسٹاپ کرتی ہوں' سیڈ میوزک پسند ہے' نصرت فتح علی خان کی تمام غزلیں اور قوالیاں مجھے بہت پسند ہیں۔ ایکٹرز میں عمران عباس' اور ہیرو شاہد کپور جبکہ ہیروئن مادھوری ڈکشت اور ایکٹریس صبا قمر بہت پسند ہیں۔ فیورٹ کلرسی گرین اور آف وائٹ ہے' شاعری سے جنون کی حد تک لگاؤ ہے' وصی شاہ اور پروین شاکر میرے موسٹ فیورٹ ہیں۔ سرخ گلاب کا پھول اور خوشبو بلیولیڈی' پسند ہے۔ مجھ میں برائی (بلکہ برائیاں) یہ ہیں کہ بہت فرینڈلی

ہوں' جی ہاں' یہی میری سب سے بڑی برائی ہے کیونکہ اسی کی وجہ سے میں دھوکہ کھا جاتی ہوں' غصے کی تیز ہوں اور خوبی یہ کہ بہت اچھی رازداں ہوں' مہوش سیف' زنیرا مظہر' ربیعہ' نور' ماریہ' سمیعہ' نفیسہ' مہوش' صباء' زینیہ اور اقصیٰ میری بہترین دوست ہیں۔ میری سب سے بڑی خواہش اپنی امی جان کو روضہ رسول کی زیارت کروانا ہے ملائیشیا اور سوئزرلینڈ جیسے ممالک کی سیر کرنا چاہتی ہوں' کزنز میں مجھے سحرش' اقصیٰ' شمسہ' رمشہ' مناہل' زرش' صیغہ' نائلہ' سدرہ اور اقراء پسند ہیں۔ تعارف بہت لمبا ہو گیا نا...... دعاؤں میں یاد رکھیے گا' اللہ نگہبان۔

انعم امانت

السلام علیکم! تمام حجاب اسٹاف اور پڑھنے' لکھنے والوں کو میری طرف سے محبت بھرا اسلام' مابدولت کو انعم امانت کہتے ہیں۔ میں پاکستان کی عظیم الشان اور پررونق رات 14 اگست 1992ء کو اس روشن زمین پر آزادی کی وادیوں میں گھومنے اور آپ کو ستانے کے لیے آپ سے ملنے کے لیے اللہ کی طرف سے ایک نعمت اپنے والدین کو سونپی گئی۔ ہائے ہائے او ڈیئر جی ہم 10 بہن بھائی ہیں جن میں میرا نمبر چھٹا ہے۔ ہم چھ بہنیں اور چار بھائی ہیں۔ ایک بھائی کی اور تین بہنوں کی شادی ہو چکی ہے۔ میں نے ابھی اسلامیات میں ماسٹر کیا ہے اور ساتھ ہی بی ایڈ بھی۔ چلیں ڈیئر آپ کو بتاتی چلوں کہ مجھے پھلوں میں آڑو اور خوبانی پسند ہے اور باقی کے بس کھا ہی لیتی ہوں۔ ویسے سفید چنے اور سفید چاول کھانے میں بہت پسند ہیں۔ چکن بالکل پسند نہیں ہے۔ سبزیوں میں کدو شریف کے ساتھ تندور کی روٹی گرما گرم بہت پسند ہے۔ رنگوں میں رنگ سفید' پیلا اور بلیک بہت پسند ہے۔ دوستوں میں خاص دوست سدرہ' ہاجرہ' نفیسہ اور ارم لوگ ہیں' اور باقی اسٹوڈنٹ سارے ہی اچھے ہیں مگر ان میں مشرفہ' فاطمہ' اور کومل بیسٹ ہیں۔ کیونکہ ان سے دوستانہ تعلقات ذرا زیادہ ہیں۔ ویسے بیسٹ فرینڈ ایف۔ اے سے لے کر اب تک نفیسہ بتول ہے جو کہ میری کلاس فیلو بھی ہے۔ میں بہت جذباتی ہوں اور میری کمزوری ہے کہ میں کسی پر بھی یقین بہت جلد کر جاتی ہوں۔ غصہ بہت کم آتا ہے مگر جب آتا ہے تو بہت ہی زیادہ آتا ہے۔ اور وہ غصہ میں نکالتی بھی خود پر ہی ہوں یہ میری اس سے بھی بڑی کمزوری ہے۔ ہمارے گروپ کا نام لاڈلا گروپ اور چوٹی گروپ ہے۔ میں بہت اسمارٹ ہوں سب کہتے ہیں' سنڈی اور چوٹی لیکن میں مائنڈ نہیں کرتی کیونکہ یہ حقیقت ہے جس سے انکار کرنا اچھا نہیں لگتا۔ حقیقت کو بہت جلد تسلیم کر لیتی ہوں۔ اور ایک بات کہ میں تنہائی پسند بھی ہوں تنہائی میں دوستوں کو مس کرنا میرا پسندیدہ مشغلہ ہے اور سردیوں میں ناول پڑھنا اور بھی زیادہ پسندیدہ اور فیورٹ مشغلہ ہے اسی کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں اور دعا ہے کہ اللہ رب العزت آپ سب کو صحت کاملہ عطا فرمائے (آمین) اللہ حافظ!!

سباس گل

فصیحہ آصف خان

تمام قارئین حجاب کو خلوص بھرا سلام پہنچے آج آپ فصیحہ آصف کے بارے میں کچھ جانیے۔

☆ اصل نام کیا ہے، کہاں پیدا ہوئیں اور تعلیم؟

ج: اصل نام یہی ہے فصیحہ آصف خان، ملتان میں 26 اگست کو پیدا ہوئی اور تعلیم بی اے ہے۔ ساتھ ہی کچھ عربی زبان کے کورسز کیے، کچھ اپنا مختصر تعارف کروادوں۔ شروع سے ہی مطالعہ کا شوق رہا ہے، بے شمار کتب پڑھیں سو لکھنے کا شوق پیدا ہوگیا، افسانے، ناولٹ، شاعری، تبصرے، انٹرویوز کافی کام کیا جو پسند بھی کیا گیا۔

☆ لکھنے کا محرک کیا رہا؟ شاعری یا نثر کہاں کامیابی ملی؟

ج: لکھنے کا محرک معاشرے میں پھیلے واقعات و تلخ حقائق اور کامیابی دونوں اصناف میں ملی جب لکھنے کی بات آتی ہے میں نے تقریباً ہر صنف میں طبع آزمائی کی، شاعری، افسانہ نگاری، ناول، کتابوں پر تبصرے، مضامین، انٹرویو...... مجھے کاغذ اور قلم سے عشق ہے، سو عشق کی کوئی انتہا نہیں۔

☆ آپ کی نظر میں لکھنا خداداد صلاحیت ہے یا محض شوق؟

ج: سباس! یہ سراسر خدا پاک کی طرف سے تحفہ خاص ہے، جو ہر کسی کو نہیں ملتا۔ لکھنا شوقیہ یا وقتی نہیں ہوتا بلکہ یہ وہ الفاظ ہوتے ہیں جنہیں شدت سے محسوس کرکے قلمبند کیا جاتا ہے چونکہ لکھاری حساس ہوتا ہے اس کے تمام تر پُراثر الفاظ اس کے اندر سے برآمد ہوتے ہیں اور صفحہ قرطاس پر بکھر کر تخلیق صورت سامنے آتے ہیں۔

☆ کیا شاعری سچ بولتی ہے؟

ج: کسی حد تک یہ بات درست ہے، اس کی سب سے بڑی مثال شاعر مشرق علامہ اقبال ہیں جن کی شاعری سچی، کھری اور درست سمت کا تعین سکھاتی ہے۔ ان کی شاعری میں حوصلہ، ولولہ، امنگ اور نئی جہتوں کی آوازیں شامل ہیں سو شاعری واقعی سچ بولتی ہے۔

☆ آپ کو ذاتی طور پر کیا پسند ہے غزل یا نظم؟

ج: غزل کا حسن بیاں الگ ہے اور نظم کی دلکشی سے انکار نہیں تاہم مجھے حدود میں قید آزاد نظم زیادہ پسند ہے۔

☆ کیا یہ سچ ہے کہ خواتین کی شاعری سے ان کے کردار کو پرکھا جاتا ہے؟

ج: آپ شاعری کی بات کرتی ہیں فی زمانہ تو خواتین

کے منہ سے نکلے ہوئے ہر لفظ کو پرکھا جاتا ہے‘ ان کے کردار کے حوالے سے۔ نہ صرف بولنا بلکہ ان کا چلنا پھرنا‘ رہن سہن‘ انداز گفتگو سو میری ناقدین سے گزارش ہے کہ وہ شاعری کو صرف شاعری کی حد تک تنقید کا نشانہ بنائیں نہ کہ کسی کے کردار کی دھجیاں اڑائیں۔

☆ خاتون اور مرد کی شاعری میں بنیادی فرق کیا ہے؟

ج: عورت نازک و کومل احساسات کی مالک ہے‘ اس کی شاعری میں نسائی رنگ نمایاں ہوتا ہے۔ وضع دار خواتین شعراء کی شاعری میں ایک وقار اور بانکپن ہوتا ہے جو اسے مردوں سے ممتاز کرتی ہے۔ وہ نازک جذبوں اور ممتا کی بات کرتی ہے اپنے دکھوں کا اظہار بھی نفاست پسندی سے دکھاتی ہے جبکہ مرد حضرات کی اکثریت شباب و شراب سے لبریز (یہاں سب نہیں چند شعرائیں) جسمانی خدوخال کے حوالے سے شاعری کرتے نظر آتے ہیں۔ غالب‘ میر‘ درد‘ ذوق‘ علامہ اقبال‘ ناصر کاظمی‘ محسن نقوی‘ احسان دانش اور حفیظ جالندھری ان کا کلام دل کی گہرائیوں میں اترتا ہے سو ملا جلا رد عمل سامنے آتا ہے۔

☆ ایک لکھاری کے لیے پذیرائی اور داد و تحسین کتنی ضروری ہے؟

ج: تعریف و توصیف اچھے کام پر ہر انسان کا حق ہے جب کوئی لکھاری دل کی گہرائیوں سے کچھ لکھتا ہے اگر یہ قابل تعریف بھی ہے تو اس کا حق بنتا ہے کہ اس کی تعریف کی جائے یہ کسی ایوارڈ کی صورت میں بھی ہوسکتی ہے۔

☆ کیا شاعری سے معاشرے کی اصلاح ہوسکتی ہے؟

ج: کیوں نہیں‘ شاعر صرف شعر نہیں کہتا بلکہ اپنے کلام کے ذریعے وہ بات کر جاتا ہے جو کسی کے لیے مشعل راہ ثابت ہوسکتی ہے۔ شاعر اردگرد کے واقعات و حالات کا بغور مشاہدہ کرتا ہے اگر اس کی شاعری میں اصلاح کا پہلو آجائے اور کوئی سمجھنے والا اس سے اچھائی کا پہلو نکال کر اپنا قبلہ درست کرے تو اس سے اچھی اور کیا بات ہوسکتی ہے۔

☆ آپ کی شاعری میں غم جاناں کا ذکر ہے یا غم دوراں کا؟

ج: میری شاعری میں آپ کو غم جاناں کا ذکر زیادہ ملے گا‘ غم دوراں کا بھی کہیں کہیں حوالہ ملتا ہے۔ میرا ابھی تک ایک ہی مجموعہ کلام آیا ہے‘ محبت سانس لیتی ہے۔

☆ محبت سانس لیتی ہے‘ اس مجموعہ کو کیسا پایا گیا؟

ج: جی اس کو کافی پذیرائی ملی اور تین عدد ایوارڈ بھی اس کے حصے میں آئے۔ دو فیصل آباد کی ادبی تنظیموں نے دیئے اور ایک ایوارڈ ملتان کی ادبی تنظیم صدائے امن خاموش ایوارڈ ملا۔ اسی طرح میری دو نثری کتابیں بھی منظر عام پر آچکی ہیں۔ ”جیون جھیل میں چاند کرنیں“، ”عشق کا کوئی انت نہیں“ یہ دونوں مجموعے ہیں جنہیں نواب پبلی کیشنز نے پنڈی سے شائع کیا۔

☆ آپ کو کن شعراء کا کلام پسند ہے اور ادیب کون سے پسند ہیں؟

ج: سباس بہن! ایک لمبی فہرست ہے تاہم علامہ اقبال‘ میر‘ فراز‘ پروین شاکر‘ محسن نقوی ادبا میں شورش کاشمیری‘ اے حمید‘ بانو قدسیہ‘ ناہید سلطانہ اختر‘ عمیرا احمد اور تقریباً بھی نئے پرانے سب کو پڑھ کر اچھا پایا۔

☆ چاندنی راتوں اور شاعری کا کیا تعلق ہے؟

ج: موسم اور مزاج شاعروں پر بہت اثر انداز ہوتے ہیں اسی طرح چاندنی راتوں کا فسوں جب چاند ہر سو اپنی ضوفشانیاں بکھیر رہا ہوتا ہوں‘ ٹھنڈی میٹھی خاموش چاندنی میں قدرتی طور پر اشعار کی آمد ہوتی ہے۔ نہ صرف چاندنی رات بلکہ بارش‘ دھند‘ خوشبو ان حالات میں شاعر کے محسوسات شاعرانہ ہوجاتے ہیں۔

☆ آپ کی کہانیوں کا خاص موضوع کیا ہے؟
ج: میری کہانیوں کا خاص موضوع ایک مشرقی لڑکی' روایات کی پابند لڑکی ہے اور محبت وخلوص کا پیکر' میں نے اب تک جتنے بھی ناولز' افسانے لکھے سب کے الگ الگ موضوعات ہیں مگر کوشش یہی ہوتی ہے کہ کوئی سبق کا پہلو ہو' جس سے کسی کا فائدہ ہو۔
☆ پہلی کہانی شائع ہونے پر آپ کا کیا ردعمل تھا؟
ج: بے حد خوش کہ میں صرف اور صرف اللہ کے کرم اور اپنی محنت سے اس مقام تک پہنچی' اس میں ادارہ آنچل کا خاص تعاون شامل رہا۔
☆ آپ کے گھر میں آپ کو سپورٹ' کیا گیا یا مخالفت ہوئی؟
ج: ویسے گھر میں تو سب پڑھے لکھے تھے مطالعہ کے شوقین بھی' ادبی ماحول تھا۔ اسی لیے بہت کم عمری میں بڑے بڑے ادباء کو پڑھ ڈالا یوں میرا ماحول ہی میرے لیے سازگار بنا۔ گھر والوں کو کوئی اعتراض نہ تھا اور اب میاں جی بھی خوش ہوتے ہیں کسی نے کوئی مخالفت نہ کی۔ والد صاحب بہت خوش ہوکر بتاتے تھے اور اب میاں جی میرے ادیبہ ہونے کا حوالہ دے کر خوشی محسوس کرتے ہیں۔
☆ آپ کی فیورٹ تحریر کون سی ہے؟
ج: ایک تو میں نے کشمیر کے موضوع پر لکھی تھی ''آزادی کا سورج'' اور ایک معاشرتی افسانہ ''اللہ والی'' یہ دونوں بہت پسند ہیں۔
☆ کس موضوع پر لکھنا آپ کو پسند ہے؟
ج: لکھاری ہر موضوع پر دل سے لکھتا ہے' سو میں نے بے شمار موضوعات پر لکھا مگر گھریلو' معاشرتی موضوعات زیادہ پسند ہیں۔
☆ کیا لکھنا آسان ہے؟
ج: نہیں' خونِ جگر جلا کر لکھنا پڑتا ہے اس پر ایک شعر یاد آ گیا

ہم جو اتنے رنج والم سہتے ہیں
پھر کہیں جا کے غزل کہتے ہیں

☆ زندگی سے کیا سیکھا آپ نے؟
ج: زندگی اللہ کی نعمت ہے اور ہمیں اس لیے بھیجا گیا کہ اچھے اعمال کر کے آخرت سنواریں' دارِ عمل ہے زندگی مگر زندگی ہے بہت مشکل چیز ایک جملہ جو میں نے زندگی کے اتار چڑھاؤ دیکھنے کے بعد لکھا ''زندگی بے آب وگیاہ تپتے صحرا کی مانند ہے جس پر قسمت برہنہ پاؤں چل رہی ہے اور جل رہی ہے'' ویسے تو زندگی کا اصل یہ ہے

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

☆ زندگی کا خوشگوار لمحہ؟
ج: بہت سارے ہیں مگر سب سے خوشگوار لمحات جب میں نے عمرہ اور پھر اگلے ہی سال حج کیا۔
☆ زندگی کا تکلیف دہ لمحہ؟
ج: آہ...... والدہ صاحبہ کی وفات پھر تین ماہ بعد ہی والد صاحب بھی چل بسے۔
☆ آپ کا آئیڈیل؟
ج: صرف اور صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ۔
☆ لکھنے کا مقصد؟
ج: اندر کی گھٹن نکالنا' ایک بے چینی کی کیفیت جو لکھنے کے بعد قرار میں ڈھل جاتی ہے۔
☆ کن کن رسالوں میں اور کہاں کہاں لکھا؟
ج: میں نے اب تک بہت لکھا' آنچل' پاکیزہ' دوشیزہ' ریشم' حنا اسی طرح اخبارات میں مضامین خبریں' جنگ' سرائیکی اور پنجابی شاعری بھی چھپتی رہتی ہے۔ ادبی جرائد میں تخلیق' بیاض' ماہِ نو' صدائے دل' سو جھلا کے علاوہ اخبار سنگِ میل اور رسائل میں شامل ہوتی ہوں۔ سب سے بڑھ کر میں نے بے شمار شاعروں کی کتب پر تبصرے کیے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے اور چل رہا ہے۔

☆ کھانے میں کیا پسند ہے؟

ج: کھانے میں جو حلال شے مل جائے ویسے پلاؤ اور چکن کڑھائی۔

☆ رنگ' لباس' کھیل' اداکارہ کیا پسند ہیں؟

ج: کالا اور گلابی' براؤن...... شلوار قمیص...... کرکٹ...... وحید مراد' جمال شاہ' مادھوری' مدھو بالا' راج کپور۔

☆ مشاغل کون سے پسند ہیں؟

ج: مشغلہ لکھنا' اس کے علاوہ سب کام خود کرنا' فرصت نہ ملتی ہے نہ پسند ہے۔ میرا قلم اور دماغ ہر دم متحرک رہتے ہیں۔

☆ شہرت، عزت اور دولت میں کیا پسند ہوگا؟

ج: عزت والی شہرت اور اتنی رقم کہ گزارا ہوجائے' کوئی طمع نہیں۔

☆ پسندیدہ شعر؟

ج: ہمارا ساتھ نہ چھوڑا سیاہ بختی نے
قدم قدم پر ملی اور بار بار ملی

☆ حجاب کے قارئین کے نام کوئی پیغام؟

ج: میرا پیغام محبت ہے' جہاں تک پہنچے اور آنچل کے ساتھ ساتھ حجاب کی بھی پابندی کیجیے۔

آخر میں اپنی پیاری بہن سباس گل کی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس قابل سمجھا کہ میری ذات کی پرتیں آپ پر کھلیں۔

☆ بہت شکریہ فصیحہ جی۔

ج: کچھ شاعری کے نمونہ جات حاضر ہیں

غزل

اجلے اجلے کالے دل
جھوٹی باتیں مٹیالے دل
سندرتا ہے روپ بظاہر
اندر نفرت والے دل
مان لے ایک بات میری
ذرا تو بھی سجالے دل
مطلبی لوگ دنیا کے
جہاں سے اب اٹھالے دل
تیری یہ ترچھی نگاہیں
کون لرزتا سنبھالے دل
وہ نہ اب گزرے گا
اس راہ سے ہٹالے دل
ہوگا کوئی تو اپنا بھی
اس امید پر لگالے دل
ہر کوشش رہی ہے بے سود
کیسے تجھ کو نکالے دل
تنہائی جاں کا روگ
چھوڑ انا بسالے دل
سزا نہ دے اور اسے
اونگھتا ہے سلالے دل

نظم "دیر"

اس نے آ کر رکھا بھی
مرہم اس وقت
جب میرے سارے زخم
مندمل ہوچکے تھے
خواب مکمل ہوچکے تھے

نظم "قید"

اس نے چھڑایا ہاتھ
تو احساس ہوا
آج تک
اس خالی ہاتھ میں
لمس کی صورت
قید ہے اس کا دل

''ماں کی آغوش'' کہتے ہیں ماں بچے کی پہلی درس گاہ ہوتی ہے اور اسلام میں عورت کو یہ مقام حاصل ہے کہ ماں بنتے ہی قدموں تلے جنت رکھ دی جاتی ہے...... میری ماں جن کے بارے میں مجھ سے زیادہ میرا خاندان باتیں کرتا ہے مزے کی بات وہ اپنے گھر کی بیٹیوں میں سب سے چھوٹی تھیں اور میں اپنے بھائی بہنوں میں چھوٹی ہوں اور شکل میں بھی ان جیسی ہوں ماشاءاللہ......

میرا اور امی کا ساتھ زیادہ عرصہ نہیں رہا لیکن جتنا بھی گزرا چونکہ میں ایک تو سب سے چھوٹی اوپر سے لاڈلی تو ظاہر ہے نخرے ضدیں بھی...... اور تنگ کرنا پریشان کرنا سب اس میں آجاتا ہے...... مجھے یاد نہیں پڑتا میں نے کبھی کھانے پینے کے معاملے میں تنگ کیا ہوگا بلکہ میں نے تو بہت چھوٹی عمر میں کوکنگ کا بھی شوق مول لے لیا تھا اور غالباً میں آٹھ، نو سال کی تھی امی نے ہی دال پکانا سکھایا اسی طرح کچھ نہ کچھ امی سے سیکھتی رہی...... امی میری ورکنگ وومن تھیں......

میں اکثر ان کے ساتھ آفس بھی جاتی تھی ان کے اسٹاف سے دوستی تھی جب میں حیدرآباد رہنے جاتی تھی تو روز فون کرکے سب سے پہلے ان کی پی۔اے سے بات کرتی تھیں پھر امی بات کرکے حال احوال لیتی تھیں اور یہی عمل کالج تک رہا روز ہی فون کرنا اور دن بھر کا حال پوچھنا......

یادیں ہی ہیں میرے پاس...... میں روز جو بھی فرمائش کرتی پوری ہوجاتی تھی مجھے کبھی کسی چیز کے لیے منع نہیں کیا......مزے کی بات بتاؤں میری بچپن کی عادت کہ میں سونے سے پہلے دعا کرتی تھی بلکہ امی کرواتی تھیں کہ مجھے اسکول کے لنچ کے لیے کیا چاہیے تو امی کو بتاتی تھی اگلے دن جب اٹھتی تھی وہ چیزیں میرے تکیے کے نیچے موجود ہوتی تھیں اور امی نے نام بھی دیا ہوا تھا نیکی کے فرشتے...... جی ہاں وہ میرے لیے نیکی کے فرشتے ہوتے تھے یہ سلسلہ کافی سالوں چلا اور میں اسکول میں مزے مزے سے ان نیکی کے فرشتوں کے بارے میں بتاتی تھی......

میرے اور امی کے کپڑے ایک جیسے ہوتے تھے کبھی کلر کا بھی فرق ہوتا تھا امی تو بس بنے بنائے میرے سامنے رکھ دیتی تھیں کہ یہ کپڑے بنوائے ہیں یا مجھے چوائس دیتی تھیں کہ پسند کرلو امی کو اکثر سفید رنگ کے جوڑے میں دیکھا اور ان پر کھلتا بھی خوب تھا اب یہی بات مجھے بھی کہی جارہی ہے میں کم ہی سفید پہنتی ہوں پر جب بھی پہنا بھرپور پذیرائی ملی۔

امی کو موبائل استعمال کرنا نہیں آتا تھا...... انہیں کمپیوٹر بھی تھوڑا بہت چلانا میں نے سکھایا اور جب معصوم بچوں کی طرح کہتیں کہ مجھے نہیں آرہا مجھے مزہ آتا تھا...... اور جب میرا سکھایا ہوا وہ کرجاتی تھیں تو وہ خوش ہوجاتی تھیں۔

امی میری ہر دوست سے واقف تھیں اور میں بھی

انہیں بتادیتی تھی جس دوست کے گھر جانا ہوتا تھا امی اس دوست کا نمبر لے کر رکھتی تھیں...... امی جیسا کہ اپنے بھائی بہنوں میں چھوٹی تھیں تو سب کو ان سے پیار بھی بہت تھا...... اپنے بھانجے بھانجیوں، بھتیجے بھتیجیوں کے لیے وہ آپا تھیں...... اپنے بہن بھائیوں میں کبھی کوئی ناراضگی ہوجائے تو امی ہی سب کی صلح کرواتی تھیں......

امی کے ساتھ گزارے آخری لمحات جس میں وہ بے حد کمزور ہوگئی تھیں...... مجھے اچھے سے یاد ہے دسمبر کی گیارہ تاریخ تھی پورا گھر مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا...... امی، ابو اور تایا پہلی دفعہ حج کرنے جارہے تھے...... جب سب امی سے مل رہے تھے اور میں سب سے دور ایک کونے میں کھڑی ہوئی امی کو دیکھ رہی تھی۔

امی نے جیسے ہی بانہیں پھیلا کر اشارہ دیا میں ایک دم روتی ہوئی ان کے پاس چلی گئی وہ مجھ سے اتنا دور جو جارہی تھیں کہنے کو تو وہ ہمیشہ جاتی رہی تھیں لیکن اندرون پاکستان...... خیر یہ ان کا دور جانا واقعی ہمیشہ کے لیے دور ہوگیا امی سے رابطہ بھی کم کم ہوتا تھا۔ ایک مہینے بعد جب عید قربان کا پاکستان میں تیسرا دن تھا مجھے بس یہ علم تھا امی بیمار ہیں لیکن...... امی چلی گئیں تھیں اپنے آخری سفر پر......

امی گئیں تو ایسا گئیں کہ واپس نہیں آئیں، انہیں مکہ اتنا پسند آگیا کہ وہ وہیں رہ گئیں......

"وہ جو ہمیں اتنے یاد آتے، آنکھوں میں رنگ سے بکھر جاتے ہیں رہتا ہے ہم کو ہمیشہ انتظار بس ان کا انتظار۔" مجھے لکھتے ہوئے بہت عجیب لگ رہا ہے کہ میں کیسے اپنے جذبات کا اظہار کروں، کیا لکھوں کیسے لکھوں؟ ہر ایک بات یاد کرکے دل بھر آتا ہے۔ میرے پاس مانوالفاظ تو ہیں لیکن انہیں صفحہ قرطاس پر بکھیرنا یوں لگ رہا کہ بس اپنا دل نکال کر رکھ دوں، کبھی ہمت نہ ہوئی کہ کچھ ان کے بارے میں یا اپنے جذبات کو لکھوں، لفظوں کو پرونا میرے نزدیک امی کے لیے لکھنا بہت کٹھن رہا لیکن جب لکھنے بیٹھی تو ایک ایک کرکے وہ سارے مناظر نظروں کے آگے گھومنے لگے اور بس میرا دل رونے لگا۔

"اور جیون ہے کیا تیرے بنا......
کہنے کو بہت ہے لیکن اب کس سے کہوں؟"

کاش میں امی کو بتا سکوں کہ میں انہیں کتنا یاد کرتی ہوں کاش وہ ابھی یہاں ہوتیں تو چھوٹے بچے کے مانند میں ان سے لپٹی رہتی بس یہ اب "کاش" لفظ ہی ہے زندگی میں اب......!

"انساں ہے کتنا مجبور، جو دل میں ہے وہ ہے آنکھوں سے دور۔"

ملاقات

ڈاکٹر فوزیہ تبسم

ثمن عروج

☆ڈاکٹر صاحبہ! میں آپ کا بہت شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے ہمیں انٹرویو کے لئے خصوصی وقت دیا۔

سب سے پہلے ہمیں یہ بتائیں کہ آپ کی شادی کب اور کیسے ہوئی؟ شادی لو میرج تھی یا ارینج میرج تھی؟

☆☆میری شادی 1988ء میں ہوئی تھی۔ بنیادی طور پر صوفی صاحب کی جب وفات ہوئی 1978ء میں اس کے بعد صوفی تبسم اکیڈمی کا اجرا کیا گیا تھا وہ میرے والد اور چچا نے مل کر کیا تھا۔ صوفی نثار احمد کا ایک ڈرامہ ہم نے صوفی تبسم کی یاد میں کرنا تھا۔ اس ڈرامے کا نام تھا "الٹی سیدھی" اس کے لئے ہمیں بہت ساری بچیاں بھی چاہیے تھیں۔ اور صوفی نثار میرے چچا اس میں کمرشل لڑکیوں کو نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ طالبات ہی اس میں شامل ہو۔ اس سلسلے میں ہمیں مختلف طالبات (لڑکیوں) کی تلاش تھی۔ میری بھی ایک دو فرینڈز نے اس میں کام کیا۔ ہمیں تو اسٹیج پر کام کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ کیونکہ ہمارے گھر کا ماحول ایسا نہیں تھا۔ اور اس حوالے سے ماحول قدرے سخت بھی تھا۔ اس ڈرامے میں ایک کردار جو کہ "دادا" کا تھا وہ آغا شاہد خان صاحب کر رہے تھے۔ جو کہ اب میرے شوہر ہیں۔ میرا بھی الحمراء میں آنا جانا ہوتا تھا۔ میں نے بھی ڈرامہ دیکھا ، میرے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں تھا۔ میں اس وقت فرسٹ ائیر میں تھی۔ وہاں مجھے آغا شاہد نے میرے چچا صوفی نثار تبسم کے ساتھ دیکھا۔ اس ڈرامے میں میرے چچا کا بیٹا صوفی جاوید بھی کام کر رہا تھا۔ جو کہ آغا شاہد خان کے پوتے کا کردار کر رہا تھا۔ میں بھی آرٹسوں کو سرو کر رہی تھی۔ اس ڈرامے کو دیکھنے آغا شاہد خان صاحب کی والدہ بھی آئی ہوئی تھیں۔ وہاں آغا شاہد نے مجھے دیکھا اور پسند کر لیا۔ سمن آباد لاہور میں ہمارے گھر کے قریب ہی ان کا بھی گھر تھا۔ یہ ہمارے پڑوسی بھی تھے۔ اس طرح آغا شاہد نے مجھے پسند کیا۔ اور اپنی والدہ سے اپنی پسند کا اظہار کیا۔ لیکن یہ لوگ پٹھان اور ہم لوگ کشمیری فیملی سے تعلق رکھتے تھے۔ اور میری والدہ یہی چاہتی تھیں کہ میری شادی کشمیری فیملی میں ہی ہو۔ وقت گزرتا گیا، کیونکہ میں پڑھ رہی تھی اس طرح نو سال کا عرصہ گزر گیا۔ یہ بھی ایجوکیشن کے بعد اپنے بزنس میں

لگ گئے۔ پھر باقاعدہ طور پر ان کی فیملی رشتہ لے کر آئی اور ہماری منگنی ہوگئی۔ اور ڈیڑھ سال منگنی رہنے کے بعد ہماری شادی ہوگئی۔ میرے دادا میری شادی میں نہیں تھے۔ وہ 1978ء میں فوت ہوگئے تھے۔ اور ان کی پہلی برسی پر ہی ان کی یاد میں "الٹی سیدھی" کے نام کا پلے کیا گیا تھا۔ اور جس میں کامیاب دادا کا کردار آغا شاہد نے ہی کیا تھا۔ شاہد بتاتے ہیں کہ وہ صوفی تبسم صاحب کے جنازے میں بھی شریک تھے۔ اور یہ میرے چچا کے شاگرد بھی تھے۔ اور میرے کزن کے دوست اور کلاس فیلو بھی تھے۔

☆ آپ کے بچے کتنے ہیں؟

☆☆ میری ماشاءاللہ دو بیٹیاں ہیں۔

☆ آپ کب پیدا ہوئیں اور کتنے بہن بھائی ہیں؟ کچھ بچپن کے حوالے سے اور کچھ اس فنی سفر کے آغاز کے حوالے سے بتائیں؟

☆☆ میں چونکہ سائنس کی طالبہ تھی اور سائنس کی پڑھائی بہت ٹف ہوتی ہے۔ میں نے ایم۔ ایس۔ سی کیمسٹری کیا تھا۔ اس کے علاوہ استاد اللہ بخش کی پینٹنگ کی شاگرد بھی تھی۔ میں ان سے جا کر پینٹنگ بھی سیکھتی تھی۔ مگر پھر بعد میں ان کا بھی انتقال ہوگیا۔ امتحانات سے فراغت کے بعد میں نے اپنے پینٹنگ کے اس شوق کو جاری و ساری رکھا۔ میں نے بہت سارے ایوارڈ بھی حاصل کیے۔ 1984ء میں ایک مقابلہ اسپورٹس کا ہوا تھا۔ وہ آل پاکستان اسپورٹس مقابلہ تھا۔ میں نے بھی اس میں حصہ لیا اور اس وقت نواز شریف صاحب وزیر خزانہ تھے۔ اور ضیاء الحق کی حکومت تھی۔ اس آل پاکستان سپورٹس مقابلہ میں، مجھے تیسرا انعام ملا تھا۔ اور یہ انعام کی شیلڈ مجھے اس وقت کے وزیر خزانہ میاں محمد نواز شریف صاحب نے دی تھی۔ تب مجھے اس انعام سے بڑی حوصلہ افزائی ملی تھی۔ میں اس وقت ایم۔ ایس۔ سی فائنل ائیر کی طالبہ تھی۔ سائنس کے ساتھ آرٹس کو لے کر چلنے سے مجھے کافی تقویت وحوصلہ

ملا۔ تب میری عادت تھی کہ میں روزانہ اپنی ڈائری بھی لکھا کرتی تھی۔ اور کبھی کبھار شاعری بھی کر لیا کرتی تھی۔ لیکن یہ سب اپنے طور پر کیا کرتی تھی۔ ایک بار میں نے اپنی وہ شاعری اپنے والد کو دکھائی تو وہ مجھے احمد ندیم قاسمی صاحب کے گھر لے گئے۔ کیونکہ ان کا گھر بھی تب ہمارے گھر کے پاس سمن آباد میں ہی تھا۔ میرے والد نے میری شاعری ان کو دکھائی تو انہوں نے میری حوصلہ افزائی کی۔ اور احمد ندیم قاسمی صاحب نے مجھے یہ کہا کہ آپ نظم لکھتی ہیں تو نثر بھی لکھیں۔ اس طرح سے ایک اسٹارٹ مجھے ملا۔ پھر میں اپنے کالج، لاہور کالج فار ویمن کی بیڈ منٹن کمانڈر تھی۔ وہاں سے مجھے فیروزہ، پی۔ ٹی۔ وی کے پروگرام میں بلایا گیا۔ اس وقت پی۔ ٹی۔ وی میں منیزہ ہاشمی پروڈیوسر تھیں۔ جب انہیں یہ پتہ چلا کہ میں صوفی تبسم صاحب کی پوتی ہوں۔ تو وہ بہت خوش ہوئیں۔ انہوں نے مجھے کہا کہ آپ بتائیے کہ آپ کیا کچھ اپنا لکھتی ہیں۔ آپ تو صوفی صاحب کی پوتی ہیں۔ تب میں نے ان کے کہنے پر "فیروزہ پروگرام" میں پہلی بار اپنی غزل پڑھی تھی۔ اس طرح یہ سلسلہ شروع ہوا اور مجھے حوصلہ افزائی ہر قدم پر ملتی رہی۔ میں نے پینٹنگ کو بھی ساتھ ساتھ جاری رکھا۔ اس کے ساتھ لکھتی بھی

رہی، میں 12 اکتوبر 1962ء میں پیدا ہوئی۔ ہم لوگ پانچ بہن بھائی ہیں۔ میں صوفی گلزار کی بیٹی ہوں۔ جو کہ صوفی تبسم صاحب کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ میری والدہ بھی خاندان سے ہی تھیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ میرے والدین میں بہت زیادہ انڈر اسٹینڈنگ تھی۔ میں اپنے بہن بھائیوں میں دوسرے نمبر ہوں۔ گھر میں میری حیثیت اس لحاظ سے مضبوط تھی کہ میری ہمیشہ پڑھائی میں باقی سب بچوں کی نسبت پوزیشن آتی تھی۔ اور اس طرح میں کافی نمایاں تھی۔ میں بہت زیادہ ایکٹو بھی تھی۔ جو بھی گھر میں مہمان آتا تو میں آگے بڑھ کر، بہت اسلوب و اخلاص سے اُسے ملتی تھی۔ میرے والد صاحب پروفیسر تھے وہ ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ اس میں بہت ٹیلنٹ ہے۔ اور جو میرے اساتذہ تھے وہ بھی عموماً میرے والد صاحب کے دوست ہی ہوا کرتے تھے۔ ان کا بھی یہ کہنا تھا کہ اس بچی میں ہمیں بہت ٹیلنٹ نظر آتا ہے۔ اور یہ ماشاء اللہ بہت ایکٹو ہے۔

ایک دلچسپ واقعہ اس حوالے سے آپ سے شیئر کروں گی کہ جب میں بہت چھوٹی تھی تو ایک اکرم صاحب ہوا کرتے تھے وہ بھی پروفیسر تھے اور ساتھ بہت اچھے پامسٹ بھی تھے۔ ایک بار کچھ یوں ہوا کہ میرے والد صاحب نے پروفیسر اکرم صاحب کو میرا ہاتھ دکھایا تو انہوں نے کہا کہ اس بچی کی بالکل فکر نہیں کرنی ہے اس نے بہت پڑھنا ہے۔ والد صاحب ہمیشہ یہی کہا کرتے تھے کہ تعلیم ہی اصل زیور ہوتا ہے۔

☆ آپ کے اسکول کا پہلا دن کیسا تھا؟

☆☆ تب میں بہت چھوٹی تھی مگر مجھے یاد ہے کہ میری والدہ نے سب سے پہلے ایک نرسری اسکول میں ڈالا تھا جو کہ ہمارے گھر کے بہت ہی قریب ہوا کرتا تھا۔ وہاں اس نرسری اسکول میں میرا ایک بھائی جو کہ مجھ سے تقریباً پونے دو سال چھوٹا تھا وہ میرے ساتھ جایا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جب مجھے واش روم میں جانا ہوتا تھا تو میں پریشان ہوجاتی تھی کہ میں کس کو بتاؤں۔ اسکول کی آیا مجھے گھر لے کر جایا کرتی تھی۔ اور تب تک شاید میں نے اپنے تمام کپڑے خراب کردیئے ہوتے تھے۔ پھر میری امی مجھے نہلا دھلا کر، میرے کپڑے صاف کرتی تھی۔ امی نے بہت چھوٹی عمر میں ہی اسکول بھیجنا شروع کردیا تھا۔ غالباً میں اتنی چھوٹی تھی کہ یہ بھی نہیں بتا سکتی تھی کہ مجھے کیا چاہیے۔ میرے باقاعدہ طور پر پہلے اسکول کا نام جوجیر ماڈل سکول تھا۔ جو کہ انگلش میڈیم تھا۔ میٹرک میں نے گورنمنٹ پائلٹ اسکول وحدت روڈ سے کیا تھا اور پھر لاہور کالج سے ایف۔ ایس۔ سی اور بی۔ ایس۔ سی کیا، پھر پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ ایس۔ سی اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی ہے۔ میں نے پی۔ ایچ۔ ڈی بائیو کیمسٹری میں کی ہے۔ 2008ء میں مجھے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری ملی ہے۔ میں یہ بھی بتاتی چلوں کہ میں نے اپنی پی۔ ایچ۔ ڈی کو بہت ہی محنت اور مشکلات سے مکمل کیا ہے۔ کیونکہ اس وقت میں پروفیسرز تعاون نہیں کرتے تھے۔ طالب علموں کو لیب فراہم نہیں کیا جاتا تھا۔ اس وقت زیادہ پروفیسرز کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ زیادہ طالب علم پی۔ ایچ۔ ڈی نہ کرسکے۔

☆ آپ اپنے شوہر آغا شاہد صاحب کا نام اپنے نام کے ساتھ کیوں نہیں لگاتی ہیں؟

☆☆ اس سوال کا جواب شاہد صاحب ہی دیں گے۔

آغا شاہد: میں یہ چاہتا ہوں کہ ان کا اپنا نام ہی ان کی پہچان ہو۔

ڈاکٹر فوزیہ تبسم: حالانکہ میرے سسرال میں میری جیٹھانیوں نے کئی بار یہ کہا ہے کہ تم اپنے میاں کا نام کیوں نہیں اپنے نام کے ساتھ لگاتی ہو۔ میں نے انہیں یہی کہا کہ اس بات پر میرے شوہر کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میرا نام شروع سے ہی "فوزیہ تبسم" رکھا گیا تھا۔ میرے بہن بھائیوں، میرے کزنز سب کے ناموں

کے ساتھ صوفی لگتا ہے مگر تبسم صرف میرے ہی نام کے ساتھ لگا ہے۔ میں مطمئن ہوں، فوزیہ تبسم کے نام سے۔ مجھے اکثر نیازی صاحب یہ کہتے رہتے ہیں کہ تم فوزیہ صوفی تبسم لکھا کرو۔ میں انہیں یہی کہتی ہوں کہ لوگوں کو معلوم ہے کہ میں صوفی تبسم کی پوتی ہوں۔ صوفی لگانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میرے خیال سے اتنا بھی بزرگوں کے نام کے ساتھ ان ٹچ نہیں ہونا چاہیے کہ آپ کی اپنی پہچان ہی ختم ہوجائے۔ کہ پھر لوگ یہی کہنے لگے کہ آج جو بھی ہے صوفی صاحب کی وجہ سے ہے۔ خود اپنا نام نہیں بنا سکی۔

☆ آپ نے بچپن میں اپنے لئے کیا سوچا تھا؟

☆☆ سچی دل کی بات میں آپ کو بتاؤں میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ میں ڈاکٹر بنوں گی۔ میں دراصل اپنے بڑوں کو دیکھتی تھی اور انھی سے متاثر بھی تھی۔ جیسے صوفی صاحب تھے وہ شاعر وادیب تھے، آرٹس میں اور فارسی میں بھی تھے۔ میں نے ایک بار اپنے دادا سے پوچھا تھا کہ "دادا ابو! مجھے یہ بتائیں کہ میں بڑی ہو کر کیا بنوں میں کیا پڑھوں؟ تو انہوں نے مجھے یہ جواب دیا کہ تم اردو یا فارسی میں ایم۔اے کرنا۔"

لیکن میری والدہ کا یہ خیال تھا کہ میں سائنس پڑھوں، میری والدہ کا یہ خیال تھا کہ آنے والے وقت میں صرف سائنس مضامین میں ہی اسکوپ زیادہ ہے۔ وہ ہمیشہ یہی کہتی تھیں کہ آرٹس مضامین تم شوقیہ پڑھ سکتی ہو۔ جیسے میں نے آرٹس میں پینٹنگ اور ڈرائینگ اور شاعری کو اپنایا تھا۔ اور بے شمار پینٹنگ میں ایوارڈ بھی حاصل کیے ہیں۔ میں یہ سمجھتی ہوں کہ اگر میں نے فائن آرٹ کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہوتی، تو زیادہ بہتر کارکردگی دکھا سکتی تھی۔ جیسا کہ اب میری بیٹی کر رہی ہے۔ وہ پنجاب یونیورسٹی سے پڑھ رہی ہے۔ اس نے نہ ہمیں بتایا اور نہ ہی مجھ سے یا اپنے والد کی کوئی ہیلپ لی خود سب کچھ کیا۔ دو نغمے اس نے تیار کئے ہیں دونوں ہی نغمے بہت خوب صورت ہیں۔ اسی طرح جو میری بڑی

بیٹی ہے۔ جب وہ اسکول میں اے لیول میں تھی تو اسکول کی طرف سے اسے چار مقابلوں کے لیے بھیجا گیا تھا تو وہ ماشاء اللہ فرسٹ آئی تھی۔ یہ سب کیا ہے، میں یہ سمجھتی ہوں کہ ایک تو یہ بچیاں اللہ کی طرف سے ہمارے لئے نعمت بھی ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ ان میں ٹیلنٹ بھی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ہم انہیں زبردستی آرٹ کی طرف کھینچ کر لارہے ہیں۔ شروع میں میری بیٹی کو میں نے سائنس پڑھانا چاہی، اولیول وہ پاس تو کر گئی لیکن مجھے یہ محسوس ہوا کہ اس کا اتنا انٹرسٹ نہیں ہے سائنس میں، میں نے پوچھا کہ تم کون سے مضامین پڑھنے سے خوش ہوگی؟ تو اس نے کہا کہ میں نے فائن آرٹ لینی ہے۔ تو تب اس نے اپنے مضامین تبدیل کرلئے وہ بچپن سے ہی بہت خوب صورت کارڈز بنایا کرتی تھی اس کی ٹیچرز اسے بہت سراہتی تھیں، کہ تم اتنا خوب صورت کام کرتی ہو اور پھر جب اس نے اپنا آرٹ ورک جا کر اپنی پرنسپل کو دیکھایا تو انہوں نے سائنس پڑھی ہوئی بچی کو آرٹس میں لے لیا۔

☆ آج فوزیہ تبسم، کو ڈاکٹر فوزیہ تبسم بننے میں آپ کی محنت، والدین کی دعاؤں کے ساتھ آپ اس کا کریڈٹ کس کو دینا چاہیں گی؟

☆☆ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ اگر میرے والدین

ہمیں نہ پڑھاتے ،اور نہ ہم پر سختی کرتے اور نہ ہمیں کتابوں کی طرف مائل کرتے تو میرا خیال ہے کہ آج میں ڈاکٹر فوزیہ تبسم نہ ہوتی۔ میں نے ایم ۔ایس ۔سی کی ۔بچپن میں جب کبھی ہم پڑھتے نہیں تھے تو ہماری والدہ بہت رویا کرتی تھیں۔ وہ کہتی تھی کہ میرا کوئی نہیں ہے وہ خود کو ہمیشہ اکیلا تصور کرتی تھیں کیونکہ ان کے والدین بہت جلدی وفات پا گئے تھے ۔اس لیے میری والدہ یہ کہتی تھیں کہ اگر میرا کوئی ہے تو وہ بس صرف میری اولاد ہی ہے۔اور جب ہم پڑھتے نہیں تھے تو وہ رونا شروع کردیتی تھیں۔

☆ کیا آپ بچپن میں بہت شرارتی بچہ تھی؟

☆☆ جی ہاں! میں بہت شرارتی تھی ،اور لاڈلی ہونے کے ساتھ بہت نمایاں بھی تھی۔ میں لڑائی جھگڑے سے گھبراتی تھی مگر شرارتوں میں ضرور مگن ہوتی تھی۔

☆ آپ کی کوئی ایسی شرارت جس پر آپ کو بہت ڈانٹ ڈپٹ یا مار پڑی ہو؟

☆☆ ایسا بچپن کا کوئی واقعہ مجھے اتنا ٹھیک سے یاد تو نہیں ہے۔لیکن مجھے ڈانٹ اور مار دونوں ہی کئی بار پڑتی رہی ہے بچپن میں، میں آپ سے یہ بات شیئر کرتی ہوں کہ جب میں ایم ۔ایس ۔سی کر چکی تھی تو ایک بار میں لیٹ ہوگئی تو میری والدہ بہت پریشان ہوگئی کیونکہ تب ہم لوگ بسوں وغیرہ پر آتے ،جاتے تھے۔تو اس وقت بھی اگر ہماری ماں ہمیں ڈانٹ لیتی تھیں تو ہم اس پر بہت فخر محسوس کرتے تھے۔کبھی یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ امی نے ہمیں ڈانٹا کیوں ہے؟ میں یہ سمجھتی ہوں کہ ہماری ماں نے ہمیں اگر ہماری کسی غلطی پر یا کسی بھی بڑے نے ڈانٹا یا مارا ہے تو وہ ان کا ہم پہ حق تھا۔کبھی بھی آج کل کے بچوں کی طرح یہ خیال نہیں آتا تھا کہ انہوں نے ہمیں مارا کیوں ہے......!

☆ آپ والدہ اور والد میں سے زیادہ کس کے قریب تھیں؟اور جب مار پڑتی تھیں تو کس طرف سے ہمدردی ونرم گوشہ کا اظہار ملتا تھا؟

☆☆ ہمارے گھر میں ایسا تھا کہ ہماری والدہ ہر معاملے میں بہت سخت تھیں ،خواہ وہ پڑھائی ہو، کھیل ہو، یا کوئی بھی سرگرمی ہو، وہ کہتی تھیں کہ ہر کام اپنے وقت پر ہونا چاہیے۔وقت پر سونا، وقت پر جاگنا، وقت پر نماز پڑھنا وغیرہ لیکن ہمارے والد، ہم سب بھائی بہنوں کے لئے بہت سافٹ کارنر رکھتے تھے۔میرے والد بہت سادہ مزاج کے اور بہت نائس تھے جب میری والدہ ہمیں زیادہ ڈانٹتی تھیں تو پھر ہمیں ہمیشہ سایہ اپنے والد سے ہی ملتا تھا۔والد ہم بیٹیوں کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتے تھے انہوں نے خود بھی بیٹوں کو تو شاید مارا ہو لیکن بیٹیوں کو کبھی انہوں نے انگلی بھی نہیں لگائی تھی۔والد بیٹیوں کا بہت خیال کرتے تھے اور انہوں نے کبھی بیٹی اور بیٹے کے درمیان اس قسم کا کوئی فرق نہیں کیا تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس لئے یہ زیادہ اچھا ہے۔وہ ہمیشہ تمام بچوں کو یکساں اہمیت دیتے تھے اور جب کبھی کوئی جاب کا معاملہ آیا یا جیسے کوئی ایڈمیشن کی بات ہو تو وہاں بیٹی اور بیٹے کے درمیان تفریق نہیں کی گئی ۔میرا ایڈمیشن یونیورسٹی میں بھی ہوگیا تھا اور کالج میں بھی میں نے ڈیڈی سے پوچھا کہ میں کون سی جگہ جوائن کروں؟ تو انہوں نے کہا کہ یونیورسٹی جوائن کرو، تو پھر میں نے یونیورسٹی ہی جوائن کی۔اس طرح جب مجھے جاب آفر ہوئی تو میں نے ڈیڈی سے ہی مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ اب تم عملی زندگی میں آجاؤ اور اس جاب کو جوائن کرلو اس سے تمہیں فائدہ ہوگا اور پھر واقعی مجھے اس جاب سے فائدہ ہی ہوا۔اس سے مجھ میں بہت اعتماد آیا، کیونکہ مجھے پہلی بار میں ہی جو جاب آفر آئی وہ پرنسپل کی جاب تھی۔ پرائیویٹ اسکول کی پرنسپل شپ سے مجھے بات کرنے کا سلیقہ آیا اور میں بہت پر اعتماد ہوئی۔تب میں نے صرف ایم ۔ایس ۔سی ہی کی تھی اور چھوٹی سی عمر میں آپ کا پورا اسٹاف آپ کے سامنے بیٹھا ہو اور آپ ان سے گفتگو کریں، تقریر کریں، میرے خیال سے آج تک میرے

والد نے مجھے جتنی بھی نصیحتیں کیں یا جو بھی گائیڈ لائنز دیں وہ بہت ہی شاندار تھیں اور میں نے ان کو فالو کیا۔ اور اس کے فوائد مجھے آج تک مل رہے ہیں۔

☆ اب کچھ بات آپ کی شادی کے حوالے سے کرتے ہیں، آپ کو منہ دکھائی میں کیا ملا تھا؟

☆☆ مجھے منہ دکھائی کی رسم کے طور پر ایک انگوٹھی ملی تھی۔

☆ آپ کا جو آئیڈیل تھا اس میں آغا شاہد صاحب کتنا فٹ رہے اور شادی کے بعد انڈر سٹینڈنگ ہونے میں کتنی دشواری یا آسانی رہی؟

☆☆ دراصل بات یہ ہے کہ لڑکی کے بہت سارے رشتے آتے ہیں۔ میرے بہت سارے کلاس فیلوز نے بھی مجھے پرپوز کیا اور ان میں کچھ میرے کنوارے ٹیچرز بھی تھے۔ ان میں سے بھی کچھ نے پرپوز کیا، کچھ انٹرسٹڈ بھی تھے ظاہر ہے میں خوب صورت بھی تھی، اونچی لمبی بھی تھی اور الحمد اللہ ایک فیملی بیک گراؤنڈ بھی تھا۔ اور جب میری شاہد سے شادی ہوئی اور میں اپنے سسرال آئی تو یہاں کا ماحول خاصا روایتی سا تھا، شاہد بزنس مین تھے ان کا ماحول ہمارے سیٹ اپ سے بالکل مختلف تھا۔ اور ہم سب نوکریاں کرنے والے لوگ تھے اور یہاں کوئی ادبی ماحول بھی نہیں تھا پورے گھر میں ایک واحد الماری تھی جہاں صرف شاہد نے کتابیں رکھی ہوئیں تھیں اس کے علاوہ مجھے کہیں کوئی کتاب نظر نہیں آئی۔ جبکہ ہمارے گھر میں مجھے ہر طرف کتابیں ہی کتابیں نظر آتی تھیں تو مجھے الجھن ہوتی تھی۔

☆ ایک بالکل مختلف ماحول میں ایڈجسٹ کرنے میں شوہر کا کتنا تعاون آپ کو حاصل رہا؟

☆☆ جب ایک لڑکی اپنے تمام خونی رشتے چھوڑ کر اور اپنے گھر کا ایک خوب صورت ماحول چھوڑ کر ایک نئے گھرانے میں آتی ہے وہاں شوہر کی سپورٹ ملے تو ہی بات آگے بڑھتی ہے۔ مجھے بھی شاہد کی بھرپور سپورٹ ملی، تعاون ملا جس سے مجھے یہاں خود کو

ایڈجسٹ کرنے میں آسانی ہوئی اور مجھے یہاں (space) جگہ بھی ملی شاہد کے ساتھ ساتھ، ان کی والدہ کا تعاون بھی بہت ملا۔ کیونکہ یہ تو چلے جاتے تھے سارا دن اپنے بزنس میں مصروف رہتے تھے۔ میری ساس کا رول بہت زبردست تھا، کیونکہ وہ مجھے ہر چیز بتاتی تھیں اور اگر میری اپنے گھر کی کوئی بری بات ہوتی تھی تو میں اسے اپنی ساس کے ساتھ شیئر کرتی تھیں۔ وہ مجھے سمجھاتی تھیں کہ اسے اپنے میاں سے نہ ڈسکس کرنا۔ کیونکہ میاں کا بھی کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کسی وقت بھی طعنہ دے دیتا ہے۔

☆ شوہر کو سمجھنے میں آپ کو کتنا وقت لگا؟ اگر بالکل اجنبی فیملی میں شادی ہو تو لڑکی اور لڑکا ایک دوسرے کی عادات واطوار سے بالکل انجان ہوتے ہیں؟

☆☆ مجھے یہاں آکر کافی دھچکے لگے۔ دھچکے اس قسم کے تھے جو بظاہر آغا شاہد نظر آتا تھا نہایت نائیس اور اتنا سادہ اور عاجزی کے ساتھ ہر طرح کے معاملات کو دیکھنے والا وہ اتنا غصے والا ہوگا یہ مجھے شادی کے بعد ہی پتہ چلا۔ میں نے انہیں بالکل فرینڈلی نہیں پایا یہ بالکل لحاظ نہیں کرتے تھے اور یہ بہت زیادہ غصے والے تھے جب انہیں غصہ آتا تو میں بہت زیادہ پریشان ہو جاتی تھی کہ کیا یہ وہی شخص ہے۔ ہاں غصے کے بعد یہ پھر پہلے

جیسے نارمل ہو جاتے تھے۔ یہ پٹھان جو ہیں اور اگر آپ بھی ان کا غصہ دیکھ لیں تو پہچان نہ سکیں۔

☆ شادی کے بعد آغا شاہد صاحب نے اپنی پسند کی آپ سے پہلی کیا ڈش فرمائش کی؟

☆☆ یہ مجھے یاد نہیں ہے۔

(شاہد صاحب: انہوں نے میرے خیال سے نرگسی کوفتے بنائے تھے۔)

البتہ میں نے جو بھی یہاں آ کر بنایا تو یہ سب پریشان ہو جاتے تھے کہ یہ کیا چیز بنائی ہے۔ یہ سب حیران ہوتے تھے کہ ایک تو یہ پڑھائی میں بھی اور دوسرا طریقے سلیقے میں بھی بہت سگھڑ ہے۔ اور گھر داری میں بھی اور خانہ داری، کوکنگ بھی بہت اچھی کر لیتی ہے۔ مجھے کوکنگ وغیرہ میری امی نے کچھ نہیں سکھایا میرے والد فوج میں تھے تو ہمارے گھر میں تو نوکروں کی فوج تھی اور خانساں بھی تھے، میں تو پڑھائی میں ہی لگی رہی بس دیکھ دیکھ کر ہی آتا گیا۔ میں نے اپنی ماں کو دیکھا، اپنی پھپھیوں کو دیکھا اور صوفی تبسم صاحب کی بہنوں کو دیکھا کہ یہ کیا کر رہی ہیں۔ انہیں کھانا پکاتے ہوئے دیکھا ہوا تھا۔ میں نے کھانا شوق سے سیکھا ہے مگر مجھ پر کوئی ذمہ داری نہیں تھی کہ یہ لڑکی ہے تو اب بھی پکائے گی۔ ایسا کچھ نہیں تھا کہ پڑھائی چھوڑ کر کھانے پکانے شروع کر دو۔ میرے بڑے سارے یہ کہتے تھے کہ جا کر پڑھو۔

☆ آپ ہنی مون پر کہاں گئے تھے؟

☆☆ ہم ہنی مون پر مری گئے تھے، شاہد کی بہن اسلام آباد میں تھیں تو شادی کے فوراً بعد ہی انہوں نے چلنے کو کہاں تو یوں ہم اسلام آباد سے ہوتے ہوئے مری گئے۔

☆ شادی کے بعد پہلا تحفہ کیا ملا تھا؟

☆☆ شاہد نے مجھے ایک شال دی تھی؟

☆ کیا وہ سرپرائز گفٹ تھا؟

☆☆ ہاں میں نے ایک شال پہنی ہوئی تھی جو کہ انہیں پسند نہیں تھی تو انہوں نے مجھے پھر اپنی پسند کی اسلام آباد جناح سپر ہائی وے سے ہی ایک شال تحفتاً دی تھی۔ یہ کچھ دیر کے لیے بنا بتائے غائب ہو گئے ہماری پوری فیملی بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ شال لے کر آئے اور مجھے کہا کہ جو چادر لی ہوئی ہے وہ اتارو اور یہ اوڑھ لو۔

☆ سوشلی کن باتوں پر آپ کو غصہ آتا ہے؟ معاشرے کے کن رویوں پر غصہ آتا ہے؟

☆☆ مجھے سب سے زیادہ غصہ جھوٹ پر آتا ہے جو کہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ مجھے جھوٹ بولنے والے سے سخت نفرت ہے اگر کوئی میرے سامنے جھوٹ بولے اور مجھے پتہ ہو کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے تو مجھے سب سے زیادہ غصہ اسی بات پر آتا ہے۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ میرا شوہر مجھ سے جھوٹ بولے یا میں اپنے شوہر سے جھوٹ بولوں۔

☆ آپ غصے میں کس طرح ردعمل کا اظہار کرتی ہیں؟

☆☆ میں پہلے تو برداشت کرتی رہتی ہوں اور مجھے پتہ ہوتا کہ شاہد جھوٹ بول رہے ہیں۔ پھر ایک حد کے بعد میں پھٹ پڑتی ہوں اور اس کا اظہار اپنے لفظوں کے ذریعے کرتی ہوں۔ پہلے تو میں نظر انداز کرتی رہتی ہوں لیکن جب سامنے والا مسلسل جھوٹ پہ جھوٹ بولے جائے اور میرے پاس ثبوت بھی ہو تو پھر میں ردعمل کا اظہار کرتی ہوں۔ کیونکہ سچا آدمی ہمیشہ اپنے لفظوں سے ہی اظہار کرتا ہے یہ جانتے ہیں کہ میں جھوٹ نہیں بولتی ہوں۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ اگر میں جھوٹ نہیں بولتی تو جو میرا پارٹنر ہے وہ بھی جھوٹ نہ بولے اور جھوٹ ہمیشہ وہ آدمی بولتا ہے کہ جب وہ کچھ باتیں دل میں رکھتا ہو اور شیئر نہیں کرتا اور پھر اسے ایک جھوٹ بول کر دس جھوٹ اور بولنے پڑتے ہیں یہی ہوتا ہے عام طور پر، میں یہ سمجھتی ہوں کہ بیوی ہو یا شوہر لائف پارٹنرز کے مابین کبھی جھوٹ کا پردہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں یونیورسٹی جاتی ہوں میں تو انہیں روز کی کتھا بتا دیتی ہوں

کہ آج یونیورسٹی میں یہ، یہ ہوا۔ میں نیوز کاسٹر کی طرح سے ہر چیز انہیں انفارم کرتی ہوں۔ یہ میرے تمام یونیورسٹی کے ساتھیوں کو جانتے ہیں جو بھی اسٹاف میرے ساتھ کام کرتا ہے کیونکہ میں نے انہیں سب سے ملوایا ہوا ہے وہ سب بھی انہیں جانتے ہیں۔ مجھے شروع سے ہی عادت ہے ہر بات شاہد سے شیئر کرنے کی، خواہ کوئی میل کی بات ہو یا فی میل کی میں تو شاہد سے سب شیئر کرتی ہوں کیونکہ شاہد کے علاوہ اور کوئی ایسا ہے نہیں کہ جس سے میں کچھ شیئر کروں۔ میں ان سے مشورے بھی لیتی ہوں۔ کہ ایسا کرنا چاہیے یا نہیں، اور پھر یہ مجھے مشورے بھی دیتے ہیں۔

☆ غلطی وغصے کے بعد منانے میں پہل کون کرتا ہے؟

☆☆ میں تو اس معاملے میں کافی ڈھیٹ ہوں۔ جب مجھے پتہ ہو کہ غلطی ان کی ہے تو میں کبھی بھی انہیں اسپیس نہیں دیتی اور خود ہی اندر ہی اندر کڑھتی رہتی ہوں اور جب یہ خود ہی مان لیں کہ غلطی میری ہے تو پھر یہی مناتے ہیں۔

☆ آپ کو منانے کا کیا طریقہ ہے؟

☆☆ (قہقہہ لگاتے ہوئے) یہ منانے کے لئے مجھے کوئی گولڈ کی چیز نہیں لے کر دیتے اور نہ ہی میں کوئی گولڈ کی اتنی دلدادہ ہوں۔ اور نہ ہی میری تعریف کوئی ایشو ہوتا ہے مجھے اعتماد ہے کہ میں کیا ہوں اور ان کے میرے لئے وہ تعریفی الفاظ کیا ہوں گے۔ یہ خود اپنی غلطی پر شرمندہ ہوتے ہیں۔ یہ آسانی سے سوری کہہ دیتے ہیں کہ مجھے معافی چاہیے۔ اس کے بعد اس کا ان کے پاس اور کوئی حل نہیں ہوتا ہے۔ اور جب مجھے یہ احساس ہو جائے کہ یہ دل سے اپنی غلطی تسلیم کر کے معافی مانگ رہے ہیں تو میں پھر اس بات کو کبھی دوبارہ ڈسکس نہ کرتی ہوں اور نہ کبھی یہ اس بات کو کبھی دہراتے ہیں نہ ڈسکس کرتے ہیں اور یہ خوشگوار ازواجی زندگی گزارنے کی بہت بڑی ٹپ ہے۔ کیونکہ غلطی کو بار بار دہرانا اور بار بار وہی موضوع ڈسکس کرنا ہم زیادہ افورڈ نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے گھر میں ہماری دو عدد بیٹیاں ہیں جو کہ ہم سے کہیں زیادہ حساس ہیں جن گھروں میں میاں بیوی کے جھگڑے معمول کا حصہ ہوں وہاں بچوں کی نفسیات تباہ ہوتی ہے۔ جب کبھی بھی ہماری خدا نخواستہ کوئی لڑائی ہوئی ہو تو گھر کا ماحول ناخوشگوار ہو جاتا ہے، ہم کھانے کی ٹیبل پر بیٹھتے تو ہیں مگر آپس میں بات چیت نہیں کرتے ہیں۔ لیکن ہمیں اپنی لڑائی کو خود ہی ڈیل کرنا ہوتا ہے ہم لڑائی کو تین دن سے زیادہ نہیں رکھ سکتے ہیں۔ ہمارے گھر میں ملازم بھی ہیں اور ہماری سوشل لائف بھی، سب جانتے ہیں کہ ہمارا گھریلو ماحول کیسا ہے اگر ہم دونوں خود ہی آپس میں ہر وقت لڑتے جھگڑتے رہے گے تو لوگ ہم سے ملنا پسند نہیں کریں گے اور نہ ہی ہماری بیٹیاں، میں بھی ان کی موجودگی میں انہیں ایسا ماحول نہیں دوں گی کہ جب وہ یہاں سے رخصت ہو کر جائیں تو ایک باغی ماحول سے رخصت ہو۔ کہ ہمارے والدین کا تو ہر وقت آپس میں لڑائی جھگڑا ہی رہتا تھا میں یہ برداشت نہیں کر سکتی۔ میں اپنی بیٹیوں کو اچھا ماحول دے کر اچھی تربیت کے ساتھ رخصت کرنا چاہتی ہوں تاکہ جب زندگی میں انہیں ہماری اور گھر کی یاد آئے تو وہ اچھا محسوس کریں۔

☆ اور کبھی جب شاہد صاحب، آپ سے ناراض ہو جائے تو؟

☆ اگر میری غلطی ہو تو میں ضرور ان سے سوری بولتی ہوں۔

☆ آپ کے نزدیک زندگی میں خوب صورتی کا معیار کیا ہے؟

☆☆ میرے نزدیک زندگی میں خوب صورتی کا معیار یہی ہے کہ جو آپ کی خوشی ہو اسے آپ دل سے محسوس کر سکیں۔ زندگی میں سکون ہو، اور ہر کوئی اپنی جگہ پر دوسروں سے اخلاص، پیار و محبت سے ملے۔ یہی زندگی کی خوب صورتی ہے۔ باقی تو زندگی میں اور کچھ بھی

نہیں ہے۔ اگر آپ کو دنیا بھر کی دولت مل جائے مگر گھر میں خوشی ہی نہ ہو تو ایسی دولت کا کیا فائدہ؟ میرا تو ہر عورت کو یہی پیغام ہے کہ وہ اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کرے کہ گھر کا ماحول خوشگوار رہے خواہ وہ ورکنگ ویمن ہے یا ہاؤس وائف، خواہ اسے خاوند کی طرف سے کوئی پرابلم ہی کیوں نہ ہو۔ خواتین کو چاہیے کہ اپنے گھر کو جنت بنا کر رکھیں گھر کا ماحول ہی ایسا ہو کہ آپ کے بچے اور آپ کا خاوند یہ نہ سوچے کہ ہم گھر جائیں گے تو ہمیں خوشی نہیں ملے گی، بلکہ ڈپریشن ملے گا اور تناؤ کی صورت کو فیس کرنا پڑے گا۔

☆ آپ کے مشاغل کیا ہیں؟

☆☆ میرا مشغلہ کتابیں پڑھنا ہے۔ لکھنا، پڑھنا اور شاعری کرنا۔

☆ وقت اور عمر کے ساتھ مشاغل تبدیل بھی تو ہوتے ہیں؟

☆☆ بچپن سے ہی مجھے کتاب پڑھنے کا شوق رہا ہے اور یہی مجھے میرے والد نے سکھایا تھا اور میرے دادا نے میرے ہاتھ میں کتاب پکڑائی تھی میرے بیڈ پر میرے سرہانے بے شمار کتابیں ہوتی ہیں۔

☆ آپ کس قسم کی کتابوں کا انتخاب کرتی ہیں؟

☆☆ میرے پاس اکثر ایسی کتابیں ہوتیں ہیں جو کہ مختلف ادیب وشاعر مجھے کوئی آرٹیکل یا فیچر لکھنے کے لئے دیتے رہتے ہیں اور پھر میں پہلے اس کتاب کو بغور پڑھتی ہوں پھر ہی فیچر لکھتی ہوں بغیر پڑھے نہیں لکھتی۔ ابھی مجھے مرزا ادیب پر فیچر لکھنا تھا میں اس بارے میں بہت کم جانتی تھی پہلے میں نے مرزا ادیب کے بارے میں تین چار کتابیں پڑھیں ہیں اور پھر لکھا ہے۔ ریڈیو کے لئے اور شاید اخبار کے لئے بھی، کتابیں مجھے ہمیشہ ہی متاثر کرتی ہیں اور میں ہمیشہ ان سے معلومات حاصل کرتی ہوں۔ مجھے شاہد صاحب سے ہمیشہ ایک گلہ رہتا ہے کہ یہ کتاب سے بہت دور بھاگتے ہیں یہ بہت اچھے رائٹر اور ڈائیکٹر ہیں۔ یہ بہت اچھے افسانے بھی لکھتے ہیں۔ ابھی انہوں نے بشریٰ رحمن پر "لہراں" میں ایک کالم بھی لکھا انہیں دختر پاکستان کا خطاب ملا۔ جس میں مختلف شاعرات اور ادیبوں کے، ایک طرح سے روداد سمجھ لیں۔ ایک ہائی ٹی تھی وہاں جو باتیں ہوئیں تو انہوں نے آ کر اسے بہت خوب صورت انداز میں لکھا میں ان سے کہتی ہوں کہ اگر آپ سن کر اتنا اچھا لکھ سکتے ہیں۔ اور جس کی بشریٰ رحمن نے فون کر کے انہیں بہت داد بھی دی اور کہا میری طرف سے ایک ڈنر کا تحفہ ہے تمہاری فیملی کے لئے میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم ہر چیز پر اتنی گہری نظر رکھتے ہو اور پھر انہوں نے مجھے بھی فون کر کے کہا کہ تمہارے میاں نے اتنا اچھا کالم لکھا ہے ایک لفظ اوپر ہے اور نہ ایک لفظ نیچے۔ کیونکہ وہ مجھے تو جانتی ہیں کہ میں رائٹر ہوں مگر ان کا پہلی بار پتہ چلا۔ میں تو ان سے یہی کہتی ہوں کہ آپ اتنے اچھے رائٹر و کالم نگار بھی ہیں پنجابی کے اخبار "خبراں" میں جب انہوں نے 2007ء میں بے نظیر کی شہادت سے پہلے کالم لکھا تھا جس میں انہوں نے بے نظیر کے قتل کی پیشن گوئی دے دی تھی۔ تو اجمل نیازی صاحب کا انہیں فون آیا کہ تمہیں گرفتار کرنے کوئی نہیں آیا ہے؟ اس کے علاوہ نواز شریف پر بھی کالم لکھا تھا "بھولا بادشاہ" اس کے بعد بہت سارے صحافیوں کے فون شاہد کو آنا شروع ہو گئے تھے۔

☆ آغا شاہد صاحب جو آپ نے بے نظیر کے قتل کی پیشن گوئی دی تھی وہ آپ کا مشاہدہ و تجزیہ تھا یا آپ کی چھٹی حس؟

☆☆ بے نظیر کے قتل کے بارے میں جو پیشن گوئی کی تھی وہ میری چھٹی حس تھی۔ میری چھٹی حس بار بار مجھے الارم کر رہی تھی کہ بے نظیر کو قتل کر دیا جائے گا۔

☆ ڈاکٹر فوزیہ آپ کی پسندیدہ کتاب کون سی ہے؟

☆☆ کتابیں تو میں نے بہت پڑھی ہیں مگر جو میں نے بہت انٹرسٹ سے پڑھی وہ تھے منٹو کے افسانے جنہیں پڑھ کر مجھے لکھنے کا سلیقہ آیا، مجھے پڑھنے کا شغل

ہوا اور یہ پتہ چلا کہ زندگی میں کیا کیا چیزیں بہت زیادہ اہم ترین ہوتی ہیں اور انہیں کس کس طریقے سے آپ بیان کرسکتے ہیں۔اس کے علاوہ بشریٰ رحمن کے بہت سارے ناولز اور افسانے وشاعری کو میں نے پڑھا۔جن سے مجھے بہت کچھ سیکھنے کو ملا وہ چیزیں جنہیں مجھے بیان کرنا بہت مشکل لگتا ہے ان کو انہوں نے نہایت ہی خوب صورت انداز میں پیش کیا ہے، کہ انسان کو محسوس بھی نہیں ہوتا کہ انہوں نے اتنی بڑی بات کو کوزے میں بند کردیا ہے۔ایک ان کا ''دانا رسوئی'' اور اس کے علاوہ ان کا ایک افسانہ ''اللہ میاں جی'' جو میں نے بہت انجوئے کیا اور میں نے بشریٰ رحمن کی شاعری کو بھی پڑھا۔ میں انہیں فالو کرتی ہوں۔میں ان کا باقاعدگی سے کالم بھی پڑھتی ہوں۔ میں نے صرف انہی کے کالم کی وجہ سے نوائے وقت لگوایا ہوا تھا۔ مجھے دیگر کالمسٹ کے کالمز پڑھنا بھی بہت اچھا لگتا ہے۔میرے پسندیدہ کالمسٹ میں بشریٰ رحمن، عطاء الحق قاسمی، طیبہ ضیاء شامل ہیں۔میں یہ سمجھتی ہوں کہ اگر آپ نے کچھ لکھنا ہے تو ضروری نہیں کہ آپ وہی کچھ بن جائیں۔صوفی تبسم صاحب کا ''نونہال'' میں ایک آرٹیکل چھپتا تھا۔میں نے اسے بے شمار بار پڑھا ہے۔اب میں انہی کو نکال کر پڑھتی رہتی ہوں کہ کہیں مجھے وہ بھول تو نہیں گیا اس میں انہوں نے اتنی خوب صورت وسپر کلاس باتیں لکھی ہوئی ہیں، کہ جب میں ریڈیو پاکستان پر فوجی بھائیوں کا پروگرام کیا کرتی تھیں تو انہی کے لکھے میں سے چھوٹی چھوٹی چیزیں نکال کر میں شامل کیا کرتی تھیں تاکہ اسے لوگوں تک پہنچا سکوں۔اس کے علاوہ میں نے الیف۔ایم۔''ون۔او۔ون'' پر بھی کام کیا ہوا ہے مجھے اس کا بہت اچھا رسپانس ملا تھا۔میں یہ سمجھتی ہوں کہ یہ اتنے خوب صورت الفاظ ہیں کہ جن کی آج کی نوجوان نسل کو اشد ضرورت ہے۔ مجھے آج تک یہ سمجھ نہیں آیا کہ صوفی صاحب نے وہ پیغام، وہ جملے کہاں کہاں سے ریسرچ کرکے نکالے ہیں، اور کہاں سے اتنی خوب صورت باتیں کیسے لکھی ہیں۔یہ بہت معلوماتی چیز ہے۔

☆ کیا آپ نے خود بھی افسانے لکھے ہیں؟

☆☆ جی ہاں! لکھے ہیں اور میرے افسانوں کی کتاب کا نام ہے ''حیرت ومستی'' اور اس کتاب پر تبصرہ اجمل نیازی صاحب نے، بشریٰ رحمن صاحبہ نے اور انتظار حسین صاحب نے کیا ہے۔کیونکہ وہ میری پہلی افسانوں کی کتاب تھی حالانکہ میں ''ارباب ذوق'' میں کوئی نہ کوئی افسانہ پڑھ چکی ہوں لیکن مجھے بڑا اشتیاق تھا کہ وہ میرے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں ان کے ریمارکس پڑھ کر اپنے بارے میں مجھے بہت خوشی ملی اور بڑی حوصلہ افزائی ہوئی، کہ ان بڑے لوگوں نے مجھے اپنی رائے دی۔ ابھی انتظار حسین صاحب 2 فروری 2016 کو وفات پاگئے ہیں میری ان سے آخری ملاقات 17 جنوری کو ہوئی تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ میری ان کے ساتھ یہ آخری ملاقات ہوگی۔وہ بالکل ہشاش بشاش انداز میں، بڑی گرم جوشی سے مجھ سے باتیں کرتے رہے۔وہ صوفی تبسم صاحب کی وجہ سے مجھ سے خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ماشاء اللہ انہوں نے ایک بھرپور زندگی گزاری ہے۔آج وہ بظاہر ہم میں نہیں رہے مگر اپنی شاعری وتحریروں کی وجہ سے ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ رہیں گے۔ بشریٰ رحمن صاحبہ نے تو میرے تمام افسانے اپنے اسمبلی کے ڈیسک پر رکھ کر پڑھ کر ٹائم نکال کر پھر ان پر اپنے ریمارکس دیئے ہیں۔اسی طرح ابھی میری شاعری کی کتاب آئی ہے۔اس کو پنجاب یونیورسٹی والوں نے پبلیش کیا ہے۔اس کتاب کا نام ''لیکن جانا پار تو ہے'' ابھی باقاعدہ اس کی بک لانچنگ تقریب منعقد ہونا ہے۔ میری اس کتاب کا نام شاہد صاحب نے ہی منتخب کیا ہے۔اس کے علاوہ اب مزید اتنے افسانے لکھ چکی ہوں کہ ایک اور کتاب افسانوں کی بھی آنے والی ہے مجھے تو رجسٹرڈ سرٹیفکیٹ مل چکے ہیں، نیشنل بک فاؤنڈیشن کی طرف سے میں نے ایک بار

ڈرامے لکھے اس میں ''بال ناٹک'' لکھی، پی ٹی وی کے لئے، اس کا کلپنگ سونگ بھی میں نے ہی لکھا تھا۔ اس میں جو پھکھوڑی تھے۔ سہیل صاحب تھے وہ اسکرپٹ سمیت لے جایا کرتے تھے۔ پھر نیشنل بک فاؤنڈیشن والوں نے بک مانگی کہ بچوں کی پنجابی کی ڈرامہ پر کوئی کتاب ہو۔ یہ ساری بچوں کی نفسیات پر ہے تو سہیل صاحب نے میرے وہ دس بارہ افسانے کمپوز شدہ کو جمع کر کے بک بنا کر نیشنل بک فاؤنڈیشن کو بھیج دی وہاں سے انہوں نے پھر مجھے creative work سرٹیفکیٹ دیا یہ سرٹیفکیٹ دادا صوفی تبسم صاحب کو پانچ ملے ہوئے ہیں۔ اور ان کے بعد ایک مجھے ملا ہے اس لئے میں خود کو خوش قسمت سمجھتی ہوں۔ اس کے علاوہ بچوں پر مبنی شاعری کی ایک کتاب ہے ''جگنو تارے'' اس پر بھی انہوں نے مجھے دوسرا creative writer کا ایوارڈ دیا ہے۔ اس کے علاوہ میری ایک کتاب آچکی ہے ''طوطیا من موتیا'' یہ بھی پنجابی کی ہی ہے۔ ''بال ناٹک'' میں بچوں کی نفسیات اور بچوں کے لئے نصیحت بھی ہے کہ بچے کیا سوچتے ہیں؟ اور ''طوطیا من موتیا'' پر گجرات کی پنجاب سوسائٹی والوں نے وہاں بلا کر ایوارڈ بھی دیا اور ساتھ کیش پرائز بھی دیا تھا۔ اس کے علاوہ ''ٹوٹ بٹوٹ'' کی پوری اقساط میں نے پی ٹی وی کے لئے لکھیں، اس کے علاوہ ٹی وی کے لئے اردو، پنجابی کے ڈرامے کافی لکھے ہیں اور ریڈیو پاکستان کے لئے بھی لکھے ہیں۔ ایک بار میں نے قائداعظمؒ ڈے پر گیارہ ستمبر کے حوالے سے پلے لکھا تھا ''میری پہچان پاکستان'' اور ایک ''وزٹنگ کارڈ'' پلے لکھا تھا جو کہ بنیادی طور پر ایک بچی کی اسٹوری ہے جو کہ ایک حقیقی کہانی تھی وہ میرے اپنے کالج میں ایک خطرناک قسم کا حادثہ ہوا تھا، اس کے متعلق ہے۔ لکھا تو وہ افسانہ تھا مگر ریڈیو والوں نے کہا کہ اس پر ڈرامہ لکھ کر دیں وہ بہت پسند کیا گیا تھا، اس کے علاوہ میں فیچرز وغیرہ ریڈیو پاکستان والوں کو لکھ کر دیتی رہتی ہوں اور ڈرامہ بھی ایک سلسلہ وار وہ ''ٹوٹ بٹوٹ'' پر لکھوا رہے ہیں۔

☆ پسندیدہ شاعر؟

علامہ اقبالؒ، اور مرزا غالب جب میں انہیں پڑھنے بیٹھتی ہوں تو سمجھ نہیں آتی کہ چھوڑوں کیا؟ انہیں میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں اور صوفی تبسم صاحب سے بھی میں کافی متاثر ہوں۔ کیونکہ ان کی ہر شاعری میں اردو کے ساتھ ساتھ فارسی کا بھی ٹچ نظر آتا ہے۔ ان کی شاعری کو بھی میں پڑھتی رہتی ہوں۔ اور ہمارے بہت سارے شاعر ایسے ہیں جو کہ اتنے مشہور و معروف تو نہیں ہیں لیکن وہ بہترین شاعر ہیں۔ جن میں یوسف مثالی صاحب کو اگر دیکھیں تو انہیں وہ مقام نہیں ملا لیکن وہ بہت اچھے شاعر ہیں۔ میں نے ان کا جتنا بھی کلام پڑھا ہے وہ بہت بہترین ہے۔ اس کے علاوہ ناصر زیدی صاحب کے کلام کو دیکھ لیں وہ بھی بہت اچھی شاعری کرتے ہیں ایسا تو ہوتا رہتا ہے کہ کوئی آگے نکل جاتا ہے اور کوئی پیچھے رہ جاتا ہے۔ احمد فراز کو میں نے پڑھا بھی اور سنا بھی وہ بچپن میں ہمارے گھر بھی آتے تھے۔ اس کے علاوہ منیر نیازی صاحب نے صوفی تبسم اکیڈمی کے تحت کافی مشاعرے کیے وہ ان کی صدارت کیا کرتے تھے ان کی شاعری مجھے بہت اپیل کرتی ہے۔ وہ دل کی بات بہت آسانی سے کہہ دیتے ہیں۔ بات تو وہی اچھی لگتی ہے جو کہ عام فہم گفتگو میں ہی کہہ دی جائے۔ جو کہ دوسرے کو اور آپ کو خود بھی سمجھ آجائے اور دوسروں کے دل میں بھی اتر جائے۔ جیسے میرا یہ پنجابی شعر ہے:

تیرے نال نباہون دی مجبوری وے
اکو گھر وچ رہنے واں، پر دوری وے
اک دوجے نوں دھوکہ دینا چنگا نئیں
اک دوجے نال کھیڈنا کی ضروری وے؟

یہ میں نے اپنا کلام آپ کو سنایا ہے۔ شاعری وہی اچھی ہوتی ہے جو کہ عام فہم ہو دل سے نکلے اور دل تک

پہنچے۔ بجائے اس کے مشکل ترین ردیف اور قافیہ ملانے کے چکر میں آپ دوسروں کو مشکل میں ڈال دیں۔

☆آپ کے پسندیدہ کلرز کون سے ہیں؟

☆☆میں زیادہ تر تو کالا رنگ پہنتی ہوں یہ بلیک کلر مجھے کہیں بھی نظر آجائے میں چھوڑتی نہیں ہوں مجھے یہ بہت اپیل کرتا ہے پتہ نہیں کیوں؟ اس کے علاوہ بھی مجھے برائٹ کلرز اچھے لگتے ہیں۔ جیسے رائل بلیو، فیروزی، شوکنگ پنک اس طرح کے کلرز مجھے بہت پسند ہیں۔

☆پسندیدہ ڈش؟

☆☆ویسے تو بہت ساری ہیں لیکن مجھے پالک گوشت چاولوں کے ساتھ بہت پسند ہے۔

صوفی تبسم اکیڈمی کے تحت جتنے بھی پروگرامز ہوئے ہیں وہ ہم دونوں میاں بیوی مل کر ہی کرتے ہیں۔ شاہد کا بھی ماشاء اللہ بہت کام ہے۔ اور میں نے تو ریڈیو پاکستان پر اینکرنگ سے بہت سیکھا ہے اور الحمراء ہال میں بھی لائیو اینکرنگ کی ہے خواہ جتنی بھی پبلک ہو مجھے کوئی خوف نہیں آتا ہے۔ ایک اندر کی بات بتاؤں میں شوقیہ سنگر بھی ہوں گھریلو فنکشنز پر اکثر گا لیتی ہوں۔ یا پھر یہ نظم بچوں کی "ٹوٹ بٹوٹ" جو گائی ہوئی ہے اس میں فی میل سنگر کی آواز میری ہی ہے۔

☆آپ کا پسندیدہ شعر، اپنایا کوئی سا بھی جو آپ کو آل ٹائم بہت پسند ہو؟

☆☆میرے دل کو چھونے والی بہادر شاہ ظفر کی مشہور غزل کا یہ شعر:

لگتا نہیں ہے دل میرا اجڑے دیار میں
کس کی بنی ہے عالم ناپائیدار میں
ان حسرتوں سے کہہ دو کہیں اور جا بسیں
اتنی جگہ کہاں ہے دل داغدار میں
عمر دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے، دو انتظار میں
کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لئے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

یہ غزل مجھے بہت پسند ہے اور اس کو پڑھ کر میں ہمیشہ یہ سوچتی ہوں کہ انہوں نے اس کو کیسے کس ماحول میں لکھا ہوگا اور ان کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔ یہ غزل کافی مشکل ہے میں اسے گا نہیں سکتی ہوں مگر جب بھی پڑھتی ہوں تو میرا دل دکھی ضرور ہو جاتا ہے۔

☆آپ کا پسندیدہ موسم کون سا ہے؟

☆☆مجھے بہار کا موسم پسند ہے اور سردی کا بھی پسند ہے اور گرمی، خزاں اور برسات کے موسم بالکل پسند نہیں۔

☆لباس کیسا پسند ہے؟

☆☆جو بھی کوئی مہذب (ڈیسنٹ) ہو۔

☆آپ کے نزدیک مہذب لباس ہونے کا کیا معیار ہے؟

☆☆ویسے تو مجھے ساڑھی بے حد پسند ہے۔ بچپن سے ہی اور میں نے نویں و دسویں جماعت میں ہی ساڑھی پہن لی تھی۔ جب ایک لڑکی کو ٹھیک سے چلنا بھی نہیں آتا ہے۔ اور کالج لائف میں کالج کے ہر فنکشن پر میں نے ہمیشہ ساڑھی پہنی ہے۔ اور شادی کے شروع دنوں میں بہت ساڑھیاں پہنتی تھیں۔ اب تو میرے میاں مجھے پہننے نہیں دیتے لیکن میرے پاس انڈین و پاکستانی ساڑھیوں کا بہت اسٹاک ہے۔ شاہد کہتے ہیں کہ پہلے پتلی ہو تو پھر ساڑھی پہننا۔ اب میں نے پتلی ہونا ہے اور نہ ساڑھی پہن سکتی ہوں۔ ساڑھی میں نے جب بھی پہنی تو سب نے کہا کہ آپ بہت مختلف نظر آتی ہیں۔

☆پھلوں میں کون سا پھل آپ کا پسندیدہ ہے؟

☆☆انگور میرا پسندیدہ پھل اور لوکاٹ بھی پسند ہے۔ ویسے مجھے تمام ہی پھل پسند ہیں جتنی بھی اللہ تعالیٰ نے نعمتیں پیدا کیں ہیں۔ میں آم بھی بہت شوق سے کھاتی ہوں۔

☆پسندیدہ سبزی؟

☆☆ سبزیوں میں بھنڈی میری پسندیدہ ہے۔اچھی پکی ہوئی بھنڈی اگر مجھے روزانہ دے دی جائے تو میں اسے آرام سے روٹین میں کھا سکتی ہوں بغیر بور ہوئے۔

☆ پسندیدہ پھول؟

☆☆ موتیے کے پھول پسند ہیں۔

☆ جیولری میں کون سی چیز زیادہ پسند ہے؟

☆☆ جیولری میں زیادہ تر میں ایئر رنگز شوق سے پہنتی ہوں اور رنگ (انگوٹھی) بھی۔

☆ وقت کونسا اپیل کرتا ہے؟

☆☆ مجھے شام مغرب کا وقت اچھا لگتا ہے۔

☆ آپ اداس کب ہوتی ہیں؟

☆☆ جب بھی سو کے اٹھتی ہوں تو میں بہت اداس ہوتی ہوں۔سو کر بیدار ہونے پر نا جانے کیوں ہمیشہ میرے ذہن میں میرے والدین، بچپن کا وہ گھر اور بچپن کا وقت ہی ٹھہرا ہوا ہوتا ہے۔مجھے تب اپنے والدین ضرور یاد آتے ہیں اور میں بیدار ہونے پر ہمیشہ اپنے بچپن میں کہیں کھوئی ہوئی ہوتی ہوں۔

☆ خود کو خوش کس طرح کے لمحات میں محسوس کرتی ہیں؟

☆☆ میں اپنے بچوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوتی ہوں جب میں نے انہیں کسی چیز پر سہولت یا رعایت دی ہو، اور وہ دونوں بیٹھ کر جب اسے ڈسکس کرتی ہیں تو انہیں ریلیکس دیکھ کر میں بہت خوشی محسوس کرتی ہوں۔

☆ ملک کون سا پسند ہے اور شہر کون سا پسند کرتی ہیں؟

☆☆ ملک ترکی پسند ہے اور شہر استنبول، مجھے بہت پسند ہے کیونکہ میں نے وہاں کا وزٹ کیا ہے۔میرے خیال سے وہ دنیا میں جنت ہے۔اور میں وہاں بار بار جانا چاہوں گی۔ویسے تو لوگ کشمیر کو بھی جنت کہتے ہیں مگر میں نے کشمیر دیکھا نہیں ہے ابھی تک۔ میں اپنی زندگی میں کشمیر ضرور جانا چاہوں گی اس لئے کہ میں خود کشمیری ہوں۔اور میں نے بچپن سے اپنے والدین سے کشمیر کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے اور میں نے امرتسر تو دیکھ لیا ہے وہاں میں دو چار بار وزٹ کر چکی ہوں اور امرتسر کے بارے میں صوفی صاحب بھی باتیں کیا کرتے تھے۔اور میرے ڈیڈی بھی ہمیں بچپن میں کشمیر اور امرتسر کی ہی باتیں بتایا کرتے تھے۔امرتسر کو میں نے گھوم پھر کر وہاں کا کینٹ بھی دیکھ لیا ہے۔گولڈن ٹمپر بھی اور جلیانوالہ باغ بھی دیکھا ہے۔وہاں کی یونیورسٹیاں بھی دیکھی اور وہ کالج بھی جہاں میرے دادا صوفی تبسم صاحب پڑھے تھے۔تو کچھ تشفی تو ضرور ہوئی مگر کشمیر نہیں دیکھا۔میں نے اپنی والدہ سے ان کی کشمیری زبان میں وہاں کی بہت ساری باتیں سنی ہیں۔میری والدہ کشمیری زبان میں لوری سے ہی ہمیں بچپن میں سلایا کرتی تھیں۔

☆ اس کشمیری لوری کے کچھ الفاظ جو آپ کی یادداشت میں محفوظ ہو تو ہمارے ساتھ انہیں شیئر کرے؟

☆☆ مجھے یہ تو نہیں معلوم کہ وہ حقیقی کشمیری لفظوں پر ہی مبنی ہے یا نہیں لیکن جو لوری میری والدہ گاتی تھیں وہ یہ ہیں

کشمیری لوری کا اردو ترجمہ:

میری والدہ نے ہمیں یہ بتایا تھا کیونکہ ہم پوچھا کرتے تھے کہ امی اس لوری کا مطلب کیا ہے؟ تو امی بتاتی تھیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بیٹی ہے وہ کہتی ہے کہ اب میں بڑی ہوگئی ہوں اور مجھے یہ، یہ چیزیں چاہیے۔جس میں کمخواب ہے اور کپڑے ہیں، کمخواب اس وقت کی نہایت قیمتی چیز سمجھا جاتا تھا۔اور اس میں بیٹی اپنے باپ کو مخاطب کرکے کہہ رہی ہے کہ مجھے یہ سب لاکر دو۔

☆ جب آپ پاکستان سے باہر جاتی ہیں تو اپنے ملک سے دور جاکر کیا سوچتی ہیں؟

☆☆ میں جب پاکستان سے باہر جاتی ہوں تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں یہاں کبھی واپس نہ آؤں کہ جب

مجھے یہاں بم دھماکے، لوڈشیڈنگ، یہ سب یاد آتا ہے تو واپس آنے کو دل نہیں چاہتا ہے کیونکہ ہمارا ملک تو بہت خوشبوؤں والا ہے۔ یہ ہمارا بہت پیارا ملک ہے۔ لیکن یہاں کے عوام اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ انہیں ٹھیک کرنے میں صدیاں لگیں گی۔ میں اپنے ملک کے لوگوں سے بہت مایوس ہوں۔

☆ آپ نے زندگی میں کبھی آئیڈیل بنایا ہے؟ اور آپ کے نزدیک آئیڈیل ہونے کا کیا معیار ہے؟

☆☆ میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی کو آئیڈیل نہیں بنایا البتہ میں اپنے دادا سے متاثر ضرور رہی ہوں وہ اس لئے کہ انہوں نے اپنے کردار و عمل کے ذریعے سے ہمیں یہ بتایا کہ زندگی کو کس طرح سے گزارنا چاہیے اور وہ ہمیشہ میرے ذہن میں رہے۔ میں نے اپنے دادا، والد اور چچاؤں کو محنت کرتے ہی دیکھا۔ میرے دادا بہت کم نیند لیتے تھے اور کھانا بھی بہت کم کھاتے تھے۔ لوگوں سے اخلاص سے ملنا، creative کام کرنا یہی ان کا خاصا رہا ہے۔ اور میری بھی یہی خواہش رہی ہے کہ میں لوگوں کو بلاؤں، اکٹھا کروں، ادب پر بات ہو، ہمارے مستقبل کے حوالے سے بات چیت ہو۔ اچھے اچھے موضوعات پر بات چیت ہو، لوگ آئیں اور اپنے تجربات، اور زندگی کے بارے میں جو ان کے احساسات ہیں وہ ڈسکس ہوں، میرے دادا صوفی تبسم کی طرح، تب میں بہت چھوٹی تھی تو کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ یہ کس طرح کس قسم کی باتیں کرتے ہیں ہمارے ڈرائنگ روم میں لوگوں کا بہت ہجوم اکٹھا ہوتا تھا اور کھسر پھسر ہو رہی ہوتی تھی۔ میرے دادا کے پاس، مگر میری اب تک وہی کیفیت ہوتی ہے کہ بڑے بڑے شاعر و ادیب آئیں تو میں ان کی صحبت میں بہت خوشی محسوس کرتی ہوں اور میرے شاعر دوستوں اور میرے ادیب دوست اور ادیبہ دوستیں اگر آجائیں تو میری عید ہوجاتی ہے۔ میں اتنا خوش تو اپنے رشتے داروں میں نہیں ہوتی جتنا کہ ادبی لوگوں میں بیٹھ کر ہوتی ہوں۔

☆ کامیاب کیریئر لائف اور کامیاب ازدواجی زندگی کی کیا ٹپ ہے؟

☆☆ کامیاب ازدواجی زندگی کی ٹپ یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ سمجھوتہ اور بھرپور تعاون کیا جائے خصوصاً خواتین کے لئے اور بعض مقامات پر مردوں کو بھی سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ میرے خیال سے جب تک دونوں ہی سمجھوتہ نہیں کرتے تو کامیاب ازدواجی زندگی کا حصول ناممکن ہے اور یہ سمجھوتہ لوگوں کے لئے نہیں اپنے لئے کرنا ہوتا ہے اور اپنی اولاد کے لئے۔ اور شادی کے بعد جب بچے ہوجاتے ہیں اور پھر بچوں کے بڑے ہوجانے پر انسان کا اپنا آپ کہیں بہت پیچھے رہ جاتا ہے پھر تو صرف اولاد کے لئے ہی جینا اور سب کچھ کرنا ہوتا ہے۔

اور کامیاب کیریئر کے لئے اس میں جہاں تک شہرت کا تعلق ہے تو جب انسان شہرت کے چکر میں پڑجاتا ہے تو شہرت اس سے دور بھاگنے لگتی ہے۔ لیکن جب انسان کوئی تخلیقی کام کرتا ہے تو اس کی تمام تر توانائیاں، اس کے مشاہدات اور تجربات اگلی نسل تک منتقل ہوجاتے ہیں۔ جیسا میرے جو طالب علم ہیں جب میں انہیں اپنے تجربات بتاتی ہوں تو میرا یہ خیال ہے کہ ان طالب علموں میں سے کوئی ایک بچہ ایسا ضرور ہوگا کہ جو میری بات کو فالو کرجائے گا۔ اور یہی میری کامیابی ہوگی اور آپ کچھ کرنا چاہتے ہیں تو یہ سوچ کر مت کریں کہ ہمیں شہرت کے پیچھے بھاگنا ہے یا شہرت پر ہی فوکس کرلیا جائے۔ جب آپ کا کام اتنا سولڈ (ٹھوس) ہوگا اتنا خالص ہوگا تو یہ شہرت خود بخود آپ کے پیچھے پیچھے بھاگے گی۔ اور پھر آپ کی شخصیت اس شہرت سے بہت زیادہ ماوراء ہوجاتی ہے۔ انسان کو محنتی ہونا چاہیے اور سستی شہرت کے پیچھے نہیں بھاگنا چاہیے۔

آمنہ احمد

☆ السلام علیکم! کیسی ہیں فاطمہ؟ کہتے ہیں کہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ج: وعلیکم السلام! جی الحمدللہ یہ کہنا سو فیصد بجا ہے کہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں اور میرا جوڑا میرے پروردگار عالم نے محمد ریحان اسلم کے ساتھ آسمانوں پر بہت پہلے ہی بنادیا تھا جس کا ہمیں گمان بھی نہ تھا' اللہ نے وہ عطا فرمایا میری والدہ کو خواب آیا تھا کہ میرا رشتہ جہاں ہوگا وہاں پر کسی کا گمان بھی نہیں ہوگا اور ایسا ہی ہوا ہے میں تو اللہ کی طرف سے گفٹ سمجھتی ہوں۔

☆ شادی لو میرج ہے یا ارینج میرج؟

ج: شادی مکمل طور پر ارینج میرج ہے میں آپ کو بتاؤں کہ میرا ایک سال پہلے نکاح ہوا تھا مگر ہم دونوں نے نہ تو ایک دوسرے کو دیکھا نہ ٹیلی فونک بات ہوئی' والدین کی پسند تھی اور استخارہ کرنے کے بعد میرا دل بھی مطمئن ہوگیا' اللہ کا شکر ہے جیسا چاہا ویسا ہی پایا۔ ہم دونوں بہت خوش اور مطمئن ہیں۔

☆ بابل کا آنگن چھوڑنے اور پیا دیس پہنچنے پر آپ کے احساسات کیا تھے؟

ج: یہ آپ نے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا ہے آہ...... بابل کا آنگن چھوڑنا...... بہت مشکل ہے میں اپنی والدہ سے بہت اٹیچ تھی اور مجھے لگتا تھا کہ میں ان سے دور ہوئی تو شاید مرجاؤں یہی وجہ تھی کہ ایک سال نکاح رہا مگر میں اپنا مائنڈ نہیں بنا سکی۔ امی اکیلی رہ جائیں گی میں ان کے بنا سوتی نہیں ہوں' کھاتی نہیں ہوں' میں کیا کروں گی جیسی پریشانیاں ذہن پر ہر وقت سوار رہتی تھیں۔ سسرال ماشاءاللہ سے بہت اچھا ہے' سب تعاون کرتے ہیں مگر امی کے لیے دل ابھی بھی اپ سیٹ ہوجاتا ہے۔

☆ کیا اپنے ہم سفر میں آپ کو اپنے آئیڈیل کی جھلک دکھائی دیتی ہے؟

ج: جی ہاں' اللہ کا شکر ہے میں نے جیسا چاہا ویسا پایا میرے ہمسفر میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو میں نے اپنے آئیڈیل کے حوالے سے سوچی تھیں نہ صرف شخصی لحاظ سے بلکہ اپنی بہت سی خوبیوں کے لحاظ سے بھی وہ میرے آئیڈیل کہے جاسکتے ہیں۔

☆ فاطمہ' ماریہ...... دو نام رکھنے کی خاص وجہ اور کیا اب آپ اپنے نام کے ساتھ شوہر کا نام بھی لگائیں گی یا فاطمہ

ماریہ ہی چلے گا؟

ج: اچھا سوال ہے' میرے نام سے بہت سے لوگ ڈوٹ فل ہیں کہ یہ کیا دو نام...... فاطمہ نام میرے نانا ابا کو بہت پسند تھا انہوں نے سب کے نام کے ساتھ فاطمہ لگایا تھا ان کا کہنا تھا کہ قیامت کے دن جب فاطمہ کی پکار پڑے گی تو جتنی فاطمہ ہوں گی وہ اس پکار پر جنت کی طرف بھاگیں گی اسی لیے میرے ننھیال میں فی میل کے ساتھ فاطمہ ایڈ ہے میری سسٹر کا نام بھی نانا جانی نے رکھا تھا نانا کے بعد اب ہم نے خود بھتیجیوں کے نام کے ساتھ فاطمہ لگایا ہے میرا نام فاطمہ ماریہ ہی رہے گا۔ میرے ہزبینڈ کو بھی اعتراض نہیں تو مجھے اپنا اتنا اچھا نام چینج کرنے کی کیا پڑی ہے۔

☆ فاطمہ ماریہ جیسی ابھرتی ہوئی رائٹر کو بطور ہمسفر پا کر ان کے تاثرات کیا ہیں؟

ج: اللہ کا شکر ہے بہت خوش ہیں' کہتے ہیں آپ کا نام عظیم رائٹرز میں دیکھنا چاہتا ہوں اور باقی گھر والے بھی خوش ہیں۔

☆ شادی کے موقع پر کوئی ایسا لمحہ جسے آپ نے بہت انجوائے کیا ہو؟

ج: ہاہاہا...... میں بہت کنفیوژ تھی یہاں تک کہ میرے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے مگر مجھے دلہن بننا بہت اچھا لگا' پہلی دفعہ اتنے اہتمام سے تیار ہوئی تھی' کہاں میں نے کبھی میک اپ کے نام پر لپ اسٹک بھی استعمال نہیں کی تھی اور کہاں یوں سجنا سنورنا...... بہرحال میں نے اپنے تیار ہونے کو بہت انجوائے کیا۔

☆ موصوف کی جانب سے آپ کو بطور منہ دکھائی تحفہ کیا ملا؟

ج: بطور منہ دکھائی میں گولڈ کی پائلز اور بریسلیٹ' ساس امی نے گولڈ کی رنگ پہنائی' نند نے گولڈ کی مالا' سسرال میں سب سے چھوٹی ہوں اور سب کی لاڈلی بھی ہوں۔

☆ مزاج کے لحاظ سے کون زیادہ گرم ہے شدید غصے میں آپ کی کیفیت اور ردعمل؟

ج: میاں صاحب زیادہ گرم مزاج ہیں' موڈ کے خلاف بات ہو یا ڈریسنگ میں غلطی فوراً غصے میں آجاتے ہیں۔ کہتے ہیں ہر چیز ریڈی ہونی چاہیے مگر شدید غصہ میں' میں خاموش ہو جاتی ہوں یا رونے لگتی ہوں۔

☆ موصوف کی جانب سے بولا جانے والا پہلا جملہ جو آپ کی حسین سماعتوں کی نذر کیا ہو؟

ج: آہم آہم...... انہوں نے پہلے سلام کیا پھر کہا میں بہت خوش قسمت ہوں میں نے تو اللہ رب العزت سے صرف دین مانگا تھا مگر اللہ نے مجھے سب کچھ دے دیا اللہ کا شکر ہے۔

☆ آپ کی نظر میں موصوف کی کوئی اچھی اور بری عادت؟

ج: اچھی عادت دل کے بہت اچھے ہیں' سچ بولتے ہیں جہاں حدود اللہ آ جائیں وہاں سے رک جاتے ہیں' غصہ فوراً ختم ہو جاتا ہے۔ انا پرست نہیں ہیں' محبت کرنے والے ہیں' کیئرنگ ہیں' لونگ ہیں اللہ کا شکر ہے حساس بہت ہیں اور

بُری عادت...... ایک تو بھولتے بہت ہیں اور دوسری عادت بہت گہری نیند سوتے ہیں' دنیا مافیا سے بے خبر چاہے ڈھول بجالو نہیں اٹھتے۔ میں تو اُن کو کہتی ہوں آپ گھوڑے بیچ کر سوتے ہیں' نماز کے لیے صبح اٹھاتی ہوں تو موصوف اکثر رونے والا کردیتے ہیں تب بھی نہیں اٹھتے اور مجھے ماں کی ہیلپ لینی پڑتی ہے پھر اٹھتے ہیں اور اٹھ کر کہتے ہیں ٹائم سے نہیں اٹھاسکتی تھیں اب مجھے بنا جماعت کے نماز ادا کرنی پڑے گی۔

☆ مرد کے دل کا راستہ معدے سے گزرتا ہے' اس سلسلے میں آپ کا تجربہ کیا کہتا ہے؟

ج: بات ٹھیک ہے مگر میرے میاں صاحب کے دل کا راستہ صراط المستقیم ہے وہ کہتے ہیں کھانا چاہے لیٹ ہوجائے مگر میں آپ کو نماز سے غفلت برتے نہ دیکھوں' الحمدللہ میں بچپن سے ہی نماز کی پابند ہوں۔

☆ آپ کی شادی پر ڈریس کس کلر کا تھا؟

ج: آف وائٹ' لونگ شرٹ اور ڈارک ریڈ کلر کا دوپٹہ اور لہنگا۔

☆ شادی کی شاپنگ آپ نے خود کی یا گھر والوں نے کی؟

ج: مجھے شاپنگ کرنا پسند نہیں اس لیے مکمل طور پر گھر والوں نے کی۔

☆ اگر کبھی آپ کے لکھنے پر کوئی پابندی ہوئی تو آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟

ج: اگر پابندی شوہر کی طرف سے ہوئی تو ان کی خوشی کی خاطر چھوڑ دوں گی بنا کسی ناراضی کے۔

☆ شادی کے بعد جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہنا پسند کریں گی یا علیحدہ؟

ج: جوائنٹ......!

☆ آپ کی کس خوبی کو سسرال والے اور شوہر سب سے زیادہ سراہتے ہیں؟

ج: میرے سسرال والے نہایت محبت کرنے والے ہیں' میں چونکہ سب سے چھوٹی بہو' بھابی اور دیورانی ہوں تو سب ہی میرے ہر کام کو سراہتے ہیں کچھ غلط کردوں تو درگزر سے کام لیتے ہیں۔ میرے میاں صاحب بھی ہر قدم پر میری حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

☆ آپ کے نزدیک شہرت مسئلہ بنتی ہے یا نہیں؟

ج: بالکل نہیں! الحمدللہ آنچل اور حجاب کے بعد اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور پھر قرآن پاک میں ہے کہ "اور عزت اور ذلت دینے والا اللہ ہے" اللہ کا شکر ہے جس نے یہ عزت بخشی۔

☆ خواتین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی عمر چھپاتی ہیں اور مرد اپنی تنخواہ...... آپ کا کیا کہنا ہے؟

ج: درست ہے..... مگر یہاں معاملہ الٹ ہے۔

☆ موصوف کا موڈ عموماً آپ کی کس بات پر خراب ہوتا ہے؟

ج: جب وہ کسی سوچ میں ڈوبے ہوں اور میں پوچھوں آپ کیا سوچ رہے ہیں یا میں کسی وجہ سے خاموش ہوں تو وہ پوچھیں کیا بات ہے اور میں کہتی ہوں "کچھ خاص نہیں" اس بات سے موڈ بگڑتا ہے وہ کہتے ہیں یا تو چپ ہونے کی وجہ بتایا کرو یا ہنستی بولتی رہا کرو۔

☆ شادی کے بعد اپنی شخصیت میں کیا تبدیلی لانا چاہتی ہیں؟

ج: تبدیلی لانے اور آنے میں فرق ہے ایک زبردستی کا عمل ہے اور دوسرا خوشی کا کسی کی چاہت میں رنگ جانے کا نام میرا معاملہ دوسری قسم سے ہے۔

☆ اپنی ماں کی کوئی ایسی نصیحت جسے آپ نے پلو سے باندھ لیا ہو؟

ج: میری ماں بہت محبت کرنے والی پرخلوص معصوم اور سادہ سی گھریلو عورت ہیں' انہوں نے اپنی زندگی بہت صبر کے ساتھ گزاری اور انہوں نے ہم بہن بھائیوں کو بھی دینی اور دنیاوی دونوں باتوں سے آراستہ کیا اور کہا کہ حالات کیسے بھی ہوں اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو وہ مشکل کشا اور حاجت روا ہے اللہ کی ذات اپنے بندے کو دے کر جتاتی نہیں ہے اس لیے ہمیشہ اسی سے مدد مانگو۔

☆ آپ کو اپنے شوہر میں اپنی کس تحریر کے ہیرو کا عکس نظر آتا ہے؟

ج: اللہ کا شکر ہے میرے میاں کسی ہیرو سے کم نہیں وہ آئیڈیل پرسن ہیں۔

☆ شادی کے بعد آپ خود کو کیسی بہو ثابت کریں گی؟

ج: ثابت کرنے اور ہونے میں فرق ہے میں ان کی آئیڈیل بہو ہوں' اللہ کرے اب تک ان کو مجھ سے کوئی

شکایت نہیں ہوئی تو آئندہ بھی وہ مجھ سے خوش رہیں آمین۔

☆ اپنے شوہر کو دیکھ کر کوئی شعر جو آپ کے ذہن میں آیا ہو اور وہ آپ شیئر کرنا چاہیں؟

ج: شعر نہیں نظم ہے جو ان پر پوری اترتی ہے:۔

زندگی کی دھوپ میں ہمسفر کے روپ میں
بنے جو میرا سائباں ہوں اس میں چند یہ خوبیاں
خوش شکل ضرور ہو پر اسیر نہ غرور ہو
چال میں وقار ہو شوخیوں سے پیار ہو
گفتگو میں نرم ہو مزاج کا نہ گرم ہو
اور......
بلا سے وہ غریب ہو
پر......
شرط ہے شریف ہو
ہو نفاستوں کی بات تو
مثال اس کی ذات ہو ظرف باکمال ہو
نہ دل میں کوئی جب بزم کی وہ جان ہو
خدا کا بھی دھیان ہو اور ہاں......
دین کی سخت راہ میں دے اس طرح سے ساتھ وہ
جہاں بھی ڈگمگاؤں میں پکڑے میرا ہاتھ وہ
فریب دے نہ وہ مجھے زندگی کے موڑ پر
کہیں پڑے نہ توڑنا اس سے ناطہ جوڑ کر
ہاں ایسا ہو اگر کبھی میں بھول کر عالم بھی
اس سلگتی راہ پر اپنا ہاتھ تھام کر
زندگی کے روز و شب قفس کے بس گزار دوں
کرے وفا جو وہ سدا تو جان اس پر وار دوں

☆ شادی کے حوالے سے ملنے والے تحائف میں سب سے زیادہ کیا پسند آیا؟

ج: سب تحفے ہی ایک سے بڑھ کر ایک تھے مگر مجھے ڈھیروں دعاؤں کے تحفے سب سے زیادہ پسند آئے کیونکہ یہ تحفے انمول اور بے مول ہوتے ہیں۔

☆ آپ کی شادی کس شہر میں ہوئی اور آپ نے سسرال کے ماحول کو کیسا پایا؟

ج: اپنے ہی شہر فیصل آباد میں ہوئی میرا سسرال میری چھوٹی سی جنت ہے۔

☆ آپ کی نظر میں نوعمر کنواری لڑکیوں کے لیے کوئی ایسا نسخہ جو شادی شدہ زندگی کو کامیاب بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے؟

ج: میں سب لڑکیوں سے یہی کہنا چاہوں گی کہ شادی سے پہلے کی زندگی بہت خوب صورت ہوتی ہے اس کی قدر کریں صبر اور حوصلے کا دامن نہ چھوڑیں' والدین کی عزت کا خیال رکھیں' اپنے کردار پر کبھی آنچ نہ آنے دیں' شیطان کنوارے پن میں سب سے زیادہ حملہ آور ہوتا ہے۔ شیطان سے پناہ مانگو نماز اور قرآن سے مدد حاصل کرو ان شاء اللہ شادی کے خوب صورت بندھن میں بندھنے کے بعد آپ کو سچی اور کھری محبتیں ملیں گی۔

☆ آپ اپنے ہمسفر کو کیسا دیکھنا چاہتی ہیں کیا' وہ آپ کے معیار پر پورے اترتے ہیں؟

ج: میں اپنے ہمسفر کو ان بلندیوں پر دیکھنا چاہتی ہوں جس کے وعدے میں اللہ تعالیٰ نے جنت رکھی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ بہت نائس ہیں' ہم کیا اور ہمارا معیار کیا؟ بس دعا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے معیار پر پورے اترنے والے بن جائیں آمین۔

☆ آپ ابھی زیر تعلیم ہیں تو کیا سسرال والے اس پر اعتراض نہیں کرتے کیونکہ اکثر سسرال والے بہو کو گھر پر توجہ دینے اور تعلیم چھوڑ دینے پر مجبور کرتے ہیں' آپ کے ساتھ کچھ ایسا ہے؟

ج: نہیں جی الحمدللہ! ایسی کوئی بات نہیں' شادی سے چوتھے دن میرے امتحان شروع ہوگئے تھے' سب نے بڑی خوشی سے مجھے پڑھنے کا ٹائم دیا' کامیابی کی دعائیں دیں' اللہ کا شکر ہے کہ میرے ساتھ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے۔

☆ اللہ سے دعا ہے کہ آپ ہمیشہ ہنستی مسکراتی اور کھلکھلاتی رہیں' اللہ آپ کو ڈھیروں خوشیاں اور کامیابیاں دے آمین۔

ج: آمین ثم آمین' یارب العالمین۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

چاہتوں کے دکھ

اقبال بانو

وہ کتنی دیر سے مشین پر جھکی سلائی میں مصروف تھی اور سجاد حیدر کرسی پر بیٹھے اسے تکے جا رہے تھے مگر وہ ان کے وجود سے ایسی بے نیاز تھی جیسے خبر ہی نہ ہو کہ وہ موجود ہیں۔ وہ بظاہر ایک رسالہ پڑھ رہے تھے مگر گاہے بگاہے اسے بھی دیکھ لیتے لیکن اس کا جھکا ہوا سر دیکھ کر انہیں سخت کوفت ہو رہی تھی۔ آخر سجاد حیدر نے رسالہ اس کے سامنے تخت پوش پر زور سے پٹخا تب اس کے ہاتھ رکے اور اس نے نظریں اٹھا کر سجاد حیدر کو دیکھا۔

''کسی چیز کی ضرورت ہے؟'' اس نے ہولے سے پوچھا۔

''بھاڑ میں گئی ضرورت، کتنی دیر سے یہاں بیٹھا ہوں اور تمہیں سلائی سے فرصت ہی نہیں۔'' وہ بُرا سا منہ بناتے ہوئے بولے۔

''بھئی میں کیا کروں؟''

''کوئی بات کرو۔'' سجاد بولے۔

''بس اماں ابھی آتی ہوں گی۔''

''میں ان سے نہیں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''تو کر لیجیے۔'' وہ زیر لب مسکرائی۔ ''آپ جب سے باہر سے آئے ہیں کچھ زیادہ ہی غصے میں رہنے لگے ہیں۔''

''میں...... میں غصے میں رہنے لگا ہوں۔'' انہوں نے انگوٹھے سے سینہ بجاتے ہوئے پوچھا۔

''جی۔'' وہ ہکلا کر رہ گئی۔

''اور غصہ کی وجہ تم ہو صوفیہ رشید۔'' سجاد لفظ چبا چبا کر بولے۔

''میں سمجھی نہیں؟'' وہ سہمی ہوئی ہرنی کی طرح انہیں دیکھنے لگی اور ایک دم مشین ہٹا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ...... آپ بیٹھیے میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔''

''مجھے چائے نہیں پینا' دو مرتبہ پلا چکی ہو آخر کہاں تک پلاؤ گی مجھے؟'' سجاد حیدر اس کے قریب آ گئے۔

''وہ...... وہ......'' صوفیہ ہکلا کر رہ گئی۔

''اس وقت تم کہیں سے بھی بی اے بی ایڈ نہیں لگ رہیں' تم کیسے اتنی لڑکیوں کو پڑھاتی ہو۔ میرے سامنے تو تمہاری روح فنا ہو رہی ہے۔'' سجاد شوخی سے بولے۔

''جی...... جی وہ......''

''سنو' تم میری شریک زندگی بنو گی؟'' سجاد حیدر نے ایک دم بات کا رخ پلٹا۔

''جی......!'' صوفیہ انہیں حیران نظروں سے دیکھ کر رہ گئی' حلق سے آواز ہی نہ نکل رہی تھی بس لب کپکپا کر رہ گئے۔

''بتاؤ نا؟'' وہ اسی اکھڑ لہجے میں پوچھ رہے تھے تب صوفیہ نے کبوتر کی مانند پھڑکتے دل کو قابو میں کیا اور تھوک نگل کر بولی۔

''سوچوں گی۔''

''سوچنا کیا ہے؟ میرے گھریلو حالات سے تم اچھی طرح واقف ہو' ہم لوگ گزشتہ دس گیارہ سال سے ایک دوسرے سے واقف ہیں۔ ہمارے والدین میں بھی خوب بھائی چارہ ہے' ہماری شادی ان محبت بھرے رشتوں کو اٹوٹ کر دے گی۔ تم بتاؤ آخر کیا سوچنا چاہتی ہو؟'' سجاد ہاتھ نچا کر بولا۔

''یہی کہ میں آپ کے ساتھ خوش رہ سکوں گی۔'' صوفیہ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔

''یہ تو تمہیں آنے والا وقت ہی بتائے گا' ویسے تجھے اپنانے کی میری دلی خواہش ہے جبھی تو پرپوز کر رہا ہوں۔'' سجاد اس پر جھک آئے۔

''پھر بھی۔'' صوفیہ کندھے اچکا کر بولی۔

''دیکھو صوفیہ رشید! میں تمہیں تمہاری امیدوں سے

زیادہ خوش رکھوں گا۔"

"آپ میرے والدین......" صوفیہ نے کہنا چاہا۔

"میں نے خالہ جان سے بات کرلی ہے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولے۔

"انہوں نے کیا کہا؟" صوفیہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا کیونکہ صوفیہ کو علم نہیں تھا کہ سجاد نے اماں بی سے بات کی ہے۔

"انہوں نے سب کچھ تم پر چھوڑ دیا ہے۔"

"یعنی وہ رضامند ہیں۔" صوفیہ حیران ہوئی۔

"آخر کیا برائی ہے مجھ میں جو وہ پسند نہ کریں' ان کے سامنے ہی تو پل بڑھ کر بڑا ہوا ہوں۔"

"ہوں......" صوفیہ نے انہیں اوپر سے نیچے تک دیکھا۔

"ظاہر ہے مجھ جیسا لائق داماد انہیں کہاں ملے گا۔" سجاد نے شوخی سے کہا مگر صوفیہ رشید اسے غرور سمجھ رہی تھی۔

"تو آپ اس لائق شخص کے لیے اور در کھٹکھٹائیے۔" صوفیہ اپنے لہجے کی تلخی پر قابو نہ پاسکی۔

"اوہ......تم طنز مت کرو۔" سجاد جھنجلا گئے۔

"یہ طنز نہیں' میں تو عام سی بات کررہی ہوں۔" وہ بے پروائی سے بولی۔

"میں اس لہجے کا عادی نہیں ہوں۔" سجاد کو غصہ آ گیا' صوفیہ خاموش رہی۔

"جواب دو نا میرا ساتھ تمہیں گوارا ہے؟" سجاد دوبارہ اصل مقصد کی طرف آئے۔

"مجھے کچھ وقت دیجیے۔" صوفیہ نے کہا۔

"کتنا؟"

"کم از کم ایک ماہ۔" صوفیہ بولی۔

"یہ سوچنے کا وقت مانگ رہی ہو یا جہیز تیار کرنے کا؟" سجاد شوخی سے بولے۔

"بس......"

"کوئی ضرورت نہیں ایک ماہ کی بس ایک ہفتہ بہت ہے۔" سجاد حیدر تحکم آمیز لہجے میں بولے۔

"آپ سمجھتے کیوں نہیں؟" وہ منمنائی۔

"دیکھو صوفیہ! تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو' میں بہت ضدی آدمی ہوں' میں ایک ہفتے بعد آؤں گا تمہارا فیصلہ سننے اور یہ یاد رہے کہ فیصلہ میرے حق میں ہو ورنہ قسم سے میں تمہاری اور اپنی جان ایک کروں گا۔" سجاد سخت لہجے میں بولے اور اس کا جواب سنے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے کمرے سے نکل گئے اور نہ جانے کیوں صوفیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"نہیں سجاد حیدر! میں آپ کی شریک حیات نہیں بن سکتی' آپ مجھے کچھ نہیں دے سکتے۔ آپ تو اپنے تمام جذبے آزمائے ہوئے جملے لٹائی ہوئی محبتیں اب مجھ پر نچھاور کریں گے یہ دوغلی پالیسی کیوں؟ مجھے نہیں ضرورت ان جملوں کی جو آپ نے کسی اور سے سرگوشیوں میں کہے۔ مجھے ان محبتوں کی ضرورت نہیں جن سے آپ کا دل

منور تھا۔ میں کسی طرح بھی اس سنجوگ کے لیے خود کو تیار نہیں کر سکتی۔ ظاہر ہے آپ میں کوئی برائی نہیں تبھی تو اماں بی نے نیم رضا مندی ظاہر کردی ہے مگر انہیں علم نہیں' یہ بات مجھے کسی اور نے نہیں بتائی بلکہ آپ ہی نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا اگر کسی اور نے بتایا ہوتا تو شاید میں یقین نہ کرتی مگر آپ تو روزانہ رپورٹ دیا کرتے تھے مجھے' کیا بھلا سا نام تھا اس لڑکی کا؟" صوفیہ نے ذہن پر زور دیا۔

"شیریں ناصر!" اس کے لاشعور میں کوئی زور سے بولا۔

"ہاں شیریں ناصر! جو آپ کے دل کی دھڑکن بن گئی تھی جس بن...... ہاں سجاد جس کے بغیر آپ خود کو ادھورا سمجھتے تھے جو آپ کی زندگی تھی۔ کیا ہوئی وہ محبت...... کیا ہوئے وہ جذبے...... نہیں سجاد! کبھی نہیں۔" سوچوں کے خانہ بدوش قافلے صوفیہ رشید کے ذہن کی سرزمین پر ڈیرے جمانے لگے۔

گیارہ برس قبل جب رشید احمد کے ڈی اے سے ریٹائر ہوئے تو سرکاری مکان چھوڑ کر منظور کالونی میں آباد ہوگئے تھے۔ یہاں انہوں نے دو کمروں کا چھوٹا سا مکان پہلے ہی سے بنوا رکھا تھا' اوروں کی طرح انہیں کوئی خدشہ نہ تھا کہ اب کہاں جائیں' ان کے ساتھی رشید احمد پر رشک کرتے کہ اس قدر قلیل تنخواہ میں انہوں نے اپنا ٹھکانہ بنا لیا تھا اور رشید احمد کا سر فخر سے تن جاتا' اب بھلا وہ کیسے بتاتے کہ یہ سب ان کی بیوی کا کمال ہے جو سلائیاں بھی کرتی تھیں اور کمیٹیاں بھی ڈال رکھی تھیں تبھی تو آشیانہ بن گیا تھا۔ ریٹائر ہونے کے بعد رشید احمد اپنی بیوی رقیہ' بیٹوں امجد اور ارشد اور بیٹی صوفیہ کو لے کر منظور کالونی آگئے۔

رقیہ بیگم ان کی دوسری بیوی تھیں اور عمر میں ان سے کافی چھوٹی تھیں' امجد اور ارشد پہلی بیوی سے تھے۔ رقیہ بیگم نے رشید احمد کو آخری عمر میں صوفیہ دی تھی۔ امجد نے بی کام کیا تھا اور ایک بینک میں ملازم تھا جبکہ ارشد گریجویشن کر رہا تھا اور صوفیہ دس برس کی تھی۔

بھائیوں کی لاڈلی بہن' رقیہ بیگم بھی بیٹوں کو بہت چاہتی تھیں۔ جیسے امجد اور ارشد انہی کے جگر کے ٹکڑے ہوں' کالونی میں آنے کے بعد رشید احمد نے پرچوں کی دکان کھول لی تھی۔ بیکار بیٹھنے سے تو بہتر ہی تھا اور وقت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ حیدر صدیقی کا گھر بالکل ان کے سامنے تھا' ان کا بیٹا سجاد حیدر آٹھویں کلاس میں پڑھتا تھا اور اماں بی نے صوفیہ کو اس کے پاس پڑھنے بٹھا دیا کیونکہ بھائیوں کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ صوفیہ کو پڑھا سکتے اس مجبوری کے پیش نظر وہ سجاد کے پاس پڑھتی۔

وقت یونہی دبے پاؤں سرکتا رہا اور بہت سی تبدیلیاں چھوڑتا گیا' امجد اور ارشد شادی کے بعد علیحدہ ہوگئے' ہفتے عشرے میں اپنی بیویوں کے ساتھ آجاتے۔ اماں بی سلائی کڑھائی کرتیں کیونکہ علیحدہ ہونے کے بعد لڑکوں نے اس گھر سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا جبکہ اماں بی کو سرو کی طرح بڑھتی ہوئی صوفیہ کی فکر گھلائے جارہی تھی۔ جس کے لیے انہوں نے کوئی چیز نہ بنائی تھی کیونکہ دکان سے جو آمدنی ہوتی وہ گھر کے اخراجات میں چلی جاتی اور ہفتے عشرے میں امجد اور ارشد آجاتے تو ان کے اخراجات میں جمع پونجی بھی چٹ ہوجاتی۔ ادھر مہنگائی صوفیہ کے قد کی طرح بڑھتی جارہی تھی۔

صوفیہ میٹرک میں تھی جب سجاد حیدر بی اے کرکے ایک بینک میں ملازم ہوگئے۔ صوفیہ اب بھی بے دھڑک ان کے ہاں چلی جاتی' کوئی سوال نہ آتا تو سجاد سے پوچھ لیتی۔ انگریزی میں متوسط طبقے کی ننانوے فیصد لڑکیوں کی طرح کمزور تھی اور انگریزی اسے حیدر پڑھا دیا کرتے۔ بعض مرتبہ وہ اس سے کہتے "اردو بھی لے آیا کرو تم اردو کی تشریح صحیح نہیں کرسکتیں" اور جب وہ غالب اور درد وغیرہ کی غزلوں کی تشریح کرتے اور ایسے ایسے عشقیہ جملے کہتے کہ صوفیہ تو کانوں کی لوؤں تک سرخ ہوجاتی۔

وہ تو بعد میں پتا چلتا کہ شاعر محبوب خالق حقیقی کو کہہ رہا تھا اگر سجاد بھائی کچھ کا کچھ بتا دیتے اور نہ جانے کیوں دل میں مدھر سپنوں کی بارات سج جاتی۔ دل میں نئے احساسات وجذبات پیدا ہونے لگتے اور وہ اس نئی آفت

سے گھبرا جاتی پھر کئی روز تک سجاد کی طرف نہ جاتی مگر پھر جانا ہی پڑتا۔

صوفیہ نے میٹرک پاس کیا تو اماں ابا سے ضد کر کے کالج میں داخلہ لے لیا۔ اماں نے بھی اس لیے داخلہ دلوا دیا کہ ابھی تک کوئی ایسا رشتہ ہی نہ آیا تھا' جو صوفیہ کے لیے موزوں ہوتا سو انہوں نے کھلے دل سے اسے کالج میں پڑھنے کی اجازت دے دی۔

محلے کی دو تین اور بھی لڑکیاں جایا کرتی تھیں صوفیہ بھی انہی کے ساتھ کالج جانے لگی۔ شام کو حسب معمول وہ سجاد سے پڑھنے چلی جاتی' انہی دنوں سجاد نے ایک حیرت انگیز انکشاف کیا جس نے صوفیہ کی دل کی کیاری کے تمام مہکتے پھولوں کو خاکستر کر ڈالا اس کی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی' دل بجھ سا گیا مگر اس کے ہونٹ مسکراتے رہے۔ بعض مرتبہ دل کی اداسیوں کو چھپا کر مسکرانا بھی تو پڑتا ہے۔ سجاد نے اسے بتایا تھا۔

"صوفیہ! ہماری برانچ میں ایک لڑکی آئی ہے۔"

"اچھا۔"

"ہاں' بہت خوب صورت' جیسے میدے اور شہد کے آمیزے سے بنائی گئی ہو۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں' کمر پر جھولتی ناگن کی طرح لہراتی بل کھاتی چوٹی اور نام بھی بہت پیارا ہے شیریں...... شیریں ناصر! نام لو تو یوں لگتا ہے جیسے منہ میں شیرینی سی گھل گئی ہو۔" سجاد بے خودی سے بولے تھے۔

"آپ کو اچھی لگتی ہے؟" صوفیہ نے آہستہ سے پوچھا۔

"تو تم اچھی کا کہہ رہی ہو وہ تو ایک دم دل کے پلیٹ فارم پر دندناتی پھرتی ہے۔" سجاد سینے پر ہاتھ رکھ کر نہایت شوخی سے بولے۔

"اُف توبہ!" صوفیہ مارے شرم کے سرخ ہوگئی۔

"یہ تم کیوں بیر بہوٹی بنی جا رہی ہو؟" سجاد اسے چھیڑنے لگے۔

"آپ کو مجھ سے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔"

نصیحت

□ زمین اور اہل زمین کے درمیان بکھری اچھی باتوں اور عادتوں کو یوں چنو جیسے پرندے زندگی کے لیے رزق چنتے ہیں۔

□ فرائض کو اچھی طرح ادا کیا کرو یہ جہاد سے افضل ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا ان تمام امور کے برابر ہے۔

□ ہر عروج کو زوال ہے اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمارے زوال میں بھی کمال رکھے۔

□ علم وہ نہیں جو آپ نے سیکھا ہے علم وہ ہے جو آپ کے عمل و کردار سے نظر آئے۔

شبینہ مغل...... حیدرآباد' سندھ

"وہ کیوں؟" سجاد غرائے۔

"بھلا بہنوں سے ایسی باتیں کی جاتی ہیں؟" صوفیہ نے کھٹ سے خود کو ان کی بہن بنا دیا۔

"تو تم میری بہن تھوڑی ہو۔" سجاد اطمینان سے بولے۔

"پھر کیا ہوں؟" صوفیہ کی پلکوں پر خواب سے سجنے لگے دل عجیب انداز میں ہلکورے لینے لگا۔

"تم تو میری دوست ہو۔" اور یہ سنتے ہی صوفیہ کی پلکوں کے خواب ٹوٹے آنسوؤں کی طرح بکھرنے لگے۔ خواب تو شیریں ناصر کا نام سن کر پہلے ہی بکھر گئے تھے مگر سجاد کے ایک جملے نے تھوڑی دیر کے لیے ان لرزیدہ خوابوں کو پھر ٹکا دیا تھا۔

پھر یوں ہوا کہ سجاد حیدر اسے روز شیریں ناصر کی متعلق بتانے لگے۔ اس کی ایک ایک ادا کی تعریف کرتے۔ "بس صوفیہ میرا جی چاہتا ہے اسے چھو کر دیکھوں۔" وہ بعض مرتبہ بڑے جذب کے عالم میں کہتے تو صوفیہ انہیں دیکھ کر رہ جاتی۔ دل کے سمندر میں طغیانی سی آجاتی' گھر آ کر سوچتی کہ اب وہ سجاد کی طرف نہیں جائے گی مگر اس کا عہد سوہنی کے کچے گھڑے کی طرح ناپائیدار ہوتا اور رات

گزرتے ہی وہ عہد بھی گزری ہوئی رات کی مانند ہوجاتا۔ وہ سوچتی شاید سجاد کی نظر عنایت کبھی ادھر بھی ہوجائے۔

یونہی ڈھیروں دن بیت گئے شام رات کے کندھوں پر جھک آئی تھی جب صوفیہ اماں کے ہمراہ سجاد کے ہاں آ گئی اسے انگلش پوئٹری سمجھنا تھی۔ اماں بی تو سجاد کی والدہ کے پاس بیٹھ گئیں اور صوفیہ سجاد کے کمرے میں آ گئی وہ کرسی پر بیٹھے پلکیں موندے نہ جانے کیا سوچ کر مسکرا رہے تھے۔ صوفیہ کے آنے کی انہیں مطلق خبر نہ ہوئی۔ صوفیہ انہیں دیکھے گئی پیشانی پر بکھرے بال، متبسم ہونٹ، آنکھوں پر جھکی پلکیں وہ یک ٹک انہیں دیکھے گئی۔

''سجاد حیدر آپ میرے خوابوں کی تصویر ہیں مگر آپ کے خوابوں میں تو کوئی اور در آیا ہے شیریں ناصر!'' یہ نام آتے ہی حلق میں عجیب سی کڑواہٹ سرایت کر گئی اس کی آنکھوں کی چمک ایک دم معدوم پڑ گئی تب ہی سجاد حیدر نے آنکھیں کھول دیں صوفیہ کو سامنے پا کر وہ بہت حیران ہوئے۔

''تم کب آئیں؟'' ان کے لب کپکپائے۔

''بس...... بس ابھی ابھی۔'' صوفیہ ایک دم گڑبڑائی دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔

''بیٹھو۔'' انہوں نے اپنے سامنے پڑی کرسی کی طرف اشارہ کیا وہ فوراً بیٹھ گئی۔

''مجھے ذرا پوئٹری پڑھا دیجیے۔'' سجاد کے کچھ پوچھنے سے پہلے اس نے کہا۔

''لاؤ۔'' انہوں نے کتاب اس سے لے لی۔ پھر وہ کتنی ہی دیر اسے سمجھاتے رہے اور وہ سپاٹ چہرہ لیے سب کچھ سمجھتی رہی اور ہوں ہاں میں جواب دیتی رہی۔ جب وہ سمجھا چکے تو صوفیہ نے پوچھا۔

''آپ کی کولیگ کا کیا حال ہے؟''

''وہ شیریں! بھئی اس سے میری دوستی ہوگئی ہے۔'' سجاد خوش ہوکر بولے۔

''ریئلی؟'' صوفیہ نے تیزی سے کہا شاید وہ دل کی چیخ کو اس تیزی میں چھپانا چاہتی تھی۔

''ہاں بھئی میں نے اسے چاہا ہے دوستی کی ہے اور اب اپنانے کی آرزو ہے۔'' سجاد بولتے گئے اور صوفیہ سنتی رہی اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ پتا نہیں سجاد کیا کچھ کہتے رہے اور وہ ڈوبتے دل سے سنتی گئی اور پھر زخم زخم دل لیے گھر آ گئی۔

''تو بھلا اس میں اتنا خود کو جلانے اور تڑپانے کی کیا بات ہے ایسا تو ہونا ہی تھا کب اس نے تم سے اظہار عشق کیا تم تو ہی ہو بے وقوف۔'' صوفیہ نے اپنے تڑپتے مچلتے دل کو سمجھایا۔

وقت کا پہیہ گردش کرتا رہا سجاد حیدر اسے اپنے عشق کے قصے مزے لے کر سناتے رہتے اور وہ دل پر جبر کیے سنتی رہتی اگر وہ سجاد کے ہاں نہ جاتی تو ایک دو روز بعد وہ خود ہی آ جاتے اور اس سے خوب گپیں ہانکتے۔

صوفیہ نے بی اے کا ایگزام دیا تھا کہ اسے سجاد نے بتایا کہ وہ سعودی عرب جا رہا ہے اور پتا نہیں کیوں صوفیہ کو انجانی سی خوشی ہوئی۔

''کب جا رہے ہیں آپ؟''

''صرف ایک ماہ بعد۔'' سجاد بولے۔

''بہت خوشی کی بات ہے۔''

''تمہیں خوشی ہوئی۔'' سجاد نے گمبیر لہجے میں پوچھا۔

''ظاہر ہے آج کل تو زیادہ تر لوگ باہر جا رہے ہیں ریال اور درہم بٹورنے کی فکر میں اپنی ماں بہنوں کے زیور تک بیچ ڈالتے ہیں۔''

''مگر میں نے تو نہیں بیچے۔'' وہ بات کاٹ کر بولے۔

''آپ کو ایسے ہی چانس مل گیا ہوگا۔''

''ہاں۔''

''شیریں سے پوچھ لیا؟'' صوفیہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ لیا۔

''اس سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟'' سجاد ہولے سے بولے۔

''کیوں؟'' صوفیہ نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''چند روز ہوئے اس کی منگنی ہوگئی ہے۔'' سجاد

دکھی ہو گئے۔

"سچ......" صوفیہ حیران تھی۔ "مگر اس سے تو آپ شادی کرنا چاہتے تھے سجاد بھائی؟"

"ہاں۔" سجاد ہولے سے بولے۔ "انسان کرنا کیا کچھ نہیں چاہتا مگر ہوتا وہی ہے جو قدرت کو منظور ہو' وہ جس خاندان سے تھی ان کے ہاں غیروں میں شادی نہیں ہوتی نا۔"

"مگر آپ نے مجھے بتایا نہیں؟" صوفیہ بولی۔

"فضول میں تم میرا مذاق اڑاتیں۔"

"لو مجھے کیا ضرورت ہے مذاق اڑانے کی' میں نے کبھی کبوتر نہیں اڑایا تو مذاق کیا اڑاؤں گی۔" اس نے شوخی سے کہا۔

"بہت شریر ہو۔" سجاد حیدر دکھ سے مسکرا دیئے صوفیہ کو ان کی یہ مسکراہٹ نہایت پھیکی پھیکی سی لگی پھر سجاد باہر چلے گئے۔

حیدر صدیقی کے ہاں سجاد کی طرف سے جو بھی خط آتا' صوفیہ کا ذکر ضرور ہوتا۔ اماں بی اسے ڈھیروں دعائیں لکھوایا کرتیں۔ سجاد نے صرف ایک سال میں ہی اتنا کما کر بھیجا تھا کہ حیدر صدیقی نے دو منزلہ مکان بنوا لیا تھا۔ ضروریات کی ہر شے ان کے ہاں تھی تب صوفیہ حیرت سے سوچتی۔

"ہائے وہاں کیا درختوں پر پیسے لگے ہیں جو لوگ سال بھر میں ہی رئیس ہو جاتے ہیں۔"

صوفیہ نے بی ایڈ کے بعد مقامی سیکنڈری اسکول میں سروس کر لی تھی' گھر میں وہ اماں بی کا ہاتھ بھی بٹایا کرتی اور اماں بی پریشان تھیں اس کے رشتے کے لیے' ہر گزرنے والا دن اس کے سر میں ایک اور سفید بال کا اضافہ کر جاتا۔ چند ایک رشتے آئے بھی مگر لڑکے کم پڑھے لکھے تھے' بات نہ بنی آج کل لڑکیاں اس قدر پڑھ گئی ہیں کہ اچھے رشتے ملنا دشوار ہو گئے ہیں۔

سجاد حیدر پورے دو سال بعد وطن واپس آئے تھے' ان کی اماں کو بھی ان کے لیے چاند جیسی بہو کا ارمان کھائے جا رہا تھا۔ سجاد سے رائے لی گئی تو انہوں نے صوفیہ کا نام لے دیا' اماں کو کوئی اعتراض نہ تھا دیکھی بھالی لڑکی تھی۔ صوفیہ کی اماں بھی راضی تھیں مگر سجاد نے کہہ دیا کہ جب تک میں صوفیہ سے خود بات نہ کرلوں' بات آگے نہ بڑھائی جائے اور جب انہوں نے صوفیہ سے بات کی تو اس نے سوچنے کو وقت مانگا' وہ سوچ رہی تھی۔

"سجاد حیدر میں آپ سے کیا حاصل کرسکوں گی؟ کچھ بھی نہیں۔ میرے دل میں ایک پھانس ہمیشہ اٹکی رہے گی کہ یہی جملے آپ نے شیریں ناصر سے کہے تھے' یہی محبتیں اس پر لٹاتی تھیں اور تو اور آپ نے اسے اپنانے کی آرزو بھی کی تھی۔ یہ اور بات کہ وہ آپ کے مقدر کا ستارہ نہ تھی جب وہ نہ ملی تو ادھر کا رخ کیا۔"

"مگر وہ میری پسند ہے۔" دل نے دہائی دی۔

"تم تو جھلے ہو اب تم چاند کی تمنا کرو' تو وہ میں تمہیں لا کر نہیں دے سکتی نا۔" صوفیہ نے مچلتے دل کو سمجھایا۔

"مگر میں کہاں چاند کی تمنا کر رہا ہوں۔"

"سجاد تو چاند ہی ہے نا؟" وہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بولی اور آنکھوں کے کونے بھیگ گئے۔

"صوفیہ کیا کر رہی ہے تو؟" اماں بی کی آواز اسے سوچوں کے بھنور سے نکال لائی۔

غزل

شب چودہویں کی چاند کی
تھی بجھی بجھی سی چاندنی
بڑی مختصر سی وہ رات تھی
میری عادتوں میں شمار تھی
میرا خواب تھا وہ خیال تھا
میری زندگی کا سوال تھا
میری خوشی اس سے منسوب تھی
میں اس کے قدموں کی دھول تھی
بڑی مختصر سی وہ رات تھی
جس میں اذیتیں کمال تھی

راؤ کرن بدر...... بالا نعو

"کچھ نہیں اماں۔" وہ جلدی سے کمرے سے نکل آئی۔

"کھانا لے آ' بہت بھوک لگی ہے۔" اماں آنگن میں پڑی چارپائی پر بیٹھی تھیں اور وہ جی اچھا کہتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔

وہ جتنا سجاد حیدر کے متعلق سوچتی اتنا ہی اس کی سوچیں طویل ہوتی چلی جاتیں' شیریں ناصر ایک پھانس کی طرح اٹک کر رہ جاتی اور اس کا دم گھٹنے لگتا۔ سجاد حیدر ان دنوں ساہیوال گئے ہوئے تھے اپنے عزیزوں سے ملنے اس لیے وہ اسے ڈسٹرب نہیں کرسکتی تھی۔

انہی دنوں رابعہ بھابی اپنے بھائی عابد کا رشتہ صوفیہ کے لیے لے آئیں' عابد نے اسی سال بی اے کیا تھا اور "کے۔ الیکٹرک" میں سروس کررہا تھا۔ اماں بی کے لیے مسئلہ کھڑا ہوگیا' ایک طرف سجاد تھا جس نے کہا تھا۔

"خالہ جی! صوفیہ میرے دل کی اولین خواہش ہے اس بن میں ادھورا ہوں۔"

دوسری طرف بہو تھی' عابد برا لڑکا نہیں تھا اچھا بھلا تھا اور رابعہ کے کہنے کے مطابق وہ یہ رشتہ اس کے کہنے پر ہی لائی تھی نہ ساس نند کے جھگڑے تھے نہ کچھ اور عابد کی ماں تو تھی نہیں بس بڑے بھائی کے ساتھ رہتا تھا۔

"اماں جی دیکھئے انکار مت کیجیے۔" رابعہ ٹھنک کر کہنے لگیں۔

"بہو تمہارے ابا میاں سے پوچھ لوں۔"

"انہیں ارشد نے سمجھا دیا ہوگا اس لیے ابا میاں کچھ نہیں کہیں گے۔"

"پھر بھی' سجاد کا رشتہ بھی آیا ہوا ہے۔"

"اماں جی اپنا مارے چھاؤں میں ڈالے پرایا مارے دھوپ میں ڈالے بس آپ سمجھیں۔" رابعہ نے اپنے اور غیر کا فرق بتادیا۔

"بہو......"

"اماں جی دیکھئے میں ناراض ہوجاؤں گی۔" رابعہ نے منہ پھلالیا' اصل میں وہ بھائی سے وعدہ کرکے آئی تھی کہ بات آج ہی کلیئر کروالے گی اور عابد نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے سونے کی چوڑیاں بنوا کردے گا۔

"اچھا جیسے تمہاری مرضی۔" اماں جی نے ہتھیار ڈال ہی دیئے' بہو کو ناراض کرتیں تو بیٹا بھی ناراض ہوجاتا اور بھائیوں بنا بہنوں کی ڈولیاں اٹھتی بھلا کب اچھی لگتی ہیں؟

"اوہ میری پیاری اماں جی!" رابعہ مارے خوشی کے ان سے لپٹ گئی اور پھر اماں جی نے سجاد کی والدہ سے انکار کردیا انہوں نے وجہ پوچھی۔

"بھئی بات یہ ہے کہ ہم نے شروع میں رابعہ کے بدلے میں صوفیہ' رابعہ کے بھائی کو دینے کا وعدہ کیا تھا اور اب ہم بدل تو نہیں سکتے۔ اور آپ ہماری مجبوری سمجھیں نا؟"

اور مسز صدیقی نے واقعی ان کی مجبوری سمجھ لی' انسان کی زبان ہی تو سب کچھ ہوتی ہے۔ زبان نہیں تو کچھ بھی نہیں اور یوں ایک ارغوانی سی شام کو صوفیہ کو عابد کے نام کی انگوٹھی پہنادی گئی۔

سجاد گئے تو ایک ہفتے کے لیے تھے مگر انہیں پورے بیس دن لگ گئے' جب واپس آئے تو ماں نے سب حقیقت بتادی اور وہ مارے دکھ کے کراہ کر رہ گئے' پھر بھی انہوں نے صوفیہ سے پوچھنا چاہا۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھی اسکول کی کاپیاں چیک کررہی تھی انہیں ایک دم اپنے کمرے میں دیکھ کر سٹپٹا کر رہ گئی۔

"آپ...... آپ سجاد بھائی...... آئیے۔"

"آ تو گیا ہوں۔" انہوں نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"سنیں...... بیٹھیے......" اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان سے کیا کہے۔

"تم بھی کچھ سن لو میں تمہیں یہ کہہ کر گیا تھا کہ میرے بارے میں سوچنا اور تم دوسرے کی انگوٹھی پہن بیٹھیں۔"

"میں نے آپ کو پہلے ہی مطلع کردیا تھا کہ آپ جو سوچ رہے ہیں وہ ناممکن ہے۔"

"کیوں آخر کیا برائی ہے مجھ میں۔"

"برائی...... کوئی برائی نہیں۔"

"پھر؟" وہ سانپ کی طرح پھنکارے۔

"سجاد بھائی! آپ مردوں کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں جس پر کسی مرد کی پرچھائیں بھی نہ پڑی ہو، جس کے من کے آنگن میں کوئی اور نام نہ گونجا ہو۔ جس کے دل میں صرف وہی ہو جسے وہ پسند کرتا ہے تو پھر ہر لڑکی کی بھی آرزو ہوتی ہے کہ وہ جس مرد سے شادی کرے وہ مکمل طور پر اس کا ہو۔"

"یہ نہ ہو گھونگھٹ الٹتے ہی کہے 'میرا سب کچھ تیرا ہے سوائے دل کے' وہ اپنا مکمل مرد چاہتی ہے۔ اور میں بھی ان لڑکیوں سے مختلف نہیں ہوں۔"

"تو...... تو......" وہ حیران و ششدر رہ گیا۔

"آپ نے شیریں ناصر کو محبتیں دیں، وعدے کیے اس پر نثار ہوئے اور اب وہی سب مجھ پر دہرانا چاہتے ہیں۔ میں کسی طور پر برداشت نہیں کر سکتی کہ استعمال کیے ہوئے جملوں اور محبتوں کی پھوار سے خود کو بھگولوں، یہ مجھ سے نہ ہوگا۔" وہ بولے گئی۔

"تمہیں وہ سب کچھ یاد ہے؟" سجاد نے لبوں پر مسکراہٹ سجا کر پوچھا۔

"ایسی باتیں بھلائی تو نہیں جاتیں۔" صوفیہ نے کہا۔

"مگر ایک بات سچ سچ بتاؤں؟" سجاد بولے۔

"وہ کیا؟" صوفیہ نے انہیں دیکھا۔

"وہ جو شیریں ناصر کے بارے میں تم کو بتایا کرتا تھا وہ سب جھوٹ تھا۔" سجاد نے انکشاف کیا۔

"کیا......؟" اب حیران ہونے کی باری صوفیہ کی تھی۔

"ہاں بھئی وہ سب جھوٹ تھا، میں چاہتا تھا کہ تم مجھ سے لڑو، مجھ سے کہو کہ سجاد تم صرف میرے ہو تم کسی شیریں کو نہیں اپنا سکتے۔"

"مگر آپ یہ کیوں چاہتے تھے؟" صوفیہ نے ڈوبتے دل کو سنبھالا۔

"میں نے بہت پہلے ہی تمہاری آنکھوں میں اپنا عکس تیرتا دیکھ لیا تھا اور میں چاہتا تھا کہ پہل تمہاری طرف سے ہو۔ یہ میرے دل کی خواہش تھی کہ پھر ساری عمر میں نے اظہار کرنا تھا کیونکہ مجھے علم تھا کہ تم مجھے چاہتی تھیں اور چاہتی ہو۔" وہ بڑے وثوق سے صوفیہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بول رہے تھے اور صوفیہ کو اپنے گرد دھماکے سے ہوتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ دل میں عجیب سا درد لہریں لے رہا تھا اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا، یہ انکشاف بہت دل دوز تھا۔

"آپ...... آپ......" صوفیہ کے لب کپکپا کر رہ گئے۔

"صوفیہ! تم صرف میری ہو صرف میری...... پھینکو یہ انگوٹھی اتار کر تمہیں میرے نام کی انگوٹھی پہننا ہے۔" سجاد اس کا ہاتھ تھامے نہایت محبت سے بول رہے تھے اور...... اور وہ زرد سا چہرہ لیے انہیں تک رہی تھی۔

"اتارو یہ......" سجاد نے اس کے ہاتھ کی انگلی سے انگوٹھی اتارنا چاہی تو وہ ایک دم ہوش میں آ گئی، اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ بالکل اچانک ہی اس کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہو گئے۔

"میں نہیں اتاروں گی۔" وہ تیزی سے بولی۔

"مگر کیوں؟" وہ حیران تھے۔

"بس میری مرضی۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

"اگر تمہیں اتنا ہی شوق ہے انگوٹھی پہننے کا تو میں آج ہی پہنا دوں گا۔" سجاد شوخ ہو گئے۔

"نہیں سجاد صاحب! مجھے یہی انگوٹھی عزیز ہے، اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ اس شخص کی انگوٹھی ہے جس نے کبھی تمہاری طرح میری انا کا امتحان نہیں لیا۔ تمہاری طرح میری محبت کی آزمائش نہیں کی، سچے تم نہیں وہ ہے۔ وہ جس نے مجھ سے اقرار محبت کی بھی تمنا ہی نہیں کی۔" سجاد آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتے ہی رہ گئے اور وہ ہوا کے ایک تیز جھونکے کی طرح کمرے سے نکل گئی۔

بڑا آدمی

سباس گل

گھنٹی کی آواز سن کر ابراہیم نے گہری نیند سے آنکھیں کھولیں تھیں۔ شنکرلال کارنس پہ رکھی بھگوان کی مورتی کے سامنے کھڑا گھنٹی بجا رہا تھا۔

"یہ لو...... بھگوان کو گھنٹی بجا بجا کر جگا رہا ہے۔"

ابراہیم بڑبڑایا اور مندی مندی آنکھوں سے شنکرلال کو تکنے لگا۔ جو گھنٹی کارنس پہ رکھ کر اب اپنے دونوں ہاتھ جوڑے اور آنکھیں موندے نجانے بھگوان سے من ہی من میں کیا راز و نیاز کر رہا تھا؟

"ارے بھئی شنکرلال، اتنی رات کو بھگوان کو کیوں تنگ کر رہے ہو؟ انہیں بھی آرام کرنے دو اور ہمیں بھی۔" ابراہیم نے نیند میں ڈوبی آواز میں کہا تو شنکر لال کا ارتکاز ٹوٹ گیا وہ بے چینی کے عالم میں ابراہیم کے پلنگ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بہت پریشان لہجے میں بولا۔

"وہ کیا ہے کہ ابراہیم بابو! ہم نے بہت ڈراؤنا بہت عجیب سپنا دیکھا ہے ابھی۔"

"تو بھگوان سے کیا تم سپنے کی تعبیر پوچھ رہے تھے؟" ابراہیم نے مسکرا کر پوچھا تو وہ ایک دم سے اٹھ کر ہاتھ جوڑے پھر سے بھگوان کی مورتی کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کے بدن سے پسینہ پھوٹ رہا اور آواز کانپ رہی تھی۔

"نہیں ابراہیم بابو! میں تو بھگوان سے پراتھنا (دعا) کر رہا ہوں کہ میرا سپنا سچا نہ ہو۔"

"ایسا کیا دیکھ لیا شنکرلال؟"

"ابراہیم بابو! میں نے دیکھا کہ...... میں......"

"رک کیوں گئے؟ شنکرلال بتاؤ نا ایسا کیا دیکھ لیا تم نے؟ کہ تمہاری نیند اڑ گئی۔ پسینے چھوٹ گئے۔ رنگ فق ہو گیا؟" ابراہیم کو بھی تجسس کے مارے اٹھ کر بیٹھنا پڑا۔

"وہ میں نے دیکھا کہ...... زبان ساتھ نہیں دے رہی ابراہیم بابو آنکھوں نے جو دیکھا ہے...... وہ زبان تک آنے کا حوصلہ نہیں پا رہا۔" شنکرلال نے حواس باختہ سے انداز میں کہا۔

"لگتا ہے کچھ انہونی ہو گئی تمہارے ساتھ سپنے میں؟"

"ایسی ویسی انہونی؟" شنکرلال نے ابراہیم کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا۔

"ہمارا تو دھرم، بھرم، جسم سب پاپ میں پڑ گیا۔ سنسار بدل گیا، دنیا ہی اور تھی وہ اور ہم تھے۔"

"ابے یار شنکرلال سو جا بھائی تو بھی سو جا اور مجھے بھی سونے دے اور اپنے بھگوان جی کو بھی سونے دے آرام سے۔ صبح اٹھ کر ان سے خواب کی تعبیر پوچھ لینا۔" ابراہیم نے الجھن زدہ لہجے میں کہا اور جمائی لیتے ہوئے پھر سے لیٹ گیا۔

"نا ابراہیم بابو! اب مجھے نیند نہیں آنے کی۔"

"اچھا بھائی، تو باہر جا کے چوکیداری کر لے۔ وہ برابر والے مرزا صاحب، کہہ رہے تھے کہ ان کے کھیت سے روز رات کو کوئی مولیاں، شلجم، گاجر توڑ کے لے جاتا ہے جاؤ جا کے ان کے سبزی چور کا پتا لگاؤ۔ اگر تم نے اس سبزی چور کو پکڑ لیا نا تو سمجھو روزانہ مفت سبزی ملا کرے گی تمہیں۔ اتنی مہنگائی میں جب کہ سبزی سونے، چاندی کے بھاؤ بک رہی ہے تمہارا یہ خرچہ تو بچ جائے گا۔" ابراہیم نے سنجیدہ مگر پر مزاح انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ شنکرلال کسی اور ہی خیال میں گم تھا۔ کھوئے کھوئے لہجے میں گویا ہوا۔

"چور...... سبزی چور...... ابراہیم بابو ایک بات بتاؤ؟"

"ہوں پوچھو۔"

"چوری کیا صرف چیزوں کی ہوتی ہے؟ مطلب، سبزی ترکاری، سونے چاندی، کپڑے گہنے روپے پیسے کی چوری ہوتی ہے اور بس؟" شنکرلال نے ابراہیم کی طرف

دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔
"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو شنکرلال؟"
"کیا مذہب کی دھرم کی چوری نہیں ہوتی؟ ایک دھرم پہ رہتے ہوئے کسی دوسرے دھرم کے آگے ماتھا ٹیکنا ہاتھ جوڑے بھگوان کی مورتی کے آگے اور ماتھا مسجد کے مصلے پر ٹیکے۔ جاگے تو جے ماتا دی اور سوئے تو......"
"سوئے تو...... بول نا شنکرلال؟"
"زبان ساتھ نہیں دیتی ابراہیم بابو۔" شنکرلال بے بسی سے بولا۔
"دل ساتھ دے رہا ہے؟" ابراہیم نے سوال کیا۔
"دل تو چور بنا بیٹھا ہے۔"
"کیوں کیا چوری کرلی؟" ابراہیم نے اس کے چہرے پر پھیلی بے چینی اور الجھن کو دیکھتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔
"کسی لڑکی وڑکی کا چکر تو نہیں ہے شنکرلال؟"
"ابراہیم بابو! لڑکی کا چکر ہوتا تو اتنی چنتا (فکر) نہ ہوتی۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔
"ہائیں! یعنی لڑکی چکر سے زیادہ بڑا بھی کوئی چکر ہے جو پریشان کرسکتا ہے تم جیسے جوان کو؟"
"دھرم سے بڑا کوئی چکر ہوگا کیا؟" شنکرلال نے سنجیدگی سے پوچھا تو ابراہیم جھنجلا سا گیا اور تھک کر بولا۔
"ابے یار رات کے اس پہر تو کون سا فلسفہ سمجھانے کی کوشش کررہا ہے؟ سوجا یار۔"
"کیسے سوؤں ابراہیم بابو؟" وہ تھکے تھکے انداز میں اپنی چارپائی پر ڈھے سا گیا۔
"میری نیند تو میرے سپنے نے اڑا دی ہے ڈرتا ہوں کہ کہیں پھر سے سو گیا تو وہی سپنا نہ دکھائی دے جائے۔"
"شنکرلال! اب تم مجھے اپنا سپنا سنا رہے ہو یا میں سو جاؤں؟" ابراہیم نے سنجیدگی سے اسے دھمکایا۔
"وہ ابراہیم بابو!" شنکرلال اپنی انگلیاں آپس میں پیوست کرتے ہوئے چور لہجے میں بولا۔ "میں نے دیکھا کہ میں...... میں شنکرلال، ہندو مذہب کا پیروکار مسجد میں جھاڑو پھیر رہا ہوں۔"
"کیا؟" ابراہیم حیرت سے اچھل کر اٹھ بیٹھا۔
"کیا کہا تم نے؟"
"آپ کو بھی سن کے جھٹکا لگا نا۔ تو میری کیفیت کا اندازہ آپ خود لگالیں کہ میں نے یہ سپنا دیکھا ہے تو میرا کیا حال ہوا ہوگا؟" شنکرلال نے بے بسی سے کہا۔
"ہوں...... ٹھیک کہتے ہو شنکرلال! اچھا تو تم نے واقعی خواب میں دیکھا کہ تم مسجد میں جھاڑو لگا رہے ہو۔"
"جی ابراہیم بابو! وہ جہاں آپ نماز پڑھنے جاتے ہو۔ اسے مسجد کہتے ہو نا؟ وہی تھی سبز گنبد سفید مینار والی مسجد جھاڑو دیتا شنکرلال مصلے بچھاتا کٹر ہندو...... یہ کیسے ممکن ہے ابراہیم بابو۔"
"اس (اللہ) کے لیے سب ممکن ہے۔" ابراہیم نے دیوار پر لگی خانہ کعبہ کی بڑی سی تصویر کی طرف دیکھ کر کہا۔
"پر میں تو یہاں نوکری کرنے آیا تھا مسلمان ہونے نہیں۔ کام ڈھونڈنے آیا تھا بڑا آدمی بننے کے لیے گھر سے نکلا تھا۔" شنکرلال اٹھ کر بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ شنکرلال چھبیس برس کا واجبی شکل وصورت کا دبلا پتلا جوان تھا۔ پکا سانولا رنگ، بڑی بڑی آنکھیں، گھنگریالے کالے بال، ساڑھے پانچ فٹ قد، تعلیم بی اے تھی مگر عقل کی اے بی سی سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا یہ اس کے گھر والوں کا خیال تھا اس کے بارے میں۔
"شنکرلال! آدمی اگر من سے مسلمان ہوجائے تو سب کام سنور جاتے ہیں، بگڑی بن جاتی ہے کھوئے مل جاتے ہیں، گناہ دھل جاتے ہیں، پھر ہر کسی کی نوکری نہیں کرنی پڑتی، بس ایک کی نوکری کرنی ہوتی ہے۔" ابراہیم نے اسے سنجیدگی سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"کون سی نوکری ابراہیم بابو؟" شنکرلال نے سوال کیا۔ "بندے کی یا بھگوان کی؟"
"اس کی نوکری جس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے وہ واحدہ لاشریک ہے۔" ابراہیم نے سنجیدگی سے کہا۔
"نوکری، چاکری، غلامی، جماوری، یہ سب تو

خانقاہوں، مزاروں، مسجد درگاہوں پہ ملتی اور ہوتی ہے نا؟'' شنکرلال بولا۔

''تو سمجھ لے شنکرلال، کہ تجھے مسجد کی نوکری مل گئی، کسی اللہ والے کے مزار پہ مجاور بن گیا مسلمان ہو کے......''

''نہ جی نہ مجھے کچھ نہیں بننا۔ نہ مسلمان ہونا ہے۔ رام رام بھگوان شما کردیں بھگوان۔'' شنکرلال نے تیزی سے بے کلی سے ابراہیم کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتا، بھگوان کی مورتی کے سامنے ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہوگیا اور معافی طلب کرنے لگا اور ابراہیم اس کی طرف دیکھتے ہوئے زیر لب بڑبڑا رہا تھا۔

''اتنی تیزی سے نیند سے جاگ کے بھگوان کو یقین، تسلی دلا رہا تھا کہ فکر نہ کرو بھگوان جی میں آپ ہی کا پجاری ہوں نیا ایک سپنا مجھے کہیں نہیں لے جانے کا، مجھے آپ کے چرنوں سے دور نہیں کرنے کا آپ یقین رکھنا۔ پتا نہیں وہ بھگوان کو یقین دلا رہا تھا یا خود اپنے آپ کو؟'' بہرحال جو تھا شنکرلال کا حال اس وقت خاصا بے حال تھا۔

''میرے خواب کا انجام کیا ہوگا؟ ابراہیم بابو؟'' شنکرلال نے بے کلی سے ابراہیم کی طرف رخ موڑتے ہوئے پوچھا تو اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''بتایا تو ہے۔''

''من نہیں مانتا۔''

''اچھا تو من کو کھلا اور آزاد چھوڑ دو اور دیکھو اللہ اسے کس رستے پہ لے جاتا ہے؟''

''میں نے کس رستے پہ جانا ہے جی؟ بھگوان کو مانتا پوجتا ہوں، ہندو ہوں، جدی پشتی ہندو ہوں، تلک لگاتا ہوں، آرتی کرتا ہوں، مندر جاتا ہوں، پرساد بانٹتا اور لیتا ہوں، مندر کی گھنٹی اور بھجن، آنکھ کھلتے ہی سننے کو ملتے تھے اب گیتا بھی پڑھتا ہوں۔ آج تک وہی بھجن گا رہا ہوں۔ اس کے آگے ماتھا ٹیکتا ہوں، ہاتھ جوڑ کے مانگتا ہوں۔ پھر بھلا مسلمان کیسے ہوسکتا ہوں؟'' شنکرلال نے سنجیدگی سے کہا۔

''وہ جو تیرے سپنے میں آسکتا ہے نا وہ کچھ بھی کرسکتا

ہے۔ اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں اس کے تو ایک ”کن“ کہنے پر کل کائنات کا نظام بن وبگڑ جائے‘ مردے میں جان پڑ جائے‘ اور جان دار کی جان نکل جائے۔ بے دین‘ دیندار ہو جائے‘ کافر مسلمان‘ ہو جائے...... وہ جو چاہے سو کرے۔ اگر وہ تمہیں مسجد میں دیکھنا چاہتا ہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔“ ابراہیم مسکراتے ہوئے نرمی سے بولا۔

”ایسا کچھ نہیں ہونے کا جی‘ سپنے کون سا سچے ہوتے ہیں۔ اور وہ تو میں آپ کے ساتھ رہتا ہوں ناں‘ آپ کو نماز‘ قرآن پڑھتے دیکھتا ہوں‘ اذان سنتا ہوں‘ مسجد کے پاس سے ہر روز گزرتا ہوں‘ نمازیوں کو دیکھتا ہوں تو...... اسی لیے تو یہ سب میرے دماغ میں محفوظ ہو گیا اور مجھے سپنے میں نظر آ گیا۔“ شنکرلال نے ابراہیم سے زیادہ خود کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”دل کے بہلانے کو یہ خیال اچھا ہے۔“ ابراہیم ہنس پڑا۔

”ہاں تو اور کیا شنکرلال؟ اب اگر تم مجھے نماز پڑھتے‘ مسجد جاتے دیکھتے ہو تو میں تمہارے سپنے میں کیوں نہیں نظر آیا؟ نظر تو صرف وہ (اللہ کا گھر) آیا ہے اور دوسرا وہ (یعنی شنکرلال) جسے مالک اپنے گھر کا رستہ دکھانا چاہتا ہے۔“ ابراہیم نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ مزید بے کل ہو گیا۔

”وہ کیا بتانا چاہتا ہے مجھے؟“

”وہ کون؟“ ابراہیم نے مسکراتے ہوئے شرارت سے پوچھا۔

”وہ...... جسے آپ ”اللہ“ کہہ کے پکارتے ہو؟“ وہ جھجکتے ہوئے بولا۔

”وہ یہی چاہتا ہے کہ تم ”اللہ“ کو پکارو۔“ اسی لمحے دور کی کسی مسجد سے موذن کی آواز آئی۔

”اللہ اکبر‘ اللہ اکبر“

”سنا تم نے شنکرلال وہ پکار رہا ہے‘ بلا رہا ہے اپنی جانب‘ اپنے رستے پہ‘ صراط مستقیم پر چلنے کے لیے پکار رہا ہے۔“ ابراہیم نے اسے دیکھتے ہوئے مسکرا کر نرمی سے کہا۔

”وہ آپ کو پکار رہا ہے ابراہیم بابو! وہ انہیں پکار رہا ہے جو اس کے ماننے والے ہیں۔“ شنکرلال نے جواب دیا مگر دل کے اندر عجیب سی بے کلی اور ہلچل مچ گئی تھی اذان کی آواز سن کر۔

”نہیں شنکرلال‘ وہ ہم سب کو پکار رہا ہے۔ دن میں پانچ بار پکارتا ہے۔ کسی دن چلو نا ہمارے اللہ جی کے گھر۔ مجھے یقین ہے تم ان سے مل کر خوش ہو گے۔ میرا ”اللہ“ تمہیں پسند آئے گا۔“

”اور کیا میں ”اللہ“ کو پسند آ جاؤں گا؟“ شنکرلال کا سوال ابراہیم کے ہونٹوں پہ تبسم بکھیر گیا۔ وہ بہت پیارے لہجے میں کہنے لگا۔

”جسے وہ پسند نہ کرے‘ اس کے خوابوں میں آ کے تو نہیں ملتا نہ اس سے...... اس کے سپنوں میں آ کے دعوت تھوڑی دیتا ہے...... بس جو اسے پسند آ جائے اس کے پاس تو وہ خود ہی دوڑا چلا آتا ہے...... اسے تو وہ خود ہی اپنے پاس بلا لیتا ہے۔“

”ہم...... میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔“

”کہاں جائے گا شنکرلال؟ اس سے چھپ کر‘ اس سے بچ کر کہاں چھپے گا؟ کہاں بھاگے گا اس کی نظروں سے اوجھل ہو کر؟ وہ تو خود تیرے پاس‘ آن پہنچے گا جیسے تیرے سپنے میں آ گیا تجھے جگانے...... تو شنکرلال! مجھے لگتا ہے وہ تجھے جگائے بغیر اب مانے گا نہیں۔ میری مان! اس (اللہ) کی مان لے۔ ایمان سے کم پہ نہیں ٹلنے کا۔ کلمے سے کم پہ راضی نہیں ہوگا وہ...... تو چاہے کہیں بھی چلا جا کہیں بھی جا کے چھپ جا...... اس سے نہیں چھپ سکتا‘ ارے وہ تو تیرے اندر گھسا بیٹھا ہے...... اب آہستہ آہستہ پردہ سرک رہا ہے۔ وہ تو تیرے نینوں میں سپنوں میں آ بیٹھا ہے اس سے چھپ کر تو کیسے کہیں جائے گا شنکرلال؟“

”حی علی الفلاح‘ حی علی الفلاح۔“ کی آواز سماعتوں میں پڑی تو ابراہیم پھر سے بولنے لگا۔

”سنا تو نے‘ وہ بلا رہا ہے‘ آؤ بھلائی کی طرف‘ آؤ

خیر کی طرف۔"
"اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ سب سے بڑا ہے، جبھی تو ایک ہندو کے سپنے میں بھی آجاتا ہے، اسے جگانے کے لیے...... کنفیوز کردیا نا اس نے تجھے۔ تیری یہ کشمکش ختم کرکے ہی رہے گا۔ تو یہاں سے تو بھاگ سکتا ہے پر اس سے نہیں بھاگ سکتا۔"
"آپ مجھے ڈرا رہے ہیں؟" شنکرلال نے استفسار کیا اس کی آنکھوں میں وحشت سی بھری تھی۔
"نہیں سمجھا رہا ہوں کہ اگر اس نے ٹھان لی ہے تو پھر مزاحمت، انکار، تکرار سب بیکار ہے چلتا ہوں۔ نماز نہ نکل جائے میری...... بھگوان جی آڑے نہ آئیں تو میرے پیچھے پیچھے آجانا...... نیت تم کرو، وضو ہم کرادیں گے...... مسلمان وہ (اللہ) کرادے گا۔ مسلمان ہوگئے تو سجدہ کرنے کو دل اپنے آپ چاہے گا۔ اس کے سامنے زمین پر ماتھا ٹیکنے اور جھکنے سے انسان کتنا اوپر اٹھ جاتا ہے اگر وہ جان لے تو اس کی دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں...... اللہ اکبر۔" ابراہیم اپنی بات مکمل کرکے سر پر ٹوپی پہنتے ہوئے مسجد کی طرف نکل گیا اور شنکرلال کا بے کل دل مزید بے کل ہوکر اس کے پیچھے ہی نکل گیا تھا۔ آنکھیں بھگوان کی مورتی پہ ٹکی تھیں، کان "اللہ اکبر" کی صدا پر چونکے تھے دماغ میں سپنا گھوم رہا تھا، اس کا سر گھوم رہا تھا، اس کے اردگرد سب کچھ گھوم رہا تھا۔

☆......☆☆......☆

شنکرلال کا تعلق ایک کٹر ہندو گھرانے سے تھا۔ بھرے پورے گھر کا جی تھا وہ۔ ماں باپو کے علاوہ چار بھائی اور تین بہنیں بھی تھیں اور وہ ان سب میں آخری نمبر پر تھا۔ سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے ماں باپ کا لاڈلا تو تھا مگر بھائیوں، بہنوں کا چہیتا، بس تب تک ہی رہا جب تک وہ سب ایک ایک کرکے بیاہے نہ گئے۔ گھر میں بھابیاں آگئیں تو چھوٹے شنکرلال اور بھی چھوٹے ہوگئے، ہوٹلوں، ورکشاپ، چائے خانوں اور مل کارخانوں میں کام کرنے والے چھوٹے جیسی حیثیت ہوگئی تھی، شنکرلال کی۔ ایک بات جو اسے اپنے دوسرے بھائی بہنوں سے ممتاز کرتی تھی وہ اس کی تعلیم تھی۔ اس نے اسکول کے بعد کالج جاکے بی اے کیا تھا۔ وہ پڑھائی میں تو بہت لائق تھا مگر اپنے بھائی بہنوں اور دوسرے لوگوں کی طرح تیز طرار اور چالاک نہیں تھا۔ بھائی آٹھویں، میٹرک سے بھاگ گئے تھے اور بہنوں نے آٹھویں، دسویں کرکے بیاہ رچالیا تھا۔ شنکرلال کے باپو مدن لال اور ماں سیتالال اسے آگے پڑھنے کا سبق پڑھایا کرتے، شنکرلال کے اندر ایک سیوک چھپا تھا، وہ ہر کسی کی خدمت کرنے اور ہر کسی کے کام آنے میں بہت تیز تھا۔ گھر والوں کے کام تو وہ یوں بھاگ بھاگ کر کرتا جیسے وہ اسے بہت عزت ومحبت سے رکھتے ہوں، اس کا جی بھر کے خیال رکھتے ہوں، اس پہ جان نچھاور کرتے ہوں...... پر ایسا کچھ نہیں تھا وہ اپنی خوشی سے سب کے کام کرتا تھا۔ اور جواب میں کوئی اسے شکریہ کا ایک لفظ بھی نہ بولتا، الٹا اسے طعنے سننے کو ملتے کے...... کام کا نہ کاج کا دشمن اناج کا......"
"ڈھ حرام ہے مفت کی روٹیاں توڑتا ہے اگر ہمارے چھوٹے موٹے کام کردیتا ہے تو کوئی احسان نہیں کرتا ہم پر۔" یہ اس کی بھابیوں کے خیالات تھے شنکرلال کے بارے میں۔
"بی اے کرکے کون سا تیر مار لیا اس نے عقل کی اے بی سی تو آوے نہ اسے...... بات تو جب ہے کہ یہ کوئی تگڑی پگار (تنخواہ) والی نوکری ڈھونڈ کے دکھاوے۔" بڑا بھائی کہتا تو منجھلا بھی پیچھے نہ رہتا۔
"ہاں تو اور کیا اماں اپنا کنبہ ہے، ہم کیا اب اسے بھی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ پالیں گے؟"
"کتنی دفعہ بولا اس سے کہ مزدوری کرلے، کوئی ٹھیلا لگالے پر نہ جی اس کی تو تعلیم کی بے اجتی (بے عزتی) ہوجاوے گی کے لاٹ صاحب نے چودہ جماتاں پاس کری ہیں تو بہت بڑی افسری کی نوکری ہی ان کے بیجھے میں سماوے گی۔" منجھلے سے چھوٹا بولتا۔
"کھانا پینا، پہننا اوڑھنا سب کچھ تو پورا ہورا ہے۔ پھر

یہ کیوں کرنے لگا نوکری' مزدوری...... ماں باپو کا لاڈلا ہے نا...... ساری زندگی اسے اپنی گود میں بٹھا کے کھلاویں گے۔ کما کے لاوے گا تب اسے پتا چلے گا کہ پیسے کیسے کمائے جاویں؟"

چوتھے نمبر والا بھی شنکر لال کو جلی کٹی سنانے میں اپنا حصہ ڈالتے ہوئے کہتا۔ شنکر لال اپنے سگے بھائیوں کی باتیں سن کر شرم سے زمین میں گڑ جاتا۔ کسی کو احساس تک نہ ہوتا کہ ان کی یہ باتیں اس کے دل میں کتنے چھید کرتی ہیں۔

"دیکھ شنکر لال! جب تک تو کمانے جوگا نہ ہوگا تجھے طعنے سننے کو ملتے رہویں گے' کوئی کام دھندا ڈھونڈ اپنی روٹی' کپڑے جوگا تو ہوجا۔" دوسری بہن کہتی۔

"دیکھو میرے بھائی! میں تو صاف صاف کہوں گی چاہے تجھے برا لگے کہ بھلا میری یہ بات اپنے پلو سے باندھ لے تو' ماں باپ کو بھی کماؤ پوت ہی اچھے لگیں' ابھی تک تو باپو کی کمائی پہ کھا' پہن رہا ہے اور بھائیوں نے طعنے دے دے کے تیرے ناک میں دم کر رکھا ہے ذرا سوچ اگر ماں باپو کو کچھ ہوگیا تو کون تیرا خرچہ اٹھائے گا؟ اور ماں باپو کب تک تیرے پہ پیار اور ممتا لٹاویں گے۔ ان کے ہوتے وے نوکری اور چھوکری کر لے ان کی آنکھ بند ہوتے تیرے بھائی تجھے آنکھا دکھانے لگیں گے۔"

تیسری بہن جو اس سے ڈیڑھ برس بڑی تھی وہ کہتی۔

"شنکرا! تو محنت مزدوری کر لے اور اپنی الگ سے کٹیا جھونپڑی ڈال لے۔ بیاہ کے بعد اس گھر میں نہ رہیو...... ورنہ بھابیاں تیرے کو تو نوکر بنا ہی چکے ہیں تیری گھر والی کو بھی ناکوں چنے چبوا دیں گی' اسے اپنی نوکرانی بنا کے رکھیں گی...... عزت سے جینا ہے تو عزت سے کمانا شروع کر دے...... دنیا تو دنیا...... سگے بہن بھائی بھی رشتے کو نہیں ملتے...... پیسے کو ملیں' پیسے کو...... باپ بڑا نہ بھیا' سب سے بڑا روپیہ...... سمجھ لے ابھی بھی وقت ہے ورنہ یونہی بھائی بھابیوں کے بچے پالنے' سوئی دھاگے' سبزی ترکاری لانے میں تیری عمر برباد ہو جاوے گی' ابھی تک تو ماں باپو کی آنکھوں کا تارا ہے' اگر یونہی رہا نہ تو ان کی آنکھوں میں بھی کھٹکنے لگے گا' بھائیوں' بھابیوں کو تو ویسے بھی ایک آنکھ نہیں بھاتا۔"

"پر میں تو ان سب کے کام آتا ہوں۔" شنکر لال معصومیت سے کہتا۔

"ہاں اور ان ہی سب کی نظر میں تو کسی کام کا نہیں ہے۔" بہن اسے تلخ حقیقت سے آشنا کراتے ہوئے کہتی۔

"میں کیا کروں ایسا کہ وہ سب مجھ سے خوش ہوجائیں؟" وہ مشورہ مانگنے لگتا تو بہن کہتی۔

"تو کچھ بھی کر لے وہ تیرے سے خوش ہونے والے نہیں۔ تو نے جو کچھ کرنا ہے اپنے واسطے کرنا ہے' جب تو کما کے گھر لانے لگے گا نا تو ان کے منہ آپ ہی بند ہوجاویں گے۔ تو ان پہ ان کے بال بچوں پہ خرچ کرے گا تو وہ اپنی زبان قابو میں رکھیں گے نہیں تو جو سلوک وہ آج تیرے ساتھ کرتے ہیں وہ تو ہمیشہ کے لیے چلے گا اور بڑھے گا بھی...... پیسہ میت ہے میرے بھائی' پیسہ کما پیسہ' یہ سب آپ ہی تیرے ہاتھ بکنے کو دوڑے چلے آویں گے۔"

"پر دیدی! بی اے پاس کو ایسی نوکری کہاں ملے گی کہ وہ ہزاروں کمائے؟" شنکر لال کا منہ اتر جاتا۔

"او بدھو! تجھے جو بھی نوکری ملے کر لے' نوکری تو نوکری ہے چھوٹی کیا اور بڑی کیا؟ تو اپنے پیروں پر کھڑا ہوجا اپنا خرچہ اٹھانے کے قابل ہوجا...... بیاہ کر کے بیوی بچوں کی ذمہ داری اٹھانے جوگا ہوجا بس...... پھر کسی کا منہ نہیں رہنے کا تجھے باتاں سنانے کا۔"

"اری او کاہے تو اپنی کھوپڑی خالی کرے ہے اس کے بھیجے میں بات نہیں آتی...... ماں باپو ہیں ناں اس کو پالنے پوسنے کو...... یہ کیوں محنت مزدوری کرنے لگا؟" باپو مدن لال کے کان میں بات پڑی تو ایک دن وہ بھی پھٹ پڑا اور جیسے شنکر لال پہ حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ تب اسے سمجھ آیا کہ دیدی ٹھیک ہی سمجھا رہی تھی۔

"ساری ضرورتاں (ضرورتیں) تو اس کی پوری

ہوجاویں ہیں پھر اس نے کیا ضرورت ہے اپنا خون پسینہ بہانے کی۔ باپ اس بڑھاپے میں دکان چلاوے ہے اس نے خیال نہ آوے کے دکان سنبھال لیوے اور باپ کو آرام پہنچاوے...... سارے بیٹے بیٹیاں کام پہ لگ گئے بیاہ شادی کر کے بیوی بچوں والے ہو گئے...... پرتوں ابھی تک چھڑا چھانٹ پھرے رہے۔ بات سن لے میری شنکرلال جس دن میں اور تیری ماں گزر گئے نا...... اس دن یہ تیرے سگے ماں جائے بھی حد سے گزر جاویں گے۔ کرلے موج مستی جتی کرنی ہے یہ سب مزے مارے جیتے جی ہیں بس ادھر ہماری آنکھ بند...... ادھر تیرے مزے بند سمجھا۔" مدن لال کی کرخت اور غصیلی آواز دوٹوک لہجہ اور اجنبی انداز شنکرلال کو صدمے سے دوچار کر گیا۔

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے تھے اور صرف اس کے پیسہ نہ کمانے کی وجہ سے۔ وہ اپنی ہی نظروں میں گر گیا تھا۔ شرم سے آب آب ہو گیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ لاکھ خدمتیں کرلے ہزار کام کردے بھائیوں بہنوں اور بھابیوں کے پردہ رہے گا ان سب کی نظروں میں وہی ہڈ حرام نکھٹو بیکار اناج کا دشمن اور مفت خورہ۔ اس کے دل ودماغ میں عزت نفس کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں۔

"سر پہ ماں باپو کا آشیرواد (دعا) ہے گھر کی چھت ہے تو اسے کیوں چنتا (فکر) ہونے لگی کمانے کی گھر بنانے کی ماں نوالے بنابنا کے کھلاتی رہے گی تو یہ بھلا کیوں بڑا ہونے لگا؟ اسے کیوں باہر نکل کے کمانے کی چنتا ہونے لگی؟" یاں سیتالال نے بھی آج اپنی ممتا بالائے طاق رکھ دی تھی اور سب کے سامنے اپنے سب سے چھوٹے لاڈلے اور معصوم بیٹے کو سنادی تھی کھری کھری اور وہ کھڑے کھڑے گھر چھوڑ کر جانے کو تیار ہو گیا۔

"ہاں کہاں؟" اسے کھڑا دیکھ کر بڑا بھائی بولا۔

"کدھر بڑی سرکار؟" منجھلے بھائی نے بھی طنزاً پوچھا۔

"بڑی سرکار کی کھوج (تلاش) میں نکل رہا ہے اب وہی اسے نوکری دلواوے گی۔" چوتھے نمبر والا بھائی تمسخرانہ انداز میں ہنستے ہوئے بولا۔

"کیوں بٹوا (بیٹا) ہم نے تنے (تجھے) چار باتاں سنادیں تو تیرے سے برداشت نہیں ہوئیں اور اٹھ کے کھڑا ہو گیا ہیں ہم جو پچیس سالا سے تیرا خرچہ برداشت کرر ہے ہیں اس کا کیا؟" مدن لال نے غصیلے لہجے میں کہا تھا۔ شنکرلال کو اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا کہ یہ اس کا باپ کہہ رہا ہے حیرت دکھ اور صدمے سے وہ ایک ٹک انہیں تکے جا رہا تھا۔

"اب بول نہ بولتا کاہے نہیں؟" بڑا بھائی اکسا رہا تھا۔

"اس کی تو بولتی بند کرادی تھی سب نے۔" بہن نے ترس کھاتی نظروں سے شنکرلال کو دیکھا تھا۔

"ہاں تو ہم کون سا غلط کہہ رہے ہیں۔ اس کا منہ ہے ای نہیں بولن جوگا۔" بڑا بھائی پھر سے بولا تھا ماں نے تیزی سے اسے ڈپٹ کر کہا۔

"اچھا بس بوت بڑبڑ کرلی سب نے تھارا بولنا نا ہی بنے ہم اس نے ماں باپو یہ ہمارے بل پہ پل رہا ہے ایب (اب) تک تھارا کسی کا تے آنہ ٹکا بی خرچ نہیں ہوا اس پہ۔"

"ماں! تجھے اور باپو کو حساب چاہیے ناں جو پیسہ تم دونوں نے میرے پہ خرچ کیا تھا اس پیسے کی واپسی چاہو نہ تم دونوں؟" بہت دیر بعد شنکرلال کی زبان پر پڑا قفل کھلا تھا۔ اور اس کے سوال نے زیادہ نہیں مگر تھوڑا سا شرمندہ ضرور کر دیا تھا سیتالال اور مدن لال کو وہ خجل سے نظریں چرا گئے تھے۔

"اس کی عمر میں تو ہمارا بیاہ بھی ہو گیا تھا یہ سرا ابھی چھڑا پھر رہا ہے نہ کمانے کی فکر چنتا نہ گھر بسانے کی جلدی۔" بڑا بھائی پھر سے بولا تھا۔

"آپ لوگ چنتا (فکر) نہ کریں اب میں آپ سب پہ بوجھ نہیں بنوں گا اور ماں باپو آپ بے فکر ہو جاؤ اب آپ نے میرے پہ کچھ بھی خرچ کیا ہے نا...... وہ پیسے میں تھارے کو واپس کروں گا۔ میں جا رہا ہوں نوکری ڈھونڈنے۔" شنکرلال نے بڑے دکھ بھرے اور سنجیدہ لہجے

میں کہا تھا۔

"نوکری گم ہوگئی تھی کیا جو ڈھونڈنے جارہا ہے تو۔" سب نے منجھلے بھائی کی اس بات پر تمسخرانہ قہقہہ لگایا اور شنکرلال شرمندگی چھپاتا ہوا اپنا ضروری سامان سمیٹنے لگا۔

"لو بھئی جارہا ہے ہمارا شہزادہ ایب (اب) تو کچھ بن کے ہی گھر لوٹے گا۔" چوتھے نمبر والا بھائی اسے اپنے کپڑے صندوق میں رکھتے دیکھ کر بولا لہجہ طنز و تمسخر سے پر تھا اور شنکرلال کا دل دکھ سے بھر گیا۔

"ہاں آں...... میرا یہ سپوت بہت بڑا آدمی بن کے آوے گا' کیوں بٹوا (بیٹا) آئے گا نا بڑا آدمی بن کے۔" مدن لال نے شنکر لال کو دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی باپو! بس آپ کا آشیرواد چاہیے۔"

"ہاہا' بڑا آدمی...... تو آدمی بن جا کماؤ آدمی وہی بڑا کارنامہ اور بڑا کام ہوگا تیرے واسطے۔" بڑا بھائی پھر سے طنز بھرے لہجے میں بولا تھا۔

"کچھ بھی کرکے ماں باپو کا پیسے چکا دیجو۔" دوسرے نمبر والا بھائی بولا تھا اس کا یہ جملہ تیر کی طرح شنکرلال کے سینے میں پیوست ہوگیا تھا' زبان تڑپ کر پھسلی تھی۔

"کیوں بھایا! تو نے بلکہ تم سب نے چکا دیا کیا ماں باپو کا پیسہ؟"

"ماں باپو نے اپنا فرض ادا کیا ہے اولاد کے واسطے تو سب ماں باپ کریں ہیں ہم پہ کیسا قرض؟" بڑی بہن بولی تھی۔ تو شنکرلال زخمی سی مسکراہٹ لبوں پہ سجا کے بولا۔

"تو دیدی' مجھ پہ کیسا قرض؟ میں بھی تو ماں باپو کی سگی اولاد ہوں' حساب صرف مجھ سے ہی کیوں مانگا جارہا ہے؟ تم سب نے کون سا قرض ادا کردیا جو مجھ پہ برسنے لگے۔ خیر جارہا ہوں اب کے لوٹوں گا تو ماں باپو کے پیسے جمع کرکے ہی لوٹوں گا۔ اس گھر نے بہت آسرا دیا مجھے' اتنے برس مجھے گرمی' سردی سے بچا کے رکھا ہے' ماں باپو نے پریم کیا مجھ سے میں ان سب کا قرض تو کبھی نہ چکا پاؤں گا' ہاں پیسہ لوٹانے کی اپنی پوری کوشش کروں گا میں۔ میرا کہا سنا معاف کردینا آپ سب...... اچھا اماں! چلتا ہوں منے (مجھے) یقین ہے کہ آپ سب کا آشیرواد میرے ساتھ رہے گا۔" شنکرلال نے نہایت سنجیدگی سے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے اپنے ماں باپو کے پاؤں چھوئے' ہاتھ جوڑ کے نمستے کہا اور الوداعی نظر ان سب پر ڈالتا ہوا اپنا صندوق اور بیگ اٹھا کر گھر سے باہر نکل گیا۔

☆......☆☆......☆

وہ دن تھا اور آج کا دن تھا' شنکرلال نے مڑ کر گھر کی شکل تک نہ دیکھی تھی۔ بڑا آدمی وہ اب تک بن نہیں سکا تھا' اور محنت' مزدوری کرکے جو کماتا وہ گھر اپنے باپو کو بھیج دیتا کہ باپو کا قرض جو اتارنا تھا۔ بس ماں باپو نے اپنے پالنے پوسنے کا حساب مانگ کر شنکرلال کو گہرے دکھ سے دوچار کردیا تھا' اور یہی صدمہ اسے ان کا پیسہ چکانے کے واسطے ہمہ وقت متحرک رکھتا تھا۔ شنکرلال کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کہاں جائے گا اور کس کے پاس نوکری کرے گا؟ نوکری ملے گی بھی کہ نہیں؟ بس جو پہلی ٹرین ملی اس میں سوار ہوگیا اور ٹرین نے اسے ملتان ریلوے اسٹیشن پر پہنچادیا۔ مسافر اترنے لگے تو وہ بھی ٹرین سے نیچے اتر گیا۔ انجان شہر انجان لوگوں وہ خود کو بہت اجنبی اور عجیب سا محسوس کررہا تھا۔ اپنا سامان اٹھائے حواس باختہ سا ادھر ادھر لوگوں کے ہجوم کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے وہ ابراہیم کی نظر میں آگیا۔ سفید پاجامے پر خاکی رنگ کا کرتا پہنے ایک ہاتھ میں کالا بیگ اور دوسرے ہاتھ میں صندوق اٹھائے سانولی رنگت' کالے سیاہ گھنگھریالے بال' بڑی بڑی متحیر آنکھیں' ماتھے پر تلک کا نشان لگائے وہ اپنے ہندو ہونے کی چغلی کھارہا تھا۔ ابراہیم کو وہ اس بچے کی طرح دکھائی دیا جو ہجوم میں اپنے گھر والوں سے بچھڑ گیا ہو۔ خوف زدہ' گھبرایا ہوا' معصوم اور بے ضرر سا ابراہیم اس کے قریب چلا آیا اور کہنے لگا۔

"لگتا ہے پہلی بار گھر سے نکلے ہو اور وہ بھی اکیلے اجنبی شہر میں' کیوں ٹھیک کہا نا؟"

"جج...... جی......" شنکرلال نے گھبرائے ہوئے

انداز میں ابراہیم کو دیکھا اور بمشکل حلق سے تھوک نگلتے ہوئے جواب دیا۔
"یہاں کس کے پاس آئے ہو؟ میرا مطلب ہے کوئی عزیز رشتے دار ہے کیا؟ کوئی تمہیں لینے آئے گا؟"
"میں یہاں کسی کو نہیں جانتا جی' مجھے کون لینے آئے گا؟" شنکرلال نے اسی گھبرائی ہوئی آواز میں جواب دیا تو ابراہیم مسکراتے ہوئے بولا۔
"میں آیا ہوں ناں تمہیں لینے' چلو آؤ میرے ساتھ چلو۔"
"پر میں تو آپ کو جانتا ہی نہیں ہوں۔"
"لیکن میں تو تمہیں جانتا ہوں۔" ابراہیم اس کی معصومیت اور گھبراہٹ پر مسکراتے ہوئے بولا۔
"وہ کیسے جی؟" شنکرلال کی آنکھیں حیرت سے مزید پھیل گئیں۔ "آپ کو کیا پتا میں کون ہوں؟" وہ گھبرایا ہوا تھا۔
"مجھے پتا ہے کہ تم کون ہو؟ تم اللہ کے بندے ہو اور اللہ کے بندے کی مدد کرنا تو ایک انسان کا' مسلمان کا فرض ہے۔"
"آ..... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے جی۔"
"کیوں کیا تم انسان نہیں ہو؟"
"میں مسلمان نہیں ہوں۔" شنکرلال نے بتایا۔
"جانتا ہوں تم ہندو ہو۔"
"پھر بھی آپ میری مدد کرو گے؟"
"ہاں آج میں تمہاری مدد کروں گا' کل اللہ میری مدد فرمائے گا۔ میں سنیئر پوسٹ ماسٹر ہوں یہاں قریبی پوسٹ آفس میں' رہنے کو سرکار نے ایک کوارٹر دے رکھا ہے' میں اکیلا رہتا ہوں۔ جب تک تمہیں کھانا' آب ودانہ' ٹھکانہ نہیں مل جاتا تم میرے ساتھ رہ سکتے ہو۔ سونے کو بستر اور کھانے کو دو وقت کی روٹی تمہیں مہیا کردی جائے گی۔" ابراہیم نے اس کے ساتھ ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔
"بدلے میں مجھے کیا کرنا ہوگا جی؟"
"بدلے میں مطلب؟" ابراہیم نے حیرانگی سے پوچھا۔
"مطلب یہ جی کہ آپ مجھے مفت میں تو یہ سب مہیا نہیں کریں گے ناں اس سب کے بدلے میں مجھے بھی تو آپ کے لیے کچھ کرنا ہوگا جی۔" شنکرلال نے جواب دیا تو ابراہیم دھیرے سے ہنس پڑا۔
"نام کیا ہے تمہارا؟"
"شنکرلال۔" وہ بولا۔
"تو میاں شنکرلال' میں اللہ کے بندوں کی مدد اللہ کی خوشی اور رضا کے لیے کرتا ہوں۔ میرا اللہ کہتا ہے کہ بدلہ اور صلے کی تمنا صرف مجھ سے رکھو' میرے بندوں سے نہیں مجھے اس نیک عمل کا صلہ' ثواب یا اجر میرا اللہ دے گا۔"
"اور اگر نہ دیا تو۔" شنکرلال نے چبھتا ہوا سوال کیا۔
"مجھے اپنے اللہ کی دین پہ پورا بھروسہ ہے' اس کی عطا پہ مکمل یقین ہے۔ وہ "اللہ" ہے انسان تھوڑی ہے جو اپنے وعدے سے مکر جائے' اپنی بات سے پھر جائے۔" ابراہیم نے پریقین لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا تو شنکرلال کھسیانا سا ہوگیا۔
"میرا نام ابراہیم ہے۔" اپنا تعارف کراتے ہوئے ابراہیم نے اپنا ہاتھ اس کی جانب مصافحے کے لیے بڑھایا تو وہ بوکھلا گیا' دونوں ہاتھوں میں سامان تھا' اس نے جلدی سے بیگ اپنے کندھے پر ڈالا اور ابراہیم کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔ ابراہیم کے مصافحہ کرنے کے انداز میں جتنی گرم جوشی تھی اتنا ہی شنکرلال کا انداز سرد تھا۔ ابراہیم نے اس کے اس بے مہر اور سرد انداز کو محسوس کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔
"بے یقینی میں گھرے ہوئے بے یقینی انسان کو اتنا ہی بے مہر' سرد' سپاٹ اور بے اعتبار بنادیتی ہے جتنے کہ تم اس وقت میرے ساتھ ملنے اور چلنے میں ہو۔ خیر کوئی بات نہیں دھیرے دھیرے اعتبار بھی آجائے گا اور یقین بھی۔ اعتبار' ایمان تھوڑی ہے جو ایک دم سے لے آؤ گے۔"
"پر ابراہیم بابو! ایمان بھی تو اعتبار کرنے پہ لایا جاتا ہے ناں جس پہ آپ کو اعتبار ہی نہ ہو آپ اس پہ ایمان کیسے

لاسکتے ہیں؟'' شنکرلال نے مدلل انداز میں کہا وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ریلوے اسٹیشن سے کافی دور نکل آئے تھے۔

''تمہاری بات میں دم ہے میاں! ذہین ہو‘ پڑھے لکھے بھی یقیناً ہو گے‘ کتنا پڑھا ہے؟'' ابراہیم نے اس کے جواب سے خوش ہو کر سوال کیا۔

''بی اے کیا ہے جی‘ یہاں نوکری کی تلاش میں آیا ہوں۔''

''ارے میاں‘ بی اے کر کے پردیس میں نوکری کی تلاش میں کیوں چلے آئے؟ نوکری تو تمہیں اپنے شہر میں بھی مل جاتی۔''

''ہاں جی‘ لیکن جب اپنوں کے حساب چکتا کرنے ہوں تو اپنوں سے‘ اپنے شہر سے دور جانا ہی پڑتا ہے۔''

''ہوں‘ دل پہ چوٹ کھا کے آئے ہو۔ خیر دل مضبوط رکھو اولیاء کی سرزمین پہ آئے ہو تو وہ تمہیں اس چوٹ کے درد سے نجات بھی دلائیں گے اور تمہارے من میں سکھ چین کے پھول بھی کھلائیں گے ان شاء اللہ'' ابراہیم نے اسے تسلی دی۔

''آپ ریلوے اسٹیشن پہ کسی کو چھوڑنے آئے تھے؟''

''ہاں میاں! اپنے گھر والوں کو چھوڑنے گیا تھا اسٹیشن‘ وہ چند روز کے لیے مجھ سے ملنے آئے تھے۔ اصل میں وہ یہ دیکھنے آئے تھے کہ میں واقعی پردیس میں نوکری کر رہا ہوں یا کسی چھوکری (لڑکی) کے ساتھ گھرے اڑا رہا ہوں...... ہاہاہا۔'' ابراہیم اپنی بات مکمل کر کے خود ہی ہنسنے لگا۔ شنکرلال بھی مسکرا دیا۔ اس کا خوف اور اجنبیت کا احساس اب کافی حد تک کم ہو گیا تھا۔

''آپ کے گھر والوں کو آپ پر اعتبار نہیں ہے کیا؟''

''اللہ'' کے سوا ہر رشتہ آپ پر شک کر سکتا ہے خواہ وہ کتنا ہی قریبی رشتہ ہو‘ کتنی ہی محبت بھرا رشتہ ہو‘ کبھی نہ کبھی آپ پر شک ضرور کرتا ہے۔ پھر ہم انسان اپنے ان رشتوں اور رشتے داروں کو یقین دلانے کے لیے طرح طرح کے حیلے بہانے کرتے ہیں‘ وضاحتیں کرتے ہیں‘ صفائیاں پیش کرتے ہیں اپنی ذات کا اعتبار بحال کرنے کے لیے...... اور جب ان کو یقین آ جاتا ہے تب تک ہمارے دل میں ایک پھانس سی رہ جاتی ہے...... جو موقع بے موقع چبھتی رہتی ہے۔ ہمیں ہمارے بے اعتبار ہونے کا احساس دلاتی رہتی ہے مگر......'' ابراہیم بولتے بولتے تھک گیا‘ سانس لینے کو رکا اور اپنے کوارٹر کے قریب پہنچتے ہی دروازے کا تالا کھولنے لگا۔

''مگر کیا ابراہیم بابو؟'' شنکرلال کے انداز میں بے کلی تھی اس ''مگر'' کے بیچ کی سچائی جاننے کی بے تابی تھی۔

''مگر وہ جو میرا ''اللہ'' ہے نا...... وہ مجھ پر پورا یقین رکھتا ہے‘ میرے جھوٹ‘ سچ کو جانتا ہے۔ میری نیت کے کھوٹے اور کھرے پن دونوں کو جانتا ہے۔ اس سے میرا قول و فعل اصل‘ نقل کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ اس لیے مجھے اس ''اللہ'' کے سامنے کوئی صفائی پیش نہیں کرنی پڑتی۔ کیونکہ وہ تو سب جانتا ہے‘ ذہن‘ دل میں گزرنے والے خیال تک کو جانتا ہے۔ اس لیے میں اللہ کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا۔

ابراہیم نے اپنی بات بہت سنجیدہ اور رسان سے پر لہجے میں مکمل کی اور شنکرلال کو گھر میں داخل ہونے کے لیے راستہ دیا۔ شنکرلال اندر داخل ہو گیا۔ دل میں عجیب سا احساس لیے۔

''وہ صحن میں غسل خانہ ہے نہا دھو کے تازہ دم ہو جاؤ‘ ہم تمہارے کھانے پینے کا بندوبست کرتے ہیں۔''

ابراہیم شنکرلال کو غسل خانے کا راستہ بتاتے ہوئے برآمدے سے متصل باورچی خانے میں چلا گیا۔ دو کمروں ایک غسل خانے‘ چھوٹے سے باورچی خانے برآمدے اور چھوٹے سے صحن پر مشتمل تھا یہ کوارٹر۔ ابراہیم تین ماہ سے یہاں مقیم تھا۔ بیوی بچے لاہور میں مقیم تھے۔ بچوں کا اسکول وہیں تھا لہٰذا انہیں اپنی نوکری کے ساتھ ساتھ لیے پھرنا پسند نہیں تھا ان کے خیال میں اس طرح بچوں کی پڑھائی متاثر ہو گی ہر جگہ نئے اسکول‘ نئے اساتذہ‘ نئے ہم جماعت بچوں کو ایڈجسٹ ہونے میں مشکل بھی ہو گی اور

وقت بھی کافی لگ جائے گا۔ اور ان کا یہ خیال درست بھی تھا جو ابراہیم کی بیوی اور ماں باپ کو بھی درست معلوم ہوا تھا۔ ابراہیم اکتالیس برس کے تھے۔ لمبے چوڑے قد کے مالک، گورا چٹا رنگ تھا چہرے پر ہلکی سی داڑھی رکھی ہوئی تھی۔ مزاج دھیما اور مذہبی تھا۔ پانچ وقت کے نمازی تھے۔ ملنسار اور انسان دوست تھے اسی لیے محکمے والے اور اسٹاف کے لوگ ان کی عزت کرتے تھے۔

"لو میاں شنکرلال کھانا تیار ہے تم پیٹ پوجا کرو، ہم اپنے اللہ کی پوجا کو چلے۔ ظہر کا وقت ہوگیا ہے۔" ابراہیم نے کمرے میں رکھے میز پر کھانے کی ٹرے رکھتے ہوئے کہا۔ شنکرلال نہا کر تیار ہوگیا تھا۔ جھجکتا ہوا کرسی کھسکا کر بیٹھ گیا اور کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ کمرے میں دو پلنگ بچھے تھے جن پر دری اور چادر بچھائی گئی تھی، تکیے، سرہانے رکھے ہوئے تھے اور پائنتی پر کھیس تہہ کیا ہوا رکھا تھا، شیشم کی لکڑی سے بنی دو کرسیاں ایک اسٹول اور ایک درمیانی میز تھی۔ جس پر کھانا رکھا تھا۔ روشنی کے لیے ایک سفید بلب جسے آج کل انرجی سیور کہا جاتا ہے وہ لگا تھا۔ پنکھا چھت پر لٹکے لٹکے عمر کی جانے کتنی بہاریں دیکھ چکا تھا۔ ایک کارنس تھی جس پر پرانے اخبار بچھا کر اس پر کچھ کتابیں، ایک لیمپ ایک گلدان اور ایک الارم کلاک سجائی گئی تھی۔ کمرے کی دیواروں پر جابجا سیلن تھی۔ سفیدی تازہ کرائی گئی تھی مگر سیلن (سیم) نے سفیدی کا ناس مار دیا تھا کمرے کا فرش اینٹوں سے بنا تھا۔ اس پر کوئی ریت سیمنٹ کا پلستر نہیں کرایا گیا تھا۔ ایک روشندان تھا جو کمرے میں عین مشرق سے نکلتے ہوئے سورج کے منہ پر کھلتا تھا جس سے اچھی خاصی روشنی کمرے میں آرہی تھی۔ لکڑی کا دروازہ تھا جس پر ہرے رنگ کا دو نمبر پینٹ کروا کے دروازے کی عمر رسیدگی اور خستگی چھپانے کی کوشش کی گئی تھی۔ دروازہ پر کریم کلر کا چھوٹے چھوٹے سیاہ پھولوں والا پردہ لٹک رہا تھا۔ پردے کی آن بان بتا رہی تھی کہ وہ دو چار دن پہلے ہی اس دروازے کی زینت بنا ہے۔ نیا پردہ ابراہیم کی بیوی جو ملنے آئی تھی وہی سی کر تانگ گئی تھی۔ شنکرلال کمرے کا جائزہ لینے میں محو تھا ابراہیم وضو کر کے آ گیا۔

"شنکرلال، کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے میاں۔ کھالو اور پھر آرام کرلو کچھ دیر۔" ابراہیم نے شنکرلال کو کمرے کے اسباب پر غور کرتے دیکھا تو کہا وہ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"جی شکریہ ابراہیم بابو! آپ بھی میرے ساتھ بھوجن کریں ناں۔"

"نہیں میاں، بھوجن (کھانا) تو تم کو اکیلے ہی کرنا ہوگا، ہاں قدرت نے چاہا تو ہم کھانا اکٹھے ضرور کھائیں گے۔" ابراہیم کی معنی خیز بات شنکرلال کو کچھ دیر سے ہی سہی پر سمجھ آ گئی تھی۔

"اللہ اکبر، اللہ اکبر۔" اذان کی آواز پر ابراہیم نے اپنی ٹوپی کارنس پر سے اٹھائی، سر پہ جمائی اور شنکرلال کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"اللہ کی پکار ہے، وہ بلا رہا ہے، مسجد جا رہا ہوں اس سے باتیں کرنے، اپنے دل کی کہنے، اپنے دکھ سکھ اس سے کہنے اور اس کا شکر بجا لانے کے لیے وہ میری زندگی میں ہے مجھے سنبھالے رکھنے کے لئے۔" ابراہیم نے نہایت سنجیدہ، معنی خیز مگر نرم لہجے میں کہا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔

شنکرلال کچھ دیر حیرت زدہ سا ابراہیم کی باتوں پر غور کرتا رہا پھر کھانے کی خوشبو نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ ٹرے میں روٹیاں تھیں دسترخوان میں لپٹی ہوئی، ایک پلیٹ میں ماش کی بھنی دال اور ایک پلیٹ میں مرغی کا سالن تھا اور کٹوری میں دہی بھی تھا۔ میز پر پانی کا جگ اور گلاس بھی موجود تھا۔ شنکرلال کو بہت زوروں کی بھوک لگی تھی۔ وہ کھانا شروع ہوا تو سب صفایا کر دیا اور برتن میز پر چھوڑ کر باہر صحن میں لگے واش بیسن میں ہاتھ دھوئے، کلی کی اور کمرے میں آ کر پلنگ پر لیٹ گیا۔ سفر کی تھکن تھی، سوچوں کا غبار تھا جو دماغ کو تھکا چکا تھا اور خالی پیٹ اب بھر چکا تھا، نیند کو فوراً اسے قابو کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ چند منٹ کے بعد گہری نیند میں چلا گیا۔ اور آنکھ کھلی تب، جب قریبی مسجد میں موذن عصر کی نماز کے لیے

اذان دے رہا تھا۔

"اللہ اکبر اللہ اکبر۔" کی آواز نے اسے پوری طرح بیدار کردیا تھا۔ وہ خاموشی سے لیٹا رہا اور گم صم سا اذان سنتا رہا۔ ابراہیم نے کمرے میں داخل ہوتے ہی بلب جلایا تھا' تو اسے دیکھ کر شنکرلال ایک دم سے خجل سا ہو کر اٹھ بیٹھا۔

"اٹھ گئے شنکرلال۔" ابراہیم نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"جی۔" شنکرلال نے خجالت سے نظریں جھکا کر کہا وہ کافی دیر سویا تھا اور اب خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کررہا تھا۔

"ایک بات پوچھوں ابراہیم بابو؟" شنکرلال چائے کا کپ ابراہیم کے ہاتھ سے لیتے ہوئے بولا۔

"پوچھو شنکرلال۔"

"آپ مجھ انجان' اجنبی اور غیر مذہب کے آدمی کو اپنے گھر میں اکیلا چھوڑ کر کیوں چلے گئے' آپ نے یہ نہیں سوچا کہ میں آپ کے گھر میں چوری کرکے بھاگ سکتا ہوں؟" شنکرلال کے سوال پر ابراہیم دھیرے سے ہنسا اس کی طرف دیکھا' چائے کا گھونٹ بھرا اور کہنے لگا۔

"جو شخص خود اپنے گھر سے حالات سے بھاگ کر آیا ہو وہ بھلا میرے گھر میں چوری کرکے کیوں بھاگے گا؟ اور رہی بات یہ کہ میں تمہیں اپنے گھر میں اکیلا کیوں چھوڑ کر چلا گیا تو ایسا نہیں تھا' میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ گیا تھا' اپنے اللہ کے بھروسے پہ چھوڑ گیا تھا۔ وہ تھا نا یہاں میرے گھر کی رکھوالی کے لیے اور ویسے بھی میں فقیر آدمی ہوں میرے گھر سے کسی کو کیا ملے گا۔ سوائے نصیحت اور دعا کے۔"

"آپ بہت بھلے آدمی ہیں' ورنہ آج کل کے دور میں کون کسی اجنبی کو اپنے گھر مہمان بناتا ہے اور اس کی سیوا کرتا ہے۔" شنکرلال نے چائے کا لطف لیتے ہوئے کہا تو وہ مسکرانے لگا۔

"اچھا یہ بتاؤ کیا کرنے کا ارادہ ہے؟ میرا مطلب ہے کوئی کام وام جانتے ہو کیا؟"

"کام تو کوئی نہیں کیا جی۔"

"وہ جبھی راندہ درگاہ ہو گئے۔" ابراہیم بولا ہونٹوں پہ تبسم تھا۔

"مطلب" شنکرلال نے ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھا۔

"مطلب چھوڑو یہ بتاؤ کیسا کام چاہتے ہو؟"

"ایسا کام جو مجھے راتوں رات امیر بنادے' مجھے ڈھیر سارا پیسہ دلادے۔" شنکرلال نے عزم سے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"گویا ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتے ہو۔ تم نے وہ محاورہ تو پڑھا ہوگا کہ A room is not bult in a day"

"جی" شنکرلال خجل سا ہوگیا۔

"تو میاں راتوں رات تو صرف خواب دیکھے جاسکتے ہیں' پیسہ کمانے کے لیے پسینہ بہانا پڑتا ہے۔ امیر ہونے سے پہلے فقیر بننا پڑتا ہے۔ راتوں رات قسمت بدلنے کے لیے...... راتوں کو اٹھنا پڑتا ہے' سجدے میں جھکنا پڑتا ہے' گڑگڑانا پڑتا ہے' اشک بہانا پڑتا ہے۔" ابراہیم نے ناصحانہ انداز میں کہا تو وہ چڑ کر بولا۔

"آپ تو نصیحت اور تبلیغ کرنے لگے ابراہیم بابو! میں ایک ہندو ہوں بھگوان کو پوجتا ہوں۔"

"تو کیا ہندو کو نصیحت اور تبلیغ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیا تمہارے ماں باپ نے بڑے بھائی بہن نے تمہیں کبھی نصیحت نہیں کی' سمجھایا نہیں کچھ؟" ابراہیم نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" ابراہیم چائے کے خالی کپ اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ شنکرلال کو اپنی بات پر افسوس ہونے لگا کہ اپنے محسن کی نصیحت کو صبر سے نہیں سنا الٹا اسے سنادیا تھا۔ اور پھر ابراہیم کی مدد سے شنکرلال کو صبح وشام اخبار گھروں میں دینے یعنی پہنچانے کی ہاکر کی نوکری مل گئی اور ان کے ڈاک گھر کے ساتھی عارف کے بیٹے کو شام میں ٹیوشن پڑھانے کی نوکری بھی مل گئی ماہانہ دو ہزار روپے پہ اسے عارف صاحب کے بیٹے کو ریاضی اور انگلش کے مضامین زمانہ طالب علمی میں یہی دو مضمون اس کی ناپسندیدگی میں اول درجے پر تھے۔ مجبوری میں وہ ان

مضامین پر محنت کیا کرتا تھا اور اب بھی مفلسی میں پڑھانے کی مزدوری کرنے پر مجبور تھا۔ وہ جس چیز سے بھاگتا تھا وہ چیز ہمیشہ اس کا پیچھا کرتی ہوئی اس تک پہنچ جاتی تھی۔ جو کام وہ نہیں کرنا چاہتا تھا حالات اس کو وہی کام کرنے پر مجبور کردیتے تھے۔ جس چیز کو وہ بہت ایزی لیتا تھا وہ ہمیشہ اسے مشکل میں ڈال دیتی تھی اور جس بھی صورت حال کو واقعے کو وہ نظر انداز کرنا چاہتا تھا وہی اس کی راہ میں آڑے آتا تھا۔ شنکرلال جب بھی اپنے روز و شب کا اپنے حالات و خیالات کا جائزہ لینے بیٹھتا یہی بات سامنے آتی کہ وہ اپنی چاہ کے مطابق اپنی مرضی اور اپنی منشاء سے کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ ہوتا وہی ہے جو تقدیر چاہتی ہے کبھی کبھی تو اسے ہر سوچ، ہر کام اور ہر خیال بیکار لگنے لگتا کہ جب اس کی من مرضی سے کچھ ہوتا ہی نہیں ہے تو وہ اتنی تگ و دو اتنی محنت و مشقت آخر کیوں کرے؟

پھر کہیں پڑھے ہوئے کتابی جملے یاد آنے لگتے کہ حرکت میں ہی برکت ہے۔ زندگی تغیر کا نام ہے زندگی متحرک رہنے کا نام ہے چلتی کا نام گاڑی ہے تو چلتے رہنے کا نام ہی زندگی بھی ہے۔ سو وہ پھر سے کمر کس لیتا اور اپنے کام پہ لگ جاتا۔ ابراہیم کی کوشش اور سفارش سے اسے ڈاک گھر میں کلرک کی نوکری بھی مل گئی تھی۔ وہ بہت خوش تھا کہ اب دن رات، صبح شام محنت مزدوری کرکے ڈھیر سارا پیسہ کمائے گا اور ماں باپو کا قرض چکائے گا۔ وہ ٹیوشن کے دو ہزار روپے اپنے مہینے بھر کے اخراجات کے لیے رکھ لیتا اور باقی ڈاک گھر کی نوکری سے جو آمدن ہوتی وہ باپو کو منی آرڈر کرا کے بھیج دیتا۔ ہر ماہ ایک معقول رقم اس کے باپو مدن لال کو مل رہی تھی وہ بہت خوش تھا باقی سب حیران تھے کہ شنکرلال کو اتنی جلدی اتنی اچھی نوکری کیسے مل گئی کہ وہ ہر مہینے بارہ ہزار کا منی آرڈر باپو کو بھیج رہا ہے خیر اب ان کی زبانیں بند ہوگئی تھیں۔ شنکرلال بھی کبھار فون کرکے ماں سے بات کرلیتا تھا اس کے علاوہ کسی سے بھی اس کا کوئی رابطہ نہیں تھا نہ ہی گھر کے کسی فرد نے اس سے بات کرنے یا رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس بات سے شنکرلال کو بہت دکھ ہوتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں ابراہیم کا بہت احسان مند تھا مگر وہ بے کل، بے چین بھی رہتا تھا کیونکہ وہ تو گھر سے بڑا آدمی بننے کے لیے نکلا تھا لیکن ابھی تک چھوٹی چھوٹی نوکریاں کررہا تھا۔ وہ یک مشت باپو کا قرض اتار دینا چاہتا تھا اور اس کے بعد اپنے گھر کا بندوبست کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ بھی گھر بسا کے ایک کامیاب اور خوشیوں بھری زندگی گزار سکے اور اپنے بھائیوں، بہنوں اور ماں باپ کو دکھا سکے کہ وہ نکھٹو بیکار اور ہڈحرام نہیں ہے وہ بہت محنتی اور کارآمد انسان ہے۔ ایسا تبھی ممکن تھا جب وہ کوئی بڑا کام کرتا، وہ دوسرے شہر کچھ بننے کے لیے نکلا تھا نوکری تو مل گئی مگر عہدہ بڑا نہ ملا۔ وہ بڑا آدمی بن کے کچھ بن کے دکھانے کے لیے آیا تھا۔ اور قدرت شاید اسے مسلمان بنانے کے درپے تھی اور یہی بات یہی خیال شنکرلال کی نیندیں اڑا گیا تھا۔ اسے سرتاپا پسینے میں نہلا گیا تھا۔ اس کے عقیدے اور دھرم کی بنیادیں ہلا گیا تھا۔ وہ ایک کٹر ہندو خاندان کا فرد تھا رنگ رنگ کے بتوں کو پوجتا تھا اور اب سپنے میں مسجد دیکھتا۔ اذان سنتا اور مسجد میں نمازیوں کے لیے مصلے بچھاتا دیکھتا تو سوچتا کہ اگر اس کے گھر والوں کو اس کی ذرا سی بھی بھنک پڑ گئی تو وہ اسے دھنک کے رکھ دیں گے۔ یہی نہیں وہ اسے اپنے حق سے خاندان سے بے دخل اور عاق کردیں گے۔ وہ سپنے میں مسلمان کی مسجد میں جھاڑو لگا رہا تھا اس نے اتنی جرأت کی بھی تو کیسے؟

ابراہیم کے منتقلی (ٹرانسفر) کے آرڈر آگئے تھے تقریباً ڈیڑھ سال اس شہر میں اپنی ڈیوٹی ادا کرتے وہ یہاں کے لوگوں سے آب و ہوا سے مانوس ہوگیا تھا۔ اب بلاوے کی چٹھی آئی تھی تو وہ سب یار دوستوں سے الوداعی ملاقات کررہا تھا۔ ملتان شہر اولیاء کی سرزمین پہ عقیدت گزاروں کے ٹھکانے اولیاء اللہ کے مزارات تھے۔ ابراہیم بھی مزارات پہ حاضری دینے کا سوچ رہا تھا جب آیا تھا تو ایک بار حاضری دی تھی اور اب واپسی لکھی گئی تھی تو جاتے جاتے اولیاء کو سلام کرنے کے لیے جانا چاہتا تھا۔ نہا کر سفید شلوار قمیص، سیاہ واسکٹ زیب تن کی پشاوری چپل پہنے اپنی جالی

دار سفید ٹوپی سر پہ جماتے ہوئے عطر لگا کر اپنی تیاری کو آخری ٹچ دیا تھا۔

اچانک نگاہ شنکرلال پر پڑی جو اپنے بھگوان کی مورتی کو گم صم بیٹھا تکے جارہا تھا۔ آج پھر اس نے وہی خواب دیکھا تھا کہ وہ ایک مسجد میں جھاڑو پھیر رہا ہے مصلے بچھا رہا ہے اور تو اور اذان بھی دے رہا ہے۔ بس تب جو شنکرلال کی نیند اڑی تھی تو واپسی کا راستہ بھول گئی تھی۔ وہ ایک ٹک بھگوان کو تکے جارہا تھا۔ ابراہیم کو اس کی حالت پر ترس آنے لگا۔ وہ اس کے قریب چلا آیا اور اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا وہ بری طرح چونکا۔ سر اٹھا کے دیکھا ابراہیم مسکرا رہا تھا۔

''آؤ شنکرلال، ہمارے ساتھ چلو۔''

''کہاں؟''

''ایک ایسی جگہ جہاں جاکے تم سکون محسوس کروگے تمہارے من کو شانتی ملے گی۔'' ابراہیم نے جواب دیا۔

''کیا سچ میں؟'' شنکرلال خوش ہوکر بولا۔

''ہاں اٹھو جلدی سے تیار ہوجاؤ۔''

''جی ابھی آیا۔'' شنکرلال تیزی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ وہ شاید اپنے اس سپنے (خواب) کے خیال سے نجات پانا چاہتا تھا دھیان بٹانا چاہتا تھا جبھی فوراً ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوگیا تھا۔ وہ دونوں شاہ رکن و دین عالم کے مزار پر پہنچے تو شنکرلال کے قدم مزار میں داخل ہونے سے انکاری ہوگئے۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ ابراہیم نے پیچھے مڑ کر اسے دیکھا۔

''تم رک کیوں گئے شنکرلال؟''

''کیونکہ ہم شنکرلال ہیں۔'' شنکرلال نے معنی خیز لہجے اور جملے میں ابراہیم کو بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔

''ہاں مگر اللہ کے ولی تو اللہ کی ساری مخلوق کے لیے یکساں فیض کا ذریعہ ہیں۔'' ابراہیم نے مسکراتے ہوئے کہا اسی وقت زائرین کا دھکا لگنے پر شنکرلال مزار کے احاطے میں داخل ہوگیا۔ ہجوم اتنا تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی شنکرلال خود کو بچانے کے لئے ادھر ادھر بدحواسی سے دیکھ رہا تھا وہاں سے فرار کا راستہ تلاش کررہا تھا۔

''دیکھا شنکر میاں! کیسے دھکے سے اندر بلالیا انہوں نے تمہیں۔ یہاں سب کو آزادی ہے آنے کی بس انسان کا دھرم لے کر آؤ اور من چاہی مراد پاجاؤ۔'' ابراہیم نے زائرین کے ہجوم میں اس کے قریب ہوکر کہا لیکن یہاں کے مناظر دیکھ کر تو وہ خوشی سے آنکھیں پھیلا کر بولا۔

''ہیں ابراہیم بابو۔''

''ہاں۔'' ابراہیم مسکرادیا اور آگے بڑھ کر ساتھ لائی ہوئی گلاب کے پھولوں کی پتیاں مزار میں موجود قبر مبارک پر پھیلانے لگا۔ مزار کے اردگرد اور مزار کے اندر ایک عجیب ہی سماں تھا۔ خلقت امنڈی ہوئی تھی۔ بوڑھے بچے مردوزن سبھی وہاں اپنی پریشانیوں کی پوٹلیاں اٹھائے موجود تھے۔ اس کے من میں بس ایک ہی سوال سر اٹھارہا تھا اور وہ یہ کہ!

''یہاں تو سب کے سب اپنی ہی کسی غرض، ضرورت کام اور مطلب سے حاضری دینے آئے ہیں۔ اپنے رب کے لئے بھگوان کے واسطے کون آیا ہے؟'' شنکرلال کا سوال اور دل کا حال عجیب تھا وہ بس ہاتھ جوڑے کھڑا تھا آنکھیں بند کرتا تو من کہتا اللہ اکبر آنکھیں کھولتا تو خود کو اس ماحول میں اجنبی محسوس کرنے لگتا۔ مزار کے احاطے میں قوالی ہورہی تھی۔ وہ انہیں دیکھتا باہر آگیا۔ ابراہیم ابھی اندر ہی تھا۔ شنکرلال مزار کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اپنی کالی چادر میں خود کو لپیٹ کے گھٹنوں پہ بازو اور بازوؤں پہ ٹھوڑی لگا کے اردگرد سے بے نیاز خالی الذہن بیٹھا ایک دائرے میں گھور رہا تھا۔ جب ایک پختہ اور تیز آواز نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔ تیس، بتیس سال کا آدمی تھا وہ جو وارث شاہ کا کلام سنا رہا تھا۔ شنکرلال نے اپنی سماعتوں کو اس کے دہن سے اس کی زبان سے نکلنے والے لفظوں کی طرف لگالیا۔

''لکھاں وچ وچھوڑے رہ گئے
اتھرو ورو تھوڑے رہ گئے
اک نہ منی او نے میری

ہتھوڑی میرے جوڑے رہ گئے
چاندی واری چھڈ گیا مینوں
بچے وال نچوڑے رہ گئے
عیدری فجرے مڑ نئیں آیا
موتیاں دے پھل توڑے رہ گئے
ہن تے آ کے مل جا سجنا!
زندگی دے دن تھوڑے رہ گئے!!

شنکرلال پر اس کلام نے بہت عجیب تاثر چھوڑا تھا۔ وہ بری طرح کانپنے لگا۔ اور ایک دم سے کھڑا ہوا اندھا دھند بھاگتا چلا گیا۔ ہجوم کو چیرتا ہوا، ابراہیم کی آواز کو ان سنا کرتا ہوا، گرتا پڑتا، بدحواسی کے عالم میں سب کچھ پیچھے چھوڑتا وہ ایسا بھاگا کہ گھر پہنچ کر ہی دم لیا۔ اس نے کمرے میں آتے ہی کمرے کا دروازہ بھی بند کرلیا، جیسے کوئی اس کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں آ ہی جائے گا۔ وہ پھولی ہوئی سانسوں اور بے تحاشا دھڑکتے دل کو سنبھالنے کی کوشش کرتا پلنگ پر چادر میں دبک کے بیٹھ گیا جون کی گرمی میں بھی اس کا بدن اوائل جنوری کی شدید سردی کی طرح کانپ رہا تھا۔ اور چہرہ پسینے سے شرابور تھا۔ آنکھیں انجانے خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔ اور بند دروازے پر جمی ہوئی تھیں، جیسے دروازے کے پیچھے کوئی بہت طاقتور چیز ہے کوئی ایسی قوت جو اسے اپنے قبضے میں کرلے گی اور وہ اس ان دیکھی قوت سے بچنے کے لیے یوں چھپا بیٹھا تھا جس سے بچ کر وہ مزار سے بھاگ کر آیا تھا۔

ابراہیم اسے یوں بدحواسی کے عالم میں مزار شریف سے بھاگتا دیکھ کر بہت متفکر ہوا اور رکشہ میں بیٹھ کر فوراً گھر پہنچا تھا اور آگے سے یہ نئی افتاد کہ شنکرلال نے دروازہ اندر سے بند کر رکھا تھا۔ شنکرلال خوف اور بدحواسی میں بیرونی دروازے کی کنڈی لگانا بھول گیا تھا۔ ابراہیم نے گھر میں داخل ہوکر دروازے کی کنڈی لگائی اور اپنے اور شنکرلال کے مشترکہ کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ شنکرلال کو کمرے میں اکیلے رہنے سے ڈر لگتا تھا اس لیے وہ ابراہیم کے کمرے میں ہی سوتا تھا۔

دو مختلف انسان، دو مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے دو انسان، ایک ہی کمرے میں ایک ہی چھت تلے رہ رہے تھے، سوا سال سے، کھانا الگ الگ برتنوں میں کھاتے تھے، پوجا پاٹ اور عبادت کے ڈھنگ الگ تھے۔ خون، خاندان، جدا تھے۔ کوئی بھی قدر مشترک نہ تھی ان دونوں میں سوائے اس کے کہ وہ دونوں انسان تھے۔ ایک ہی رب کے پیدا کردہ انسان۔

"ابراہیم احمد، انسان دوستی نبھاتے نبھاتی، اسلام سے بے وفائی نہ کرجانا...... ایسا کیا تو بخشش نہیں ہوگی تمہاری۔" ایک دن مسجد کے مولوی صاحب نے بھی ابراہیم کو نماز کے بعد روک کر کہا تھا اور ابراہیم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"مولوی صاحب ایک سچا مسلمان کبھی بے ایمان نہیں ہوسکتا۔ جس اللہ نے مجھے انسانیت کا سبق سکھایا ہے، وہ مجھے اسلام کا سبق اور اسلام کی تعلیمات کبھی بھولنے نہیں دے گا ان شاء اللہ۔" اور مولوی صاحب اس کے اس جواب سے لاجواب ہوکر رہ گئے تھے۔

ابراہیم احمد، مسلسل دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا مگر شنکرلال خوف اور پسینے سے نہا رہا تھا۔ ڈر سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"شنکرلال! دروازہ کھولو میاں! ہم ہیں ابراہیم احمد۔" ابراہیم نے دوسری بار اپنی بات دہرائی تو شنکرلال نے اٹھ کر ڈرتے ڈرتے دروازے کی کنڈی کھول دی۔ دروازہ کھلتے ہی ابراہیم اس کی حالت دیکھ کر اپنی حیرت کو سنبھالتے ہوئے نارمل لہجے میں بولا۔

"کمال کے آدمی ہو تم شنکرلال! مزار سے ایسے نکل کر بھاگے جیسے گولی پستول سے نکلتی ہے۔ ہم آوازیں دیتے رہ گئے مگر تم تو زن کرکے نکل آئے اور یہاں گھر آ کے چھپ کے بیٹھ گئے۔ اور تو اور ہم پہ ہمارے ہی گھر کا دروازہ بند کردیا۔ کمال کرتے ہو یار۔"

"وہ...... وہ...... شما (معاف) کردیں جی، وہ......"
شنکرلال شرمندگی اور خوف سے اٹک اٹک کر بولا۔

"کیا وہ...... وہ؟" ابراہیم نے اسے میز پر رکھے واٹر

کولر میں سے گلاس میں پانی بھر کر دیا۔ جو اس نے ایک ہی سانس میں پی لیا۔

"تم تو ایسے بھاگے جیسے چور بھاگتا ہے اور پولیس اس کے پیچھے لگی ہوتی ہے۔" ابراہیم نے تولیے سے اس کا چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا اسے پلنگ پہ بٹھا دیا۔ پنکھا چلایا اور اس کے سامنے کرسی کھسکا کر بیٹھ گیا۔

"ہم نے کوئی چوری نہیں کی ابراہیم بابو! لیکن پولیس...... پھر بھی ہمرے (ہمارے) پیچھے لگی ہے۔ وہاں مزار پہ ہم کو لگا کہ...... ہر چیز ہمارے پیچھے لگی ہے...... ہمیں اپنی اور کھینچتی ہے۔ اور کمال کے تو آپ ہیں ابراہیم بابو۔ ہم تو پہلے ہی سپنے کی وجہ سے پریشان ہیں اور آپ ہمیں 'شانتی' کا لالچ دے کر وہاں لے گئے جہاں سے ہم اس حال میں لوٹے ہیں۔ وہ آپ کے جانے کی جگہ ہے' ہمارے جانے کی جگہ وہ نہیں ہے...... ہمارے واسطے مندر کافی ہے۔"

"اور ہمارے واسطے ہمارا اللہ کافی ہے۔" ابراہیم نے مسکراتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

"حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔"

"میرے لیے میرا اللہ کافی ہے اور وہ بہترین وکیل ہے۔" شنکر لال کچھ نہیں بولا بس بھگوان کی مورتی کو تکنے لگا۔

"تم آرام سے بیٹھو' ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے' میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتا ہوں۔ تمہیں تو سردی لگ رہی ہے کچھ دیر کو پنکھا بھی بند کر دیتا ہوں۔" ابراہیم نے اٹھ کر پنکھا بند کر دیا اور ایک نظر اس کے کانپتے' ڈرے اور سہمے وجود پر ڈال کر چائے بنانے چلا گیا۔ شنکر لال کے کانوں میں ابھی تک وارث شاہ کے کلام کے بول گونج رہے تھے۔

"شنکر لال! اب تمہیں اکیلے یہاں رہنا پڑے گا اس لیے اپنے اندر کے ڈر خوف کو اب چھٹی دے دو۔" ابراہیم نے اپنے کپڑے سوٹ کیس میں ترتیب سے رکھتے ہوئے اسے مخاطب کرکے کہا وہ جو اپنی ہی کسی سوچ میں گم تھا۔ اس کی بات سن کر چونک گیا۔

"مطلب؟"

"ہمارا ٹرانسفر ہو گیا ہے۔" ابراہیم نے بتایا۔

"تو ابراہیم بابو! آپ جا رہے ہیں؟"

"ہاں شنکر لال' اب یہاں سے کوچ کا وقت آ گیا ہے۔ اس شہر میں ہمارا دانہ پانی بس اتنا ہی لکھا تھا۔" ابراہیم نے اپنی ضروری چیزیں سمیٹتے ہوئے کہا۔

"مگر میں آپ کے بنا اس شہر میں کیسے رہوں گا؟" شنکر لال کی پریشانی اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔

"ویسے ہی جیسے تم اپنے گھر والوں کے بنا ایک سال اور تین مہینے سے رہ رہے ہو۔ اور جب تم ان کے بنا رہ سکتے ہو تو میرے بنا بھی رہ سکتے ہو۔"

"آپ طنز کر رہے ہیں؟" شنکر لال نے منہ بسورا۔

"نہیں میرے بھائی میں طنز نہیں کر رہا۔ میں تو تمہیں یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ انسان کو دنیا میں جو رشتے سب سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں وہ ہیں اس کے ماں باپ' بہن بھائی' بیوی بچے' تو اگر ہم ان رشتوں سے دور رہ کر اپنی زندگی کو کسی راستے پر لے کر چل پڑتے ہیں ان کے بغیر اپنے امور زندگی انجام دے سکتے ہیں تو ان کے بغیر رہ بھی سکتے ہیں۔ ہاں یہ بھی سچ ہے کہ جو اپنے ہوتے ہیں' جو پیارے ہوتے ہیں ان کی کمی محسوس ہوتی ہے' ان کی یاد بھی آتی ہے اور کبھی کبھی تو ان کی یاد ستاتی بھی ہے۔ اور ان کی ضرورت بھی محسوس کرتا ہے انسان...... مگر اس سب کے باوجود انسان اپنوں سے دور اکیلا رہ لیتا ہے' پردیس کے دکھ کو بھی جھیل لیتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ پردیسی بھی اپنوں کے لیے ہی ہوا ہے۔ اپنوں کے سکھ اور آرام کی خاطر کام کرکے کمانے کی خاطر دور ہوا ہے۔ کام و روزگار کی مجبوری' پیسہ کمانے کی مجبوری جو ہے...... رشتوں کے ساتھ اور اپنوں کی قربت کے لمحات پر غالب آ چکی ہے۔ آج کل اپنے بھی تب ہی آپ کو اپنا مانتے ہیں جب آپ ان کے لیے کچھ کرتے ہیں۔ رشتے بھی جبھی مضبوط ہوتے ہیں جب آپ معاشی طور پر مضبوط ہوتے ہیں۔ یہ آج کی دنیا

کا سب سے بڑا سچ ہے شنکرلال۔" ابراہیم نے نہایت رسانیت اور سنجیدگی سے اسے سمجھایا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"ٹھیک کہتے ہیں آپ ابراہیم بابو! اکیلے آدمی کی کوئی ویلیو نہیں ہے۔ رشتے پیسے سے بنتے ہیں' سچ کہوں ابراہیم بابو آپ نے مجھے بہت پریم سے پیار سے رکھا ہے اپنے ساتھ' اپنے پاس اس لیے مجھے آپ بہت یاد آؤ گے جی...... میں...... تو پگلا جاؤں گا جی آپ کے بنا۔"

"ارے جیتے رہو شنکرلال! خوش رہو لو یہ رکھ لو اپنے لیے کچھ خرید لینا۔" ابراہیم نے اپنی واسکٹ کی جیب میں سے اپنا بٹوہ نکال کر اس میں سے ہزار ہزار کے دو نوٹ نکالے اور شنکرلال کی طرف بڑھا دیئے۔

"نہیں ابراہیم بابو! یہ میں نہیں لے سکتا۔" وہ ہچکچایا۔

"کیوں میاں' کیوں نہیں لے سکتے۔ بھینٹ (تحفہ) سمجھ کے رکھ لو۔ سوچا تھا تمہیں کوئی اچھا سا تحفہ خرید کے دیں گے مگر اتنا ٹائم نہیں ہے کہ بازار کا چکر لگائیں۔ اس لیے یہ پیسے دے رہے ہیں تمہیں' اپنے لئے کچھ خرید لینا اور سمجھ لینا کہ ہم نے تمہیں تحفہ دیا ہے۔" ابراہیم نے وہ نوٹ اس کے ہاتھ میں رکھ کر مٹھی بند کردی۔

اور ہاں یہ ہمارا ایڈریس ہے اس چٹ کو بھی سنبھال کر رکھ لو۔" ابراہیم نے اپنے بٹوے میں سے ایک چٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

"قسمت میں ہوا تو پھر ملیں گے۔ اپنا خیال رکھنا اور ہاں جب "بڑے آدمی" بن جاؤ تو ہمیں مت بھول جانا۔"

"آپ کو میں کیسے بھول سکتا ہوں ابراہیم بابو! آپ نے لوگوں کی مخالفت کے باوجود غیر مذہب کے آدمی کو اپنی چھت تلے بے فکری کی نیند سونے کو جگہ دی' میری بھوک' پیاس مٹائی' میری مشکل کا حل نکالا' آپ تو میرے بھگوان ہو جی' اور کوئی اپنے بھگوان کو بھی بھولتا ہے کبھی۔" شنکرلال نے خلوص دل سے ممنونیت کے احساس سے پر لہجے میں نرمی سے کہا تو ابراہیم دھیرے سے ہنستے ہوئے گویا ہوئے۔

"ارے میاں! ہم بھگوان نہیں ہیں' ہمیں تم انسان ہی رہنے دو۔ انسان ہونے کا حق ہی ادا ہو جائے ہم سے تو غنیمت ہے' میں نے تو صرف انسانیت کا دھرم نبھایا ہے۔ اس لیے کہ میرا مذہب مجھے یہی سکھاتا ہے کہ ضرورت مندوں کی مدد کرو' بھوکے کو کھانا کھلاؤ' کسی کو حقیر نہ سمجھو۔" شنکرلال نے تشکر اور عقیدت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"اور میرا ماننا یہ ہے کہ اللہ صرف ایک ہے' اللہ کو مانو اور اللہ کی مانو۔ بس یہی ایک سچے مسلمان کا ایمان اور عقیدہ ہے۔ میری مانو تو تم بھی اس کی (اللہ) بات ضرور سننا۔ وہ (اللہ) دن میں کئی بار بلاتا ہے' مگر تم اس کی سنتے نہیں ہو' جبھی تو وہ تمہارے سینے میں چلا آیا تمہیں دعوت دینے۔" ابراہیم اپنا سامان پیک کر لینے کے بعد گہرا سانس لے کر پلنگ پر بیٹھ گیا اور اسے دیکھتے ہوئے بولا' لبوں پر تبسم معنی خیز تھا۔ شنکرلال پھر سے سٹپٹا گیا اور کانپتی آواز میں بولا۔

"مگر ابراہیم بابو! وہ تو سب مسلمانوں کو بلاتا ہے اور مسلمان بھی تو سب کے سب نہیں جاتے نا اس کے بلانے پہ۔"

"ہاں ٹھیک کہتے ہو تم شنکرلال' بات تمہاری بھی درست ہے' مگر...... اچھا چلو تمہیں ایک مثال سے سمجھاتے ہیں۔ ہمارے تمہارے گھر کی تقریب میں کتنے سارے مہمان بلائے جاتے ہیں' لیکن آتے وہی ہیں جن کا ہم سے خاص تعلق ہوتا ہے۔ اذان بھی دعوت عام ہے' اللہ کے گھر کی طرف سے بلائے سب جاتے ہیں...... آتا وہی ہے جو خاص ہوتا ہے۔ سوچو شنکرلال تم خاص ہو یا عام؟"

"ہم...... میں...... میں ایک ہندو ابراہیم بابو! آپ تو اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں میرے سامنے میں اپنے دھرم کو نہیں چھوڑنے والا...... آپ مانتے جاؤ اللہ کی...... میں نے کبھی روکا ہے آپ کو...... میرا بھگوان ہے نا' مجھے کیا ضرورت ہے ادھر ادھر دیکھنے کی؟" شنکرلال نے قدرے ناراض اور تیز لہجے میں کانپتی آواز میں کہا۔

"معاف کرنا شنکرلال! میں اپنی رو میں بہتا چلا گیا۔ بس تم پہ اس کی نظر کرم ہوتی دیکھ کر آپ ہی آپ اس کی

باتیں کرنے کو دل چاہنے لگا۔" ابراہیم نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا تو شنکر لال نے کوئی جواب نہیں دیا اور ایک دم سے اٹھ کر اپنا سامان سمیٹنے لگا۔ ابراہیم نے حیرانگی سے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ارے شنکر لال! تم کیوں اپنا سامان سمیٹنے لگے؟ ہمارا تو بلاوا آیا ہے دوسرے شہر میں حاضری دینی ہے سنیئر پوسٹ ماسٹر صاحب نے نئے آفس میں رپورٹ کرنی ہے۔ ہمیں تو سرکاری چٹھی کے ذریعے بلاوا بھیجا گیا ہے۔ مگر تم کیوں جارہے ہو؟"

"میرا بھی بلاوا آیا ہے مجھے بھی رپورٹ کرنی ہے دوسرے شہر۔" شنکر لال نے اپنے کپڑوں کی تہہ لگاتے ہوئے خفا خفا لہجے میں جواب دیا تو ابراہیم ہنسنے لگا۔

"تم جس سے بھاگ کے جارہے ہو نا وہ تمہیں اندھیرے غار سے بھی ڈھونڈ نکالے گا۔ وہ تو ہر پل' ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے' تم پہ نظر رکھے ہوئے ہے' وہ تو تم کو سب سے زیادہ جانتا ہے' تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اس سے فرار ممکن ہی نہیں۔"

"میں نہیں مانتا۔" شنکر لال تھکے تھکے انداز میں اپنا کام چھوڑ کر پریشان صورت بنا کے بیٹھ گیا۔ ابراہیم نے دھیرے سے ہنس کر کہا۔

"مان جاؤ گے یہی تو خوبی ہے اس کی کہ وہ بڑے ہی پیار سے' محبت سے اپنا آپ منوالیتا ہے۔"

"یہ تو ہر بھگوان کی خوبی ہوتی ہے۔" شنکر لال بولا۔

"کتنے بھگوان ہیں تیرے شنکر لال' گنتی یاد ہے کچھ؟"

"مجھے نہیں پتا' آپ تو مجھے ایسے سمجھا رہے ہیں جیسے خود دین دھرم میں عالم فاضل ہوں۔" شنکر لال کی بات سن کر ابراہیم مسکرانے لگا۔ پھر گویا ہوا۔

"میں نہیں جانتا' میں تو کچھ بھی نہیں جانتا۔ اور شنکر لال! تو بھی تو "ہم" اور "میں" میں ہی الجھا ہوا ہے اب تک' یہ "میں" جو ہے نا' انسان کو کبھی اچھا اور اعلیٰ کردار کا مالک نہیں بننے دیتی۔ انسان ہر معاملے میں اپنی "میں" کو ترجیح دیتا ہے' میں کو مار کے ہی انسان' انسان کے کام آتا ہے' ایک انسان دوسرے انسان کی بہتری اور فلاح کے لیے سوچتا ہے۔ میں ہوں' بس جو ہوں کی سوچ کبھی درد دل کا مداوا نہیں کرسکتی۔ بابا بلھے شاہ! کیا خوب فرماتے ہیں' کیا عمدہ مشورہ دیتے ہیں انسان کو کہ!

پھلاں دا تو عطر بنا
عطراں دا فیر کڈ دریا
دریا وچ
فیر رج کے نہا
مچھلیاں وانگوں تاریاں لا
فیر وی تیری بو نئیں گئی
پہلے اپنی
"میں" مکا

یعنی تو پھولوں کے عطر بنا کے اس عطر کا دریا نکال کر اس میں مچھلیوں کی طرح ڈبکیاں لگا لگا کے نہا بھی لے نا تب بھی تیری بو ختم نہیں ہوگی۔ پہلے اپنی "میں" کو ختم کر......"

"انسان اتنا مہان' اعلیٰ ظرف' کیسے ہوسکتا ہے ابراہیم بابو! یہ سب تو بھگوان کے ظرف ہیں۔ اعلیٰ رتبے تو بھگوان کو اس اوپر والے کو شوبھا ہیں' اسی کو زیب دیتے ہیں۔" شنکر لال نے سنجیدگی سے کہا تو ابراہیم نے استفسار کیا۔

"اور یہ اوپر والا کون ہے شنکر لال؟ تو تو بھگوان کو مانتا' پوجتا ہے نا...... تو اوپر والے کا ذکر کیوں کررہا ہے؟ تیرا بھگوان تو تیرے پاس ہے' تیرے سامنے یہ دکھا ہے کارنس پر' تیرا بھگوان تو زمین پہ ہے تیرے پاس۔ تو تو بھگوان کو اس مورتی کو اپنے سامان میں بھی لئے پھرتا ہے' اپنے ساتھ ساتھ پھر یہ اوپر والا کون ہے؟"

"ہم نہیں جانتے' آپ تو زبان پکڑ لیتے ہیں۔" شنکر لال جھنجلا کر بولا تو وہ ہنسنے لگا اور جب ہنسی رکی تو ابراہیم آنکھیں موند کر کھوئے کھوئے لہجے میں بلھے شاہ کا کلام پڑھنے لگا۔

رب رب کردے بڈھے ہوگئے
ملاں پنڈت سارے......

رب دا کھوج کھرا نہ لبا
سجدے کر کر ہارے
رب تے تیرے اندر وسدا
بلھے شاہ! رب اونوں ملدا
جیڑا اپنے نفس نوں مارے!!"

ابراہیم خاموش ہوگیا تھا مگر شنکر لال کے اندر ایک شور بپا ہوگیا تھا۔ مزار' فقیر' اذان کی آواز' بلھے شاہ کا کلام ابراہیم کا مشفقانہ انداز اور برتاؤ یہ سب اسے بری طرح جھنجوڑ رہے تھے اس کے اندر ایک جنگ چھڑی تھی۔ اللہ یا بھگوان کا ہوجانے کی جنگ۔

کبھی وہ بھگوان کی مورتی کو بے بسی سے تکنے لگتا اور کبھی جائے نماز اور مسجد کے گنبد پر نگاہ جمائے مجسم سوال بن جاتا۔ اذان کی پکار اس کے دل کی دھڑکنیں تیز کررہی تھی اس کے بدن میں کپکپاہٹ پیدا کررہی تھی' ابراہیم اپنا سامان باندھ چکا تھا۔ ظہر کی نماز کے لیے مسجد گیا تو پیچھے سے شنکر لال اپنا بوریا بستر سمیٹ کر یہ جا وہ جا۔

ابراہیم گھر آیا تو شنکر لال کو موجود نہ پاکر حیران رہ گیا۔ اسے اس کے یوں بنا ملے چلے جانے کی توقع نہ تھی۔ ابراہیم کی نظر اپنے سوٹ کیس پر رکھے کاغذ کے ایک پرزے پر پڑی تو اس نے بھنویں سکیڑ کر دیکھا پرزہ اٹھا کر پڑھا اس پر دو سطریں لکھی تھیں نہایت خوشنما خوشخط لکھائی تھی شنکر لال کی اس نے لکھا تھا۔

"ابراہیم بابو!
آپ کا شکریہ ادا کرنے کا منہ نہیں ہے اور الوداع کہہ کے جانے کا یارا نہیں' کہا سنا معاف کردیجیے گا' جارہا ہوں۔
منزل سے ناآشنا
شنکر لال!"

"فی امان اللہ شنکر لال! میری دعا ہے کہ اللہ تمہیں تمہاری منزل پہ پہنچائے۔" ابراہیم نے شنکر لال کا پرچی نما رقعہ پڑھ کر اس کے لیے مسکراتے ہونٹوں اور نم آنکھوں کے ساتھ دعا کی۔ جٹ کو اپنی قمیص کی جیب میں رکھا اپنا سامان اٹھا کر گھر کو الوداعی نظروں سے دیکھتے پرنم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے گھر کی دہلیز عبور کرگیا اسے بھی تو نئے آفس میں رپورٹ کرنی تھی۔

"یہ رب کی منشا' یہ رب کی مرضی
یہ بھید بھی تو اسی کے ہیں سب
وہ جس پہ چاہے یہ بھید کھولے
وہ جس کو چاہے نہال کردے
دکھا کے اپنے کرم کا جلوہ
وہ عاصیوں کو مالا مال کردے
وہ مہربان ہوجائے' جس پر
اسے عکس اذان بلالؓ کردے"

وقت کا پنچھی اپنے پروں میں بارہ مہینے کا سال اڑا کر لے گیا تھا۔ شب و روز کی چکی میں پستے روٹی کمانے کی غرض سے شہر' شہروں سفر کرتے مسافر نہیں جانتے کہ دوران سفر وہ کیا کھوئیں گے' کیا پائیں گے' کس سے ملیں گے؟ اور کس سے بچھڑیں گے؟ کیا سیکھیں گے اور کیا سکھائیں گے؟ کیا وہ واقعی اس سفر کو بامقصد بنا پائیں گے یا ان کا سفر رائیگاں ٹھہرے گا؟ ان ہی سوچوں' سوالوں میں گھرا ابراہیم اس نئے شہر میں آیا تھا مگر اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کے گزرے برس کا ایک بچھڑا آشنا اس کے سامنے آجائے گا۔

گزشتہ برس کی کتاب کا ایک باب کھل کر اس کی آنکھوں کے سامنے سوالیہ نشان بنا کھڑا ہوگا۔ ابراہیم نئے شہر میں' نئے لوگوں سے آشنائی کے لیے مسجد میں نماز فجر کی ادائیگی کے لیے آیا تھا۔ وضو کرتے ہوئے اچانک اس کی نظر دائیں جانب بنے حوض کی طرف اٹھی تو وہ شنکر لال کو دیکھ کر ٹھٹکا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا کہ وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے وہ حقیقت کہ خواب ہے' وہ پلکیں جھپک کر غور سے دیکھ رہا تھا وہ یقیناً شنکر لال ہی تھا جو سفید شلوار قمیص میں ملبوس سر پہ سفید ٹوپی پہنے ننگے پاؤں کھڑا ایک ضعیف آدمی کو وضو کروا رہا تھا۔ یکا یک ابراہیم کو شنکر لال کا وہ خواب یاد آنے لگا جس میں اس نے دیکھا تھا کہ وہ مسجد میں جھاڑو پھیر رہا ہے مصلے بچھا رہا ہے۔

"تو کیا شنکرلال کا وہ خواب سچا ہوگیا؟" ابراہیم نے خود کلامی کی اس کی آنکھوں کے مسلسل ارتکاز اور تپش کو محسوس کرتے ہوئے اس نے ابراہیم کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں شناسائی کی لہر جاگی ہونٹوں پہ دوستانہ تبسم ابھرا اور وہ پانی کی بالٹی اور مگ زمین پر رکھ کر تیزی سے ابراہیم کی سمت لپکا۔

"ابراہیم بابو! آپ......" وہ شنکرلال ہی تھا۔ جبھی آ کر اس سے بغل گیر ہوگیا تھا۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"میں تو بھلا چنگا ہوں خیر سے ہوں تم اپنی سناؤ یہاں کیسے؟ تم اور مسجد میں؟" ابراہیم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور ساتھ ہی اپنی حیرانگی کا سوال کی صورت اظہار بھی کردیا۔

"ابراہیم بابو! آپ نماز ادا کرلیں میری کہانی ذرا لمبی ہے نماز کے بعد اطمینان سے سنیئے گا۔" شنکرلال نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے نماز کے بعد ملتے ہیں۔" اور پھر نماز فجر کی ادائیگی کے بعد ابراہیم نے شنکرلال کو صفیں تہہ لگا کر رکھتے ہوئے دیکھا۔ ایک عجیب سا نور تھا جو اس کو شنکرلال کے چہرے پہ دکھائی دے رہا تھا۔ ایک تبسم تھا جو اس کے لبوں پر مستقل سجا ہوا تھا اور ابراہیم نے محسوس کیا کہ شنکرلال کا لہجہ بھی بہت دھیما اور ملائم ہوگیا تھا۔

"آئیں ابراہیم بابو! ادھر قریب ہی میرا غریب خانہ ہے وہاں بیٹھ کر تفصیل سے باتیں بھی کریں گے اور ناشتہ بھی۔" ابراہیم اپنی سوچوں میں گم تھا جب شنکرلال نے اس کے قریب آ کر کہا تو وہ چونک کر اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"چلو میاں ویسے بھی آج چھٹی کا دن ہے یہ چھٹی تمہارے ساتھ گزارتے ہیں بہت سی باتیں ہیں کرنے کے لیے وقت اچھا کٹ جائے گا ہمارا۔"

"جی" شنکرلال مسکرا دیا اور ابراہیم کو مسجد کے قریب بنے چھوٹے سے گھر میں لے آیا۔ جہاں صرف ایک کمرہ تھا۔ غسل خانہ تھا برآمدہ بھی کمرے سے آدھا تھا جہاں چولہا رکھا تھا ایک کونے میں کارنس باورچی خانے کے استعمال کی چند چیزیں اور چند برتن دیوار گیر الماری میں رکھے تھے۔ ابراہیم ناقدانہ نظروں سے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ کمرے میں باہر کی طرف ایک کھڑکی کھلتی تھی جس میں لوہے کے سریے اور جالی لگی تھی تازہ ہوا اور روشنی کے لیے وہ کھڑکی بہت مناسب تھی۔ دو پلنگ بچھے تھے۔ جن کی پائنتی پر دری تہہ لگا کر رکھی گئی تھی اور تکیے سرہانے دھرے تھے۔ ایک کونے میں کھجور کی بنی جائے نماز رکھی تھی۔ سائیڈ پر ایک چھوٹا سا کارنس تھا جس پر بھگوان کی مورتی کی بجائے رحل رکھی تھی اور اس پر قرآن پاک جیسی مقدس کتاب سجی تھی۔ دیوار پر سامنے خانہ کعبہ کی خوب صورت تصویر آویزاں تھی۔ ابراہیم کی حیرت بڑھتی چلی جارہی تھی۔ شنکرلال جو اسے کمرے میں چھوڑ کر ناشتہ بنانے چلا گیا تھا کچھ دیر بعد ٹرے میں دو کپ چائے بسکٹ اور پاپے پلیٹوں میں سجا کرلے آیا۔ ٹرے پلنگ پر رکھتے ہوئے بولا۔

"لیں ابراہیم بابو! ناشتہ کرلیں۔"

"شکریہ ناشتہ تو ہم کریں گے ہی مگر یہ بتاؤ کہ یہ ماجرہ کیا ہے؟ یہ کمرہ یا آستانہ تمہارا ہی ہے یا تم کسی کے ساتھ مقیم ہو یہاں؟" ابراہیم نے پلنگ پہ بیٹھتے ہوئے استفسار کیا۔

"ہم کسی کے ساتھ مقیم ہیں یہاں۔" شنکرلال نے جواب دیا۔

"اچھا کہاں ہیں وہ جن کے ساتھ مقیم ہو؟"

"ادھر ہی آپ پہلے ناشتہ تو کرلیں سب بتاتا ہوں اور ہاں مجھ غریب کے پاس یہی سوغات ہے آپ کی خاطر داری کے لیے...... امید ہے آپ کو اچھا لگے گا۔" شنکرلال نے ناشتے کی ٹرے کو دیکھ کر کہا۔

"اچھا کیسے نہیں لگے گا بہت اچھا لگے گا۔ کیونکہ اس میں تمہارا پیار شامل ہے شنکرلال۔"

"شنکرلال نہیں ابراہیم بابو! محمد بلال...... میں اب محمد بلال

بلال ہوں۔" شنکر لال نے جیسے ابراہیم کے سر پر ایٹم بم پھوڑا تھا۔

"کک...... کیا؟" ابراہیم حیرت' مسرت اور فرط جذبات سے بول ہی نہ پایا۔

"جی۔"

"تو یہ سب تمہاری مسلمانی کا نتیجہ ہے۔"

ابراہیم نے پلنگ سے اٹھ کر کمرے میں موجود قرآن پاک' جائے نماز' خانہ کعبہ کی تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"جی" محمد بلال نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"مگر یہ سب کیسے ہوگیا؟"

"میرا وہ سپنا سچا ہوگیا۔" محمد بلال نے چائے کا کپ ابراہیم کی طرف بڑھاتے ہوئے اسے ناشتے کی جانب متوجہ کیا وہ چائے کا کپ لے کر پلنگ پر بیٹھ گیا اور پھر ایک دم سے اٹھ کر اسے گلے سے لگالیا۔

"بہت بہت مبارک ہو تمہیں محمد بلال! تم نے تو بہت بڑی خوش خبری سنائی ہے۔ سبحان اللہ اس نے تمہیں اپنے گھر بلا ہی لیا نا آخر اور تمہارے گھر والوں نے کچھ نہیں کہا تمہیں؟"

"انہوں نے کیا کچھ نہیں کہا مجھے؟ وہ سب کہا جو انسان اپنے دشمن سے کہتا ہے۔ اپنے گھر سے ہمیشہ کے لیے نکال دیا۔ اپنے نام سے' حق سے عاق کردیا۔ ان کا بھائی' بیٹا تو شنکر لال تھا نا...... اور شنکر لال' محمد بلال بن گیا تو انہوں نے اس سے ہر رشتہ ناطہ توڑ لیا' محمد بلال کے لیے ان کے دل اور گھر میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ بس پھر میں اللہ کے گھر چلا آیا' جس کا مہمان بنا تھا اسی کے ذمے سب چھوڑ دیا۔ اسی کے بھروسے پہ اس کا ہوگیا۔ اس نے احساس دلا دیا کہ جسے اپنے نہ اپنائیں اسے اللہ اپنا لیتا ہے' اپنا بنا لیتا ہے' جو اس کا ہوجائے اسے پھر کسی اور کی حاجت نہیں رہتی۔ جب دل کو یہ یقین ہوجائے کہ اللہ ہر پل ہر گھڑی ہمارے ساتھ ہے تو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کون کون ہمارے خلاف ہے؟ جس کا کوئی نہیں ہوتا اس کا اللہ ہوتا ہے' اس نے رزق دینے کا وعدہ کیا ہے نا۔ تو جب اسے سب کچھ مان لیا اس پہ یقین ہوگیا تو اس کے وعدے پہ بھی اندھا یقین ہوجاتا ہے۔ جس کے بھاگے (نصیب) میں جتنا رزق لکھا ہے وہ اسے ملنا ہی ملنا ہے اور جو نہیں لکھا وہ لاکھ حیلے کرلو' ہاتھ پیر مارلو نہیں ملنا' جسے کوئی بھی پناہ نہ دے اسے اللہ پناہ دیتا ہے' ہر برائی سے برے آدمی کے شر سے پناہ دیتا ہے۔" محمد بلال دھیرے دھیرے بولتا ابراہیم کو حیرت کے سمندر میں دھکیل رہا تھا جو ناشتہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی گفتگو سن رہا تھا اور دل ہی دل میں اللہ اکبر' سبحان اللہ کا ورد کررہا تھا۔

"مسجد میں کیا کرتے ہو محمد بلال؟" ابراہیم نے پوچھا۔

"مسجد میں ضعیف اور بیمار نمازیوں کو وضو کراتا ہوں۔ مسجد کی صفائی ستھرائی' دھلائی کرتا ہوں' جھاڑو لگاتا ہوں۔ اذان دیتا ہوں۔"

"اذان؟" ابراہیم نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"جی اذان' جو بھی مجھے اندر سے ہلا دیا کرتی تھی' اندر سے جھنجوڑا کرتی تھی آج میں خود وہ اذان دیتا ہوں' اس سے بڑھیا (بہترین) اور بڑی نوکری بھلا کوئی ہوگی؟ میں اس کا غلام ہوں اب جس کے سب غلام ہیں۔ آپ سب تو پیدائشی مسلمان ہیں ناں کہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے تھے تو مسلمان ہی کہلائے۔ پر مجھے اس (اللہ) نے خود چنا ہے اپنی مرضی سے اپنے گھر کی چاکری کے لیے چنا ہے۔ اپنے بندوں کی سیوا کے لیے یہ ملازمت اس نے مجھے دی ہے۔ اس نیک کام کے لیے اس نے مجھے خود منتخب کیا ہے۔ اب تو اس کے انتخاب اور امیدوں پر کھرا اترنے کی کوشش میں ہوں۔" محمد بلال نے نرم اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"گھر والے یاد آتے ہیں؟" ابراہیم نے پوچھا۔

"گھر والے بھلائے تھوڑی جاتے ہیں ہاں مگر یاد کرنے کی فرصت بھی تو ہونی چاہیے نا۔" محمد بلال نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور اپنی چائے ختم کرکے کپ ٹرے میں رکھ دیا۔

"پیدا کرنے والی ماں تو یاد آتی ہوگی محمد بلال کو؟"

”اب تو صرف پیدا کرنے والا رب یاد رہتا ہے۔ زندگی نے یہ سمجھا دیا ہے کہ انسان اس دنیا میں اکیلا آیا تھا اور اسے واپس بھی اکیلا ہی جانا ہے۔ پھر غم کس بات کا؟ ماں باپ‘ بھائی‘ بہنیں‘ دوست‘ رشتے دار نہ تو ان میں سے کوئی ہمارے ساتھ جائے گا اور نہ ہماری سفارش کرے گا۔ ہمارے کہے اور کیے کی چارج شیٹ ہمارے سامنے روز محشر رکھ دی جائے گی اور فیصلہ سنا دیا جائے گا۔ ہمارے اعمال کے پرچے کا رزلٹ سنا دیا جائے گا۔ پاس یا فیل۔ سزا یا جزا‘ ہمیں اکیلے ہی بھگتنا اور سننا ہوگا وہ رزلٹ۔“ محمد بلال نے سنجیدگی سے کہا۔

”ٹھیک کہا تم نے بالکل درست کہا‘ تم تو ذاکر‘ واعظ مولوی ہوگئے‘ محمد بلال۔“ ابراہیم نے اس کی گفتگو سے متاثر ہوکر کہا۔

”ارے کہاں ابراہیم بابو! ابھی تو میں اچھے سے مسلمان بھی نہیں ہوا صرف کلمے کا مسلمان ہوں مسجد میں اذان دینے تک کی رسائی اس سوہنے رب کی مہربانی اور نظر کرم ہے بس۔“ محمد بلال نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ابراہیم نے بہت رشک بھری نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا جس ماتھے پہ کبھی تلک لگی ہوتی تھی آج اسی ماتھے پہ محراب ابھر رہی تھی اس کے سجدوں کی گواہی بن کر۔

”مگر یہ سب ہوا کیسے شنکرلال‘ اوہ معاف کرنا محمد بلال...... شنکرلال سے محمد بلال تک کا سفر کیسے طے ہوا؟ وہ سپنا‘ کیسے سچ ہوا‘ بتاؤ نا میاں؟“ ابراہیم کے لہجے میں بے تابی اور تجسس تھا۔ محمد بلال نے گہرا طویل سانس لبوں سے خارج کیا اور نرم دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

”ابراہیم بابو! آپ مسجد نماز کی ادائیگی کے لیے چلے گئے تھے تو میں بھی آپ کے جانے کے بعد وہاں سے نکل گیا۔ گھر جا نہیں سکتا تھا کہ بڑا آدمی بن کر جانے کا عہد اور دعویٰ کرکے گھر سے نکلا تھا۔ اب یونہی کیسے واپس چلا جاتا؟ سب یہی کہتے نا کہ لوٹ کے بدھو گھر کو آیا۔ بس یہی سوچ کے میں ایک بس میں سوار ہوگیا۔ بس نے مجھے لاہور کے بس اڈے پہ اتار دیا۔ میرے آس پاس لوگوں کا ہجوم تھا۔ چاروں اور خلقت ہی خلقت تھی۔ نیا شہر‘ نئی جگہ‘ نئے لوگ نئے راستے اور میں خالی الذہن‘ انجان‘ اجنبی‘ کم فہم‘ کم علم آدمی...... مجھے تو کچھ بھی نہیں پتا تھا کہ کہاں جانا ہے‘ کیا کرنا ہے؟ بھوک بھی بہت لگی تھی اور پتا نہیں تھا کہ کھانا کہاں ملے گا؟ جب چلتے چلتے تھک گیا اور بھوک سے پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے تو میں نے ایک آدمی سے پوچھا۔ ”بھائی! بھوک لگی ہے کھانا کہاں سے ملے گا؟ تو وہ بولا۔ ”داتا دربار چلے جاؤ یا بی بی پاک دامن کے مزار پہ جاؤ۔ وہاں دن رات لنگر چلتا ہے جاؤ اپنی بھوک مٹاؤ...... پر......؟“

”پر کیا؟“ ابراہیم جو بہت دلچسپی سے اس کی داستان حقیقت سن رہا تھا اس کے لمحے بھر کے توقف پر بے تاب ہوکر بولا۔

”پر میرا من نہیں مانا ابراہیم بابو؟“

”کیوں تمہیں تو بہت بھوک لگی تھی نا؟“

”ہاں پر بھوک مٹانے کی خاطر میں کسی داتا جی کے دربار اور پاک بی بی کے مزار پہ جا نہیں پایا۔ عقیدت میں جاتا تو الگ بات تھی لیکن صرف اپنی بھوک مٹانے کو نیک‘ پاک‘ بزرگ ہستیوں کے مزار پہ جانے کو من نہیں مانا میرا۔“ محمد بلال نے سنجیدگی سے کہا تو ابراہیم مسکراتے ہوئے بولا۔

”ارے پگلے! یہ بزرگ‘ ولی اللہ کے نیک بندے تو اللہ نے بھیجے ہی اس لیے ہیں کہ اللہ کی مخلوق کی مدد کریں۔“

”بات تو آپ کی ٹھیک ہے مگر پتا نہیں کیوں قدم وہاں جاکے رک سے گئے اور میں اندر جانے کی جرأت نہ کرسکا اور تھک کر مزار کے باہر پیڑ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ابھی مجھے وہاں بیٹھے ہوئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک بوڑھا آدمی میرے پاس آیا‘ اس آدمی نے ہرے رنگ کا چوغہ پہن رکھا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں پلاؤ بھی ایک پلیٹ تھی جو اس نے مسکراتے ہوئے میری جانب بڑھا دی اور بولا۔

”یہ تمہارا حصہ ہے لو شاباش بسم اللہ کرو۔“ میں نے حیرانگی سے پوچھا۔

”آپ کو کیسے پتا جی کہ میں بھوکا ہوں؟“ وہ بوڑھا مسکراتے ہوئے بولا۔

”جس نے یہ لنگر چلا رکھا ہے اسے تو پتا ہے نا۔ وہ جو سب میں اس کے حصے کا رزق تقسیم کرتا ہے وہ تو جانتا ہے نا کہ کون بھوکا ہے‘ کسے کب‘ کہاں رزق پہنچانا ہے؟ وہ سب کو دیتا ہے انہیں بھی جو اس کو مانتے ہیں اور انہیں بھی جو غیر اللہ کو مانتے ہیں۔ پوجتے ہیں۔“ یہ سن کر تو میرا جسم کانپنے لگا۔ وہ بوڑھا آدمی مجھے پانی بھی دے گیا۔ مجھے بھوک بہت زوروں کی لگی تھی اور پلاؤ کی خوشبو میری بھوک چمکا رہی تھی۔ میں نے فوراً اپنے ہاتھ دھوئے اور مرغ پلاؤ کھانے لگا۔ وہ پلاؤ اتنا لذیذ تھا کہ اس کا ایک ایک دانہ مجھے مزا دے رہا تھا۔ میرا پیٹ بھر گیا تھا۔ کھا پی کر میں خود کو بہت بہتر محسوس کر رہا تھا۔ بھرے پیٹ کے ساتھ آنکھوں میں نیند بھی بھرنے لگی۔ سفر کی تھکن کی وجہ سے اور کافی دیر پیدل چلنے کی وجہ سے مزید چلنے کی ہمت نہیں تھی سو میں وہیں پیڑ کے نیچے چادر بچھا کے لیٹ گیا اور نیند کی وادی میں پہنچ گیا۔ اور......!!“ محمد بلال بولتے بولتے رکا اور کھوئے کھوئے انداز میں گہرا سانس لیتے ہوئے کمرے کی چھت کو تکنے لگا۔ ادھر ابراہیم کا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر بے تابی سے پوچھا۔

”اور کیا بتاؤ نا؟“

”اور نیند میں‘ میں نے پھر وہی سپنا دیکھا کہ میں مسجد کے صحن میں جھاڑو پھیر رہا ہوں‘ مصلے بچھا رہا ہوں‘ پر اب کی دفعہ میں سپنے میں اذان بھی دے رہا تھا۔“

”اذان۔“ ابراہیم حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔

”ہاں ابراہیم بابو! اللہ اکبر‘ اللہ اکبر“ میری زبان سے ادا ہو رہا تھا۔ میں ہڑبڑا کر نیند سے جاگا تھا۔ میرا بدن پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔ میں اسی حالت میں بیٹھا تھا کہ بوڑھا آدمی میرے پاس آیا اور بولا۔

”جب انسان اجتماعی پکار پہ کان نہ دھرے نہ جاگے تو اوپر والا اسے انفرادی طور پر سپنے میں آ آ کے جھنجوڑتا ہے‘ جگاتا ہے‘ اسے بتاتا ہے کہ مالک و مختار‘ عزیز اور پروردگار‘ خالق کائنات صرف اللہ ہے۔ سب سے بڑا اللہ ہے۔ اللہ اکبر‘ اللہ اکبر...... بس ابراہیم بابو! پھر میں وہاں سے سر پہ پیر رکھ کے بھاگ لیا مگر......“

”مگر کیا؟“ ابراہیم کی نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

”آپ نے ٹھیک کہا تھا ابراہیم بابو! میں جتنا مرضی بھاگ لوں اس (اللہ) سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتا‘ اس کی حدود سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اس کی پہنچ سے دور نہیں جا سکتا۔ اس سے بچ کر کہیں نہیں چھپ سکتا۔ وہ تو اندھیری غار میں سے بھی آدمی کو ڈھونڈ نکالتا ہے...... وہ اللہ بھی مجھے گھسیٹتا ہوا اپنے در پر لے آیا۔ میں بہت بھاگا مگر اس نے میرے قدموں کا رخ اپنے گھر کی طرف موڑ لیا۔ من بڑا گڑگڑایا۔ مزاحمت کی تو من کو بھی تھپکی دے کر سمجھا لیا۔ بھگوان جی سے بنتی کی پر بھگوان جی بھی مٹی کی مورت بنے رہے۔ میری کوئی مدد کی نہ مجھے بچایا اور کھینچا...... کچھ تو تھا جو مجھے کھینچ کر‘ گھسیٹ کر اس (اللہ) کے گھر لے گیا میں اندھا دھند بھاگتا رہا‘ بھاگتا رہا‘ اور آخر تھک کے ڈھیر ہو گیا۔ سانسیں پھول گئیں‘ زبان تالو سے جا لگی‘ حلق خشک ہو گیا تھا۔ ٹانگیں جیسے بے جان ہو گئیں تھیں۔ اپنا ہی بوجھ اٹھانا دشوار ہو گیا تھا۔ میں ایک جگہ ڈھے گیا۔ آنکھیں آپ ہی آپ بند ہونے لگیں۔ میں بہت بری طرح ہانپ رہا تھا۔ میں تھک چکا تھا۔ حرکت کرنے کی بھی سکت نہ تھی مجھ میں‘ یہاں تک کہ سانس لینا بھی محال تھا اور ایسے میں‘ مندی مندی آنکھوں کے سامنے وہی سبز گنبد جھلملانے لگا جو میں نے سپنے میں دیکھا تھا۔ جو مسجد میں نے سپنے میں‘ خواب میں دیکھی تھی میں اسی مسجد کے دروازے پہ گھٹنے ٹیک کے بیٹھا تھا۔ مسجد کے اندر سے آتے والی آواز جیسے مجھے ہوش میں لے آئی تھی۔

”اللہ ہو اللہ ہو“ کی آواز اور ”لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ“ کی تکرار اور تسبیح اور اقرار ایک جادو تھا جیسے اس ورد میں جسے سن کر میرے اندر دھیرے دھیرے طاقت سی آنے لگی۔ میرے حواس بحال ہونے لگے۔ اعصاب کا تناؤ ختم ہو گیا میں ایک دم سے ہلکا ہو گیا سوکھے پتے کی طرح ایک دم ہلکا جسے ہوا اپنے دوش پہ جہاں چاہے اڑا کے لے جائے‘ کلمہ

توحید بھی میرے لیے ہوا ساتھا' بادِ صبا کا نرم جھونکا تھا جو مجھے اپنی سمت اپنے ساتھ اڑا کے لے جا رہا تھا۔ مجھے پتا بھی نہیں چلا کہ میں کب؟ کیسے کھڑا ہوا اور میرے قدم مسجد کے اندر کی جانب بڑھنے لگے اور آن کی آن میں' شنکرلال' مسجد میں داخل ہو گیا اور زبان بھی وہی کلمہ پڑھنے لگی جو مسجد میں موجود نمازی پڑھ رہے تھے۔ وہی ورد' ورد زبان ہو گیا جو وہاں بیٹھے ہوئے مسلمانوں کی زبان پر جاری تھا۔

"اللہ ھو' اللہ ھو' اللہ اکبر' اللہ اکبر...... لاالہ الا اللہ محمد الرسول اللہ" میں بھی وہ پڑھ رہا تھا جو وہ سب نمازی پڑھ رہے تھے اور ایسا اپنے آپ ہو رہا تھا۔ میں وہاں ایسے کھنچا چلا گیا تھا جیسے مقناطیس' لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ توحید' ایمان اور اللہ کی وحدانیت وہ مقناطیس ہے۔ جس نے مجھ بے ایمان' غیر اللہ کو پوجنے والے زنگ آلود لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیا اور لوہے کو کندن بنا دیا۔ اپنی طرف کھینچ کر سب سے کھینچ لیا۔ مجھے اپنا بنا لیا اور مجھے اپنوں سے چھڑا لیا۔"

"تم مسجد میں داخل ہوئے تو کسی نے کچھ کہا نہیں تمہیں؟" ابراہیم نے بے تابی سے پوچھا۔ محمد بلال کھوئے ہوئے انداز میں بولا۔

"کہا تھا! کسی نمازی نے کہا تھا' ارے یہ تو ہندو ہے' یہ مسجد میں کیسے آ گیا؟" کوئی بولا۔

"اسے مسجد سے باہر نکالو اس نے مسجد کو ناپاک کر دیا ہے یہ تو خود بھی ناپاک ہے۔" تب مسجد کے مولوی صاحب کہنے لگے۔

"یہ ناپاک کیسے ہو گیا میرے بھائی' سن نہیں رہے آپ یہ تو اپنے پاک ہو جانے کی گواہی دے رہا ہے۔ اللہ ھو کا ورد کر رہا ہے۔ جب اللہ کو ایک مان لیا' وحدہ لاشریک مان لیا۔ زبان سے "لاالہ الا اللہ محمد الرسول اللہ" ادا ہو گیا تو تن من تو خود بخود پاک صاف اور پاکیزہ ہو گیا۔ اور پھر مولوی صاحب منبر سے اتر کر میری جانب آتے ہوئے مسکراتے نرم لہجے میں بولے۔ آؤ بھائی آؤ' خوش آمدید' اللہ کے گھر میں' اللہ کے دین میں آمد مبارک ہو' ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔ آؤ میں تمہیں وضو کراتا ہوں' پھر کلمہ اور سجدہ تو تم سیکھ ہی لو گے۔"

"اللہ اکبر۔" ابراہیم فرطِ مسرت سے جھوم اٹھا۔

"بس پھر وضو بھی ہو گیا' کلمہ بھی پڑھ لیا اور نماز بھی۔ پہلے مولوی صاحب کے پیچھے نماز پڑھتا تھا یہ نیا نیا مسلمان جو محمد بلال بن گیا تھا' اب یہ رتبہ اور شان ہے اس کی کہ اذان بھی دیتا ہے اور کبھی کبھی امامت بھی کراتا ہے' مولوی کریم اللہ نے شنکرلال کا نام محمد بلال رکھ دیا' شنکرلال اتنا بڑا آدمی بن گیا کہ اذان دینے لگا۔ وہ شنکرلال جو کبھی "اللہ اکبر" کی آواز اور پکار سن کر بھاگتا تھا' جو اذان سن کر ڈرنے اور کانپنے لگتا تھا' وہ آج محمد بلال بنا لوگوں کو پکارتا ہے' بلاتا ہے' اللہ کے گھر کی طرف اذان دیتا ہے' پانچ وقت اور لوگ اس مسجد میں بھاگے چلے آتے ہیں نماز کے لیے...... میں یہاں بہت مزے میں ہوں' سکون ہی سکون ہے' شانتی ہی شانتی ہے ایک کلمے نے ایک ایمان نے' ایک عقیدے نے مجھے مسلمان بنا دیا۔ ایک اللہ نے مجھے اپنے رستے کا مسافر بنا کر سر سے پیر تک بدل کے رکھ دیا۔ میرا ظاہر باطن بدل دیا' زبان' بیان' لہجہ' رویہ' صورت' سیرت' رنگ' ڈھنگ' حتیٰ کہ میرا پہناوا تک بدل دیا۔ اب میں ماتھے پہ تلک نہیں لگاتا بلکہ اب یہ ماتھا زمین پہ سجدے کے لیے ٹکاتا ہوں۔ سچ کہتا ہوں ابراہیم بابو! کل تک میں رنگ رنگ کے بتوں کو پوجتا تھا مگر پھر بھی زندگی بے رنگ تھی۔ اور آج اس سوہنے رب کے رنگ میں رنگا گیا ہوں تو لگتا ہے جیسے قوسِ قزح کے سارے رنگ مجھ ہی سے پھوٹتے ہیں' دنیا کے ہر رنگ' ڈھنگ' سنگ کا مالک صرف اللہ ہے...... صرف اللہ تعالیٰ ہے۔"

"واہ رے مالک! تیرے رنگ۔ سبحان اللہ' کیا شان ہے میرے اللہ کی۔ کتنا ایمان افروز قصہ ہے تمہاری زندگی کا محمد بلال' جیو خوش رہو۔" ابراہیم خوشی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"شکریہ!" محمد بلال مسکرایا۔

"اچھا یہ بتاؤ محمد بلال قرآن پاک پڑھنا سیکھ لیا؟" ابراہیم نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"ابھی تو صرف اللہ اکبر سیکھا ہے۔" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بولنا سیکھا ہے نماز یاد کی ابھی تو...... اور صرف پڑھنا تو فرض نہیں ہے ابراہیم بابو! اصل بات تو عمل کرنا ہے سبق تو سب پڑھاتے ہیں عمل کی ہدایت اور تاکید کوئی نہیں کرتا...... اور اسلام تو ہے ہی دین عمل قرآن پاک ایک تھیوری ہے جس پر ہمیں پریکٹیکل کرنے کی ضرورت ہے۔ عمل درست نہیں ہوگا تو ہم فیل ہو جائیں گے۔ اللہ نے اس دنیا کو امتحان گاہ کہا ہے نا اور قرآن پاک کتاب ہے جسے ہمیں اپنے عمل میں لانا ہے اب جیسا عمل ہوگا ویسا رزلٹ سامنے آئے گا۔ جیسے اسکول کالج مدرسے میں طالب علم کورس کی کتابیں پڑھتے ہیں کچھ ذہین طالب علم سمجھ کر پڑھتے ہیں اور عمل کی کوشش کرتے ہیں جبکہ کچھ طالب علم صرف رٹا لگاتے ہیں امتحان میں پاس ہونے کے لیے یا مستقبل میں اچھی نوکری حاصل کرنے کے لیے...... نتیجہ آنے پر دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جاتا ہے سب کو پتا چل جاتا ہے کہ کس نے کتنا پڑھا کتنا یاد رکھا کتنا سمجھا اور کتنا عمل کیا...... اچھا برا غلط درست سب پتا چل جاتا ہے خالی رٹا لگا لینے سے سبق تو یاد رہ جاتا ہے کچھ عرصے کو لیکن یاد نہیں رہتا اور ایک دن رٹا رٹایا سبق بھی بھول جاتا ہے اور طالب علم اسکول حیات میں زندگی کے کالج میں پیش آنے والے امتحانات میں فیل ہو جاتا ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو میاں! عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی آلکس کے مارے نیستی مارے سستی کے دوست ہیں ہم...... عمل سے جان جاتی ہے ہماری بس پکی پکائی کھانے کی خواہش اور منشا ہے۔ کام کرنے کے لیے ہاتھ پیر ہلانے پڑتے ہیں ہم تو روز مرہ کے امور زندگی میں عمل سے بھاگتے ہیں تو قرآن پاک پر کیا عمل کریں گے حالانکہ ہماری زندگی کا ہماری طرز حیات کا ہر اصول ہر مسئلے کا ہر پریشانی کا حل ہر سوال کا جواب قرآن پاک میں موجود ہے لیکن ہماری بدقسمتی دیکھیے کہ ہمارے پاس اس بابرکت کتاب کو پڑھنے کی بھی فرصت نہیں ہے عمل تو بہت دور کی بات ہے۔" ابراہیم نے سنجیدہ اور تاسف زدہ لہجے میں کہا۔

"جی ابراہیم بابو! قرآن پاک تو عمل کی کتاب ہے لوگوں نے اسے پڑھنے کی کتاب بنا دیا ہے۔ زندوں کا منشور ہے مردوں کا دستور بنا کے رکھ دیا لوگوں نے سینوں میں دل و دماغ میں محفوظ کرنے کی بجائے خوب صورت ریشمی مخملی جزدان میں لپیٹ کر الماریوں میں سجا کے رکھ دیا ہے۔ یوں کہیے کہ طاق نسیاں پہ اٹھا رکھا ہے۔"

"واہ سبحان اللہ! تو تو سچ مچ بڑا آدمی بن گیا محمد بلال اتنی فصاحت اتنی شیرینی اتنا فہم و ادراک تجھے چند دن کے قبول اسلام نے بخش دیا ہے آگے آگے دیکھیے محمد بلال کی دین اسلام سے محبت کیا رنگ لاتی ہے؟" ابراہیم نے خوش ہو کر مسکراتے ہوئے ستائش سے پر لہجے میں کہا۔ محمد بلال مسکراتے ہوئے بولا۔

"دعا کریں ابراہیم بابو! کہ میں سچ مچ بڑا آدمی بن جاؤں میں تو اپنے گھر سے ماں باپو کی ادھاری چکانے نکلا تھا۔ ان کا میرے اوپر خرچ کیا گیا پیسہ لوٹانے کے لئے مزدوری نوکری کرنے کو چلا تھا پیسہ تو کچھ لوٹا دیا ماں باپو کو پر میں سوچتا ہوں کہ کیا ماں باپ کے پیار ممتا اور دلار کا بھی کوئی حساب چکتا کر سکتا ہے؟ کیا ماں کی ممتا سکوں کی کھنک سے خریدی جا سکتی ہے؟ کیا خون کے رشتے پیسے کے لیے دولت کے لیے پرائے ہو سکتے ہیں؟ کیا اپنوں کے لیے کیا گیا کام فرض پیار اعتبار کھانا پینا آرام آسائش مہیا کرنا کیا یہ سب حساب کی کاپی میں لکھنے لائق ہوتا ہے؟ کیا دولت روپیہ پیسہ کام دام بھی ایک ہی ماں باپ کی اولاد کو چھوٹا بڑا امیر فقیر حقیر اور دل پذیر بنا سکتا ہے؟ کیا ماں باپ کو زیادہ کمانے والا بیٹا زیادہ پیارا ہو جاتا ہے؟ اور کم کمانے والا کم پیارا؟ اور جو نکما ناکارہ اور کمانے والا نہ ہو وہ آوارہ ہو جاتا ہے ان کی نظر میں؟ کیا دولت اور باورچی خانے کا راشن جمع کرنے والا کماؤ پوت ہوتا ہے؟ پیسہ ہر رشتے ناطے کے ماپنے کا معیار اور پیمانہ کیوں بن گیا ہے ابراہیم بابو؟ پیسے کے بنا پیار ی کیوں نہیں کر پاتے ہم

ایک دوجے سے؟ اس روپے پیسے کے مٹی گارے نے تو رشتوں کی بنیادیں ہی نہیں عمارتیں بھی کھوکھلی اور بوسیدہ کردی ہیں۔ مسکراہٹ کو ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ قرار دیا ہے' تحفہ قرار دیا ہے' مگر آج کل اگر کوئی مسکرا کے ملے تو ذہن میں پہلا خیال ہی یہ آتا ہے کہ اس مسکراہٹ کے پیچھے ضرور کوئی مطلب چھپا ہوگا۔ ہر رشتہ مطلبی' ہر تعلق خود غرضی میں لپٹا ہے۔"

"ہر رشتہ...... کیا ماں کا رشتہ بھی؟" ابراہیم بغور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"جی ابراہیم بابو! جننے والی ماں بھی حساب مانگتی ہے' آج کے دور کی تو ماں بھی اولاد سے حساب مانگتی ہے اپنی قربانیاں جتاتی ہے' راتوں کا جاگنا' گیلے بستر کو سوکھے بستر میں بدلنے کے لیے اٹھنا' دودھ پلانا' نوالے بنا بنا کے کھلانا' نہلانا دھلانا' سبھی یاد کراتی ہے دودھ نہ بخشنے کی تڑی (دھمکی) بھی لگاتی ہے آج کی ماں۔ اب تو انگلی پکڑ کر چلنا سکھانے والا باپ بھی اپنے کام کے دام مانگتا ہے' ادلے کا بدلہ ہے یہ تو ابراہیم بابو! بچپن میں میرے باپ نے مجھے انگلی پکڑ کے چلنا سکھایا اس لیے کہ میں اس کے بڑھاپے میں اس کی بیساکھی بنوں' اسے سہارا دوں' اسے پالوں' کھلاؤں' پلاؤں' اچھا پہناوا پہناؤں' کل اس نے جو مجھ پہ لگایا تھا۔ ماں باپ اولاد پر انویسٹ کرتے ہیں۔ تاکہ ان کے بڑھاپے میں وہ انہیں منافع دے سکیں سود سمیت۔"

"لگتا ہے بڑی گہری چوٹ کھائی ہے تم نے اپنوں کے رویے اور دنیا کے برتاؤ سے۔" ابراہیم نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ابراہیم بابو! سب کچھ بس فرق صرف اتنا ہے کہ کوئی جلدی سیکھ لیتا ہے اور کوئی دیر سے سیکھتا ہے' کوئی سمجھ جاتا ہے اور کوئی نہیں سمجھتا۔" محمد بلال نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو تم نے کیا سیکھا' کیا سمجھا محمد بلال؟"

"وہی جو آپ کو ابھی بتایا ہے۔"

"یعنی......" ابراہیم نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا۔

"یعنی یہ دنیا مطلبی ہے بڑی ہی مطلبی' ابراہیم بابو یہاں ہر آدمی دوسرے آدمی سے اپنے فائدے کے لیے ملتا ہے' اپنا الو درست کرنے کے لیے دوسروں سے ناجائز تعلقات بناتا ہے' مراعات حاصل کرنے کے لئے تعلقات بڑھاتا ہے۔ ہر رشتہ ہر ناطہ' ہر تعلق کسی نہ کسی مفاد کی پیداوار ہے' ہر جذبے کے پیچھے کوئی نہ کوئی غرض' لالچ' مفاد پوشیدہ ہے۔ منافع کی توقع کے بنا کوئی باپ بیٹے پہ پیسہ انویسٹ نہیں کرتا' ماں باپ کہتے ہیں کہ میں نے تمہیں پال پوس کے بڑا کیا' پڑھایا' لکھایا' تمہیں اعلیٰ عہدے تک پہنچنے کے لائق بنایا' تمہاری ہر ضرورت پوری کی' ہر فرمائش پوری کی تو...... اب تم بھی ہماری ہر ضرورت اور فرمائش پوری کرو...... یعنی جو ہم نے تمہیں کل دیا تھا وہ تم آج ہمیں واپس لوٹا دو۔ اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو تم نافرمان' نالائق اور ناہنجار کہلاؤ گے' میری بہن ٹھیک ہی کہتی تھی کہ "ماں باپ کو بھی کماؤ پوت پسند ہوتے ہیں" محمد بلال جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا تھا۔ ابراہیم اس کے تجزیے اور تجربے کے بیان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔

"خیر اب اتنے بھی برے حالات وخیالات نہیں ہیں بلال میاں! دنیا میں ماں باپ کے سوا کوئی رشتہ بے لوث' بے ریا اور بے غرض نہیں ہے' ماں باپ تو اپنی اولاد کی بھلائی کے لیے ہی سب کچھ کرتے ہیں۔ اپنی اولاد کی بہتری' بھلائی' اور کامیابی چاہتے ہیں۔ اسے اونچے بلند اور اعلیٰ مقام پر دیکھنے کی تمنا اور دعا کرتے ہیں۔ اپنی اولاد کو بلند کردار اور اعلیٰ منصب ومقام کا مالک دیکھنا چاہتے ہیں۔ والدین کی ڈانٹ پھٹکار اس لیے ہوتی ہے کہ وہ تمہیں دنیا کی ڈانٹ پھٹکار اور دھتکار سے بچالے۔ تم اتنے مضبوط اور تناور درخت بن جاؤ کہ لوگ تمہارے سائے میں آکے بیٹھیں۔ تمہاری دھوپ چھاؤں لوگوں کو سکون اور آرام بخشے نہ کہ تم دوسروں کے سائے میں پناہ ڈھونڈتے پھرو۔"

"آپ کی بات بھی ٹھیک ہے پھر بھی دنیاوی رشتے غرض کے رشتے ہیں ابراہیم بابو! ضرورتیں نہ ہوں تو شاید لوگ ایک دوسرے کے ساتھ رہنا بھی چھوڑ دیں۔" محمد بلال نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں تمہاری بات میں دم ہے محمد بلال' دراصل کوئی ایک انسان معاشرہ تشکیل نہیں دے سکتا۔ معاشرہ ایک دوسرے کے ساتھ انسانوں کے ساتھ مل کر زندگی بتانے سے ہی بنتا ہے۔ یہ تو قدرت کا قانون ہے کہ ہم انسان ایک دوسرے سے اپنی ضرورتوں کی وجہ سے جڑے رہتے ہیں۔ کوئی اکیلا انسان دنیا میں نہیں رہ سکتا' ہر انسان کو اپنی کسی نہ کسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے دوسرے انسان سے ملنا پڑتا ہے۔ تعلق بنانا' رشتہ جوڑنا پڑتا ہے اسی طرح یہ معاشرہ بنتا' پھلتا' پھولتا اور پنپتا ہے۔ یہ ضرورتوں کا سلسلہ تو اللہ نے انسان کو انسان سے جوڑے رکھنے کے لیے رکھا ہے۔ میل ملاپ ضروری ہے تاکہ معاشرہ قائم ہو سکے۔ خاندان بن سکیں' منفی صورت حال اور منفی رویوں کو سمجھداری کے ساتھ ہینڈل کرنا' اپنے پر کی جانے والی تنقید و تضحیک کو نظر انداز کرنا دوسرے کا غصہ برداشت کرنا' صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا ہی اس امتحان کو کامیابی کے راستے دکھاتا ہے۔ ابراہیم نے اسے سنجیدگی سے رسانیت سے سمجھانے والے انداز میں کہا تو وہ مسکرا دیا اور کہنے لگا۔

"سچ کہا آپ نے اور سچ تو یہ بھی ہے کہ بے مطلب کا' بے غرضی کا رشتہ صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ کا رشتہ بے غرض' بے لوث' وہ اللہ جو اپنے بندے کو بن مانگے دیتا ہے اور حساب بھی نہیں مانگتا۔ وہ انسانوں کی طرح شرطیں نہیں لگاتا۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ میری عبادت کرو گے تو میں تمہیں کھانے پینے کو رزق دوں گا' سر ڈھانپنے کو چھت دوں گا' وہ تو صرف ہمارے گناہوں کا' برے کاموں کا' ہماری غلطیوں کا حساب مانگتا ہے' وہ تو یہ سوال کرتا ہے کہ اے میرے بندے! تو نے اپنے جیسے کسی انسان کا دل کیوں دکھایا؟ وہ تو اپنی مخلوق پہ ظلم و ناانصافی کرنے کا حساب مانگتا ہے۔ خلق خدا کو پریشان کرنے پہ سوال اٹھاتا ہے۔ وہ تو بڑا سیدھا سادہ اصول سامنے رکھتا ہے اور کہتا ہے "سیدھے راستے پہ چلو ورنہ برے عذاب کے لیے تیار رہو۔" اور یہی نہیں روز حساب سے پہلے توبہ اور معافی کی مہلت بھی دیتا ہے۔ وہ سب سے سچا اور اچھا رشتہ ہے انسان کا اس (اللہ) کو دل سے مان لو اس کی بات مان لو اور جواب میں اس سے اپنی بات منوا لو' اسے منانا بہت آسان ہے ابراہیم بابو۔ پر اس کے بندوں کو منانا بڑا ہی مشکل ہے۔ رب راضی تو سب راضی۔"

"یہی تو مسئلہ ہے محمد بلال کہ رب راضی ہو جاتا ہے پر اس کی مخلوق راضی نہیں ہوتی۔ ہم اللہ کی باتیں تو بہت کرتے ہیں مگر اللہ کی باتوں پہ عمل بہت کم کرتے ہیں۔ اس کی باتیں سنتے ہیں مگر مانتے نہیں ہیں۔ حالانکہ راضی بہ رضا رہنا ہی جنت کی نوید سنا سکتا ہے۔ ہم نہ اس کی سنتے ہیں' نہ اس کی مانتے ہیں' نہ اس کے کہے پہ عمل کرتے ہیں' اور پھر بھی اسی سے شکوے گلے کرتے ہیں وہ جو دیتا ہے اس کا شکر ادا نہیں کرتے' اور جو نہیں دیتا اس کا گلہ فوراً کرنے لگتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ ہم نے ایسا کیا کیا ہے جو وہ ہمیں دیئے چلے جا رہا ہے۔ نوازے جا رہا ہے۔"

ابراہیم نے مسکراتے ہوئے انسانی فطرت و عادت کا ذکر کیا تو محمد بلال بھی اس کے لیے چائے بنا کر لاتے ہوئے کہنے لگا۔

"ہاں ابراہیم بابو! وہ سارے عالم کا پالن ہار ہے' وہ تو مسلمان اور غیر مسلم سب کو دیتا ہے' رزق بھی' چھت بھی' دولت بھی' وہ تو ہر ذی روح کو رزق دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ اگر تم اسے مانو گے تو وہ تمہیں مانے گا اور نوازے گا...... وہ تو کتاب (قرآن پاک) بھیج کر راستہ دکھا کے' صحیح' غلط سمجھا کے کہتا ہے کہ لو اب تمہارا عمل ہے' تمہاری مرضی ہے' جس راہ پہ چاہو چلو ہاں اگر حق سچ کی دین کی' اللہ کی راہ پہ چلو گے تو فلاح پاؤ گے۔ اور اگر سیدھے رستے سے بھٹک گئے' غلط راستے پہ چل پڑے تو فنا ہو جاؤ گے' پھر تباہی تمہارا مقدر ہے آخرت میں بھی پھر تمہیں سکون اور چین نہیں ملنے والا۔

جیسا راستہ ویسی منزل!
جیسی نیت ویسی عبادت!
جیسا عمل ویسا پھل!"

"یہ تو اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے ابراہیم بابو! اللہ کا رشتہ سب سے سچا اور کھرا رشتہ ہے جب سب چھوڑ جاتے ہیں

تب وہ ہمیں اپنا لیتا ہے' کھلے دل' اور کھلی بانہوں کے ساتھ' اگر اس نے تمہیں اپنی پناہ میں لے لیا تو سمجھو کہ تم نے کچھ نہیں کھویا کیونکہ جس نے اللہ کو پالیا اس نے کھویا کچھ نہیں اور جس نے اللہ کو گنوا دیا اس نے پایا کچھ نہیں۔ مانو تو...... اس نے سب کچھ گنوا دیا۔ اور سچ کہوں؟ ابراہیم بابو! جب انسان کو محبتوں کا سمندر مل جائے نا' اس کے سامنے محبت کے کوزے کی اہمیت اور قیمت آپ ہی آپ کم ہو جاتی ہے اس (اللہ) کی محبت سمندر ہے اور انسان کی انسان سے محبت کوزہ ہے۔ بہت کم ہے اور ایک دن ختم بھی ہو جاتی ہے یہ محبت...... پھر رگ رگ' نس نس کو سمجھ آ جاتی ہے کہ جو بھی ہے بس "اللہ" ہے...... بقا...... فنا سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ انسان تو صرف مٹی کا مادھو ہے' پتلا ہے مٹی کا' جسے وہ اپنے اشاروں پہ چلاتا ہے' نچاتا ہے' جیسے چاہتا ہے اس کی ڈور ہلاتا ہے اور جب چاہتا ہے جیسے چاہتا ہے اس پتلے کی ڈور کاٹ دیتا ہے۔ ایسے میں بھلا کون اسے روک سکتا ہے؟ ماں باپ' بھائی' بہن' یار دوست' رشتے دار کوئی بھی نہیں...... کٹی ہوئی ڈور کو پھر سے پہلے سی نہیں جوڑ سکتے وہ لوگ...... مردے کو زندہ نہیں کر سکتے' بے جان میں جان نہیں ڈال سکتے' بے ہدایت انسان میں ہدایت کی روح نہیں پھونک سکتے' روح تو وہی پھونکتا ہے' جو جسم پیدا کرتا ہے اس میں زندگی ڈالتا ہے' روح پھونکتا ہے۔ روح قبض کرنے کا اختیار بھی اسی کے پاس ہے۔ ہم انسان تو سب بے بس ہیں' بے اختیار ہیں اس کے سامنے اس کے کسی فیصلے سے روگردانی کریں ہماری کیا مجال؟ میری مثال آپ کے سامنے ہے۔"

"واہ واہ محمد بلال' سبحان اللہ' سبحان اللہ! تم تو دل و روح سے اللہ کو ماننے والے ہو گئے' ایمان اور زبان دونوں بدل گئے' گیان اور دھیان بھی کمال کا ہو گیا تمہارا...... سچ میں اللہ کے بندے بن گئے تم۔ اتنا علم' اتنی فہم و ادراک یہ سب تو اللہ کے کرم کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے' ریاضت مجاہدے کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ اس نے تمہیں "اپنا" ماننے والا بنا ہی لیا آخر...... اللہ اکبر۔ یاد ہے میں نے تجھے کہا تھا نا کہ......! "شنکر لال! اگر اس (اللہ) نے تجھے اپنے گھر بلانے کی ٹھان لی ہے تو وہ اب ٹلنے کا نہیں' ایمان پر ہی راضی ہوگا اور دیکھو کیسا راضی کیا اس نے تمہیں۔" ابراہیم نے مسکراتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

"ٹھیک کہتے ہیں آپ ابراہیم بابو! اسے (اللہ) راضی کرنا ہی انسان کا دین دھرم ہے۔ اسے راضی کر لو دنیا اپنے آپ راضی ہو جائے گی' اس کے کام میں لگ جاؤ تو وہ ہمارے کام میں لگ جاتا ہے' وہ کبھی کسی کا ادھار نہیں رکھتا۔ قرض سود سمیت لوٹاتا ہے' ایک نیکی پہ دس نیکیوں کا ثواب دیتا ہے' اس سے تجارت کرنے والا کبھی گھاٹے میں نہیں رہتا۔ نفع ہی نفع ہے اس کے ساتھ تجارت کرنے میں۔ جتنا انویسٹ کرو گے اس سے دگنا بلکہ دس گنا پاؤ گے۔ اچھا انویسٹ کرو اچھا نفع پاؤ' نیکیاں جمع کراؤ' اور اجر' ثواب' رحمت' جنت' منافع پا لو۔ بڑا سیدھا سادا فارمولا ہے آخرت میں اپنا ٹھکانہ جنت کرنے کا۔ دوزخ یا بہشت یہ انسان کے کرم کا پھل ہے۔ جس نے اپنی آخرت آرام دہ بنانی ہوگی وہ اس کے رستے پہ چلے گا نیکی کرے گا اور جسے شیطان کا چیلا بننا ہے وہ بدی کرے گا' اسے دوزخ کی آگ اپنے آپ ہی اپنی اور کھینچ لے گی۔ چھوٹ کسی کو نہیں ملتی' پکڑ تو دونوں صورتوں میں ہوگی' نیکی کر کے بھی اور بدی کر کے بھی...... اچھی پکڑ نیکیوں کی بری پکڑ بدوں کی۔"

"سبحان اللہ...... سبحان اللہ' تو تو مولوی' واعظ' مفتی ہو گیا محمد بلال! پکا مسلمان اور سچا ایمان والا بھی' واہ مولا! تیری شان!

تو رحیم تو رحمان!

میں تجھ پہ قربان!!

محمد بلال! تم نے تو روح تک کو نہال کر دیا ہے۔ سبحان اللہ' سبحان اللہ!!" ابراہیم فرط مسرت و عقیدت سے اللہ کے اس فیصلے پر خوش ہوتے ہوئے دل سے بولا۔ محمد بلال چائے کے برتن سمیٹ کر باورچی خانے کی طرف جاتے ہوئے بولا۔

"آپ نے تو میری رام کہانی سننے میں ہی سارا سمے

(وقت) بتادیا ابراہیم بابو! کچھ اپنی بھی تو کہیں۔“

”اپنی کیا کہیں محمد بلال ہماری تو وہی روٹین ہے‘ سرکار کی نوکری ہے‘ بیوی‘ بچوں کی ذمے داری پوری کرنے کے چکر میں سب بھلائے بیٹھے ہیں۔ بس پانچ وقت اللہ کے دربار میں حاضری دے دیتے ہیں۔ اب وہی جانے کہ یہ حاضری قبول بھی ہوتی ہے یا نہیں۔“ ابراہیم نے ذرا سا مسکرا کے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ محمد بلال برتن رکھ کر واپس ابراہیم کے پاس آ بیٹھا۔

”کیوں ابراہیم بابو! اللہ پہ یقین نہیں ہے یا اپنی عبادت وحاضری پہ؟“ محمد بلال نے حیرت سے اسے دیکھا اور سوال کیا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

”اللہ پہ تو یقین ہے اس یقین کے ساتھ ہی ہم اس کے در اور گھر پہ حاضری دیتے ہیں۔ بس اپنے اعمال پہ یقین نہیں ہے۔“

”ابراہیم بابو! آپ تو بہت بھلے آدمی ہیں‘ نیک صفت ہیں‘ مجھے اذان نے اور آپ کے احسن اعمال نے ہی تو اس رستے پہ ڈالا ہے۔ ایک مسلمان کا حسن عمل ہی تو دوسروں کو متاثر کرتا ہے اور دوسروں سے اسے ممتاز بناتا ہے۔ آپ ایک نیک اور باعمل مسلمان ہیں‘ اچھے اور احساس کرنے والے درد دل رکھنے والے انسان۔ یہ آپ کی عاجزی وانکساری ہے کہ آپ خود کو گناہ گار سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ اللہ تو غفور الرحیم ہے‘ رحمٰن ہے‘ کریم ہے‘ وہ معاف کرنے والا ہے‘ معافی کو پسند فرماتا ہے‘ اس لیے اس سے معافی مانگتے رہنا چاہیے۔ مسلسل تکرار اور اصرار پر وہ متوجہ ہوتا ہے اور معاف بھی کر دیتا ہے۔ اور اس نے تو معاف کر ہی دینا ہوتا ہے کوئی سچے دل سے معافی مانگ کے تو دیکھے۔“

”ہاں میاں! محمد بلال آپ کا فرمانا بجا ہے۔ ہم تو آپ کے سامنے بہت حقیر‘ فقیر محسوس کر رہے ہیں خود کو آپ گھر سے بڑا آدمی بننے کے لیے نکلے تھے اس (اللہ) نے آپ کو ”بہت ہی بڑا آدمی“ بنادیا‘ بہت مبارک ہو آپ کو۔“ ابراہیم نے اس کے ہاتھ تھام کر دل سے کہا۔

”ابراہیم بابو! آپ تو مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ آپ مجھ سے عمر میں بڑے ہیں‘ آپ تو مجھے ”آپ“ کہہ کر

کشمالہ نیازی

پیارے آنچل فیملی ممبرز کیسے ہیں آپ لوگ؟ بہت مزے میں نا؟ تو جناب مابدولت کو کشمالہ نیازی کہتے ہیں۔ 26 مارچ 27 رمضان المبارک بروز جمعرات ایک سہانی شام کو دنیا میں تشریف لائی۔ میں چک نمبر 33 ضلع خانیوال سے تعلق رکھتی ہوں۔ ہم چھ بہن بھائی ہیں۔ تین بہنیں‘ تین بھائی‘ ایک امی اینڈ ابو‘ مجھ سے ایک بہن اور تینوں بھائی بڑے ہیں‘ مابدولت کا پانچواں نمبر ہے‘ مجھ سے چھوٹی (اتنی بھی چھوٹی نہیں ہے) ایک بہن ہے جو مجھ سے ایک سال چھوٹی ہے لیکن لوگ ہم دونوں کو جڑواں کہتے ہیں۔ میں نے نئی دوستیں نہیں بنائیں جو بچپن میں تھیں وہی اب بھی ہیں۔ ان میں رئیسہ نیازی‘ حمیرا نیازی‘ عظمیٰ ایوب (پیرووال) صرف یہ دوست میں نے میٹرک میں نیو بنائی ہے۔ مصباح حنیف‘ شگفتہ‘ روا خان‘ یہ میری سب سے بیسٹ اینڈ پیاری دوست ہے اس کے علاوہ ثوبیہ نیازی جو کہ میری کزن بھی ہے لیکن کزن سے بڑھ کر بیسٹ فرینڈ ہے اب آ جاتے ہیں پسند نہ پسند کی طرف۔ مجھے کھانے میں اسپائسی چیزیں پسند ہیں‘ چاول جیسے بھی بنے ہو کھالیتی ہوں‘ مجھے چاول بہت پسند ہیں۔ مجھے لباس میں لونگ شرٹ کیپری اینڈ بڑا سا دوپٹہ پسند ہے۔ سنگرز میں مجھے ابرارالحق بہت پسند ہے۔ مجھے لاہور اینڈ اسلام آباد دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ میری فیورٹ ٹیچرز ٹیچر میمونہ اینڈ ٹیچر تسلیم ہیں۔ میرے پسندیدہ کلر بے بی پنک‘ بلیک‘ اینڈ وائٹ‘ ہیں۔ پرفیوم میں مجھے میڈ ور اپسند ہے مجھے چوڑیاں پہننے کا بہت شوق ہے۔ میری فیورٹ رائٹرز‘ نازیہ کنول نازی‘ سمیرا شریف طور‘ ام مریم اینڈ اقرا صغیر احمد ہیں۔ اقراء صغیر احمد کی اسٹوری بھیگی پلکوں پر مجھے بہت پسند ہے۔ اینڈ نازیہ کنول نازی کا ناول پتھروں کی پلکوں پر بہت اچھا ناول ہے۔ اب اجازت چاہتی ہوں اللہ نگہبان۔

مخاطب نہ کریں۔ آپ کی محبت اور عبادت ہم سے چھپی تو نہیں تھی۔ اگر آپ اس روز ریلوے اسٹیشن پر مجھے نہ ملتے تو شاید میں بھی آج اس مقام پر نہ ہوتا۔ آپ سے ملنے سے پہلے مجھے تو یہی لگتا تھا کہ بھگوان وہی ہوتا ہے، جسے ہم خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہیں، بناتے، سنوارتے ہیں، جیسی مرضی شکل میں۔ جس کا دل چاہا من مرضی کی مورت بنالی اور اسے بھگوان سمجھ کر لگے پوجنے...... یہ تو مجھے آپ سے مل کر اذان کا مفہوم سمجھ کر، مسجد میں داخل ہو کر پتا چلا کہ خدا وہ نہیں ہے جسے ہم بناتے ہیں بلکہ خدا تو وہ ہے جس نے ہمیں بنایا ہے۔ جس نے اس کل کائنات کو بنایا ہے، جو اس پوری کائنات کا نظام چلا رہا ہے وہ ایک ہی ہے اور وہ ہے ''اللہ تعالیٰ'' وہ ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے۔ زندگی اور موت دینے والا بھی وہی ہے اور پتھر میں کیڑے کو رزق پہنچانے والا بھی اللہ ہی ہے۔''

قل ھو اللہ احد، اللہ الصمد، لم یلد، ولم یولد، ولم یکن لہ کفوا احدo

ترجمہ!

''آپ فرما دیجیے وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا ہے، اور نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔''

''بے شک، بے شک اللہ ایک ہے اور یہ احساس جتنی شدت سے آپ کو ہوا ہے بلال میاں! شاید یہ احساس اور یقین تو ہمیں بھی اتنی جلدی نہیں ہوا تھا، جبھی تو ہم پیچھے رہ گئے۔'' ابراہیم نے محمد بلال کو رشک بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے قدرے رنجیدگی سے کہا۔

''ابراہیم بابو! آپ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں؟'' محمد بلال نے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بے چین ہو کر پوچھا تو وہ دھیرے سے ہنسا اور پھر اس کے چہرے کو رشک سے دیکھتے ہوئے محرومی اور کم مائیگی کے احساس سے پر لہجے میں ہونٹوں پر مجروح سی مسکان سجا کر گویا ہوا۔

''ہم برسوں سے نمازیں پڑھتے، سجدے کرتے آرہے ہیں بلال میاں، مگر دیکھو اس کے گھر کی مجاوری اور دیکھ بھال و صفائی ستھرائی کا شرف بتوں کو، پتھر کی مورتیوں کو پوجنے والے کو مل جاتا ہے، تو آپ ہی بتائیے مقبول عبادت کس کی ہوئی؟ محبوب کون ہوا اس اونچی شان والے کی نظروں میں؟ ہم سجدے کرتے رہے، تسبیح پھیرتے رہے اور رتبے سوا ہوئے ان کے، جو دل سے اس کی ایک پکار پہ اس کے دروازے پہ آن کھڑے ہوئے، اپنا دھرم، اپنا خون، خاندان، اپنی پہچان، اپنی زبان سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے اس کے دربار میں حاضر ہو گئے، بڑے تو ہو گئے نا آپ بلال میاں، ہم تو اپنی ہی نظروں میں چھوٹے ہو گئے، شرمندگی کا احساس دل میں سرایت کر گیا ہے کہ ہم تو جہاں روز اول تھے وہیں آج بھی ہیں۔ ''بڑا آدمی'' تو بلال ''محمد بلال'' بن گیا۔ ہم تو بہت چھوٹے ہو گئے، اپنے سامنے ہی کہ سجدے بھی اپنے مطلب کو کرتے ہیں۔ ہمیں حسد و رشک کے بیچ جلنے کو چھوڑ دیا...... واہ رے مالک! تیرے بھید۔ شنکر لال ''بڑا آدمی'' بن گیا اور ابراہیم اس کے پاؤں کی دھول ہو گیا۔ واہ میرے مالک تیرے رنگ! سچ کہیں گے میاں محمد بلال! ہمیں آپ سے جلن سی محسوس ہو رہی ہے، دل بہت خوش ہے آپ مسلمان ہو گئے ایمان والے ہو گئے مگر لگتا ہے دل اس بات سے کچھ زیادہ خوش نہیں ہے کہ آپ ہم سے آگے نکل گئے ہیں۔''

''میں تو پاپی ہوں، گناہ گار آدمی ہوں، ابراہیم بابو! آپ ایسا کہہ کر مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔'' محمد بلال نے بے کلی سے جھینپ کر کہا۔

''شرمندہ تو ہم ہیں اپنے اعمال پر کہ ہم مسجد میں ایک اینٹ تک لگانے کی جرأت نہ کر سکے، بنے پھرتے ہیں مسلمان اور ہمیں کبھی توفیق نہ ہوئی کہ مسجد کے گنبد پر اپنے عقیدے اور ایمان کا رنگ ہی کر دیں اور شنکر لال نے ایک کٹر جدی پشتی ہندو نے محمد بلال بن کر پوری مسجد کو اپنا گھر بنالیا، پوری مسجد کو اپنے ایمان اور جذبے کی روشنی اور سچائی سے منور کر دیا۔ اللہ کے گھر کا مجاور بن گیا۔ شنکر لال، محمد بلال بن کر۔ پوری مسجد میں جھاڑو پھیرتے، صفائی

ستھرائی کرتے، پانی بھرتے، وضو کراتے، نماز کے لیے صفیں بچھانے کی ڈیوٹی سنبھال لی۔ وہ اذان، جسے سن کر شنکرلال بھاگا کرتا تھا اب وہی "اذان" اس کے ذہن سے خوشنما لحن میں گونج کر مسلمانوں کو اہل ایمان کو مسجد کی طرف کھینچ کر لاتی ہے۔ ایسا سوز وگداز اور محبت کی دلکشی ہے محمد بلال کی آواز میں کہ جو "اذان بلالی" کی یاد تازہ کردیتا ہے اور جو آواز مجھ جیسے گناہ گاروں کو بھی زمین پہ ماتھا ٹیکنے پر مجبور کردیتی ہے۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ۔"

"ابراہیم بابو! آپ تو خود نماز پنجگانہ ادا کرتے ہیں۔ تہجد بھی پڑھتے ہیں اور آپ مجھے "بڑا آدمی" اور اللہ کا "محبوب" بندہ کہہ رہے ہیں۔" محمد بلال ان کو شرمندہ سا دیکھ کر خود بھی شرمندہ ہو رہا تھا آہستگی سے انہیں باور کرایا۔

"وہ اس لیے محمد بلال! کہ آپ کے چار سجدے آپ کی چار نمازیں ہمارے چالیس برس کی نمازوں سے زیادہ افضل اور مقبول ہوگئیں ارے ہم تو پیدائشی مسلمان ہیں، مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے اس لیے مسلمان کہلائے اور پیدا ہوتے ہی ہمارے کان میں اذان بھی دے دی گئی۔ گویا ہم تو "اللہ اکبر" کی گواہی سے پیدا ہوتے ہی متعارف کروا دیئے گئے تھے۔ ہاں یہ اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں نماز اور قرآن پاک پڑھنے کی توفیق بھی عطا ہوئی جو کہ ہمارے ماں باپ کی بدولت ممکن ہوئی کہ وہ دونوں بھی نمازی، پرہیز گار تھے۔ شروع سے ہی ورنہ کچھ تو بس نام کے ہی مسلمان بھی ہیں جو پیدا ہوتے ہی اذان تو سن لیتے ہیں، مگر بدقسمتی سے جوان ہوکر بھی اذان کی آواز پر لبیک کہنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی انہیں...... اور نماز صرف ایک بار ہی پڑھائی جاتی ہے ان کی "نماز جنازہ" یعنی اذان اور نماز جنازہ کے درمیان کے وقفے میں انہیں نماز کی توفیق نہیں ہوتی ان کے حصے میں صرف نماز جنازہ ہی آتی ہے ہم تو پھر بھی اللہ کے کرم سے نماز پڑھ لیتے ہیں اور من ہی من میں خود کو بہت متقی پرہیز گار بھی سمجھتے ہیں، ہاہاہا۔" ابراہیم نے سنجیدگی سے کہا اور پھر خود ہی اپنی آخری بات پر ہنسنے لگے۔ محمد بلال بھی مسکرانے لگا۔

فوزیہ واحد

میرا پیارا نام فوزیہ واحد ہے اور سب گھر والے پیار سے ببلی کہتے ہیں میں ضلع راجن پور کے خوبصورت گاؤں رقبہ بنی شاہ میں 16 نومبر کو اس دنیا میں تشریف لائی۔ ہم سات بہن بھائی تین بھائی اور چار بہنیں ہیں میں یعنی فوزیہ سب سے چھوٹی اور سب گھر والوں کی لاڈلی ہوں اب ہو جائے پسند نہ پسند کی بات تو جناب کھانے میں مجھے سب پسند ہے رنگوں میں گرین، بلیو پسند ہیں، لباس میں فراک پسند ہے، شخصیت میں محمد ﷺ بہت پیارے ہیں۔ عمرے پر امی ابو کے ساتھ جانے کو دل کرتا ہے بچوں کو قرآن پاک پڑھاتی ہوں، خود بھی نماز قرآن پاک باقاعدگی سے پڑھتی ہوں۔ دوست بنانا اچھا لگتا ہے، کچھ خاص کے نام شہزادی ظفر، مہوش عطا، صبیحہ فدا شریفاں رمضان، نصرت فاخرہ فیاض، صائمہ ناز، کشہرین خان اور پہلی پہلی جان تصور خانم حیران کیوں ہو رہی ہو یہ ہے میرا اکمال میرا بھانجا قدرت اللہ بہت پیارا ہے چھوٹی عمر میں میٹرک کر رہا ہے اللہ تعالیٰ اسے کامیاب کرے۔ آمین اب ہو جائے بات خوبی اور خامی کی سب سے بڑی خامی غصہ بہت آتا ہے بھتیجے مجھ سے ڈرتے ہیں۔ غصہ ختم کرنا چاہتی ہوں، خوبی کرن کہتی ہے باتیں اچھی اچھی کرتی ہو کبھی جھوٹ نہیں بولتی، میرے گاؤں کی بات نہ ہو یہ تو ہو نہیں سکتا، میرا گاؤں اور لوگ بہت پیارے ہیں، ہم بستی کی سب لڑکیاں مل کر درختوں پر بہت کھیلتی ہیں آم، کھجور، جامن، بیر، شہتوت پر پھل توڑ کر کھاتی ہیں، گاؤں کا تو نام ہے ہر سہولت میسر ہے مل کر ہنسی مذاق اور موسم انجوائے کرتی ہیں۔ اب اجازت دیں اللہ حافظ۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا بلال میاں! کہ ہم تو پیدائشی مسلمان ہیں، اصل ایمان تو آپ لے کر آئے ہیں، اصل امتحان تو آپ کا تھا کہ آپ نے اپنا مذہب، مذہب ہی کیا اپنا خاندان، اپنی زبان، اپنی ہندی بولی تک چھوڑ دی، مسلمان ہونے کے لیے تو آپ کے تو ہر ہر عمل پر آپ کو اجر ملے

گانا...... زیادہ ثواب کے حق دار تو میاں آپ ہی ٹھہریں گے۔ کیونکہ آپ نے اپنی مرضی و دل سے سوچ سمجھ کر اپنے مذہب اور ماں باپ سے رشتے داروں سے منہ موڑا...... بے شک اس میں اللہ کی مرضی شامل تھی کہ آپ کو وہ اپنے رستے پر لے آیا لیکن اگر آپ کا دل نہیں مانتا تو آپ کیسے چھوڑ سکتے تھے سب کچھ؟ آپ نے خود کو اللہ کی مرضی کے مطابق ڈھال لیا اپنا مذہب چھوڑا اور اللہ کا دین اپنا لیا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بہت پسند فرماتے ہیں جو اس کے لیے اپنا سب کچھ تج کر آتے ہیں۔ وہ انہیں ہاتھوں ہاتھ لیتا ہے اور بہت اعلیٰ مقام و عہدے پر فائز کرتا ہے۔"

"کیا واقعی ابراہیم بابو؟"

"ہاں بلال میاں! آپ نے تو اعلیٰ مقام پا بھی لیا اس سوہنے رب سے ہماری بھی سفارش کر دیجیے گا اس گناہ گار خطا کار ابراہیم کو معافی دے دیں۔" ابراہیم نے سنجیدگی سے کہا تو وہ بولا۔

"ابراہیم بابو! آپ فکر نہ کریں وہ تو غفور و رحیم ہے۔ غفار ہے معاف کرنا اس کی صفت ہے شان ہے وہ ہم سب کو معاف کر دے گا بس دل سے معافی اور روح سے توبہ کرنا شرط ہے۔"

"ہاں میاں! ٹھیک کہتے ہیں آپ جیتے رہیے اللہ آپ کے رتبے مزید بلند کرے اپنی دعاؤں میں مجھ گنہگار کو ضرور شامل رکھیے گا بلال میاں۔" ابراہیم نے نرم لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"ابراہیم بابو! بھلا یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے آپ تو میرے محسن ہیں میں آپ کو کیسے بھول سکتا ہوں مجھ بے گھر بے یار و مددگار کو آپ نے سائبان دیا پیٹ بھر کے کھانا کھلایا میری وجہ سے آپ نے لوگوں کے طعنے بھی سنے مجھے نوکری دلوائی آپ نے مجھے اس وقت سہارا دیا جب میں اپنوں کے سہارے سے محروم ہو گیا تھا اس پر یہ کہ میں آپ کے مذہب کا بھی نہیں تھا کٹر ہندو تھا اور آپ نے مجھ غیر مذہب کو اپنے گھر کی چھت مہیا کی لوگوں کی باتوں سے تنگ آ کر مجھے گھر سے نہیں نکالا میں تو بہت احسان مند ہوں آپ کا میری ہر دعا میں آپ کا نام شامل ہے اور مرتے دم تک شامل رہے گا۔"

"جزاک اللہ جزاک اللہ بلال میاں! خوش رہیے۔" ابراہیم نے مسرور ہو کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نے جو کیا وہ انسانیت کے ناطے کیا تھا اور وہ "اللہ" ہے نا...... وہ کراتا ہے یہ سب وہ انسان کے دل میں نیکی ڈالتا ہے احسان تو اللہ کی ذات بابرکات کا ہے ہم پر جو ہمیں نیکی کا سچائی کا راستہ دکھاتا ہے جو ہمیں دین حق کی سمجھ عطا کرتا ہے جو ہمارے نیک اعمال کو ہمارے تقویٰ کو ہمارے چہروں سے رتبوں سے ظاہر کرتا ہے لیکن ہمارے گناہوں کو ہماری خطاؤں کو دنیا سے پوشیدہ رکھتا ہے۔"

"بے شک بالکل درست فرمایا آپ نے وہ تو بہت آسانیاں دیتا ہے انسان کو وہ بڑی بڑی شرطیں نہیں لگاتا بلکہ صاف صاف محبت سے کہتا ہے کہ اے بندے تو میرے تھوڑے دیئے پہ راضی ہو جا قیامت کے دن میں تیرے تھوڑے کیے پہ راضی ہو جاؤں گا۔ وہ تو بخشنے کے اور گناہ سے برائی سے بچنے کے بہانے مہیا کرتا ہے انسان کو اور وہ کہتا ہے نا کہ غصہ حرام ہے جب تجھے غصہ آئے تو مجھے یاد کیا کر میں اپنے غضب کے وقت تجھے یاد رکھوں گا۔" محمد بلال نے نہایت نرم اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"سبحان اللہ بے شک۔" ابراہیم ایمان افروز لہجے میں بولا۔ محمد بلال پھر سے گویا ہوا۔

"ابراہیم بابو! اللہ تو انسان کو اپنے سے محبت کرنے پہ بھی اجر دیتا ہے وہ ادھار نہیں رکھتا کسی کا اللہ کہتا ہے کہ میرے بندے اگر میں تجھے پسند ہوں تو یہ تیرا حق ہے کہ تو بھی مجھے پسند ہو۔"

"واہ واہ سبحان اللہ اللہ اکبر۔" ابراہیم نے فرط عقیدت سے جھومتے ہوئے کہا۔

"اس (اللہ) کی بات شروع ہو تو ختم تو ہو ہی نہیں سکتی ابراہیم بابو لیں فجر سے ظہر ہونے کو ہے اب مجھے اجازت دیجیے اذان ظہر کا وقت ہو رہا ہے۔ مسجد میں جا کر پہلے صفیں بچھا دوں پھر وضو اذان اور نماز ہو گی۔ محمد بلال نے اٹھتے

ہوئے گھڑی پر ٹائم دیکھتے ہوئے کہا۔
”خوش رہیے بلال میاں! جیتے رہیے جزاک اللہ! دلی مسرت ہوئی آج آپ کو اس مقام پر اس نئے روپ میں بلکہ اصلی اور سچے روپ میں دیکھ کر نیا نیا مسلمان بالکل نومولود بچے کی طرح ہوتا ہے خوبصورت، سادہ، کورا اور معصوم...... آپ بھی بہت معصوم ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ آپ اسی طرح اپنی معصومیت ومحبت میں ایمان کے بلند ترین درجے پر فائز ہوں گے ایک دن۔“ ابراہیم نے اسے گلے لگا کر نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔

”ان شاء اللہ! آپ کی دعائیں چاہئیں ابراہیم بابو!“ محمد بلال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ان شاء اللہ! ضرور کیوں نہیں؟ اور اب تو آپ سے ملاقات رہے گی۔ اس بار اس شہر کا سفر پاؤں میں لکھ دیا گیا ہے چند روز یا ماہ وسال جتنے دن کا قیام لکھا ہے یہاں دانہ پانی چکنے کے بعد پھر کہیں اور چل پڑیں گے۔ جدھر کا بلاوا ہوگا ادھر کا سفر ہوگا۔“

”اللہ آپ کو اپنی حفاظت میں رکھے۔“ محمد بلال نے دل سے دعا دی تو وہ خوش ہو کر بولے۔

”آپ کو بھی۔“ ابراہیم مسکرایا۔

”شکریہ ابراہیم بابو! آپ مسجد جائیں میں آپ کو وضو کرا دوں گا۔“ محمد بلال نے اپنی جالی والی ٹوپی سر پہ جماتے ہوئے کہا تو وہ ہنس کر بولا۔

”ارے نہیں میاں! آپ کیوں ہمیں گناہ گار کرتے ہیں۔ وضو ہم خود کرلیں گے آپ زحمت نہ کیجیے۔ آپ اذان دیجیے، ہم وضو کر کے آتے ہیں۔“

”جی بہتر۔“ محمد بلال خادم کی طرح آداب بجالاتے ہوئے مسجد کی طرف چل دیا۔

اور کچھ دیر میں محمد بلال کی ایمان افروز روح پرور اور دلکش آواز میں اذان چار سو گونجنے لگی اور آس پاس کی فضا میں ایک پرکیف اور سرور انگیز احساس بکھیرنے لگی۔ شنکر لال، محمد بلال بن کر مسجد میں نمازیوں کو گرماتے، پگھلانے اور مسجد تک کھینچ کر لانے کی کشش رکھتا تھا۔ ایسی کشش جو غیر مسلمان کو بھی اسلام قبول کرنے، مسلمان ہونے پر مائل کردے۔ اور مسلمان کا دل اپنے آپ ہی نماز پڑھنے کو چاہنے لگے۔ سچ کہتے ہیں اذان دینے کا ہنر بھی کسی کسی میں ہوتا ہے ایسا ہنر جو لوگوں کو مسجد کی طرف کھینچ لاتا ہے۔ نماز کی طرف لاتا ہے، انسان کو اس کے پروردگار سے، اس کے رب سے اللہ سے ملاتا ہے، اذان دینے والے کے لہجے اور آواز میں اگر نرمی، محبت، ملائمت، عقیدت اور ایمان کی روشنی نہ ہو تو ایمان والے بھی بے ایمان ہو جاتے ہیں۔ دین سے پھر جاتے ہیں۔ اسلام سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے، مگر سبحان اللہ محمد بلال کی آواز تھی کہ دل کا ساز کوئی جس نے اذان کی روح کو زندہ کر دیا تھا۔ اذان بلالی کا سا سرور و کیف، دلکشی اور گداز جو سننے والے ہر سامع کے دل و روح، حواس پر طاری کر دیا تھا۔ ابراہیم احمد، محمد بلال کی اذان سنتے ہوئے فرط عقیدت ومحبت سے بھیگتی آنکھیں لیے سوچ رہا تھا اور وضو کر رہا تھا۔

”کون کہہ سکتا تھا کہ یہ شخص جو مسجد میں اذان دے رہا ہے یہ ایک کٹر ہندو تھا، ہندو شنکر لال...... جو اب اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے مسلمان ہو گیا تھا۔ مسلمان بھی ایسا کہ جس پر مجھ جیسے مسلمان کو رشک آ رہا تھا۔ یہ تو اللہ کا فیصلہ تھا، یہ مقام یہ رتبہ تو شنکر لال کے نصیب میں لکھا جا چکا تھا تو رب کا لکھا تو پورا ہونا ہی تھا۔ شنکر لال بالآخر بڑا آدمی بن گیا تھا۔ بڑا آدمی محمد بلال...... یہی اللہ کی چاہ اور اللہ کا فیصلہ تھا۔

”جسے چاہا در پہ بلا لیا!!
جسے چاہا اپنا بنا لیا!!
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے!!
یہ بڑے نصیب کی بات ہے!!“

ابراہیم نے نماز کی نیت باندھی اور اللہ کے حضور حاضری دینے لگا۔ یہ احساس اسے اس لمحے مغرور سا بنانے لگا کہ نماز کی امامت ایک بڑا آدمی کرا رہا تھا۔

تمہاری راہ دیکھی ہے

نزہت جبیں ضیاء

"میرے کمرے کی صفائی کس نے کی ہے......؟" وہ کچن میں آ کر اتنی زور سے چیخا کہ سبیکا کے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ بری طرح لرزا اور چائے کے کچھ قطرے اچھل کر اس کے ہاتھ کی پشت پر گر پڑے۔

"اف......!" جلن کے احساس سے بے ساختہ سبیکا کے منہ سے نکلا۔ "اس میں کون سی قیامت آ گئی ہے۔" چائے کے قطرے کا ابھرتا چھالا دیکھ کر سبیکا جھنجھلا کر بولی۔ عیمہ شرمندگی سے شاہ میر کو دیکھنے لگی۔

"بکواس بند کرو اپنی' کوئی ضرورت نہیں مجھے اپنی صفائی پسندی دکھانے کی! میرا کمرا ہے میں جیسے رکھوں تم کون ہوتی ہو دخل اندازی کرنے والی......؟" وہ باقاعدہ کیل کانٹوں سے لیس ہو کر اس کی تکلیف کو اگنور کر کے بدتمیزی کی ساری حدیں پار کر گیا تھا۔

"اے مسٹر! اپنا بے کار اور فضول ایٹی ٹیوٹ اپنی حد تک ہی رکھیے گا۔ زبان سنبھل کر بات کریں، مجھے کوئی شوق نہیں تھا کہ کباڑ خانے کو صاف کروں۔" عیمہ کر رہی تھی گھر کی صفائی' تو میں بھی اس کباڑ خانہ میں چلی گئی۔ مجھے کوئی دلچسپی ہے نہ ضرورت، آئی سمجھ؟" ایک تو ہاتھ پر پڑے چھالے کی جلن اور تکلیف......اور اس سے زیادہ جلتے ہوئے شاہ میر کے الفاظ۔

"ھنہ......بڑی آئیں نفاست پسند۔" وہ بڑبڑاتا ہوا واپس پلٹا۔

"نہ جانے خود کو کیا سمجھتے ہیں تمہارے بھائی کیا سوچ کر انہوں نے بدتمیزی کی۔" سبیکا نے پلٹ کر عیمہ پر غصہ نکالا۔

"آئی ایم سوری یار...... مجھے خیال نہیں رہا کہ تمہیں ان کے روم میں جانے سے منع کروں وہ تو ہیں ہی ایسے۔ بدمزاج، اکھڑ اور جاہل...... کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتے ہم سب عاجز ہیں۔" عیمہ کے لہجے میں شاہ میر کے لیے نفرت تھی۔

"ارے بھاڑ میں جائے ان کی لائف! مجھے کون سا بے عزت ہونا پسند ہے۔" سبیکا کی کٹورا سی آنکھیں اپنی سبکی پر بھر آئیں۔

"سوری یار......چھوڑو وہ تو پاگل ہیں ایب نارمل تم اپنا موڈ خراب مت کرو پلیز۔ آؤ میں تمہیں آئنمنٹ لگا دوں۔" عیمہ نے پیار سے اس کا ہاتھ تھام کر محبت بھرے لہجے میں کہا۔ مگر سبیکا تذلیل کے احساس سے جلتی رہی۔

"پتہ نہیں خود کو کیا سمجھتے ہیں......؟ میں ان کی فیملی ممبر نہیں ہوں جو ان کا جاہلانہ پن برداشت کروں۔" وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

جمیل احمد اپنے دو بیٹوں شاہ میر' آفاز اور بیٹی عیمہ کے ساتھ پوش ایریے میں رہتے تھے۔ ان کا اپنا کاروبار تھا جس میں ان کا چھوٹا بیٹا آفاز ان کے ساتھ تھا۔ جبکہ شاہ میر کسی دوسری جگہ جاب کرتا تھا۔ عیمہ کالج میں پڑھتی تھی۔ کچھ عرصے پہلے ان کے پڑوس میں سہیل صاحب کی فیملی آ کر سیٹل ہوئی تھی۔ سہیل صاحب اور سائرہ بیگم کی ایک ہی بیٹی سبیکا تھی وہ بھی کالج میں پڑھتی تھی۔ سبیکا اور عیمہ ہم عمر تھیں۔ اس لیے بہت جلد ایک دوسرے سے دوستی ہو گئی۔ سبیکا کبھی کبھی عیمہ کے گھر آ جاتی۔ اس کی ملاقات آفاز سے تو ہوئی تھی مگر شاہ میر سے وہ کبھی نہیں ملی تھی۔ آفاز بہت ہنس مکھ اور چلبلا سا لڑکا تھا۔

اس روز موسم بہت خوب صورت تھا۔ عیمہ نے سبیکا کو کال کر کے بلوایا تھا کہ مما پکوڑے بنا رہی ہیں آ جاؤ مل کر بارش انجوائے کرتے ہیں۔ سبیکا سائرہ بیگم سے

اجازت لے کر آ گئی۔ گیٹ کے سامنے ہی شاہ میر کھڑا تھا اور اپنی گاڑی صاف کر رہا تھا۔ نیوی بلو لائننگ کا ٹراؤزر اور سفید ڈھیلی ڈھالی ٹی شرٹ میں دراز قد شاہ میر اپنے بکھرے بکھرے بالوں میں خاصا اچھا لگ رہا تھا۔ سبیکا نے اسے غور سے دیکھا تب ہی شاہ میر نے بھی نظریں اٹھائیں اور اسے قطعی اگنور کر کے دوبارہ شیشے صاف کرنے لگا۔

"السلام علیکم!" سبیکا نے سلام کیا جواباً اس نے سبیکا کو گھور کر دیکھا۔

"ارے عجیب ہیں آپ بھی بندہ سلام کا جواب ہی دے دیتا ہے۔" سبیکا کی فطری شرارت عود کر آئی وہ بدستور خاموش رہا۔ "کیا ہو گیا...... آپ گونگے ہیں کیا؟" لہجہ بدستور شرارتی تھا۔

"اے لڑکی...... تم جس سے ملنے آئی ہو اس کے پاس جاؤ۔ خوامخواہ مجھ سے فری ہونے کی کوشش مت کرنا...... آئی سمجھ؟"

"اف......!" سبیکا اس کے بدتمیز اور اکھڑے لہجے پر شرمندگی سے چور ہو گئی۔ "حد ہے بدتمیزی کی...... بدتمیز انسان۔" بڑبڑاتی ہوئی غصے میں اسے گھورتی اندر کی طرف چل دی۔ اس نے اس بات کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا بس نوٹ کرتی تھی کہ شاہ میر ہمیشہ الگ تھلگ رہتا ہے۔ کسی سے بات نہیں کرتا۔ اسے لگتا کہ وہ فطرتاً اکھڑ مزاج ہوگا شاید ٹھیک بھی ہو جائے۔

وقت کے ساتھ ساتھ سبیکا کی حیثیت اس گھر کے فرد کی طرح ہو گئی تھی۔ جمیل احمد، امینہ بیگم، آفاز اور عمیمہ اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ سہیل صاحب اور سائرہ بیگم کو بھی ان کی فیملی اچھی لگی تھی۔ عمیمہ کے ساتھ مل کر اکثر سبیکا کوئی نہ کوئی ڈش ٹرائی کرتی، کبھی پکنک کبھی

آؤٹنگ اور شاپنگ بھی کرتی۔ اس روز بھی عیمہ پر گھر کی صفائی کا بھوت سوار تھا۔ عیمہ کے لاکھ منع کرنے کے باوجود سیکا بھی اس کا ہاتھ بٹانے لگی اور صفائی کرتے کرتے شاہ میر کے کمرے تک آ گئی حد درجہ بے ترتیب اور پھیلا ہوا کمرہ تھا۔ اس نے سب کچھ ترتیب سے رکھ کر ڈسٹنگ کردی تھی اسے کیا معلوم تھا کہ شاہ میر اس حد تک بدتمیز اور جاہل ہوگا کہ بجائے وہ کمرہ دیکھ کر خوش ہوتا سیکا کو بے بھاؤ کی سنا ڈالی تھی۔ تب عیمہ نے شاہ میر کے متعلق ڈھیروں منفی خیالات کا اظہار کیا تھا۔

"شاہ میر حد درجہ ضدی، بدتمیز اور جنونی لڑکا ہے۔ غصے میں آ کر کچھ بھی کرسکتا ہے۔ پتہ نہیں کیوں بچپن سے ایسا ہی ہے۔ مما پاپا آفاز بھائی اور میں نے ہمیشہ ان کا خیال رکھا۔ مما نے ہمیشہ ان کا خیال ہم دونوں سے زیادہ کیا ہے مگر نہ جانے ان کو ہم سے اور ہمارے ملنے جلنے والوں سے خدائی بیر ہے۔ ہر ایک کے ساتھ بدتمیزی کرتے ہیں کہیں سے نہیں لگتا کہ وہ ہماری فیملی کا حصہ ہیں۔ جہالت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ کون بولے گا کہ یہ بندہ پڑھا لکھا ہے بہترین جاب کرتا ہے...... پاپا نے کتنا چاہا کہ وہ پاپا اور آفاز بھائی کے ساتھ مل کر کام کریں لیکن انہوں نے گھر کے بزنس کے بجائے جاب کو اہمیت دی قسم سے سیکا ہمیں لگتا ہے کہ شاہ میر بھائی کا دماغ تھوڑا سا کھسکا ہوا ہے ایب نارمل ہیں۔" عیمہ کے لہجے میں شاہ میر کے لیے نفرت اور حقارت تھی۔ سیکا منہ بنا کر رہ گئی۔ حالانکہ شاہ میر دیکھنے میں اچھا خاصا تھا مگر اس کے بارے میں جان کر سیکا کو مزید برا لگا تھا۔ اس کے مقابلے میں آفاز کتنا اچھا تھا وہ سوچنے لگی۔ آفاز سیکا کو پسند کرنے لگا تھا سیکا اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی اور سہیل صاحب خاصے صاحب حیثیت تھے شریف النفس اور سیدھے سادے ان کی بیگم بھی اچھی عورت تھیں۔ سیکا نے بی ایس سی کے پیپرز دیے تو سائرہ بیگم اس کے لیے رشتے دیکھنے لگیں۔ تب آفاز نے عیمہ کو کہا کہ وہ سیکا کا رشتہ مانگے۔ عیمہ اور امینہ بیگم بھی سیکا کو لے کر یہی سوچ رہی تھیں اس لیے جمیل احمد اور امینہ بیگم نے جا کر باقاعدہ رشتہ دیا۔ جمیل احمد کے کوئی رشتہ دار نہ تھے اس ایریے میں آئے ہوئے بھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا بظاہر شریف اور اچھی فیملی تھی اور پھر سیکا اور آفاز ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے یوں دونوں کے رشتے کی بات چلنے لگی۔

اس روز موسم بے حد خوب صورت تھا شام کے وقت سیکا عیمہ کے ساتھ چھت پر آ گئی بڑی سی چھت پر ہر جانب خوب صورت پھولوں کے گملے رکھے تھے دونوں وہیں کرسیوں پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد عیمہ کسی کام سے نیچے چلی گئی۔ سیکا نے آنکھیں موند کر پیٹھ کرسی کی پشت گاہ سے لگائی گلابوں کی مہک اپنے اندر اتارنے لگی۔ تب ہی ہلکی سی آہٹ پر اس کی آنکھ کھل گئی سامنے شاہ میر کو کھڑا دیکھ کر گھبرا کر جلدی سے دوپٹہ کو شانوں پر پھیلایا۔

"آپ...... آپ...... یہاں کیا کر رہے ہیں؟" ترش لہجے میں سوال کیا۔

"تمہارا رشتہ آفاز کے ساتھ طے ہو رہا ہے؟" بجائے جواب دینے کے سوال کے اوپر سخت لہجے میں سوال کیا۔

"ہو بھی رہا ہے تو......؟" اس نے بھی سخت لہجے میں سوال کیا۔

"ایک بات کان کھول کر سن لو لڑکی تم آفاز سے ہرگز شادی نہیں کرو گی...... اگر تم نے شادی کے لیے ہاں کی تو......؟"

"تو کیا...... کیا کرلیں گے آپ......؟" سیکا اس کے وارننگ دیتے ہوئے انداز پر بری طرح تپ کر بدتمیزی سے بولی۔

"میں تمہاری بھلائی کے لیے کہہ رہا ہوں...... تم معصوم لڑکی ہو اور وہ...... وہ تمہارے قابل نہیں...... وہ اچھا لڑکا نہیں ہے۔" اس بار شاہ میر کا لہجہ دھیما تھا۔

"دماغ خراب ہوگیا ہے آپ کا...... بند کریں اپنی فضول بکواس...... آفاز جیسا بھی ہے کم از کم اس میں بات

کرنے کی تمیز تو ہے..... گھر آئے مہمانوں کی عزت کرنا جانتا ہے وہ..... آپ نے بھی خود کو دیکھا ہے..... آپ کیا ہیں؟ اپنی حرکتوں پر غور کیا ہے کبھی......؟ بات کرنے کی تمیز تو آپ کو نہیں ہے۔"

"بہت بول رہی ہو....." اچانک اس کے تیور بدل گئے چہرہ غصہ کی شدت سے سرخ ہوگیا آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے آگے بڑھ کر سبیکا کی کلائی تھام لی۔

"میں..... میں..... بدتمیز ہوں۔" کلائی پر اپنی گرفت سخت کی۔

"اف..... چھوڑو مجھے جاہل، جنگلی، جنونی انسان۔" وہ درد کی شدت سے تلملائی۔

"میں جاہل، جنگلی اور جنونی نہیں ہوں..... مجھے تم ہی مجبور کر رہی ہو کہ جنونی بن کر دکھاؤں تو ٹھیک ہے میں بن کر دکھاؤں گا تمہیں جنونی۔" ایک جھٹکے سے اسے اپنے قریب کیا پھر دھکا دے کر تیزی سے واپس پلٹ گیا۔

"اف ابھی جا کر بتاتی ہوں۔" اپنی کلائی کو سہلاتی ہوئی اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ واقعی ثمینہ سچ کہتی ہے یہ ایب نارمل ہے حواس بحال کر کے وہ نیچے کی طرف آگئی تاکہ ابھی کے ابھی جمیل صاحب سے اس کی شکایت کر دے۔

"کیا ہوگیا......؟" جمیل احمد کو اچانک ہارٹ اٹیک ہوا تھا سب لوگ پریشان تھے اور ان کو ہاسپٹل لے کر جا رہے تھے شاید شاہ میر گھر سے باہر جا چکا تھا۔ سبیکا جو اوپر سے بے حد تپی ہوئی اور غصے سے نیچے آئی تھی کہ شاہ میر کی شکایت لگائے گی یہاں کی سچویشن دیکھ کر مجبوراً چپ ہوگئی۔ جمیل احمد ایک ہفتہ ہاسپٹل رہ کر گھر آگئے تھے۔ سہیل صاحب سائرہ بیگم اور سبیکا روز ہاسپٹل جاتے اور ان دنوں ان لوگوں کا بہت خیال رکھا کیونکہ آفاز بیچارہ گھر بھی دیکھتا' آفس بھی اور جمیل احمد کا بھی دھیان رکھتا۔ اس دوران سبیکا نے ایک بار بھی شاہ میر کو ہاسپٹل میں نہیں دیکھا نہ ہی ماں' بہن اور چھوٹے بھائی کی دل جوئی کی' کوئی تسلی یا مورل سپورٹ تک نہ دی۔ سبیکا کو اس سے اور بھی زیادہ چڑ ہوگئی تھی۔ ایک دن سبیکا نے امینہ بیگم سے پوچھ لیا۔

"آنٹی یہ شاہ میر ایسے کیوں ہیں آپ لوگوں سے بالکل مختلف نیچر ہے' کسی سے بات نہیں کرتے ہمیشہ غصے میں رہتے ہیں' کبھی بھی آپ لوگوں کے ساتھ بات کرتے دیکھا اور نہ ہی کبھی ساتھ کھانا کھاتے دیکھا ان کو حتیٰ کہ انکل ہاسپٹل میں تھے تب بھی آفاز نے جس طرح سے آپ لوگوں اور آفس کی ذمہ داریاں پوری کیں وہ قابل تعریف ہیں مگر شاہ میر بھی تو بیٹے ہیں وہ بھی بڑے...... آپ ان کو احساس دلائیں ان کی ذمہ داریوں کا۔" سبیکا چپ ہوئی تو امینہ بیگم نے ٹھنڈی سانس لے کر اسے غور سے دیکھا۔

"بیٹی شاہ میر شہد کی مکھی کا چھتہ ہے اگر کوئی اسے چھیڑے گا تو خود بھی بری طرح زخمی ہو جائے گا تم دیکھ تو رہی ہو اتنے عرصے سے کہ اس کا رویہ ہم لوگوں کے ساتھ کیسا ہے؟"

"مگر کیوں آنٹی...... وہ آپ کے سگے بیٹے ہیں' بڑے بیٹے ہیں تو......؟"

"ہاں...... ہاں۔" امینہ بیگم نے گڑبڑا کر جلدی سے زور زور سے اثبات میں سر ہلایا۔ "وہ بڑا ہے میں نے بچپن سے ہی اس کا ہر طرح سے خیال رکھا۔ بڑے ہونے کی حیثیت سے اس کو ہمیشہ زیادہ اہمیت اور توجہ دی۔ اس کی زیادتیاں برداشت کیں۔ ہر معاملے میں اس کی پسند اور رائے کو مقدم رکھا لیکن پتہ نہیں کیا ہوگیا کہ وہ بچپن سے ہی الگ تھلگ رہتا کبھی بھی ہمیں اپنا نہیں سمجھا' ہم سے پیار سے بات نہ کی' چھوٹے بہن بھائی سے محبت کا ایک لفظ نہ بولا حتیٰ کے پڑھائی کے بعد جاب بھی اپنی مرضی سے کر لی جمیل لاکھ کہتے رہے کہ بیٹا اپنا کاروبار ہے تم کہاں دھکے کھاتے پھرو گے مگر وہ ہرگز نہ مانا' بچپن سے ہی بلا کا ضدی' خبطی اور جنونی انسان ہے اپنی مرضی کا مالک بس جو کہہ دیا وہی کرنا ہے۔ ذرا سی مروت' ذرا سا لحاظ نہیں ہے بدتمیز اور اکھڑ مزاج

ہے۔ ”ارے چھوڑو بھی تم کیا ذکر لے کر بیٹھ گئیں۔“ امینہ بیگم نے بات ختم کر کے بیزاری سے کہا اور سبیکا کو شاہ میر مزید برا لگنے لگا۔ آفاز اور سبیکا کی شادی کی ڈیٹ فیکس ہوگئی تھی اور اب دونوں طرف تیاریاں شروع ہوگئی تھیں۔ عیمہ تو بہت خوش تھی۔ آفاز بھی بہت خوش تھا وہ جیسا چاہتا تھا بالکل ویسا ہی ہو رہا تھا سبیکا کے ساتھ ساتھ سہیل احمد اور سائرہ بھی اسے بہت پسند کرتے تھے اور حد درجہ اعتماد کرنے لگے تھے اور کیوں نہیں کرتے ان کا جو کچھ بھی تھا وہ سب اب سبیکا کے تعلق سے آفاز کا ہی تو تھا۔ آفاز تھوڑا سا لاابالی تھا۔ دوستوں اور تفریحات کا شوقین تھا اس کے سیل فون میں بے شمار دوستوں کے نمبر تھے جن سے وہ اکثر و بیشتر مصروف گفتگو بھی رہتا۔ کبھی کبھی سبیکا اعتراض کرتی تو وہ مسکرا دیتا۔

”ارے یار تمہیں یہ تو برداشت کرنا پڑے گا۔ میرا حلقہ احباب کافی وسیع ہے اور دوستوں سے دور نہیں رہ سکتا۔“ سبیکا منہ بنا کر رہ جاتی تب وہ پیار سے اسے منا لیتا۔

اس روز سہیل صاحب اور سائرہ بیگم کہیں کام سے گئے ہوئے تھے اتفاق سے سبیکا گھر پر اکیلی تھی وہ سوچنے لگی کہ عیمہ کے پاس چلی جائے یا اسے بلالے اس نے میسج کرنے کے لیے سیل اٹھایا تھا کہ آفاز کا میسج آ گیا گیٹ کھولو میں باہر کھڑا ہوں۔

”ارے واہ!“ میں بور ہو رہی تھی اس نے دل میں سوچا اور گیٹ کھول دیا۔

”بھئی مجھے معلوم ہوا کہ ہماری جان گھر میں اکیلی ہے تو میں نے سوچا کہ کچھ ٹائم اپنی ہونے والی بیگم کے ساتھ گزار لوں۔“ اس کی بات پر سبیکا بلش ہوگئی۔

”چلو تم ڈرائنگ روم میں بیٹھو میں جوس لے کر آتی ہوں۔“ اس نے جھینپتے ہوئے کہا اور اسے صوفے پر بٹھا کر کچن میں آ گئی۔ فرج سے ٹھنڈی بوتل نکالی کیوبز کی ٹرے نکال رہی تھی کہ جاپ پر پلٹی آفاز اس کے بالکل قریب کھڑا تھا اتنا کہ اس کی گرم سانسوں کی تپش سبیکا کو محسوس ہو رہی تھی۔

”تم......“ وہ گڑبڑائی۔

”ہاں اور میں کچھ کھانے پینے نہیں آیا بس کچھ وقت تمہارے ساتھ گزارنے آیا ہوں اس نے ہاتھ سے کیوبز کی ٹرے لے کر واپس فریزر میں رکھتے ہوئے مخمور لہجے میں کہا اور ساتھ ہی سبیکا کے نرم ہاتھوں کو تھام لیا۔

”آفاز......“ سبیکا گھبرا کر پیچھے ہٹی۔

”اوہ کم آن۔“ کاندھوں سے پکڑ کر خود سے قریب کیا آفاز بولا۔

”آفاز...... یہ سب کیا ہے......؟“ وہ بدحواس ہونے لگی۔

”جاناں! تم میری ہونے والی بیوی ہو کچھ ماہ بعد ہماری شادی ہے میرا تم پر پورا پورا حق ہے۔“ وہ مدہوش ہونے لگا اور اس کو مضبوطی سے پکڑ کر بانہوں میں بھرنے کے درپے تھا اس کا چہرہ سبیکا کے چہرے کے قریب...... بے حد قریب ہو رہا تھا۔ سبیکا بدحواس ہوگئی۔

”آفاز...... پلیز کیا ہوگیا ہے؟“ وہ روہانسی ہونے لگی۔

”کچھ نہیں ڈیئر پلیز...... پلیز میرے جذبات کی توہین مت کرنا۔“ جذب سے کہتا ہوا قبل اس کے کہ وہ کوئی اور گستاخی کرتا سبیکا نے دونوں ہاتھوں سے اسے پرے دھکیلا۔

”آفاز پاگل ہوگئے ہو کیا؟“

”سبیکا یار! ایسا کیا کر دیا ہے میں نے؟ کیا تم میری نہیں ہو؟ کیا تمہیں میری محبت پر اعتبار نہیں ہے؟ کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے؟ کیا ہم بہت جلد ایک ہونے والے نہیں ہیں؟“ وہ جھنجلا کر بولا۔

”ہاں یہ سب ٹھیک ہے سچ ہے مگر...... ہر چیز کی ہر رشتے کی کچھ لمٹس ہوتی ہیں اور وقت اور موقع پر ہی وہ لمٹس کراس کی جائیں تو بہتر ہے...... تم نے آخر مجھے کیا سمجھ کر یہ حرکت کرنے کی کوشش کی ہے؟“ سبیکا کی آنکھوں میں آفاز کی اس حرکت سے آنسو آ گئے تھے

اسے ہرگز آفاز سے ایسی امید نہ تھی کہ وہ ایسا کچھ بھی کرسکتا ہے۔

"تم نے بہت غلط حرکت کی آفاز۔" وہ باقاعدہ رونے لگی۔

"اوہ......!" آفاز کو معاملے کی نزاکت کا احساس ہوگیا تھا واقعی اس کو ایسا کچھ نہیں کرنا چاہیے تھا سبیکا پیٹھ موڑے سخت غصے کے عالم میں کھڑی تھی۔

"آئی ایم سوری سبیکا...... آئی ایم ریلی ویری سوری...... میرا کچھ ایسا مطلب نہیں تھا...... پلیز مجھے معاف کردو...... میرا ہرگز یہ مطلب نہ تھا کہ تم ہرٹ ہو...... بس ایک نادانی کرنے کو دل مچل گیا تھا۔ اب آئندہ ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ پلیز معاف کردو۔" وہ کان پکڑے سامنے کھڑا تھا۔ "یہ محبت دیوانگی کی حد تک چاہنے کا نتیجہ ہے سبیکا اور کچھ نہیں۔ میری غلطی معاف کردو...... ورنہ میں...... خود کو بھی معاف نہ کرسکوں گا کہ میں نے تمہیں ہرٹ کیا ہے......" وہ ہاتھ جوڑے منتیں کررہا تھا۔ چہرے پر ندامت اور شرمندگی کے آثار نمایاں تھے۔

"اٹس اوکے!" سبیکا نے آہستگی سے کہا' کیا کرتی وہ بھی تو آفاز سے پیار کرتی تھی۔ اور وہ واقعی اپنی حرکت پر نادم تھا اس کی آنکھوں میں ندامت کے آنسو سبیکا دیکھ چکی تھی۔

"اوہ تھینکس ڈیر تھینک یو سوچ"

"آئی لو یو سو مچ!" اب کبھی تنہائی میں نہیں آؤں گا تمہارے پاس جاتے جاتے وہ شرارت سے کہہ گیا اور سبیکا زیرلب مسکرادی۔

اس رات کو آفاز نے کال کرکے بھی اس سے معذرت کی تھی۔ سبیکا کا دل صاف ہوچکا تھا۔ دیر رات تک وہ دونوں باتیں کرتے رہے مستقبل کے پلان بناتے رہے۔ سونے تک سبیکا کا موڈ بھی بحال ہوگیا تھا۔ وہ خوش گوار موڈ میں سونے کی غرض سے بیڈ پر آئی تو انجانے نمبر سے کال آگئی وہ غور سے دیکھنے لگی بیل مسلسل بج رہی تھی آخر اس نے کال ریسیو کرلی۔

"ہیلو!" دوسری جانب شاہ میر تھا۔

"کال بند مت کرنا اور خاموشی سے میری بات سنو۔"

"مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔" وہ سخت لہجے میں بولی۔

"سبیکا ایک بار پھر سمجھا رہا ہوں کہ آفاز اچھا لڑکا نہیں ہے۔ اس سے شادی مت کرنا نہیں تو پچھتاؤ گی۔"

"مسٹر شاہ! آخر آپ کیوں بار بار مجھے الٹی سیدھی پٹیاں پڑھاتے ہیں۔ براہ مہربانی آئندہ مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی تو میں آپ کی شکایت کردوں گی۔ یہ آپ کا کامپلیکس ہے یا جلیسی...... جو بھی ہے اپنی حد تک رکھیے گا آئی سمجھ......؟" کہہ کر اس نے کال کاٹ دی۔

"اُفوہ نہ جانے اس شخص کو کیا تکلیف ہے جو ہر وقت الٹی سیدھی بکواس کرتا رہتا ہے۔ کیوں مجھے ان لوگوں کے خلاف کرنا چاہتا ہے نہ جانے کون سی چال چل رہا ہے یہ پاگل انسان...... ہنہ! کرتا رہے بکواس میں بھی اس کے سامنے جاکر اب آفاز کے ساتھ مل کر اس کا تماشہ بناؤں گی۔" وہ پلان بنانے لگی۔ مگر اس کا دماغ گھوم رہا تھا۔

"عجیب خبطی انسان ہے۔ بدنصیب جو اپنے گھر والوں کے بھی قریب نہیں ہے وہ بھلا مجھ جیسی لڑکی پر کیوں مہربان ہوسکتا ہے نہ جانے اس میں کون سی چال ہے اس کی خیر...... میں اس کی ہر چال کو ناکام بنادوں گی سمجھتا کیا ہے خود کو۔"

اس روز گرمی بہت شدید تھی سائرہ بیگم کو مارکیٹ کا کچھ کام تھا مگر بلڈ پریشر کی وجہ سے وہ دھوپ میں نکلنا نہیں چاہ رہی تھی شام کو انہیں کہیں اور جانا تھا۔ سبیکا کی اسکول کی دوست عائزہ اس کو کئی روز سے بلوا رہی تھی۔ سبیکا نے سوچا کہ وہ مارکیٹ کا کام نپٹا کر اپنی دوست کے پاس دن گزار کر شام تک واپس آجائے گی سائرہ بیگم نے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے تم ایسا کرو پہلے اپنی دوست کے پاس چلی جاؤ۔ شام میں مارکیٹ سے ہوتی ہوئی گھر آجانا۔"

"ٹھیک ہے مما۔" سبیکا نے اثبات میں سر

ہلا دیا۔ پچھلے دنوں سے آفاز بھی خاصا پریشان تھا ابھی ایک ہفتے کے ٹرپ پر آفس کے کام سے دوسرے شہر گیا تھا جب وہاں سے آیا بہت پریشان تھا سبیکا نے کریدا بھی تو کہہ دیا۔

"آفس کا مسئلہ ہے کچھ اماؤنٹ میں گڑبڑ آرہی ہے وہ سمجھ نہیں آرہا تم فکر مت کرو ہو جائے گا ایڈجسٹ۔" اور سبیکا چپ ہوگئی تھی۔

سبیکا عائزہ کے گھر پہنچی تو پتہ چلا کہ عائزہ اپنی بہن کے گھر گئی ہوئی ہے۔ سبیکا کو سخت کوفت ہوئی کیونکہ وہ بنا بتائے آئی تھی اسے کیا معلوم تھا کہ عائزہ نہیں ملے گی۔ بادل ناخواستہ وہ مارکیٹ جانے کے لیے وہاں سے نکل آئی۔ ذہن میں آفاز کا خیال تھا کہ نہ جانے آفاز کیسے پرابلم حل کر پائے گا اپنی سوچوں میں گم تھی کہ اسے ڈرائیو کرتے کرتے یہ احساس نہ ہوا کہ سامنے سے آتی بوڑھی خاتون گاڑی سے ٹکرا گئیں۔ وہ تو گاڑی کی رفتار دھیمی تھی کیونکہ مارکیٹ کے ایریا میں کافی رش تھا۔

"اوہ مائی گاڈ!" وہ جلدی سے گاڑی سے اتری۔ حد شکر خاتون کو زیادہ چوٹ نہیں آئی تھی۔

"معاف کیجیے میری غلطی ہے آپ ٹھیک تو ہیں ناں چوٹ تو نہیں آئی۔" سبیکا نے خاتون کو اٹھاتے ہوئے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں ٹھیک ہوں میں۔" انہوں نے نہایت شائستہ لہجے میں کہا۔

"آئیے میں آپ کو ڈراپ کر دوں آپ کہاں رہتی ہیں؟" سبیکا نے گاڑی میں سے پانی کی بوتل نکال کر انہیں دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں بیٹی تکلیف کی ضرورت نہیں یہیں پاس ہی گھر ہے میرا۔" انہوں نے ملائمت سے کہا۔

"نہیں ماں جی! تکلیف کیسی گاڑی ہے میرے پاس مجھے اچھا لگے گا کہ میں آپ کے کام آسکوں۔" سبیکا نے لجاحت سے کہا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی کا دروازہ کھول کر ان کو بٹھایا۔

"جزاک اللہ بیٹی...... اللہ پاک تمہیں شاد آباد رکھے ہر مصیبت اور پریشانی سے بچائے آمین۔" انہوں نے گاڑی میں بیٹھ کر ہاتھ اٹھا کر دعائیں دیں۔

'ماں جی! آپ اکیلی اتنی دھوپ میں کیوں نکلیں......؟" سبیکا نے نہ چاہتے ہوئے بھی سوال کر ڈالا۔

"بیٹی جو اکیلا ہو وہ اکیلے ہی تو نکلے گا ناں۔ مجھے ڈاکٹر کے ہاں جانا تھا تو نکل آئی ورنہ عموماً شام کو ہی نکلتی ہوں۔" ان کا لہجہ دکھی تھا۔

"آپ کا کوئی نہیں ہے مطلب بچے وغیرہ......؟"

"میرا ایک نواسہ ہی سمجھ لو۔ وہ بہت خیال رکھتا ہے میرا وہی ہے جس کی وجہ سے میں زندہ ہوں ورنہ زندگی نے وہ تماشے دکھائے ہیں کہ جینے سے دل بھر جاتا۔"

"نواسہ آپ کے ساتھ......؟" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"وہ میرے ساتھ نہیں رہتا اپنی فیملی کے ساتھ رہتا ہے۔ لیکن میرے پاس تقریباً روزانہ ہی آتا ہے بہت پیار کرتا ہے مجھ سے اور میری جان بھی اس میں اٹکی رہتی ہے۔"

سبیکا نے تاسف سے ان کے بوڑھے چہرے کی جانب دیکھا جو اپنے دل میں نہ جانے کیا کیا داستانیں چھپائیں جی رہی تھیں۔ سبیکا کو ان پر ترس آیا لوگ کیسے کیسے حالات میں جیتے ہیں۔ نہ جانے کیا کیا دیکھتے ہیں...... یہ دنیا بھی عجیب تماشہ ہے پتہ نہیں کیسے کیسے دکھ لوگ اپنے سینوں میں دفن کیے جیتے ہیں اور ایسے دکھوں کے پہاڑ سینوں میں لیے مر جاتے ہیں وہ دکھی ہوگئی تھی۔

"بس بیٹی روک دو۔" ان کی آواز پر سبیکا نے گاڑی روک دی۔ مناسب سا گھر تھا جس کے آگے گاڑی رکی تھی۔

"آجاؤ بیٹی پانی پی لو۔" انہوں نے گاڑی سے اترتے ہوئے پلٹ کر محبت سے کہا۔

"نہیں ماں جی پھر کبھی آؤں گی۔" سبیکا نے کہا۔

”ضرور آنا بیٹی! مجھے تم بہت اچھی لگی ہو آج کے دور میں کسی بوڑھے کو دیکھ کر کوئی بھی نوجوان مضحکہ اڑاتا ہے مگر تم...... کسی نیک ماں باپ کی اولاد ہو مجھے تم سے مل کر اچھا لگا اور میں چاہوں گی کہ تم مجھ سے ملنے ضرور آنا مجھے انتظار رہے گا۔“ ان کا لہجہ اور انداز نہایت شائستہ تھا۔

”جی ماں جی ضرور۔“ وہ مسکرائی۔

”جزاک اللہ بیٹی۔“ وہ بھی جواباً مسکرائیں اور گیٹ کی جانب بڑھ گئیں۔

سبیکا نے کچھ دیر انہیں دیکھا اور پھر گاڑی اسٹارٹ کرلی سبیکا نے گھر آ کر ان خاتون کے بارے میں سائرہ بیگم کو بھی بتایا سائرہ بیگم بھی ان کے بارے میں سن کر دکھی ہوگئیں اور خوش ہوئیں کہ اچھا کیا تم نے انہیں گھر ڈراپ کردیا۔

”مما میں جاؤں گی کسی دن ان کے گھر وہ مجھے اچھی لگی ہیں پڑھی لکھی اور سوبری خاتون ہیں۔“

”اوکے چلی جانا۔“ سائرہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

اسی وقت عمیمہ کا میسج آ گیا کہ رات کو مما کی کچھ فرینڈز کھانے پر آ رہی ہیں اور تم سے ملنا چاہتی ہیں اس لیے تم آ جانا۔

”اوکے ڈیر آ جاؤں گی مغرب تک۔“ اس نے بھی ریپلائی کردیا۔ شام کو وہ تیار ہو کر آئی تو لان میں ہی شاہ میر نظر آ گیا۔ شاہ میر کو دیکھ کر سبیکا کا حلق تک کڑوا ہو گیا برا سا منہ بنا کر وہ اندر آ گئی۔

”ہائے سویٹی۔“ آفاز سامنے ہی تھا۔

”ہائے۔“ وہ مسکرائی۔

”عمیمہ کہاں ہے......؟“ اس نے پوچھا۔

”مما اور عمیمہ دونوں کچن میں ہیں صبح سے حمیدہ بوا کی شامت آئی ہوئی ہے مما کے ہاتھوں خوب ذلیل ہو رہی ہے بیچاری۔“ آفاز نے جس لہجے میں جس انداز میں بوڑھی عورت کی بات کی تھی سبیکا کو اس کا انداز ذرا بھی اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ بنا کچھ کہے کچن کی طرف چلی آئی۔

”آپ اتنی بوڑھی ہوگئیں ہیں کھانا بناتے بناتے آپ کو ابھی بھی مصالحوں کا صحیح اندازہ نہیں ہوا میری خاموشی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہو تم لوگ مفت کی کھانے کی عادت جو ہوگئی ہے۔“ امینہ بیگم غصے سے پیچ و تاب کھاتی ہوئی بوڑھی ملازمہ پر برس رہی تھیں۔ انتہائی جاہلانہ انداز تھا ان کا اور لہجے میں حقارت تھی۔

”ارے تم کب آئیں بیٹی......؟“ سبیکا کو دیکھ کر یکلخت لہجہ بدلا۔ چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

”جی ابھی آئی۔“

”حمیدہ بوا پہلے کھانا کھالیں۔ آپ کافی دیر ہوگئی ہے کام کا کیا ہے ہو جائے گا۔“ امینہ بیگم پلٹ کر میٹھے لہجے میں حمیدہ بوا سے مخاطب ہوئیں۔ یوں ایک لمحے میں سختی کی جگہ نرمی آ گئی تھی حمیدہ بوا آنکھیں پھیلا کر ان کو دیکھنے لگیں۔

”نہیں بی بی ابھی بھوک نہیں ہے۔ میں کوفتوں کا مصالحہ پیس لوں پہلے پھر کھالوں گی۔“ حمیدہ بوا نے سر جھکا کر مصالحہ ملاتے ہوئے کہا ان کی بوڑھی آنکھوں میں چھلکتے آنسو سبیکا سے پوشیدہ نہ تھے۔

”آنٹی میں کردوں کوئی کام......؟“ سبیکا نے امینہ بیگم کو دیکھ کر پوچھا۔

”ارے نہیں بیٹی! بس تھوڑا سا کام باقی ہے تم چلو میں آتی ہوں۔“ انہوں نے محبت سے چور لہجے میں کہا۔

رات کو امینہ بیگم کی فرینڈز آنے سے پہلے وہ تیار ہو کر آ گئی پرپل اور بلو شیڈ کے ڈیزائنر سوٹ میں لائٹ میک اپ اور کھلے بالوں میں سبیکا بہت پیاری لگ رہی تھی۔

”واؤ...... بیوٹی فل، چارمنگ، باربی ڈول۔“ چاروں طرف سے آوازیں آ رہی تھیں۔ امینہ تم نے بہو تو بڑی حسین ”چھانٹی“ کا لفظ استعمال کیا تو سبیکا کو عجیب سا لگا۔

”ہاں واقعی بہت بیوٹی فل ہے یہ تو۔“ دوسری نے بھی تعریف کردی۔

”یہ بتاؤ تمہارے شہزادے اس سے مطمئن ہیں یا نہیں......؟“ ان کی بات پر سب کا قہقہہ ابھرا۔

''اف کورس یار آفاز کی اپنی پسند ہے۔'' امینہ بیگم جلدی سے بولیں۔
''پسند تو اسے صوفیہ، نتاشہ، فروا اور روما بھی تھیں۔''
اس بار قہقہہ پہلے سے زیادہ بلند تھا۔
''اوہو! یار تم لوگ بھی ناں پتہ نہیں کیا کیا بول رہی ہو یہ لو کھانا تو اسٹارٹ کرو کب سے ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' امینہ بیگم نے جلدی سے بات بدلی اور شاید آنکھوں ہی آنکھوں میں ان لوگوں کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔
''ہاں ہاں! بالکل بھئی پیٹ پوجا بھی تو ضروری ہے۔'' ایک خاتون نے کہا اور سب لوگ کھانے پر ٹوٹ پڑے۔
سبیکا ابھی تک ان چار ناموں پر ہی اٹکی ہوئی تھی جن کو سن کر وہ چونکی تھی۔ صوفیہ، نتاشہ، فروا اور روما......! یہ کون تھیں اور آفاز سے ان لوگوں کا کیا تعلق تھا وہ الجھن کا شکار ہوگئی تھی اپنی تعریف، ستائش کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ تب ہی رات کو آفاز کے آتے ہی اس نے چاروں نام لے کر اسے چونکا دیا۔
''ارے یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے......؟''
''یہ بتاؤ آنٹی نے یہ نام تمہارے نام کے ساتھ کیوں لیے......؟'' وہ بدستور الجھی ہوئی تھی۔
''کم آن یار! تم تو جانتی ہو ہمارا اتنا بڑا بزنس ہے میں اتنا ہینڈسم اور گڈ لکنگ لگتا ہوں تو مجھے دیکھ کر لڑکیاں خود بخود میرے پیچھے پڑ جاتی ہیں اور تمہیں شک ہو رہا ہے کیا......؟''
''بات شک کی نہیں ہے آفاز! میں نے پہلی بار ایسی بات سنی تو میرے لیے تو یہ بات پریشان کن ہے ناں کوئی لڑکی تمہارے نام کے ساتھ لوگوں کے ذکر میں آئے۔''
''ڈارلنگ! تم بالکل پریشان مت ہو ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ میں ایسی نیچر کا ہوتا تو اب تک تمہارے انتظار میں بیٹھا رہتا؟ کبھی میرے ساتھ کسی لڑکی کو دیکھا تم نے......؟'' اس کے سوال پر سبیکا گڑبڑا گئی۔
''نہیں۔''
''تو پھر اپنے ذہن سے سارے خدشات اور فضول باتیں نکال دو اور چاہے کسی کی بھی قسم لے لو۔ یہ آفاز جمیل احمد تمہارا تھا، تمہارا ہے اور تمہارا ہی رہے گا۔'' سبیکا کا ہاتھ تھام کر محبت سے چور لہجے میں اس کی آنکھوں میں جھانک کر خوب صورت اعتراف کیا تو سبیکا خاموش ہوگئی اور آفاز اس پر نگاہیں جمائے مسکراتا رہا۔ واقعی آفاز اتنا حسین تھا کہ کوئی بھی لڑکی اس کے پیچھے پڑ سکتی تھی۔
کچھ دن اور گزرے امینہ بیگم اور عمیمہ اپنے رشتے داروں کے پاس اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ آفاز بھی دو تین دن کے لیے کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ سبیکا بوریت کا شکار تھی اس روز اسے اچانک ماں جی یاد آ گئیں ان سے ملنے کا جی چاہ رہا تھا دوپہر میں وہ سائرہ بیگم سے اجازت لے کر ان کے گھر آ گئی۔
''ارے بیٹی تم!'' حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے انہوں نے استقبال کیا۔
''جی ماں جی دل کر رہا تھا کہ آپ سے ملوں باتیں کروں اس لیے آ گئی آپ کو برا تو نہیں لگا......؟'' اس نے سلام کر کے کہا۔
''نہیں نہیں بیٹی مجھے بہت اچھا لگا سچ پوچھو تو اس روز کے بعد سے کئی بار تمہیں یاد کیا۔ تم سے ملنے کو دل کیا...... مجھے تم بہت اچھی لگی ہو اچھے گھرانے کی بچی ہو۔ تب ہی تو والدین کی تربیت تمہاری باتوں سے تمہارے عمل سے نظر آتی ہے۔'' انہوں نے کھلے دل سے اعتراف کے ساتھ ساتھ اس کی تعریف بھی کر دی۔ ''بیٹھو بیٹی۔'' انہوں نے کرسی کی طرف اشارہ کیا وہ شکریہ کہہ کر بیٹھ گئی اچھا بھلا بڑا گھر تھا۔ تین کمرے، برآمدہ، صحن اور صاف ستھرا کچن۔
''ماں جی آپ اتنے بڑے گھر میں اکیلی کیسے رہتی ہیں آپ کا کوئی عزیز رشتے دار......؟'' ایک بار پھر پہلے کیا گیا سوال سبیکا کے لبوں پر آ گیا۔
''ایک ملازمہ ہوتی ہے میرے ساتھ آج کل گاؤں گئی ہوئی ہے۔ ایک وقت تھا کہ میں بھی فیملی کے ساتھ

تھی۔ بہت اچھا اور خوش گوار وقت تھا وہ......بس اچانک ہی زندگی نے ایسا پلٹا کھایا کہ......؟'' ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''اوہ! معاف کیجیے گا ماں جی! آپ کو برا لگا تو...... مجھے اچھا نہیں لگا کہ آپ آبدیدہ ہوگئیں۔'' سمیکا نے شرمندہ ہوکران کے ہاتھ تھام کر شرمندگی سے کہا۔

''نہیں نہیں بیٹی ایسی کوئی بات نہیں مجھے اچھا لگا ہے کہ تم نے مجھ سے اپنا سمجھ کر میرے بارے میں سوچا، مجھے پوچھا......'' انہوں نے ملائمت سے کہا۔

''میرا دل بھی کرتا ہے کہ کسی کے سامنے اپنا دکھ سکھ بولوں، اپنی باتیں شیئر کروں۔'' انہوں نے کہا۔

''ایسی بات ہے تو آپ مجھے کھل کر بتا سکتی ہیں اپنے بارے میں۔'' وہ بھی پر تجسس تھی۔ انہوں نے ٹھنڈی سانس لے کر دور خلاؤں میں جیسے کچھ کھوجنا شروع کردیا۔ پھر آنکھیں موند لیں اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا لیا ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ اور ماتھے پر پڑی لکیروں کو دیکھ کر لگ رہا تھا جیسے وہ ماضی کے تانے بانے میں الجھ گئی ہوں۔

......☆☆☆......

محمود صاحب شہر کے مشہور کمپنی کے ایم ڈی تھے۔ کروڑوں کی جائیداد کے مالک اللہ نے اولاد کے نام پر ایک بیٹی دی تھی مزنہ پڑھی لکھی تھیں مگر صورت شکل کے لحاظ سے عام سی خاتون تھیں۔ محمود صاحب نے مزنہ کی شادی بہت دھوم دھام سے کردی تھی۔ مزنہ اپنے سسرال میں خوش تھیں پھر ان کی زندگی میں شاہ میر کی صورت میں ایک بیٹا آ گیا۔ نانا نانی کے علاوہ مزنہ کے شوہر نے بھی خوب خوشیاں منائیں۔ مزنہ کے ساتھ جہیز میں ایک پرانی ملازمہ احمدی بوا بھی آئی تھیں جن کا خاندان ان کے یہاں پشتوں سے ملازم رہتا چلا آ رہا تھا۔ احمدی بوا مزنہ سے بہت پیار کرتی تھیں اور مزنہ بھی ان کو ماں کی طرح عزت اور پیار کرتی تھیں۔ ابھی ننھا شاہ میر صرف پانچ ماہ کا تھا کہ ایک دن جلیل کو کسی نے گولی ماردی وہ آفس سے واپس آ رہے تھے کہ نہ جانے کہاں سے بائیک پر سوار دو نوجوان آئے ان کی گاڑی کو گولیوں سے چھلنی کردیا اور ساتھ ساتھ جلیل کی زندگی کا چراغ بھی گل ہوگیا۔ مزنہ کی حالت تو پاگلوں جیسی ہوگئی ابھی شادی کو دو سال بھی نہیں ہوئے تھے کہ بیوگی کی چادر اوڑھے دوبارہ سے میکے کی دہلیز پر آ بیٹھیں۔ ننھا شاہ میر تھا جس کی وجہ سے ان میں جینے کی رمق باقی تھی اگر وہ بھی نہ ہوتا تو شاید میاں کے مرنے کے بعد مزنہ بھی جی نہیں پاتیں۔ احمدی بوا نے مزنہ کے ساتھ ساتھ شاہ میر کو بھی سنبھالا بڑی مشکلوں سے ماں باپ کی انتھک کوششوں اور احمدی بوا کے پیار، خیال سے مزنہ بیگم رفتہ رفتہ زندگی کی طرف لوٹیں۔ محمود صاحب اور ان کی بیوی صالحہ بیگم مزنہ کو دیکھ دیکھ کر کڑھتے رہتے لاکھوں میں کھیلنے والی، لاڈوں میں پلنے والی بیٹی کا دکھ ناقابل برداشت تھا۔ وہ لوگ چاہتے تھے کہ مزنہ کا کسی اچھے اور نیک انسان سے نکاح کردیں ابھی عمر ہی کیا تھی پہاڑ جیسی زندگی تھی اور ساتھ معصوم بچہ بھی تھا۔ محمود صاحب اپنے بڑھاپے سے خوف زدہ تھے کہ اگر مجھے کچھ ہوجائے گا تو مزنہ کا کیا ہوگا......؟ ہر وقت یہ سوال ان کے سر پر ننگی تلوار کی طرح لٹکتا رہتا۔ کئی لوگوں نے شادی کی خواہش کی سب کی نظریں مزنہ سے زیادہ اس کی دولت اور جائیداد پر تھی۔ اب جانتے بوجھتے وہ لوگ ایسے حریص اور لالچی لوگوں میں کس طرح بیٹی کو جھونک دیتے جو پہلے ہی پہاڑ جیسا غم برداشت کرکے بیٹھی تھی۔ بس محمود صاحب اور صالحہ بیگم دن رات مزنہ کے لیے دعائیں کرتے رہتے۔ احمدی بوا بھی رو رو کر تڑپ کر مزنہ اور شاہ میر کے لیے دعائیں مانگتی رہتیں۔

جمیل احمد سیدھے سادھے غریب فیملی سے تعلق رکھنے والے نوجوان تھے جو محمود صاحب کے آفس میں کلرک تھے۔ جب بھی محمود صاحب کے روم میں آتے تو نہایت انکساری ادب اور تہذیب سے بات کرتے ان کی باتوں سے اندازہ ہوتا کہ وہ اچھی فیملی سے تعلق رکھتے ہیں محمود صاحب کو جمیل احمد کی عادتیں اچھی لگتی تھیں اس لیے

محمود صاحب ان کا خاص خیال رکھتے۔ اس روز جمیل صاحب آفس آئے تو خاصے پریشان تھے محمود صاحب کے استفسار پر بتایا۔

"مالک مکان نے گھر خالی کرنے کا نوٹس دے دیا ہے اور میں فوری طور پر دوسرے گھر میں شفٹ نہیں ہوسکتا کیونکہ ایڈوانس بہت زیادہ مانگا جارہا ہے اور میں افورڈ نہیں کرسکتا۔" جمیل احمد کا لہجہ مایوسانہ تھا۔ وہ بہت پریشان تھے کیونکہ ان کے ساتھ ان کی بوڑھی والدہ بھی تھیں۔

"اوہو! چلو اللہ کوئی سبیل نکالے گا۔" محمود صاحب نے سر ہلاتے ہوئے ان کو تسلی دی ان کو جمیل احمد کی یہ بات اچھی لگتی تھی کہ کبھی بھی ایڈوانس تنخواہ کا مطالبہ نہیں کرتے تھے اپنے مسائل بھی بیان نہیں کرتے تھے وہ ایک خوددار اور غیرت مند نوجوان تھے اور محمود صاحب کی نظروں میں ایسے لوگوں کی بہت اہمیت تھی۔

دوسرے دن صبح جمیل احمد آفس آئے تو محمود صاحب نے انہیں اپنے روم میں بلوایا۔ تھوڑی دیر میں جمیل ہاتھ باندھے باادب ان کے سامنے تھے۔

"بیٹھو۔" محمود صاحب نے کرسی کی جانب اشارہ کیا تو جمیل احمد بیٹھ گئے۔

"یہ لو تمہاری رہائش کا مسئلہ حل ہوگیا ہے۔" محمود صاحب نے جیب سے چابی نکال کر ان کی طرف بڑھائی۔

"جی...... جی...... کیا مطلب......؟" جمیل نے حیرت سے پہلے چابی اور پھر محمود صاحب کو دیکھا۔

"ارے بھئی کل تم نے کہا تھا ناں کہ تمہیں گھر خالی کرنا ہے اور تم اس سلسلے میں خاصے پریشان ہو تو میں نے تمہاری پریشانی کا حل نکال لیا ہے اب اپنی والدہ کو لے کر ادھر ادھر پریشان پھرنے کی ضرورت نہیں یہ گھر میری بیٹی کے نام ہے اس کے نصیب کہ وہ اس گھر میں بس نہ پائی۔" محمود صاحب کا لہجہ آبدیدہ ہوگیا۔

"سر میں سمجھا نہیں۔" جمیل احمد بدستور حیرانی کا شکار تھے۔

"ارے بھئی یہ بات چھوڑو بس یہ گھر خالی ہے میرا، تم اپنی والدہ کو لے کر اس میں شفٹ ہوجاؤ اور جب تک دل چاہے تم اس گھر میں رہ سکتے ہو بغیر کسی ٹینشن اور پریشانی کے۔" محمود صاحب نے قدرے سنبھلتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"نہیں سر! ہم لوگ اس قابل نہیں ہیں کہ اتنے بڑے گھر میں رہ سکیں۔ ہم ماں بیٹے کے لیے تو چھوٹا سا دو کمروں کا مکان بھی بہت ہے۔" جمیل احمد کا لہجہ شکستہ تھا۔

"ارے یار! ایسی باتیں نہیں کرتے ویسے بھی وہ گھر خالی ہے اس بہانے آباد ہوجائے گا اور تم یہ مت سمجھنا کہ میں تم پر ترس کھا کر ایسا کررہا ہوں بلکہ مجھے تو تم جیسے غیرت مند اور محنتی نوجوان پر فخر ہے ارے بھئی سمجھو اس میں بھی میری اپنی لالچ ہے۔" محمود صاحب نے مسکراتے ہوئے ماحول کو بدلنا چاہا۔

"نہیں سر ایسا نہیں ہوسکتا' آپ کا بڑا پن اور اعلیٰ اخلاق ہے کہ آپ سب لوگوں کا اتنا خیال رکھتے ہیں جیسے کہ آپ کی فیملی ہوں۔" جمیل احمد کا لہجہ نم ہوگیا۔

"ارے بھئی لالچ یہ ہے کہ اگر تم کو گھر کہیں دور دراز ملا تو تمہیں آفس آنے میں دیر بھی ہوسکتی ہے اور میں اپنے آفس میں ٹائم کی پابندی کو ترجیح دیتا ہوں۔ ہے ناں لالچ......؟" بات ختم کرکے وہ قہقہہ لگا کر بولے۔

"تھینک یو سر تھینک یو ویری مچ...... اللہ پاک آپ کو جزائے خیر دے اور آپ پر اور آپ کی فیملی پر ہمیشہ اپنا کرم رکھے آمین۔" جمیل احمد چابی لیتے ہوئے صدق دل سے دعائیں دے رہے تھے اور محمود صاحب مسکرا دیئے۔

"بس ہمیں دعاؤں کی ضرورت ہے بیٹا! مجھے اور میری فیملی کو ہمیشہ دعاؤں میں یاد رکھنا۔" یہ کہتے ہوئے محمود صاحب کی آواز بھیگنے لگی تھی جمیل احمد نے غور سے ان کے چہرے کی جانب دیکھا۔ محمود صاحب کے بوڑھے چہرے پر نہ جانے کیسا دکھ تھا جمیل احمد چونکے

انہیں لگا کہ محمود صاحب ضرور فیملی کی طرف سے کسی پرابلم کا شکار ہیں۔ کاش میں ان کے کسی کام آسکوں۔ جمیل احمد روم سے نکلتے ہوئے سوچ رہے تھے۔

جمیل احمد پہلے ہی محمود صاحب کی بہت عزت کرتے تھے بہت احترام اور خلوص سے پیش آتے تھے اس کے بعد تو جمیل احمد اور بھی ان کی محبت، شفقت اور خدا ترسی کے قائل ہو گئے تھے وہ ان امیروں میں سے تھے جن کے دل بھی امیر ہوتے ہیں بہت کم ایسے امیر لوگ نظر آتے ہیں جو نہ صرف مالی لحاظ سے امیر ہوتے ہیں بلکہ دل کے بھی امیر ہوتے ہیں اور محمود صاحب ایسے چند لوگوں میں سے تھے۔ کبھی کبھی محمود صاحب گھریلو باتیں بھی کر لیتے تھے اور انہیں باتوں میں جمیل احمد کو پتہ چلا کہ محمود صاحب کی اکلوتی بیٹی شادی کے دو سال کے اندر ہی ایک بیٹے کو لے کر بیوہ ہو کر واپس آ گئی تھی جمیل احمد کو یہ سن کر بہت افسوس ہوا اور یہ بھی کہ اب کافی کوششوں کے بعد بھی اس کا رشتہ نہیں ہو پا رہا اور اس کا بیٹا اب دو سال کا ہو گیا ہے جمیل احمد کو ویسے بھی محمود صاحب سے عقیدت تھی۔ جمیل احمد نے سوچا کہ وہ محمود صاحب کی بیٹی حزنہ سے شادی کر لیں اس سلسلے میں انہوں نے اپنی والدہ سے بات کی والدہ یہ سن کر خوش ہوئیں کہ ان کا بیٹا اچھی سوچ رکھتا ہے مگر پھر انہیں یہ بات سوچ کر عجیب سا لگا کہ کہیں محمود صاحب اس بات کو ہماری لالچ نہ سمجھیں کہ ہم ان کی دولت سے مرعوب ہو کر یہ قدم اٹھا رہے ہیں کیونکہ جمیل احمد اسمارٹ خوب صورت اور پڑھے لکھے تو جوان تھے عمر میں بھی حزنہ سے چھوٹے نہیں تو بڑے بھی نہیں تھے اب ایسی صورت میں بات کرتے بھی ہچکچاہٹ ہو رہی تھی کہ کہیں محمود صاحب ان کی بات کو غلط طریقے سے نہ سوچ لیں۔ جمیل احمد کبھی کبھی کسی کام سے محمود صاحب کے گھر بھی آ جاتے تھے انہیں ان کے گھر میں چلتی پھرتی وہ خاتون اچھی لگتی تھیں جو سمجھیں تو نوکرانی مگر باتوں اور پہننے اوڑھنے کے لحاظ سے گھر کے فرد کی طرح تھیں وہ تھیں احمدی بوا جن کے پاس ہمیشہ ننھا شاہ میر ہوتا جسے لے کر وہ کھلاتی رہتیں اسے کھلانا، اس کے ساتھ کھیلنا، نہلانا سب کچھ احمدی بوا ہی کرتی رہتیں جمیل احمد کو ننھا شاہ میر بہت پیارا لگتا گول مٹول سفید خوب صورت سا گڈے جیسا شاہ میر جو کبھی کبھی ان کی گود میں بھی آ جاتا تھا پھر ایک دن ہمت کر کے جمیل احمد نے اپنے دل کی بات احمدی بوا سے کی کہ وہ محمود صاحب اور صالحہ بیگم کا عندیہ معلوم کر کے بتائیں کہ کیا وہ اس رشتے پر راضی ہو جائیں گے۔ احمدی بوا کو جمیل احمد اچھے لگتے تھے انہوں نے سنا تو خوش ہو گئیں وہ حزنہ کو بیٹی کی طرح سمجھتی تھیں وہ خود چاہتی تھیں کہ حزنہ کو کوئی نیک شریف اچھے خاندان کا لڑکا خلوص دل سے اپنا لے۔ انہوں نے جمیل احمد کا ماتھا چوم لیا اور بہت ساری دعائیں دیں۔

”نہیں بیٹا! تم جوان ہو، خوب صورت ہو تمہیں اچھی لڑکی مل سکتی ہے تم چھوٹے بھی ہو۔“ محمود صاحب نے سنا تو جمیل احمد کو سمجھایا۔

”نہیں سر پلیز آپ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ کے احسانات کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں یا آپ کے ساتھ کوئی ہمدردی یا ترس کھا کر ایسا کر رہا ہوں...... میں تو خود کو خوش نصیب سمجھوں گا کہ اگر آپ مجھے اپنی فرزندی میں لے لیں آپ کی اولاد بھی یقیناً آپ جیسی ہوگی مجھے گھر سنبھالنے کے لیے محبت کرنے والی باحیاء اور پرخلوص بیوی چاہیے مجھے صورت شکل یا عمر کی کمی بیشی سے کوئی غرض نہیں ہے۔“ جمیل احمد نے سر جھکا کر نہایت انکساری سے مدعا بیان کیا تو محمود صاحب کی آنکھیں چھلک پڑی۔ انہیں لگا جیسے جمیل احمد نے ان کی بہت بڑی الجھن دور کر دی ہو انہوں نے آگے بڑھ کر جمیل احمد کو بانہوں میں بھر لیا۔

”فخر تو مجھے ہوگا کہ مجھے تم جیسا نیک شریف اور با کردار لڑکا اپنی بیوہ بیٹی کے لیے ملا ہے اللہ پاک تمہیں شاد و آباد رکھے۔“ پھر حزنہ کو چھوٹی سی سادہ سی تقریب میں جمیل احمد کے نام سے منسوب کر دیا گیا اور حزنہ رخصت ہو کر اپنے ہی گھر میں آ گئی جو پہلے سے ہی جمیل احمد کی

رہائش گاہ تھا۔ جمیل احمد کی والدہ دین دار، سیدھی سادی اور اچھی خاتون تھیں وہ مزنہ کے ساتھ ساتھ شاہ میر کو بہت پیار کرتی تھیں جمیل احمد بھی مزنہ کا خیال رکھتے شاہ میر سے پیار کرتے تھے محمود صاحب اور صالحہ بیگم بے حد مطمئن اور خوش تھے احمدی بوا مزنہ کے ساتھ ہی آ گئی تھیں کیونکہ مزنہ کے ساتھ ساتھ شاہ میر بھی ان کے بغیر نہیں رہتا تھا جمیل احمد کو محمود صاحب نے اپنے کاروبار میں ہی شراکت دار بنا لیا تھا جمیل احمد کی زندگی بدل گئی تھی کل تک وہ جس آفس میں عام سے ورکر کی حیثیت سے نوکری کرتے تھے آج اس آفس کے حصہ دار بن گئے تھے۔ باقی پراپرٹی بھی مزنہ کے اور شاہ میر کے نام ہی تھی اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود مزنہ میں عاجزی انکساری اور سادگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس نے کبھی پیسے کی امارت کا رعب نہیں جھاڑا بلکہ عام بیوی کی طرح جمیل احمد کا مکمل خیال رکھا ان کی والدہ کو بھی کبھی شکایت کا موقع نہ دیا۔ ابھی مزنہ کی شادی کو کچھ ماہ ہی ہوئے تھے ایک روز محمود صاحب اور صالحہ بیگم کسی فنکشن سے واپس آ رہے تھے کہ ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا کار کے ساتھ ساتھ وہ لوگ بھی ختم ہو گئے مزنہ تو غم کی شدت سے پاگل ہو گئی تھیں ایک ساتھ ہی باپ اور ماں دونوں کے سائے سے محروم ہو گئیں تھیں کئی دنوں تک وہ ہوش و حواس میں نہ رہیں ایسے میں جمیل احمد ان کی والدہ اور خاص طور پر احمدی بوا نے انہیں ہر طرح سنبھالا دل جوئی کی دلاسے دیئے ماں کی حالت دیکھ کر ننھا شاہ میر الگ سہما سہما رہتا۔ رفتہ رفتہ مزنہ بھی زندگی کی طرف لوٹ آئیں ان کے سامنے بیٹا میاں اور ساس بھی تھے ان کو بھی دیکھنا تھا ابھی ماں باپ کی موت کے صدمے سے پوری طرح نکل ہی پائی تھیں کہ ایک رات نیند میں جمیل احمد کی والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ پے در پے صدمات نے جیسے ان لوگوں کو نڈھال کر ڈالا تھا جمیل احمد جو پہلے ساس سسر کے انتقال سے کچھ بدلے بدلے سے دکھائی دیتے تھے ماں کی موت کے بعد واضح ان میں چینج نظر آنے لگا راتوں کو دیر سے گھر آتے اب مزنہ اور شاہ میر پر بھی اتنی توجہ نہ دیتے مزنہ کبھی گلہ کرتیں تو دھیمے لہجے میں اسے سمجھاتے۔

"مزنہ تم جانتی ہو کہ پاپا کی ڈیتھ کے بعد مجھ پر کتنی ذمہ داری آن پڑی ہے کتنا مصروف ہو گیا ہوں میں۔ نہیں چاہتا کہ جس کام کو پاپا نے اتنی محنت اور مشقت سے یہاں تک پہنچایا ہے اس کو ذرا سا بھی نقصان ہو اسی لیے دن رات کام کر رہا ہوں۔" اور مزنہ کو اس کی تھکی تھکی صورت دیکھ کر ترس آ جاتا واقعی جمیل احمد بیچارے بے تحاشہ محنت کر رہے ہیں کھانے پینے کا ہوش تک نہیں رہتا گھر آنے کا بھی کوئی ٹائم نہ تھا وہ اور زیادہ جمیل احمد کا خیال رکھنے لگتیں۔

اس روز موسم بہت خراب تھا شام سے ہی آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ تیز ہوائیں اور طوفانی بارش نے ماحول کو عجیب خوف ناک بنا دیا تھا احمدی بوا مزنہ اور شاہ میر تھے مزنہ کو نہ جانے کیوں آج کی طوفانی بارش سے خوف محسوس ہو رہا تھا جمیل احمد بھی نہیں آئے تھے بار بار کال کرنے پر بھی کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ "الٰہی رحم کرنا!" مزنہ بیگم ہاتھ اٹھائے دعائیں مانگ رہی تھیں رات دھیرے دھیرے بڑھتی جا رہی تھی احمدی بوا وہ شاہ میر کو لے کر سلانے چلی گئیں تھیں اور وہ کمرے میں بیٹھی ہول رہی تھیں نہ جانے کیوں دل تھا کہ بیٹھا جا رہا تھا ہر طرف بارش کی گھن گرج بادلوں کی آواز اور چمکتی بجلیوں نے ان کے اندر بھی طوفان بپا کر رکھا تھا رہ رہ کر عجیب عجیب خیالات آ رہے تھے بار بار وہ سر جھٹک کر جمیل احمد کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھیں دل تھا کہ اُمڈتا چلا آ رہا تھا جب سے والدین کی موت ہوئی تھی مزنہ کو بہت ڈر لگنے لگا تھا۔ باہر کے خطرناک طوفان سے زیادہ ہولناک طوفان ان کے اندر مچل رہا تھا کہ جیسے کچھ انہونی ہونے والی ہو اور...... اور رات کے بارہ بجے کے بعد طوفان آ ہی گیا جس کا اشارہ آج شام سے اٹھنے والے طوفان نے پہلے ہی دے دیا تھا۔ وہ طوفان امینہ بیگم کی شکل میں تھا جو جمیل احمد کے پہلو میں کھڑی تھیں۔

"یہ...... یہ لفظ مزنہ کے لبوں پر آنے سے پہلے دم توڑ گئے وہ پھٹی آنکھوں سے بجی سنوری تیز طرار اور شاطر سی عورت کی جانب دیکھ رہی تھیں جو جدید فیشن کے لباس میں گھیرے میک اپ زدہ چہرے کے ساتھ جمیل احمد کے قریب بے حد قریب نخوت سے گردن تانے کھڑی تھیں۔

"یہ امینہ ہیں میری بیوی...... میرے آفس میں کام کرنے والے احسان صاحب کی بیٹی ہیں احسان صاحب کی ڈیتھ ہوگئی تو یہ تنہا تھی اس لیے میں نے اس سے شادی کرلی۔"

"تم نے شادی کرلی؟" مزنہ نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے سوال کرتے ہوئے اپنے لڑکھڑاتے وجود کو دیوار سے سہارا دیا۔

"کیا شادی کرنا ضروری تھی؟"

"سوئٹی دراصل جمیل ہیں ہی سوفٹ نیچر کے ان کو عادت ہے لوگوں سے ہمدردیاں کرنے کی پہلے تمہارے ساتھ کی اور اب میرے ساتھ۔" امینہ نے طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

"روم میں چلیں بھئی۔" پلٹ کر جمیل احمد کا ہاتھ تھاما اور جمیل احمد پلٹے۔

"جمیل احمد!" مزنہ کی آواز اتنی سخت تھی کہ جمیل احمد کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ "میں کسی صورت اپنے گھر میں اپنی سوکن برداشت نہیں کرسکتی۔" لہجے کو مضبوط بنا کر اٹل انداز میں کہا۔

"اوکے چلو میں کہیں اور چلا جاتا ہوں اگر تم اپنے بیٹے کے ساتھ رہ سکتی ہو تو رہو اپنے گھر میں۔" جمیل احمد نے سفاکی کی حدیں پار کریں۔

"او خدایا!" مزنہ بیگم جمیل احمد کی سفاکی پر ڈھ سی گئیں۔ کتنی مجبور تھیں وہ اور جمیل احمد نے کیسا گھناؤنا کھیل کھیلا تھا ان کے ساتھ۔

"جمیل احمد تم انتہائی لالچی اور احسان فراموش آدمی ہو۔ تم نے میرے باپ کی محبت' اعتماد اور بھروسے کا خون کیا ہے اور میں...... اپنے باپ کی شفقت کے صدقے تمہیں اس گھر میں رکھنے کے لیے تیار ہوں۔" جملہ مکمل کرکے جیسے ہی وہ پلٹیں سامنے چار سالہ شاہ میر کھڑا تھا جو نہ جانے کب سے روم سے باہر کھڑا تھا وہ حیرت اور معصومیت سے جمیل احمد امینہ بیگم اور مزنہ بیگم کو دیکھ رہا تھا آج پہلی بار مما اتنی غصے میں تھیں یہ بات اس کے لیے حیران کن تھی اور وجہ پاپا اور یہ عورت۔ ننھے سے دل میں یہ بات پھانس کی طرح اٹک گئی۔ جمیل احمد سر جھٹک کر نو بیاہتا بیگم کو لیے دوسرے بیڈروم کی طرف بڑھ گئے اور مزنہ بیگم احمدی بوا کی بانہوں میں بری طرح بکھر گئیں ننھا شاہ میر بھی بے بسی سے رونے لگا تھا۔

وہ رات مزنہ بیگم نے کانٹوں پر گزاری تھی جمیل احمد ان کا شوہر جو آج کسی اور کی زندگی کا حصہ بن چکا تھا امینہ بیگم کا تعلق غریب فیملی سے تھا وہ چال باز تھی جس نے با آسانی سیدھے سادھے جمیل احمد کو شیشے میں اتار لیا تھا۔ مزنہ بیچاری مجبور تھیں جاتی تو کہاں جاتیں کوئی راستہ نہ تھا اس لیے یہ زہر بھی حلق سے اتارنا پڑا۔ بظاہر جمیل احمد مزنہ بیگم سے کوئی زیادتی نہ کرتے مگر اس سے بڑا دکھ اذیت اور تکلیف کیا تھی کہ ان کا شوہر مکمل طور پر دوسری عورت کی دسترس میں تھا۔ مزنہ بیگم کی حالت اپنے ہی گھر میں بے حیثیت ہوگئی تھی ایسے میں احمدی بوا بیچاری ان کے لیے روتی تھیں کتنے نازوں نخروں سے ماں باپ نے پالا پوسا تھا گھر میں کسی چیز کی کمی نہ تھی لیکن مزنہ کے نصیب کیسے تھے پہلی شادی ہوئی ننھے بیٹے کے ساتھ بیوگی کی چادر اوڑھ کر وہ دنیا سے لاتعلق ہوگئی تھیں اور پھر جمیل احمد ان کی زندگی میں آئے سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا کہ اچانک امینہ بیگم کی آمد سے ان کی زندگی کے ٹھہرے ہوئے پرسکون سمندر میں ناقابل برداشت ارتعاش پیدا ہوگیا تھا مزنہ بیگم کی حالت عجیب سی ہوگئی تھی۔

یہ کیسا حال ہے اپنا
نہ آنکھیں نیند سوتی ہیں
نہ دل کو چین ملتا ہے
نہ کوئی ملنے آتا ہے

نہ کوئی مسکراتا ہے
نہ کوئی زخم دیتا ہے
نہ بادل راس آتے ہیں
عجب ہے حال بھی اپنا
عجب اپنی طبیعت ہے
کوئی بھی پرسکوں لمحہ
نہ اپنے پاس ٹھہرا ہے
نہ کوئی وصل کی خواہش
نہ کوئی یاد کا آنسو
نہ کوئی دید کی بارش
عجب ہے سال بھی اپنا
عجب ہے حال بھی اپنا

(راشد ترین)

ایک بے چینی بے قراری اور اضطرابی کیفیت عزنہ پر ہر وقت سوار رہنے لگی شاہ میر اتنا چھوٹا بھی نہ تھا اب وہ اسکول بھی جاتا تھا پانچ سال کا بچہ اس عمر میں ہونے والی باتیں اس کے دماغ میں جیسے جم کر رہ جاتی ہیں۔ وہ سارے حالات واقعات سب کچھ دیکھتا رہتا اسے پاپا کے ساتھ رہنے والی اس عورت سے شدید نفرت ہوگئی تھی جس نے آ کر گھر کے ماحول کو یکسر بدل ڈالا جس کے آنے سے مما ہر وقت اداس رہنے لگی تھیں۔ راتوں کو چپکے چپکے تکیے میں منہ چھپا کر مما کو سسکتے دیکھا تھا شاہ میر ہر وقت ماں کے قریب رہتا۔ اس کا بس نہیں چلتا کہ اپنی مما کو کسی طرح سے پہلے جیسا ہنستا مسکراتا مطمئن بنا دے...... کسی طرح سے مما کے سوکھے ہونٹوں پر ہنسی کے گلاب کھلادے...... کیسے......؟ مما کے لیے کیا کچھ کر دے عزنہ بیگم نے اس بات کو دل سے لگالیا تھا دن بدن ان کی حالت عجیب سی ہوتی جارہی تھی۔ اندر ہی اندر اپنی بے وقعتی اور بے عزتی کا خیال انہیں گھن کی طرح کھانے لگا۔ شاہ میر کو پاپا کے ساتھ ساتھ امینہ بیگم سے بھی نفرت ہوگئی تھی۔ ڈھیر سارے دن گزرتے چلے گئے اس عرصے میں امینہ بیگم کے یہاں آفاز اور پھر عمیمہ بھی آ گئے۔ پہلے تو جمیل احمد کبھی کبھی ایک آدھ بار شاہ میر کو پوچھ بھی لیتے لیکن جب سے ان کی زندگی میں آفاز اور عمیمہ آئے جمیل احمد مکمل طور پر ان لوگوں سے دور ہوگیا اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود بھی عزنہ بیگم خود کو خالی ہاتھ ہی سمجھتیں۔ یوں گھلتے گھلتے اور اندر ہی اندر جلتے کڑھتے عزنہ بیگم کو کینسر جیسا موذی مرض ہوگیا اور ایک سرد ترین خوف ناک رات میں عزنہ بیگم زندگی کا تلخ زہر پیتے پیتے موت کے سامنے ہار گئیں۔ شاہ میر پاگل ہوگیا تھا یوں عزنہ بیگم کا بچھڑ جانا کسی صورت برداشت نہیں ہو رہا تھا اسے یہ دکھ تھا کہ وہ ابھی اتنا چھوٹا تھا کہ اپنی ماں کے لیے کچھ کر بھی نہ سکا تھا اور ماں یونہی چپ چاپ اسے چھوڑ گئی تھی۔ احمدی بوا سکتے کی کیفیت میں تھیں وہ تو عزنہ کو بیٹی کے جیسا سمجھتی تھیں بچپن سے لے کر آج تک عزنہ کے ہر دکھ سکھ میں اس کے ساتھ رہی تھیں انہیں عزنہ کی بے چارگی پر رحم آتا مگر وہ کیا کر سکتی تھیں بس خدا سے دعا ہی کر سکتی تھیں۔ شاہ میر کا دل چاہتا تھا کہ سارے گھر کو آگ لگا دے ہر چیز تہس نہس کر دے امینہ بیگم کے ساتھ ساتھ سب کو قتل کر ڈالے اور یہ گھر چھوڑ کر بھاگ جائے مگر عزنہ بیگم نے ایک بات خاص طور پر کہی تھی کہ یہ گھر تمہارا ہے اس لیے تم کسی صورت یہ گھر مت چھوڑنا عزنہ بیگم کے مرنے کے بعد احمدی بوا کا دل بھی اچاٹ ہوگیا تھا اور پھر ان کی حیثیت اب واقعی نوکرانیوں جیسی ہوگئی تھی یہ بات شاہ میر کو کسی صورت برداشت نہ تھی اس لیے احمدی بوا ایک دن خاموشی سے محمود صاحب کے پرانے چھوٹے والے گھر میں منتقل ہوگئیں گو کہ ایسا کرنا ان کے لیے شدید دکھ کا باعث تھا شاہ میر کو چھوڑ کر جانا بہت مشکل تھا مگر اب حالات ایسے نہ تھے کہ وہ مزید یہاں رہ سکیں شاہ میر ان دنوں پڑھ رہا تھا امینہ بیگم نے شاہ میر کو ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا اپنے بچوں پر جان چھڑکتی تھیں اور شاہ میر پر زیادتی اور سختی کرتی تھیں شاہ میر نے بچپن سے آج تک امینہ بیگم کو سخت بدمزاج اور ظالم عورت کی صورت میں ہی دیکھا۔ شاہ میر محبتوں کو ترستا نفرتوں کے

حصار میں رہتا بہن بھائی اسے ہمیشہ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے جیسے کہ شاہ میر کوئی نوکر ہو اس کا مذاق اڑاتے۔ اس کو دکھا دکھا کر قیمتی کھلونوں سے کھیلتے کبھی کبھی جب شاہ میر کی برداشت ختم ہو جاتی تو وہ اٹھ کر آفاز کو بری طرح پیٹ ڈالتا۔ عیمہ کے بال کھینچ لیتا وہ لوگ زور زور سے چلاتے اور بدلے میں شاہ میر کو کبھی امینہ بیگم تو کبھی جمیل احمد کے ہاتھوں سے بیلٹ سے مارا جاتا۔ اس کا کھانا بند کر دیا جاتا۔ اسے پاگل، جنونی اور ابنارمل جیسے ناموں سے پکارا جاتا۔ اپنے ہی گھر میں شاہ میر غیروں کی طرح رہتا صرف اپنے کام سے کام رکھتا پڑھائی مکمل کر کے اس نے اچھی جگہ جاب کر لی تھی۔ کبھی کبھی اس کا دل بھی شدت سے چاہتا کہ اس کی بھی فیملی ہو جہاں سکون ہو، پیار ہو، محبتیں ہوں مگر...... وہ تو ہر طرف جنونی اور پاگل کے نام سے مشہور تھا جب اس کا دل زیادہ گھبراتا تو وہ احمدی بوا کے ہاں چلا جاتا وہاں پر اس نے ان کی دیکھ بھال کے لیے ایک ملازمہ بھی رکھ دی تھی احمدی بوا جو بچپن سے آج تک اس کو دیکھتی آئی تھیں اسے بالکل اپنا نواسہ سمجھتی تھیں وہ بھی احمدی بوا کی گود میں سر رکھ کر لیٹتا تو اسے ان کے پاس سے مما کی خوش بو آتی۔

پھر جب جمیل احمد کے پڑوس میں سہیل صاحب کی فیملی آباد ہوئی اور شاہ میر نے سبیکا کو دیکھا تو نہ جانے کیوں اسے وہ اچھی لڑکی لگی لیکن وہ فطرتاً اکھڑ مزاج تھا اور پھر جب اس نے دیکھا کہ وہ تو آفاز کے ساتھ محبت کرنے لگی ہے تو شاہ میر جو کہ آفاز کی فطرت اچھی طرح جانتا تھا اس نے کوشش کی کہ کسی طرح اس لڑکی کو آفاز سے دور کر سکے سہیل صاحب کی فیملی شریف اور اچھی تھی۔ وہ امینہ بیگم اور ان کے بچوں کو شریف سمجھ کر ان سے رشتہ تک جوڑنے لگے تھے اور شاہ میر نہیں چاہتا کہ ایک بار پھر کوئی شریف اور سیدھی سادی لڑکی کسی کے غلط ارادوں اور حرص کا نشانہ بنے۔ بس یہی سوچ کر اس نے بار بار سبیکا کو رشتے سے انکار کرنے کے لیے کہا اور سبیکا نے ہر بار بدتمیزی سے اسے کھری کھری سنا دی کیونکہ اسے یہی بتایا گیا تھا کہ یہ شخص بدتمیز ہے، پاگل ہے اور پھر ایک بار شاہ میر نے خود بھی بدتمیزی کی تھی اس کے ساتھ تب سے سبیکا کے دل میں اس کے لیے غصہ اور نفرت بھر گئی تھی۔

"بیٹی! میرا بچہ بہت دکھی ہے بچپن سے اس نے دکھ تکلیف اور پریشانیاں دیکھی ہیں وہ معصوم سا بچہ اپنے دل میں نہ جانے کیسے طوفان چھپائے کیسی کیسی اذیتیں سہ کر وہ آج جس مقام پر ہے وہ اس کی ہمت اور حوصلہ ہے ورنہ ایسے حالات میں بچے بگڑ کر مجرم بن جاتے ہیں مگر...... اس کی رگوں میں شریف خون ہے تب ہی وہ سب کچھ برداشت کرتے ہوئے اس حال تک پہنچا۔ بس اللہ پاک آگے میرے بچے کو سکون نصیب کرے اس کے لیے بھلائی پیدا ہو کوئی...... اس کو بھی ایسی اچھی لڑکی مل جائے جو اس کے دکھ سمیٹ کر اس کے صاف پاک اور معصوم دل کو سمجھ سکے۔" بات ختم کر کے احمدی بوا چپ ہوئیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ سبیکا جو خاموشی سے غور سے سن رہی تھی اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"ہاں جی پلیز آپ روئیں نہیں!" اس نے جگ سے پانی نکال کر گلاس احمدی بوا کے ہاتھ میں تھمایا۔ "آج کے دور میں بھی ایسا ہو سکتا ہے۔" سبیکا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح احمدی بوا کو تسلی دے کیسے۔ "آپ ٹھیک تو ہیں ناں ماں جی؟" اس نے پانی کا خالی گلاس ان کے ہاتھوں سے لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں بیٹی! بس اتنے سالوں بعد جیسے سب کچھ یک دم سے تازہ ہو گیا ہو۔"

"میں بھی چلوں کافی ٹائم ہو گیا ہے۔" سبیکا نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"سارے واقعے میں احمدی بوا نے کسی کا نام ظاہر نہیں کیا تھا اس لیے سبیکا کی سمجھ میں نہیں آیا بس وہ کف افسوس ملتی۔ "ہاں بیٹی جاؤ! پھر آنا۔" احمدی بوا نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"جی ضرور! آپ اپنا خیال رکھیے گا۔" ان کے ہاتھ تھام کر مسکراتے ہوئے کہا تو احمدی بوا مسکرا کر سر ہلا کر رہ

گئیں۔ سبیکا پلٹ کر جیسے ہی کمرے سے نکلی اس کی نگاہ سامنے دیوار پر لگی تصویر پر پڑی تو وہ چونک گئی۔

"یہ....... یہ.......!" آنکھیں پھاڑ کر تصویر کو دیکھا اور پلٹ کر سوالیہ انداز میں احمدی بوا کو دیکھا۔

"یہی تو میرا بچہ ہے۔ میرا شاہ میر۔" احمدی بوا کے لہجے میں بے حد مٹھاس تھی۔

"اوہ تو یہ....... یہ شاہ میر ہے۔ یا اللہ" اپنی اندرونی کیفیت کو چھپاتے ہوئے وہ بنا کچھ کہے پلٹ کر گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ سبیکا کے دماغ میں عجیب اتھل پتھل ہو رہی تھی۔ "یعنی....... یہ شاہ میر....... وہ بچہ ہے جس کی ماں کے ساتھ یہ سب کچھ ہوا اینا آنٹی، جمیل انکل، آفاز اور عیمہ....... نہیں......." اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ یہ کیسا انکشاف ہوا تھا؟ یہ کیسی حقیقت کا ادراک ہوا تھا اینا آنٹی ایسی ہیں؟ یا اللہ یہ سب کیا ہے؟ اس کا دماغ جیسے ہل گیا تھا۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح سے شاہ میر سے بات کرے یا....... آفاز سے بات کلیئر کرے وہ عجیب سی گھمبیر صورت حال کا شکار تھی۔ ایک طرف احمدی بوا کی باتوں میں سچائی نظر آ رہی تھی تو دوسری جانب وہ اینا آنٹی اور آفاز کو ایسے غلط کردار کا بھی نہیں سمجھتی تھی۔ سبیکا کا دماغ چکرانے لگا تھا۔ عجیب الٹے سیدھے خیالات لیے وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے گھر کی جانب چل دی۔ سوچ رہی تھی کہ جا کر سب سے پہلے مما کو تفصیل بتائے گی روڈ قدرے سنسان تھی یہاں سے کچھ دور جا کر مین روڈ تھی دفعتاً اس نے دیکھا گاڑی کے آگے کوئی شخص آ گیا اور ہاتھ کے اشارے سے گاڑی روک رہا تھا۔ بدحواس ہو کر بریک لگائے۔ ایک لمحے کی دیر کیے بغیر گاڑی کے دونوں جانب دو آدمی منہ پر کپڑا باندھے ہاتھ میں پستول لیے دروازے کھولنے کا اشارہ کر رہے تھے۔

"یا الٰہی یہ سب کیا ہے؟" وہ دہل گئی لیکن پستول کے سامنے بے بس تھی دور دور تک اتفاق سے کوئی گاڑی بھی نہیں تھی۔ اکا دکا راہ گیر تھے جو جان بوجھ کر انجان بنے نظریں چرا کر نکل گئے تھے آج کل کا زمانہ ہی ایسا ہے بھلا اپنی جان کون جان بوجھ کر خطرے میں ڈال سکتا ہے۔ پیچھے دو اور آگے ایک نقاب پوش آدمی بیٹھ چکے تھے۔

"چلو موڑو گاڑی۔" آرڈر دیا۔

"تم لوگ کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟ پلیز....... مجھے جانے دو....... گاڑی لے لو یہ سب لے لو" اس نے پرس اور موبائل اس کے سامنے کر کے ہاتھ جوڑ کر منت کی۔ پھر آنکھوں میں آنسو تھے وہ اغوا ہو چکی ہے یہ خیال ہی کتنا خوف ناک اور دل ہلا دینے والا تھا۔ دفعتاً پیچھے والے نوجوان نے اس کے منہ پر کچھ رکھ دیا عجیب سی بدبو کا احساس ہوا۔

آنکھ کھلی تو خود کو عجیب سے کچی دیواروں والے کمرے میں پایا۔ آنکھیں جھپک جھپک کر ذرا سا ہوش آیا تو وہ بجلی کی سی تیزی سے اٹھی تب سارا واقعہ اس کے ذہن میں آ گیا۔

"اف میں اغوا کر لی گئی ہوں....... نہ جانے کہاں ہوں اور یہ لوگ؟" وہ تیزی سے اٹھی بوسیدہ سے دروازے کے پاس آ کر زور زور سے دھکا دینے لگی دروازہ بند تھا۔ "کھولو....... مجھے نکالو یہاں سے؟" وہ وہیں بیٹھ کر رونے لگی۔ "یا اللہ نہ جانے کتنا ٹائم ہو گیا ہے مجھے یہاں پر مما اور پاپا کا کیا حال ہوگا؟" خیال آیا تو اور شدت سے رونے لگی۔

"پلیز! دروازہ کھولو کون ہو تم لوگ؟ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟" وہ بلکنے لگی تھی باہر مکمل خاموشی تھی اندر بھی مدھم سی لائٹ جل رہی تھی اس نے جھری سے جھانکا اندھیرا پھیل چکا تھا مدھم سی روشنی میں اسے چھوٹا سا برآمدہ دکھائی دیا تب ہی کچھ لوگوں کے قدموں کی آواز آئی ساتھ ہی باتوں کی بھی آواز آئی۔ آواز سن کر سبیکا بری طرح چونکی اس لمحے وہ بالکل چپ ہو کر آوازوں پر غور کرنے لگی ساتھ ہی جھری سے جھانکتے ہوئے اندر سے کنڈی لگا لی۔

"تم لوگوں نے اس لڑکی کے ساتھ کچھ کیا تو نہیں؟"

آواز کے ساتھ سامنے کھڑے آفاز کا سراپا واضح ہو گیا۔

"نہیں یار ابھی تو نہیں کیا؟" ایک لڑکے نے قہقہہ لگا کر عامیانہ سے لہجے میں جواب دیا۔

"اف اللہ!" سبیکا کو لگا جیسے بوسیدہ سی چھت اس کے سر پر آ گری ہو یہ آفاز یہاں کیا کر رہا ہے؟ اور ان لڑکوں سے اس کا کیا تعلق؟

"اوئے چپ کر!" نہایت جاہلانہ انداز میں آفاز نے لڑکے کو جھڑکا۔ "خبردار جو بھولے سے بھی میرا نام لیا اس کے سامنے بس میں دیکھنے آیا تھا۔ تم لوگ رقم کا مطالبہ کرو اور مجھے صورت حال سے آگاہ کرتے رہنا میں ذرا جا کر دیکھتا ہوں کہ حسینہ کے ماں باپ کی کیا حالت ہے ذرا ان کے ساتھ بھی ہمدردی جتا لوں۔" اس بار آفاز کے لہجے میں عامیانہ پن کے ساتھ خباثت ٹپک رہی تھی آفاز کا یہ لہجہ اور یہ روپ سبیکا کے لیے قطعی غیر یقینی تھا آفاز...... کی اصلیت اس کے سامنے تھی۔

"ہاں یار ویسے آفر بھی نہیں کی اس کمینی نے جبکہ اسے معلوم ہے کہ میں پچھلے کچھ دنوں سے پیسوں کے لیے کتنا پریشان ہوں اتنا سارا مال دبا کر رکھا ہے اس کے باپ نے ایسے نکلواتا ہوں بڈھے سے اب جب کال جائے گی تب دیکھنا کیسے نکالتا ہے تجوری سے پیسے؟" آفاز کا ایک ایک لفظ پگھلے ہوئے سیسے کی مانند اس کی سماعتوں میں آگ لگا رہا تھا۔

آفاز...... اتنی گھٹیا اور نیچ حرکت کر سکتا ہے؟ یہ سوچ کر اس کے دماغ کی نسیں پھٹنے لگی تھیں عین اسی لمحے اسے لگا جیسے کوئی دروازے پر آ کر گرا ہو اور دروازہ کھل گیا۔ سامنے غیظ وغضب کی تصویر بنا شاہ میر کھڑا تھا۔ اسی نے آ کر آفاز کو پکڑ کر دھکا دیا تھا۔ دروازہ کھلا تو آفاز...... کی آنکھیں پھیل گئیں سامنے آنکھوں میں نفرت لیے سبیکا کھڑی تھی۔

"سبیکا...... سبیکا دیکھا تم نے اس نیچ انسان کو...... یہ اس حد تک گر گیا ہے کہ اس نے اپنے غنڈوں کی مدد سے تمہیں اغواء کر لیا۔" سبیکا کو دیکھ کر آفاز نے ایک لمحے میں ہی مکاری سے اداکاری کرتے ہوئے سبیکا کے پاس آ کر معصومیت سے کہا۔

"بکواس بند کر مکروہ...... بے غیرت انسان۔" شاہ میر غصے سے بل کھاتا ہوا دوبارہ اس پر جھپٹا۔ "مجھے علم تھا تیری اس نیچ پلاننگ کا' تیری ایک ایک حرکت سے واقف ہوں میں آوارہ انسان' میں نے تیری اور تیری ماں کی باتیں سن لی تھیں تم لوگ کتنے حریص' کتنے لالچی ہو کہ ہر کسی کی دولت کھا کھا کر تمہارے پیٹ کا دوزخ نہیں بھرتا۔ اس حد تک گر جائے گا یہ تو میں نے سوچا بھی نہ تھا اپنی ہونے والی بیوی کو آلہ کار بنا کر رقم لوٹنا چاہتا ہے میں بہت دنوں سے تیرے پیچھے تھا اور آج...... تیرے اس گھناؤنے منصوبے کا بھی مجھے پتہ چل چکا تھا تب ہی میں نے پولیس کو بھی بلوالیا ہے۔" آفاز کو مکوں اور تھپڑوں کا نشانہ بناتے بناتے شاہ میر غصے سے بے قابو ہو رہا تھا سبیکا آنکھیں پھاڑے سن رہی تھی۔

"کیا...... کیا بکواس کر رہا ہے؟" پولیس کا نام سن کر آفاز پاگل ہو گیا جیب سے پستول نکالی اور شاہ میر پر فائر کر دیا۔ تب ہی باہر پولیس کا سائرن سنائی دیا۔ سبیکا نے گولی چلتی دیکھی تو چیخ مار کر بے ہوش ہوتے ہوئے اس نے دیکھا تھا کہ گولی شاہ میر کی جانب آئی تھی اور شاہ میر زمین پر گرا تھا۔

سبیکا نے آنکھ کھولی تو خود کو ہاسپٹل کے بیڈ پر پایا مما پاپا' احمدی بوا اور...... اور جمیل احمد امینہ اور عمیہ بھی تھے ان لوگوں کو دیکھ کر سبیکا کی آنکھوں میں نفرت اٹھ آئی۔

"ہائے میری بچی۔" صالحہ بیگم دوڑ کر اس سے لپٹ گئیں۔ سہیل احمد اور احمدی بوا کی آنکھوں میں بھی خوشی کے آنسو تھے۔

"بیٹی ٹھیک ہو ناں...... کیا ہوا تھا؟" جمیل احمد نے پاس آ کر اس کا ماتھا چوم کر پوچھا۔

"جی پاپا...... وہ شاہ میر......" اس کے لب پھڑپھڑائے۔

"ٹھیک ہے وہ بچ گیا ہے......" امینہ بیگم کے لہجے

میں اب بھی حقارت تھی۔

"سبیکا...... سبیکا بیٹی! دیکھو پولیس والے آئیں گے تم سے بیان لینا ہے تم کہہ دینا صاف کہ تمہیں شاہ میر نے اغوا کیا تھا اور آفاز بچانے کے لیے گیا تھا اور تمہیں بچاتے ہوئے اسے گولی چلانی پڑی۔" امینہ بیگم نے اس کے پاس آ کر پیار سے اس کے گال چھوتے ہوئے کہا۔

سبیکا نے گھور کر امینہ بیگم کو دیکھا کتنی چالاک' عیار اور مکار خاتون تھیں وہ آج بھی...... اپنے گناہ گار اور مجرم بیٹے کے جرم پر پردہ ڈال کر معصوم' شریف بندے کو مجرم قرار دے رہی تھیں۔ آج بھی ان کے دل میں نفرت اور کینہ بھرا ہوا تھا۔ اسی لمحے پولیس آفیسر اندر آ گیا۔

"آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟ ان بتائیں بی بی کیا ہوا تھا آپ کے ساتھ؟" پیشہ ورانہ اسٹائل سے مخاطب کیا۔

"جی میں بالکل ٹھیک ہوں۔" سبیکا نے آہستگی سے بات شروع کی۔

"یہ لوگ کہتے ہیں کہ شاہ میر......" سبیکا نے سختی سے اس کی بات کاٹی۔

"مجھے شاہ میر نے نہیں بلکہ آفاز اور اس کے غنڈے دوستوں نے مل کر اغوا کیا تھا اور وہ میرے پاپا سے بھاری رقم کا مطالبہ کرنے والے تھے یہ باتیں میں نے خود سنی تھیں۔ جو آفاز اور اس کے دوست آپس میں کر رہے تھے۔ شاہ میر...... شاہ میر تو فرشتہ صفت انسان ہیں وہ تو مجھے بچانے وہاں آئے تھے کیونکہ انہوں نے دو دن پہلے ان ماں بیٹے کی بات سن لی تھی اسی پلان میں آفاز کے ساتھ ساتھ اس کی ماں یہ خاتون امینہ بھی شامل ہیں اس کے سارے ثبوت شاہ میر کے پاس موجود ہیں۔" سبیکا نے تفصیل بتاتے ہوئے امینہ بیگم کی جانب اشارہ کر کے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"سبیکا بیٹی...... یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟" امینہ بیگم تڑپ کر آگے بڑھیں۔

"خبردار جو آپ نے اپنی ناپاک زبان سے مجھے بیٹی کہا۔" سبیکا نے ہاتھ اٹھا کر امینہ بیگم کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

"اور...... اور میری نظروں کے سامنے اس ذلیل انسان آفاز نے شاہ میر پر گولی چلائی تھی......" وہ یہ جملہ کہہ کر صالحہ بیگم کی گود میں منہ چھپا کر سسک پڑی...... انسپکٹر اپنا بیان لے کر پلٹے۔ سہیل احمد اور صالحہ بیگم غصے سے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔

"یہ لوگ اتنے نیچ اور گرے ہوئے ہوں گے ایسا تو خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔"

"چلیں بی بی آپ۔" انسپکٹر نے امینہ بیگم کو اشارہ کیا امینہ بیگم نے خونخوار نظروں سے سبیکا کی جانب دیکھا۔

"امینہ بیگم اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے تم نے ساری زندگی جس طرح ایک معصوم بچے کے ساتھ زیادتیاں کی ہیں اس کی ماں کے ساتھ جو سلوک کیا اللہ پاک نے آج اس کا بدلہ دے دیا ہے۔ کتنا لالچ کتنی حوس ہے تم لوگوں کو...... یہ بھول گئے کہ اللہ پاک کبھی نہ کبھی تو بدلہ دے گا۔" احمدی بوا سر اٹھائے طنزیہ لہجے میں امینہ بیگم سے مخاطب تھیں۔ جواب سر جھکائے باہر کی جانب جا رہی تھیں۔

"مما...... میں شاہ میر سے مل سکتی ہوں۔" سبیکا نے کہا۔

"ہاں ہاں بیٹی ادھر والے روم میں ہے۔" صالحہ بیگم نے اسے سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ سبیکا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی باہر نکلی۔

گولی شاہ میر کا بازو چھوتی ہوئی گزری تھی شکر ہے کہ بدحواسی میں آفاز کا نشانہ چوک گیا تھا۔ شاہ میر آنکھوں پر ہاتھ رکھے لیٹا تھا یا شاید سو رہا تھا۔ سبیکا نے پاس آ کر آہستہ سے پکارا۔ آنکھوں سے ہاتھ ہٹایا سرخ سرخ آنکھیں' ہلکی بڑھی ہوئی شیو' بکھرے بال اور تھکا تھکا سا شاہ میر۔ سبیکا کا دل ڈولنے لگا۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"شکر ہے خدا کا۔"

"آپ...... مر کیوں نہیں گئے؟ یہ سوال پوچھنا

چاہیے نہیں تو۔" شاہ میر کا لہجہ کرخت تھا۔
"آئی ایم سوری شاہ میر...... میں آپ کو غلط سمجھی۔ آپ...... آپ تو فرشتہ ہیں۔"
"ہاہاہا فرشتہ...... میں...... اور فرشتہ...... ارے محترمہ میں تو پاگل' جنونی اور ابنارمل ہوں۔" اس نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔
"پلیز شاہ میر! مجھے حقائق کا علم نہیں تھا مجھے کیا معلوم تھا سچ کیا ہے؟ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں ظاہری باتوں میں الجھی رہی...... یہ میری بے وقوفی سمجھ لیں کہ صحیح اور غلط کی پہچان نہ کرپائی۔ کیا آپ ایک بیوقوف کی اس غلطی کو معاف کرسکتے ہیں؟" وہ کان پکڑے سامنے کھڑی تھی' بڑی بڑی آنکھوں میں شرمندگی اور ندامت کے آنسو نمایاں تھے۔
شاہ میر کا دل بھٹکنے لگا تھا۔ وہ تو روز اول سے اس لڑکی کو پسند کر بیٹھا تھا۔ شاہ میر نے جلدی سے نگاہیں اٹھائیں۔
"تم تو ضرور مٹھائی بانٹتی ناں۔" وہ بدستور طنز کررہا تھا۔ "جان چھوٹ جاتی تمہاری اس پاگل انسان سے جو ہروقت تمہیں تنگ کرتا تھا کبھی کال کرکے اور کبھی سامنے آکر...... ہے ناں؟"
"اللہ نہ کرے۔" وہ بے ساختہ بولی۔
"اچھ...... اچھا؟" شاہ میر نے اچھا کو قدرے کھینچتے ہوئے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔
"آپ نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر میری جان کیوں بچائی۔" سبیکا اس کے سامنے کھڑی پوچھ رہی تھی۔
"اس لیے کہ یہ لڑکی مجھے عزیز ہے۔" بے دھیانی میں جملہ اس کے لبوں سے پھسلا۔
"پھر آپ اس لڑکی کی ایک بات مانیں گے؟"
"نہیں۔" پھر وہی اکھڑ لہجہ۔
"ارے واہ کچھ زیادہ ہی بھرم دکھا رہے ہیں آپ تو...... کیسے نہیں مانیں گے؟ ماننا پڑے گی آپ کو میری بات۔" ساری شرم بالائے طاق رکھ کر اس بار سبیکا بھی دوٹوک لہجے میں بولی۔
"ارے واہ! زبردستی ہے کیا؟" شاہ میر بدستور سنجیدہ تھا۔
"ہاں زبردستی ہے شاہ میر...... کیونکہ...... پہلی نظر میں' پہلی بار جب آپ کو دیکھا تھا تب میرے دل میں پہلی بار میٹھی کسک ہوئی تھی۔ میں نے آپ سے بات کرنا چاہی مگر...... آپ...... اور پھر حالات نے پلٹا کھایا اور...... وہ سب کچھ ہوگیا...... اب...... اب کیا آپ اس بے وقوف لڑکی کو پاگل لڑکے کی زندگی میں آنے دیں گے؟" معصوم سے اقرار اور خوب صورت سے سوال پر شاہ میر نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔
"ہائے! ایسا نہ ہو کہ اب...... اب تمہارے منہ سے یہ سن کر میرا دم نکل جائے۔" شاہ میر کا لہجہ یک دم ہی شگفتہ ہوگیا تھا۔
"اللہ نہ کرے شاہ میر۔" اس بار سبیکا نے اپنا نازک ہاتھ اس کے منہ پر رکھ کر ڈبڈبائی کٹورہ سی آنکھوں سے گھورا۔
"اوہ سوری! اب آئندہ ایسا نہیں بولوں گا کیونکہ آج کے بعد شاہ میر اکیلا نہیں ہوگا اس کے ساتھ پگلی بھی ہوگی۔" شوخ لہجے میں کہتے ہوئے شاہ میر نے اس کا ہاتھ تھام کر ہونٹوں سے لگالیا۔
دروازے سے اندر آتی ہوئی احمری بوا نے یہ منظر دیکھا تو خوشی کے مارے دو آنسو ان کی آنکھوں سے چھلک پڑے جب کہ سہیل صاحب اور صالحہ بیگم بھی خوش تھے کہ صحیح غلط کا ادراک ہوگیا تھا۔

گزشتہ قسط کا خلاصہ

باسل پیلس میں حورین اور خاور کے بیٹے کا جنم دن خوب دھوم دھام سے منایا جاتا ہے اس پارٹی میں سمیر اور ساحرہ بھی مدعو تھے۔ ساحرہ حورین کے حسن و خوب صورتی کی بدولت اس سے خائف رہتی ہے۔ ساحرہ اور سمیر کے دونوں بیٹے فراز و کامیش بھی اپنی پریکٹیکل لائف میں قدم رکھ چکے ہوتے ہیں کامیش کا ارادہ پولیس ڈیپارٹمنٹ جوائن کرنے کا ہوتا ہے جس پر سمیر بے انتہا مسرور ہوتا ہے۔ ساحرہ اور سمیر کے رویوں میں آج بھی وہی سرد مہری ہوتی ہے۔ ساحرہ ایک این جی او کی روح رواں ہوتی ہے اور اس کی اپنی دیگر مصروفیات ہیں ساحرہ کی بھانجی سونیا فراز کو پسند کرتی ہے جبکہ فراز اس کے لیے کچھ خاص جذبات نہیں رکھتا لیکن سونیا اس بات سے بے خبر فراز کی محبت میں کافی آگے نکل چکی ہوتی ہے۔ باسل اپر کلاس کا بگڑا ہوا نوجوان ہوتا ہے یونیورسٹی میں بھی بہت سی لڑکیوں سے اس کی دوستی ہوتی ہے لیکن نیلم فرمان کے محتاط انداز اور لاتعلق رویے کی بدولت وہ اسے اپنی ضد بنالیتا ہے جبکہ نیلم اسے ذرا بھی توجہ دینے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ لالہ رخ اپنی دوست مہرینہ کے ساتھ مری میں مقیم ہوتی ہے اور وہیں دونوں ایک ریسٹ ہاؤس میں جاب کرتی ہیں۔ لالہ رخ کی چھوٹی بہن زرتاشہ تعلیم کے حصول کے لیے کراچی آنا چاہتی ہے لیکن ماں کی طرف سے اجازت نہ ملنے پر وہ لالہ رخ کو سفارش کے لیے کہتی ہے مہرینہ ایک زندہ دل اور شوخ لڑکی ہوتی ہے اور وہ لالہ رخ کو بھی اپنے ساتھ زندگی کی خوشیوں میں شریک کرلیتی ہے۔ جیسکا اپنی دوست ماریہ کے بھائی ابرام کو پسند کرتی ہے لیکن ابرام کے پاس ان فضولیات کے لیے کوئی وقت نہیں ہوتا جب ہی اپنی بہن ماریہ کے کہنے پر وہ جیسکا سے دوستی کا رشتہ قائم کرلیتا ہے اور جیسکا ماریہ کی بے حد ممنون ہوتی ہے۔ دوسری طرف ماریہ کا رشتہ ولیم نامی لڑکے سے طے کردیا جاتا ہے جبکہ ماریہ اس رشتے سے خوش نہیں ہوتی جب ہی وہ ابرام کے ذریعے اپنی ماں کو اس رشتے سے انکار کردینے کا کہتی ہے۔ ابرام سائمن کرسچن والدین کا بیٹا ہے لیکن ماریہ کے منہ سے نکلنے والی بات سن کر وہ دنگ رہ جاتا ہے۔

اب آگے پڑھیے

●......□......●

میں نے پوچھا کیسے نکلتی ہے ایک پل میں جان
اس نے چلتے چلتے میرا ہاتھ چھوڑ دیا

انجانے مہکتے سہمے ہوئے جذبوں سے لبریز آواز نامانوس اور کچھ اجنبی سا انداز فضا میں خوش بو بکھیرتا طلسم خیز لہجہ جب اس کی سماعت سے ٹکرایا تو فراز شاہ نے کچھ حیران ہوکر سامنے دیکھا جہاں وہ شوق کا ایک جہان اپنی آنکھوں میں بسائے اسے دیکھے جارہی تھی۔ چند ثانیے خاموشی سے یونہی دبے پاؤں گزر گئے سونیا خان کو اس پل پوری کائنات میں صرف اور صرف فراز شاہ دکھائی دے رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہورہا تھا کہ اس پوری دنیا میں فراز اور سونیا خان کے علاوہ کوئی تیسرا شخص نہیں ہے وہ اپنی آنکھوں کے ذریعے فراز شاہ کو اپنے دل و روح میں جذب کرنے میں مگن تھی مگر کیا...... فراز شاہ نے اسے اجازت دی تھی؟ اسے خود کو دل میں بسانے کا اختیار دیا تھا...... یا وہ خود ہی بنا کسی اجازت اور مرضی کے اسے اپنی چاہت کا

دیوتا بنائے ہوئی تھی۔ یک دم کسی اسٹوڈنٹ کے قہقہہ لگانے کی آواز گونجی تو فراز شاہ فوراً حال کی دنیا میں لوٹا۔
"آریواوکے سونیا؟ آج تو تم نے مجھے واقعی حیران بلکہ کافی پریشان کردیا۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" انسٹی ٹیوٹ کے لان میں دھوپ سینکنے کے ساتھ ساتھ وہ کتابوں میں پوری طرح الجھا ہوا تھا سونیا اس کی بات سن کر ایک ادا سے مسکرائی۔
"مجھ سے بھاگنے کی کوشش کررہے تھے نا تم!" وہ دھپ سے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے شوخ انداز میں گویا ہوئی تو فراز سانس بھر کر رہ گیا۔
"اب تم اتنی ڈراؤنی بھی نہیں ہو کہ میں تم سے بھاگوں۔"

ہم تو آغاز محبت میں ہی لٹ گئے ہیں فراز
لوگ کہتے ہیں کہ انجام برا ہوتا ہے

"یا اللہ خیر اب تو انکل فراز کی خیریت نظر نہیں آرہی۔ ان کی کوئی کتاب تمہارے ہتھے چڑھ گئی ہے یقیناً' یعنی ایک کے بعد ایک شعر سامنے آرہا ہے اور وہ بھی پہلی مرتبہ' تم بالکل صحیح پڑھ رہی ہو۔" سونیا کو اردو ادب سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا خصوصاً شاعری وغیرہ سے یا تو اسے اللہ واسطے کا بیر تھا یا پھر شاعری کو وہ سخت ناپسند تھی لہٰذا دونوں کی کبھی نہیں بن سکی تھی مگر آج سونیا کے تو انداز ہی نرالے تھے۔
"شٹ اپ فراز میرا مذاق اڑانے کی ضرورت نہیں۔ اب میں اتنی کند ذہن بھی نہیں ہوں کہ کوئی شعر یاد ہی نہ ہو۔" سونیا منہ بسورتے ہوئے بولی تو فراز نے مسکراتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھا پھر کتابوں کی ورق گردانی میں محو ہو گیا' وہ ایک بار پھر پوری طرح مطالعے میں مصروف ہو گیا تھا۔ جب کچھ دیر بعد سونیا کی پرسوچ و سنجیدہ آواز اس کے کانوں میں پڑی۔
"تم نے کبھی محبت کی ہے فراز؟" فراز نے سر اٹھا کر اسے بغور دیکھا سونیا پوری طرح اس کی جانب متوجہ تھی وہ بڑی بے صبری سے یہ بات جاننے کی متمنی تھی کہ محبت کے بارے میں وہ کیا خیالات' کیا احساسات رکھتا ہے مگر فراز کے جواب پر وہ اندر ہی اندر بدمزہ ہو گئی تھی' جو بڑی بے پروائی سے کہہ رہا تھا۔
"محترمہ ہم محبت کے حوالے سے سمسٹرز کے بعد ایک طویل ڈسکشن رکھ لیں گے فی الحال تم خود بھی پڑھائی پر دھیان دو اور پلیز مجھے بھی ڈسٹرب مت کرو۔"
"اونہہ سوبور۔" سونیا منہ ہی منہ میں بڑبڑائی اس کی بڑبڑاہٹ فراز کے کانوں تک بخوبی پہنچی مگر اس نے قصداً نظر انداز کردیا اور ہنوز اپنے کام میں مصروف رہا۔

●.....□.....●

"کون ہے وہ کہاں ہے وہ' کب آئے گا آ کے میرا بن جائے گا..... اس شہزادے کی میں راہ تکوں سامنے نظر کے آتا نہیں کیوں؟ کون ہے وہ.....!" مہرینہ بالٹی میں سے کپڑے اٹھا کر الگنی پر پھیلاتے ہوئے بڑی زور و شور سے گانا گانے میں مصروف تھی جب اماں کی جلی بھنی آواز اس تک پہنچی۔
"جب سامنے آیا تھا تو' تو نے اس قدر واویلا کیوں مچایا تھا ارے میں پوچھتی ہوں کہ آخر کیا کمی تھی اس راشد میں' جسے بھوک ہڑتال کر کے تو نے بھگا دیا۔"
"اف اماں کمی نہیں بلکہ زیادتی تھی اس میں وہ بھی آیوڈین کی' تم بھی حد کرتی ہو اماں اپنی حسین و خوب صورت شہزادی جیسی بیٹی کے لیے تم کو وہ ہی دکھائی دیا۔" مہرینہ ہاتھوں میں لیے گیلا کپڑا دوبارہ بالٹی میں پٹخ کر تنک کر بولی۔
"ہائیں تجھ میں وہ کون سا حسن اور خوب صورتی چھپی ہے۔ جو مجھے تو آج تک دکھائی نہیں دی۔" وہ آنکھوں کے اوپر ہاتھ کا چھجا بنا کر گویا ہوئیں۔ اماں کی بات پر مہرینہ نے انہیں کافی تاسف بھری نگاہوں سے دیکھا پھر ایک تھکن زدہ گہری سانس

فضا کے حوالے کرتے ہوئے اماں کے قریب آ کران کا گھٹنا پکڑ کر گویا ہوئی۔

"اماں سچ سچ بتانا کیا میں تمہاری حقیقی بیٹی نہیں ہوں...... مجھے کسی ہسپتال سے اٹھایا تھا یا کسی پارک وغیرہ سے۔" مہرینہ کی بات پر اماں بری طرح سٹپٹائیں۔ انہوں نے انتہائی متوحش ہوکر اسے دیکھا۔ دل کی دھڑکنیں اس پل اتنی تیز رفتاری سے دوڑنا شروع ہوئیں کہ انہیں اپنا چہرہ سرخ ہوتا محسوس ہوا تنفس کے عمل میں جیسے کوئی خلل سا آ گیا ان کی سانس جیسے سینے میں اٹکی تھی۔

"یہ...... یہ کیا کہہ رہی ہے تو۔" بے تحاشا بے قراری و بے تابی سے انہوں نے ہاتھوں کے پیالے میں اس کا صبیح چہرہ تھاما۔

"ہاں تو اور کیا جس طرح کے رشتے تم میرے لیے ڈھونڈ رہی ہو اس سے تو مجھے یہی لگ رہا ہے کہ میں تمہاری سگی نہیں بلکہ سوتیلی بیٹی ہوں۔" مہرینہ ناراضی سے ان کے ہاتھوں کو پرے کرتے ہوئے منہ بنا کر بولی تو کالے جوڑے میں ملبوس مہرینہ کی سنہری رنگت سیاہ لباس میں اور زیادہ دمک رہی تھی وہ اماں کو اس قدر پیاری لگی کہ انہیں اپنی نظر لگ جانے کا احتمال ہوا البتہ مہرینہ کے جملوں نے انہیں اب پرسکون کردیا تھا وہ بے ساختہ ہنسیں۔

"بالکل جھلی ہے تو خدا نہ کرے جو تو میری اولاد نہ ہو۔" وہ اسے ممتا لٹاتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے حلاوت آمیز لہجے میں بولیں۔

"تو پھر تم اچھی طرح سے سن لو اماں میں شادی کسی پڑھے لکھے انسان سے ہی کروں گی ورنہ نہیں کروں گی بس۔" وہ قطعیت بھرے انداز میں بولی تو اماں ہنس دیں۔

"اچھا آفت کی پڑیا کرلینا کسی پڑھے لکھے آدمی سے شادی اگر وہ تجھے کہیں مل جائے تو۔" ان کی بات پر مہرینہ کی باچھیں کھل گئیں وہ جھٹ پٹ ان کے پاس آ کر ان کے بازو فرط جوش سے دباتے ہوئے بولی۔

"تم فکر مت کرو اماں وہ مجھے ضرور ملے گا کیونکہ وہ میرا نصیب ہوگا اور اسے مجھ ہی سے آ کر ٹکرانا ہے تم دیکھ لینا۔"

"باؤلی نہ ہو تو۔" اماں ایک دھپ اس کی پیٹھ پر رسید کرتے ہوئے مسکرا کر بولی تھیں۔

●......□......●

ابرام کافی دیر تک ساکت و صامت سا ایک ہی پوزیشن میں بیٹھا رہا اس کا دماغ اچانک سلیٹ کی مانند بالکل صاف اور بلینک ہوگیا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں اس لمحے معطل ہوگئی تھیں کتنی آسانی اور روانی سے ماریہ نے وہ الفاظ ادا کردیے تھے جو ایک طوفان ایک قیامت لاسکتے تھے آہستہ آہستہ ابرام کے حواس ایکٹو ہوئے تھے اپنی جون میں واپس آ کر آج پہلی بار ابرام نے اپنی چہیتی لاڈلی بہن کو انتہائی تند و تیز نگاہوں سے دیکھا نہیں بلکہ گھورا تھا جو چہرہ جھکائے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو مروڑتے ہوئے کافی نروس لگ رہی تھی۔

"ماریہ کیا یہ تمہارا مذاق ہے؟ اگر تم مذاق کررہی ہو تو یہ بہت بھونڈا اور سنگین مذاق ہے سنا تم نے۔" ابرام کی مشتعل اور ناراضی کے تمام رنگوں سے لپٹی آواز ماریہ کی سماعت سے ٹکرائی تو اس کا سر مزید جھک گیا اور جب وہ بولی تو اسے اپنی ہی آواز پاتال سے برآمد ہوتی محسوس ہوئی۔

"نو برادر اٹس ٹرو یہ ایسی حقیقت ہے جسے آپ اور میں کسی طور پر جھٹلا نہیں سکتے۔"

"اوہ ویری گڈ...... تم تو بہت بہادر ہوگئی ہو ماریہ بلکہ کافی خودسر اور خودمختار میری پیاری بہن میں بہت متاثر ہوں تم سے۔" ابرام کے طنز و تمسخر کے ڈوبے ہوئے لفظوں کی کاٹ اور چبھن کو محسوس کرکے ماریہ نے تڑپ کر سر اٹھایا اور پھر انتہائی بے بس نگاہ سے امداد طلب انداز میں اسے دیکھا۔

"پلیز بھائی آپ تو میرے ساتھ ایسا رویہ مت اختیار کریں مجھے بھروسہ تھا کہ کم از کم آپ مجھے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔"

"میں کیا سمجھوں اور کیوں سوچوں تمہارے بارے میں؛ تم نے سب کو بے خبری میں رکھ کر یہاں تک کہ مجھے بھی اندھیرے میں رکھ کر اتنا بڑا قدم وفیصلہ کرلیا اور اب تم مجھ سے یہ امید کررہی ہو کہ میں تمہیں سمجھوں۔" آخر میں ابرام شہادت کی انگلی اپنے سینے پر رکھ کر انتہائی طنز سے گویا ہوا تو ماریہ کی ہمت جیسے جواب دینے لگیں اندر ہی اندر بے تحاشا دھواں نجانے کہاں سے آ کر بھرتا چلا گیا۔ روح میں تیزی سے کثافت اترتی چلی گئی؛ جسم کے روئیں روئیں میں تھکن سرائیت کرگئی اس پل اس نے ابرام سے مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا سو خاموشی سے اٹھ کر بنا اس سے کچھ کہے وہ باہر کی جانب بڑھ گئی جب کہ ابرام انتہائی تاسف ودکھ سے اس کو لڑکھڑاتے قدموں سے باہر جاتا دیکھتا رہا پھر انتہائی برگشتہ اور پریشان سا ہو کر اپنے ہاتھوں پر اس نے اپنا سر گرالیا۔

●......□......●

لالہ رخ اور زرتاشہ دن ورات امی کو راضی کرنے کی کوشش کررہی تھیں انہیں ہر طرح سے قائل کرنے میں مصروف تھیں یہاں تک کہ ابا نے بھی دونوں بچیوں کے مطالبات کو تسلیم کرلیا تھا مگر فی الحال امی کے ہونٹوں سے ہاں نہیں نکلی تھی۔

"نیک بخت جانے دو تاشو کو ہماری بھی تو یہی آرزو تھی نا کہ ہماری اولاد اعلیٰ تعلیم حاصل کرے۔" ابا نحیف و کمزور سی آواز میں بولے تو امی نے انہیں الجھن آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

"مگر آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ ہماری اولاد لڑکی ہے اور لڑکیوں کی عزت وحرمت تو گلاب کی پنکھڑی سے بھی زیادہ نازک وکول ہوتی ہے ذرا سی تیز دھوپ پڑنے پر مرجھا جاتی ہے اگر خدانخواستہ کوئی اونچ نیچ ہوگئی تو۔"

"اف امی اللہ کے واسطے بس ایک بار آپ ان تمام خوف وخدشات کو اپنے دل ودماغ سے نکال کر پھینک دیں پھر آپ کو فیصلہ کرنے میں اور تاشو کو کراچی بھیجنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی سچ۔" لالہ رخ ان کے کندھوں کو نرمی سے تھامتے ہوئے بولی تو امی نے ایک نگاہ پلنگ پر بیٹھی بے قراری فیصلے کی منتظر زرتاشہ پر ڈالی پھر کافی چڑ کر گویا ہوئیں۔

"ایک تو یہ لڑکی ہے بالکل عقل اور سمجھ سے پیدل تمہاری طرح سمجھدار اور بردبار ہوتی تو مجھے بھیجنے میں اتنی فکر نہ ہوتی۔"

"امی آپ تو مجھے دو سال کی بالکل ہی ناسمجھ اور نادان بچی سمجھ رہی ہیں۔" امی کی بات پر زرتاشہ بے پناہ برا مان کر بولی۔

"اچھا چلو اب ختم کرو یہ بحث ومباحثہ اور بچی کو خوشی خوشی جانے کی اجازت دے دو۔"

"زبردست...... یہ ہوئی نا بات ابا آپ بہت گریٹ ہیں۔" ابا کے جملوں پر زرتاشہ تندی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر ابا کے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کرتے ہوئے بولی تو وہ بے ساختہ مسکرا دیئے جبکہ امی نے انتہائی شکوہ کناں نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا۔

"آپ بھی ان دونوں کے ہمنوا بن گئے بجائے اس کے کہ آپ ان دونوں کو سمجھائیں؛ خود ان کے ہی حمایتی بن بیٹھے۔"

"امی میری پیاری امی پلیز مان جائیے نا زرتاشہ کو اپنی خوشی پوری کرنے دیجیے۔" لالہ رخ جب زور وشور سے ان کی منت سماجت کرنے لگی تو وہ کچھ مجبور سی ہوگئیں انہوں نے پریشان ہو کر شوہر کی جانب دیکھا جنہوں نے آنکھوں کے ذریعے انہیں ہاں کرنے کا خفیف سا اشارہ دیا تو بالآخر انہیں ہتھیار ڈالنے ہی پڑے۔

"ٹھیک ہے چلی جاؤ کراچی۔" وہ بادل نخواستہ بولیں جبکہ زرتاشہ پر تو جیسے شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی لالہ رخ نے بے پناہ مسرت وانبساط میں گھر کر امی کو بے یقینی سے دیکھا تھا۔

"سچ امی..... آپ اپنے دل سے بخوشی تاشو کو اجازت دے رہی ہیں نا۔"

”ہاں...... مگر میری ایک شرط ہے۔“
”شرط! کیسی شرط؟“ زرتاشہ تھوڑا پریشان سی ہوکر بولی۔
”میری یہ شرط ہے کہ لالہ رخ تیرے ساتھ کراچی جائے گی‘ تیرا داخلہ کروا کے کچھ دن وہاں رہ کر اپنی تسلی اور اطمینان کر کے ہی یہاں لوٹے گی۔“
”ہمیں منظور ہے۔“ دونوں بہنوں نے بیک وقت کہا اور پھر دونوں امی سے لپٹ گئیں جبکہ ان کی آنکھیں نم ہوگئیں تھیں۔

●......□......●

باسل حیات اور خاور حیات میں پچھلے ایک گھنٹے سے بحث ہو رہی تھی مگر حورین قصداً خاموش بیٹھی تھی وہ باپ اور بیٹے کے بیچ میں بولنے سے گریزاں تھیں‘ دونوں اس وقت ڈنر ٹیبل پر بیٹھے اپنا اپنا نقطہ نگاہ ایک دوسرے کو سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔
”ڈیڈ پلیز میں ابروڈ نہیں جانا چاہتا‘ آپ سے میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ وہاں کی لائف مجھے بہت بورڈل اور مشینی لگتی ہے میرے یہاں فرینڈز ہیں آپ لوگ ہیں اور پھر اپنی یونیورسٹی سے بھی میں بہت مطمئن ہوں پھر آپ مجھے وہاں کیوں زبردستی بھیجنے پر مصر ہیں۔“ باسل اچھا خاصا جھنجلایا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ ہر طریقہ سے خاور کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا‘ خاور ایک گہری سانس بھر کر بولے۔
”دیکھو باسل بیٹا یہ سب جذباتی اور بچکانہ سی باتیں ہیں‘ میں چاہتا ہوں کہ تم ابروڈ کی کسی بہترین یونیورسٹی میں ہائر اسٹڈی حاصل کرو پھر واپس آ کر میرا بزنس جوائن کرو‘ میں تمہیں ایک بھرپور اور کامیابی سے پر زندگی دینا چاہتا ہوں بیٹا۔“
خاور کی بات سن کر باسل نے چند ثانیے خاموشی سے اپنے باپ کو دیکھا جس نے بچپن سے لے کر آج تک اس کی کوئی بات بھی نہیں ٹالی تھی اس کے ہر طرح سے ناز نخرے اٹھائے تھے۔ بے دریغ و بے پناہ پدرانہ شفقت و محبت لٹائی تھی وہ واقعی اس کے لیے ایک آئیڈیل باپ ثابت ہوئے تھے جو اس سے بے تحاشا محبت کرتے تھے اور خود باسل کو بھی اپنے باپ سے بہت محبت تھی۔
”ٹھیک ہے ڈیڈ اگر آپ کی مرضی مجھے باہر بھجوانے میں ہے تو میں آپ کی خوشی کی خاطر ابروڈ جانے کو تیار ہوں۔“ باسل کے ادا کیے گئے جملوں پر حورین نے بے تحاشا چونک کر اپنے بیٹے کو دیکھا جب کہ خاور حیات کے چہرے پر فخر و مان کے رنگ بکھر گئے اس نے محبت پاش نگاہوں سے اپنے بیٹے کو دیکھا جو اب اپنی نشست سے اٹھ رہا تھا۔
”بیٹھ جاؤ باسل بیٹا‘ ابھی میری بات ختم نہیں ہوئی۔“ باپ کے جملوں پر باسل نے دوبارہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے انہیں استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔
”بیٹا تمہیں جہاں پڑھنا ہے تم وہیں پڑھو‘ میں تمہیں کہیں بھی جانے کے لیے فورس نہیں کروں گا۔“ خاور حیات نے مسکراتے ہوئے لہجے میں کہا تو بے ساختہ حورین نے ایک اطمینان کی سانس فضا میں خارج کی ورنہ تو وہ دم سادھے بیٹھی باپ بیٹے کا فیصلہ سن رہی تھیں۔
”ریئلی ڈیڈ......!“ باسل نے بے یقین نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ ”آپ سچ کہہ رہے ہیں آپ کو کوئی اعتراض نہیں؟“ وہ کنفرم کرنے والے انداز میں خوشی سے بولتا کرسی سے اٹھا۔
”آف کورس مائی سن بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔“ یہ بول کر خاور بھی اپنی کرسی سے اٹھے۔
”اوہ ڈیڈ تھینک یو سو مچ۔“ فرط مسرت سے باسل ان سے لپٹ گیا جبکہ حورین نے بھیگی پلکوں مگر پر مسرت نگاہوں سے

یہ منظر دیکھا۔

●......□......●

ماریہ اپنے کمرے کی قدآور کھڑکی کے پاس بیٹھی باہر ہوتی بارش کو دیکھ رہی تھی جس کے کچھ قطرے اس کی کھڑکی کے شیشوں پر بھی جم گئے تھے۔ اس نے نیچے کی جانب دیکھا جہاں اس پل بارش ہونے کی بدولت کافی سناٹا تھا خوب صورت وسیع ہرا بھرا لان اور بلند و بالا درخت بھیگے بھیگے سے اداس بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ طویل بل کھاتی سڑک پر اکادکا گاڑی زن سے گزر جاتی تھی جبکہ کوئی ایک آدھ شخص رین کوٹ پہنے چھتری اپنے اوپر تانے مست و بے پروا سا اپنی جون میں جاتا دکھائی دیتا تھا پورے ماحول میں ایک نامعلوم سی اداسی رچی بسی تھی۔ یا پھر اس کے دل میں اداسی نے ڈیرے جمالیے تھے جس کے بعض اسے باہر کا موسم انتہائی اداسی و یاسیت سے بھرپور نظر آرہا تھا اس نے ایک طویل و گہری سانس بھر کر اپنا کشادہ ماتھا ونڈو گلاس پر ٹکا دیا آنے والے دن یقیناً اس کے لیے مشکل و گھمبیر ثابت ہونے والے تھے۔ انسانی رویے اور ان کے ردعمل کا سوچ کر اس کا ننھا سا دل سہما جارہا تھا وہ آہستہ آہستہ خوف کے آکٹوپس میں جکڑ رہی تھی اپنے بھائی کم دوست کا ری ایکشن دیکھ کر اسے قوی یقین ہو چلا تھا کہ اس کی خطا کو اس گھر کے مکین قطعاً معاف نہیں کریں گے۔ یقیناً اسے سزا دی جائے گی اس سے سختی برتی جائے گی۔

''تو کیا واقعی میں نے کوئی خطا کی ہے؟'' ماریہ نے خود سے سوال کیا۔

''ہاں یہ خطا نہیں تو اور کیا ہے بلکہ خطا نہیں یہ تو جرم ہے سنگین و بڑا جرم شاید اس کی معافی بھی نہیں مل سکے۔'' اس کے دماغ نے اسے فوراً جواب دیا۔

''مگر...... ہم پڑھے لکھے اور لبرل لوگ ہیں اور ہر شخص کو اپنے عمل پر آزادی و خودمختاری دی گئی ہے۔''

''ہم چاہے کتنا ہی لبرل ہو جائیں یا پڑھ لکھ جائیں مگر کچھ حدود و قیود کی پاسداری ہمیں ہر طرح سے کرنی پڑتی ہے اور جو ان حدود و قیود کو توڑنے یا ان سے تجاوز کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ معتوب ٹھہرایا جاتا ہے باغی کہلاتا ہے غدار سمجھا جاتا ہے اور کڑی سزا کا مستحق ہوتا ہے۔'' دل کے جواز پر دماغ مسکراتے ہوئے بولا۔

''مگر خطا تو اب ہوگئی ہے بلکہ میں اس خطا پر بہت خوش ہوں بہت مطمئن اور پرسکون ہوں مجھے ایسا لگتا ہے جیسے برسوں سے ادھوری میری روح میری زندگی مکمل ہوگئی ہو میرے وجود میں جیسے روشنی سی بھرگئی ہو مجھے جیسے موت کے بعد زندگی مل گئی ہو۔'' ماریہ با آواز بلند خود سے بولی پھر آنکھیں بند کرکے گہری گہری سانسیں لینے لگی۔

●......□......●

فراز شاہ اور سونیا کے سمسٹرز ختم ہو چکے تھے اور اب ایک پریکٹیکل لائف ان کی منتظر تھی۔ اسٹوڈنٹ لائف کے اختتام پر تقریباً سب ہی اسٹوڈنٹس کافی اداس ہو رہے تھے۔ آج ان سب کی انسٹیوٹ میں آخری ملاقات تھی۔ سب ایک دوسرے کو اپنے فیوچر پروگرامز بتا رہے تھے۔ ایک دوسرے سے رابطہ رکھنے کی ہدایتیں کر رہے تھے اور آپس کے گلے شکوے دور کرتے ایک دوسرے سے معافیاں بھی طلب کر رہے تھے۔

''اتنے سال اس انسٹیوٹ میں کبھی ہنستے مسکراتے' کبھی جھگڑتے مناتے کیسے گزر گئے پتہ ہی نہیں چلا فراز۔'' گھر واپس آتے ہوئے فراز کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی سونیا بھی اداسی کے زیر اثر تھی سو کھوئے کھوئے لہجے میں گویا ہوئی فراز بھی اپنے دوستوں اور کلاس فیلوز سے بچھڑ کر چپ چپ سا تھا محض ''ہوں'' کہنے پر اکتفا کیا۔ پھر تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد سونیا اصل موضوع کی جانب آئی۔

''فراز تم نے آگے کے بارے میں کیا سوچا ہے آئی مین اب تمہارے کیا ارادے ہیں۔'' سونیا سہولت سے جملوں کو ادا

کرتے ہوئے فراز کی جانب دیکھتے ہوئے بولی تو فراز کچھ حیران ہوا۔

"کیا مطلب کیا سوچا ہے بھئی میں نے ابھی سب کو بتایا تھا کہ میں اپنے پاپا کا بزنس جوائن کروں گا دیٹس اٹ۔"

"وہ تو مجھے معلوم ہے بلکہ ابھی نہیں بہت پہلے سے مجھے پتہ ہے کہ تم نے یہ لائن اپنے فادر کا بزنس جوائن کرنے کے لیے ہی سلیکٹ کی تھی۔" فراز کی بات پر سونیا اندر ہی اندر جھنجلائی مگر اس نے ظاہر نہیں کیا سو جبراً مسکرا کر بولی تو فراز دھیرے سے ہنس دیا پھر کافی شوخی سے بولا۔

"یار اتنا ٹف شیڈول گزارا ہے میں نے اب سوچ رہا ہوں کہ دو چار گرل فرینڈز بناؤں گا ایک دو فلرٹ کروں گا ویسے میرے دوست بھی یہی کہتے ہیں کہ مجھے کسی لڑکی کو امپریس کرنے میں صرف دو منٹ لگیں گے تمہارا کیا خیال ہے؟" وہ قدرے اس کی جانب جھکا جبکہ سونیا نے اسے کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھا۔

"ہاں ہاں کوئی اور بھی دل میں حسرت ہو تو وہ بھی پوری کرلو شاید آگے پھر موقع ملے یا نہ ملے۔" وہ دانت کچکچا کر بولی تو فراز نے حیران ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"کیوں میں کچھ غلط کہہ رہا ہوں کیا؟"

"نہیں نہیں اس میں غلط کیا ہے تو کرو نا فلرٹ تم میری بلا سے۔" سونیا رخ موڑ کر انتہائی تپ کر گاڑی کے شیشے سے باہر دیکھنے لگی جبکہ اس کا جاندار قہقہہ پوری گاڑی میں گونج اٹھا وہ شرارت سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اپنی کہنی اس کے بازو میں ہلکی سی مارتے ہوئے بولا۔

"ارے بابا میں مذاق کررہا ہوں تم تو سچ ہی سمجھ بیٹھیں۔" فراز کی بات پر سونیا نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اس پل اسے فراز کی لو دیتی آنکھیں اس دنیا کی سب سے خوب صورت آنکھیں لگیں بیج رنگ کی پینٹ پر بلیک اسکن ٹائٹ ٹی شرٹ پر وہ بہت منفرد اور ہینڈسم لگ رہا تھا جبکہ بیج کلر کی قیمتی جیکٹ اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے سے پہلے اتار کر اس کی پشت پر پھیلا دی تھی۔

"آئی نو فراز مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ محض تمہارا مذاق ہے اور کچھ نہیں۔"

"اوہ تھینک گاڈ...... ورنہ مجھے اپنی جان بچانا مشکل ہوجاتی۔" وہ مصنوعی انداز میں کہتے ہوئے بولا تو سونیا کھلکھلا کر ہنس دی پھر ذرا سا آگے بڑھ کر اس نے گاڑی کا میوزک سسٹم آن کردیا۔

●......□......●

باسل اور عدیل اس وقت ایک کافی شاپ میں بیٹھے گرم گرم بھاپ اڑاتی کافی سے لطف اندوز ہورہے تھے جب ہی داخلی دروازے سے رطابہ اور نیلم فرمان داخل ہوئیں۔

"اوہ یہ دونوں یہاں کہاں آن ٹپکیں۔" عدیل انہیں دیکھ کر برا سا منہ بنا کر بولا۔ اسے رطابہ اور اس کی کزن ایک آنکھ نہیں بھاتی تھیں اسی پل پوری شاپ پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے رطابہ نے ان دونوں کو بھی بیٹھے دیکھ لیا اور یک دم اس کے چہرے پر خوشی کے رنگ چھا گئے۔

"یار وہ رطابہ اس بہن جی کے ساتھ یہیں آرہی ہے۔" عدیل کی ناگوار آواز باسل نے سنی مگر وہ کافی پینے میں ہی مگن رہا۔

"اوہ...... واٹ آ پلیزنٹ سرپرائز تم دونوں یہاں کیسے؟"

"کیوں ہم دونوں کیا سیارہ مریخ یا پھر مشتری میں بیٹھے ہیں جو تم اتنا حیران اور بے یقین ہورہی ہو۔" عدیل خاصی بداخلاقی سے بولا جبکہ عدیل کے انداز کو رطابہ نے مکمل طور پر نظر انداز کردیا تھا۔

"ہائے باسل کیسے ہو تم؟"

"آئی ایم فائن۔" مختصراً رطابہ کو جواب دے کر بے اختیار باسل کی نگاہ نیلم کی جانب اٹھی' جو حسب معمول لانگ قمیص پر ٹراؤزر پہنے اپنے وجود کو بڑے سے دوپٹے میں چھپائے ہوئے تھی' جبکہ ہمیشہ کی طرح آنکھیں جھکی ہوئی اور لب خاموش تھے۔

"ایکچو لی ہم یہاں شاپنگ کرنے آئے تھے پھر سوچا کہ کافی پی لی جائے' یہاں کی کافی بڑی زبردست ہوتی ہے۔" یہ کہتے ہوئے رطابہ خود ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور نیلم کو مخاطب کرکے بولی۔ "تم بھی بیٹھ جاؤ نیلم۔"

"نہیں رطابہ ہم لوگ کہیں اور بیٹھ جاتے ہیں یہ لوگ ڈسٹرب ہوں گے۔" نیلم کے جملوں نے باسل کو سرتاپا سلگا دیا تھا' اس نے انتہائی تپ کر اسے دیکھا۔

"مس نیلم ہم آپ کو کہا نہیں جائیں گے آپ یہاں آرام سے بیٹھیں ہم ہی یہاں سے چلے جاتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی جیب سے تیزی سے والٹ نکالا اور اس میں سے ایک نوٹ نکال کر میز پر پھینکا اور پھر یہ جا وہ جا جبکہ رطابہ اور نیلم حیران پریشان سی اسے جاتا دیکھتی رہیں۔ عدیل نے ایک نگاہ دونوں کو دیکھا پھر تیزی سے باہر لپکا جہاں باسل ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے اپنے اشتعال کو کنٹرول کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ عدیل نے اسے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا ورنہ تو وہ گھبرا گیا تھا کہ غصے میں کہیں وہ اسے چھوڑ کر ہی نہ چلتا بنے۔

"کہ بے میری جان تو کیوں اس بنگال کے جادو کو خود پر طاری کررہا ہے دفع کر اسے۔" عدیل نیلم کے سانولے رنگ پر چوٹ کرتا ہوا بولا تو باسل نے اپنے دائیں ہاتھ کا مکا بنا کر اپنے بائیں ہاتھ کی کشادہ ہتھیلی پر مارا۔

"آخر یہ لڑکی خود کو سمجھتی کیا ہے' میں نے اس کا غرور مٹی میں نہ ملایا تو میرا نام بھی باسل حیات نہیں۔"

"اچھا چل ملا دینا اس کا غرور مٹی میں مگر ابھی تو یہاں سے چل ورنہ اتنی ٹھٹھرتی سردی میں کھڑے کھڑے ہمارا مجسمہ ہی نہ بن جائے۔" یہ کہہ کر عدیل نے اس کا بازو کھینچا اور دونوں گاڑی کی جانب بڑھ گئے۔

●......□......●

تقریباً دس منٹ سے ماریہ ابرام کے سامنے خاموش بیٹھی تھی' گھر پر اس وقت کوئی نہیں تھا لہٰذا ابرام ماریہ سے کھل کر بات کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھی کسی اسائمنٹ کی تیاری میں مصروف تھی جب ہلکا سا ناک کرکے ابرام نے اندر داخل ہوکر اسے کہا کہ اگر وہ زیادہ بزی نہ ہو تو لاؤنج میں آکر اس کی بات سن لے۔ دوسرے ہی پل وہ واپس چلا گیا تھا جبکہ ماریہ کافی الجھ گئی تھی اور اب پچھلے دس منٹ سے وہ خاموش بیٹھا تھا جب یہ خاموشی مزید طول ہوئی تو ماریہ گھبرا کر کہہ اٹھی۔

"پلیز برادر کچھ تو کہیے مجھے آپ کی چپ سے وحشت ہورہی ہے خوف آرہا ہے۔" جواباً ابرام نے ماریہ کو گہری نظر سے دیکھا جو اس پل واقعی بہت سہمی ہوئی لگ رہی تھی۔ اسے بے ساختہ ماریہ پر بے تحاشا ترس آیا اس کا دل چاہا کہ ابھی اسی وقت وہ اپنی ڈری سہمی بہن کو اپنے سینے میں چھپالے اور تمام خوف تمام ڈر ایک پل میں دور کردے مگر وہ یہ سب ہرگز نہیں کرسکتا تھا کیونکہ اس کے تئیں ماریہ کو اس وقت سختی سے باز رکھنے کی ضرورت تھی سو وہ اپنے دل کی خواہش کو نظر انداز کرکے سپاٹ لہجے میں بولا۔

"تم نے اپنے بھائی کو کچھ کہنے کے قابل ہی کہاں چھوڑا ہے ماریہ۔"

"بھائی......" ماریہ نے انتہائی تڑپ کر اسے دیکھ کر کہا۔ "آپ کا رویہ میرے ساتھ اتنا روڈ ہوجائے گا یہ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔"

"اور تم ہم سے دھوکہ کرکے اتنا بڑا کارنامہ انجام دوگی یہ میں نے بھی کبھی نہیں سوچا تھا۔"

"یہ دھوکہ نہیں ہے۔"

"یہ دھوکہ ہی ہے ہنی۔"

"تو برادر آپ غلط کہہ رہے ہیں۔" وہ شدومد سے سرنفی میں ہلاتے ہوئے بولی تو ابرام نے اسے خاصی متوحش نگاہوں سے دیکھا۔

"میں اب بالغ ہوچکی ہوں براور اور جو راستہ مجھے درست لگا وہ میں نے چنا اور اس کام کے لیے میں بالکل گلٹی نہیں ہوں۔" نجانے ماریہ میں اس پل کہاں سے ہمت وطاقت آ گئی تھی وہ بے خوف اور نڈر لہجے میں ضد بھرے انداز میں بولی تو ابرام نے ششدر ہوکر اسے دیکھا۔

"تمہیں ہمارا کوئی خیال واحساس نہیں ہے ہنی اور مام...... کیا ان کے ری ایکشن کے بارے میں کبھی تم نے سوچا؟" وہ تیزی سے بولا پھر رک کر تین چار گہری گہری سانسیں کھینچ کر خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کرنے لگا جبکہ ماریہ انتہائی مضطرب ہوکر اپنے نچلے ہونٹ کو دانتوں سے کاٹنے لگی۔

"دیکھو ہنی تم اپنا فیصلہ بدل لو میں تم سے پرامس کرتا ہوں کہ اس بات کا ذکر کسی سے تو کیا میں یہ بات ہی بھول جاؤں گا کہ ایسا بھی کچھ ہوا تھا۔" وہ دوبارہ اسے دسانیت سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا تو ماریہ یک دم صوفے سے اٹھی اور بنا کوئی جواب دیئے اپنے کمرے میں جا کر بند ہوگئی جبکہ ابرام اپنے آپ کو اس پل انتہائی بے بس محسوس کرکے وہیں بیٹھا رہا۔

●......□......●

زرتاشہ انتہائی جوش وانبساط سے کراچی جانے کی تیاریوں میں مصروف ومگن تھی لالہ رخ نے زرتاشہ کا فارم گیسٹ ہاؤس کے مالک کے بیٹے عتیق سے منگوالیا تھا جو کراچی یونیورسٹی میں ہی پڑھتا تھا پھر بعد میں اس بھلے مانس لڑکے نے ہی زرتاشہ کا فارم اور مطلوبہ دستاویزات واشیاء جمع کروادی تھیں اور گرلز ہاسٹل میں اس کا داخلہ بھی کروادیا تھا۔ لالہ رخ عتیق کے اس حسن سلوک پر بہت ممنون وشکر گزار تھی اس کے تشکرانہ اظہار پر وہ محض مسکرا کر "کوئی بات نہیں باجی" کہہ گیا تھا جو زرتاشہ سے ایک سال ہی بڑا تھا۔

"دیکھو زرتاشہ ذرا حاضر دماغی کے ساتھ سامان باندھو کوئی ضروری چیز نہ رہ جائے اور ہاں گرم کپڑے ضرور رکھ لینا وہاں سردی ہوگی۔"

"امی کراچی میں مری سے زیادہ سردی نہیں ہوتی آپ بھی نا۔" زرتاشہ ان کی بات پر ہنستے ہوئے بولی تو وہ جزبز سی ہوگئیں۔

"معلوم ہے مجھے میں تو اس لیے کہہ رہی ہوں کہ تو کہیں ٹارزن بننے کے چکر میں گرم کپڑے نہ رکھے۔"

"مجھے ٹارزن بننے کا کوئی شوق نہیں ہے امی آپ بے فکر رہیں میں نے سب ضروری سامان رکھ لیا ہے اور لالہ نے بھی میری تیاریوں پر ایک نگاہ ڈال لی ہے اب تو آپ مطمئن ہوجائیں۔" امی کی بات پر زرتاشہ نے انہیں اطمینان دلانے والے انداز میں کہا تو اسی پل مہرینہ وہاں چلی آئی امی کو سلام کرکے وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ساری تیاری مکمل ہوگئی جناب کی۔"

"جی ہاں سب کچھ مکمل ہے۔" وہ خوشی سے بولی تو مہرینہ نے ایک سرد آہ بھری۔

"ہائے تاشو تو کتنی خوش نصیب ہے نا کہ کراچی پڑھنے جارہی ہے سچ مجھے بھی بہت شوق ہے پڑھنے لکھنے کا مگر میرے اماں ابا مجھے کراچی میں پڑھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔"

"چلو کوئی بات نہیں آپ کے حصے کا بھی میں ہی پڑھ لوں گی۔" وہ چہک کر بولی تو مہرینہ اسے دیکھ کر مسکرادی۔

"تمہارے ساتھ وہ جھانسی کی رانی بھی جارہی ہے۔"
"ہائے اللہ مہرینہ میری لالہ کو جھانسی کی رانی تو مت بولو۔" وہ قدرے برامان کر بولی۔
"اوہ واقعی مجھ سے غلطی ہوگئی جھانسی کا راجہ بولنا چاہیے اس میں لڑکیوں والی خوبیاں ہیں ہی کہاں بھلا کیوں مامی میں صحیح کہہ رہی ہوں نا۔" مہرینہ نے اپنے جملے کی خود ہی تصحیح کر کے امی کی تائید چاہی۔
"لالہ میری بیٹی نہیں بلکہ بیٹا ہے وہ بھی قابل فخر اور باعث مان۔" امی مہرینہ کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے بولیں تو اسی دم لالہ رخ اندر داخل ہوئی۔
"لو بھئی جس کا تھا انتظار وہ شاہکار آگیا۔"
"کون شاہکار آگیا۔" مہرینہ کے لہک لہک کر بولنے پر لالہ رخ غائب دماغی سے بولی تو مہرینہ ماتھے پر ہاتھ مار کر بولی۔
"لالہ بی بی ہم کسی شاہکار چوک یا شاہکار مرزا کی بات نہیں کر رہے تمہیں کہہ رہے ہیں۔"
"لالہ پلیز جلدی سے بتاؤ ہمارے ٹکٹس آ گئے کیا...... کب کی گاڑی ہے؟" زرتاشہ انتہائی بے صبری کے عالم میں لالہ رخ کے قریب آ کر تیزی سے گویا ہوئی۔
"اُفوہ زرتاشہ تھوڑا سانس تو لینے دو مجھے تم تو سر پر سوار ہو گئیں۔"
"تم سانس بعد میں لے لینا پہلے بتاؤ ٹرین کی ٹکٹس آ گئیں نا؟"
"ہاں بابا آ گئیں۔" لالہ رخ زرتاشہ کے انداز پر زچ ہو کر بولی تو زرتاشہ کے چہرے پر جوش و خوشی کے ان گنت رنگ پھیلتے چلے گئے جبکہ مہرینہ اور امی دونوں اداس سی ہو گئیں۔ زرتاشہ خود ہی لالہ رخ کا پرس کھول کر اس میں سے ٹکٹس نکال کر خوشی خوشی ابا کو دکھانے چلی گئی۔
"دیکھیے ذرا امی اسے خوشی سے تو بالکل ہی باؤلی ہو رہی ہے تاشو۔" لالہ رخ ہنستے ہوئے گویا ہوئی پھر یک لخت امی اور مہرینہ کی خاموشی محسوس کر کے کچھ متفکر سی ہو کر ان کے قریب آن کر بولی۔ "خیریت تو ہے نا آپ دونوں اتنی چپ کیوں ہو گئیں کیا بات ہے امی؟" لالہ رخ کے استفسار پر امی کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی تھی چہرے پر اداسی کے بادل چھا گئے۔
"اپنی تاشو کو میں نے خود سے ایک دن کے لیے بھی جدا نہیں کیا نا اب اتنی دور جا رہی ہے تو میرا دل بھر بھر آ رہا ہے میں بھلا اس کے بغیر کیسے رہوں گی۔" امی کی بات سن کر لالہ رخ بھی قدرے ملول سی ہو گئی مگر پھر دوسرے ہی پل خود کو سنبھال کر تسلی آمیز لہجے میں گویا ہوئی۔
"امی میں روز آپ کی بات تاشو سے کروادیا کروں گی بلکہ ویڈیو کالنگ کرواؤں گی آپ کو تاشو کی آواز کے ساتھ ساتھ اس کا چہرہ بھی نظر آئے گا پھر آپ دیکھیے گا کہ آپ کو اس چیز کا بالکل احساس نہیں ہوگا کہ تاشو اتنی دور ہے بالکل اپنے قریب محسوس ہوگی وہ آپ کو۔" امی نے اس کی بات پر آنکھوں میں آئی نمی کو اپنے دوپٹے کے پلو سے صاف کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تو لالہ نے مہرینہ کی جانب دیکھا۔
"یہ تم کیوں ایک کونے میں دیو داس بنی کھڑی ہو اپنا منہ اتنا لمبا کیوں لٹکایا ہوا ہے بھئی؟"
"یار لالہ تمہارے خزانے میں ایسی کون سی کمی آجاتی جو تم میرا ٹکٹ بھی کٹوالیتی اسی بہانے میں بھی کراچی گھوم آتی، مزار قائد، سمندر اور چڑیا گھر دیکھنے کا مجھے کس قدر شوق ہے لالہ مگر تم تو بہت بے مروت ہو۔" مہرینہ نے کافی برامانے والے انداز میں کہا تو لالہ اور امی دونوں کے چہروں پر بے ساختہ مسکراہٹ در آئی۔
"مہرینہ تمہاری اوپری منزل میں عقل نام کی جو تھوڑی بہت چیز ہے کبھی کبھی اس کا استعمال کرلیا کرو ورنہ پڑے پڑے

اس میں زنگ لگ جائے گا سمجھیں۔ میں کراچی سیر سپاٹے کرنے نہیں بلکہ زرتاشہ کو چھوڑنے جارہی ہوں۔"

"ایک تو تمہیں ابو بننے کا شوق ہے...... اونہہ۔ زرتاشہ کو چھوڑنے جارہی ہوں۔" آخر میں وہ آواز باریک کرکے اس کی نقل اتارتے ہوئے بولی پھر مزید گویا ہوئی۔ "ہاں تو تاشو کو یونیورسٹی چھوڑ کر ہم دونوں بہنیں نکل جاتیں نا تانگے پر کراچی گھومنے۔"

"اف امی اب آپ ہی سمجھائیے اپنی اس کند ذہن چہیتی کو۔"

"بھئی اس وقت تو میں باورچی خانے میں جارہی ہوں بیٹا۔" امی ہنس کر بولیں اور کچن کی جانب بڑھ گئیں۔

"ہوں زیادہ آئن اسٹائن کی جانشین بننے کی ضرورت نہیں ہے تم سے زیادہ عقل مند اور ذہین ہوں میں۔ مذاق کررہی تھی۔" لالہ رخ کو ہاتھوں میں سر گرائے دیکھ کر وہ اس کے قریب آ کر اپنے مخصوص لہجے میں بولی تو لالہ رخ کے ہونٹوں پر دلکش سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"مہرینہ امی ابا کا ہمارے پیچھے خیال رکھنا میں جلد ہی واپس آ جاؤں گی۔"

"تمہیں یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں، تمہارے امی ابا میرے بھی کچھ لگتے ہیں۔" کاہی گرین رنگ کے پلین گرم شلوار سوٹ میں ملبوس مہرینہ قدرے برامان کر بولی تو لالہ رخ نے بے ساختہ اسے اپنے گلے سے لگالیا۔

●......□......●

"ہاہاہا...... اومائی گاڈ! اوہ یار میں تمہیں کیا بتاؤں اس کی شکل تو دیکھنے کے لائق تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی ایگو پر کسی نے پیر رکھ دیا ہو۔"

"ہوں ایگو پر یا پھر اس کی دم پر۔" وہ اپنے نازک ہاتھوں میں لوشن لگاتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

"تم بالکل صحیح کہہ رہی ہو واقعی ایسا ہی لگ رہا تھا کہ اس کی دم پہ پاؤں رکھ دیا ہے۔" وہ اس کی تائید کرتے ہوئے اپنی ہنسی پر بمشکل کنٹرول کرکے گویا ہوئی۔

"اونہہ نجانے خود کو کیا سمجھتا ہے وہ اپالو یا ٹام کروز ارے اس سے بڑے بڑے امیر زادے اور رئیس زادے دنیا میں موجود ہیں۔" رطابہ نخوت سے ناک سکیڑ کر اب لوشن اپنے پیروں میں لگاتے ہوئے بولی۔

"ہوں تمہارا افیئر اس کے ساتھ کتنے عرصے تک چلا۔"

"آئی تھنک تھری منتھ۔"

"بس کافی شارٹ پریڈ تھا۔"

"ہاں ایکچو لی میڈم رابیل درمیان میں اچانک آ گئیں باسل کی توجہ ان کی طرف مبذول ہوگئی اور پھر مجھے بھی راشش فاروقی اچھے لگے ورنہ میں کچھ عرصہ اور باسل سے افیئر رکھتی۔"

"ویسے باسل حیات کافی جذباتی لڑکا ہے۔" رطابہ کی بات سن کر نیلم فرمان پرسوچ لہجے میں گویا ہوئی۔

"جذباتی تو وہ ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ کافی چوزی بھی ہے اسی لیے تو میں نے تمہیں یہ مشرقی گیٹ اپ اپنانے کو کہا ورنہ وہ تمہیں کبھی بھی توجہ نہیں دیتا۔" رطابہ کی صاف گوئی کا نیلم نے قطعاً برا نہیں مانا وہ مسکراتی رہی پھر ڈریسنگ ٹیبل سے ہیئر برش اٹھا کر اپنے بالوں میں چلاتے ہوئے پریقین لہجے میں گویا ہوئی۔

"تم دیکھنا ڈیئر میں اس باسل حیات کو کیسے اپنا دیوانہ بناتی ہوں اور پھر لٹو کی طرح اپنی انگلیوں پر نچاتی ہوں۔"

"ہوں مگر یہ باسل حیات اتنا تر نوالہ بھی نہیں...... کافی بددماغ بھی ہے اسے حلوہ سمجھ کر نگلنے کی کوشش مت کرنا۔" رطابہ نے اسے باسل کی بابت مزید بتایا تو نیلم فرمان کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔

"میں بھی نیلم فرمان ہوں ڈیئر تم دیکھنا یہ گیم میں کتنی ہوشیاری اور چالاکی سے کھیلتی ہوں مجھے صرف دولت سے مطلب ہے اور باسل حیات سے صرف اسی چیز کی تمنا ہے مجھے مہنگی اور امپورٹڈ چیزیں اور پیسہ میری بہت بڑی کمزوری ہے۔"

"وہ تو ہر لڑکی کی کمزوری ہے نیلم مگر ذرا دھیان سے چلنا۔" نیلم فرمان کی بات سن کر رطابہ اسے ہدایت دینے والے انداز میں بولی تو نیلم نے سر اثبات میں ہلا کر کہا۔

"یوڈونٹ وری میں دیکھ لوں گی۔"

●......□......●

"گڈ مارننگ ایوری باڈی۔" فراز شاہ نک سک سے تیار ہو کر ڈائننگ ہال میں داخل ہوا تو سمیر شاہ اور ساحرہ نے اسے قدرے حیرت سے دیکھا۔

"گڈ مارننگ بیٹا خیریت تو ہے نا یہ صبح صبح کہاں جانے کی تیاری ہے۔" سمیر شاہ نے اسے سر سے پیر تک طائرانہ انداز میں دیکھتے ہوئے استفسار کیا تو فراز نے انہیں مسکرا کر دیکھا پھر ڈائننگ ٹیبل کی اپنی مخصوص چیئر پر براجمان ہو کر بڑے مگن انداز میں کہا۔

"میں آج سے آپ کا آفس جوائن کررہا ہوں۔" فراز شاہ کے منہ سے انتہائی غیر متوقع بات سن کر چائے کی پیالی کی جانب جاتا سمیر کا ہاتھ جہاں کا تہاں رک گیا۔ انہوں نے انتہائی متعجب آمیز نظروں سے گردن گھما کر فراز کی جانب دیکھا جو انتہائی دل آویز مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیرے انہی کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا..... کیا کہا تم نے فراز؟ یو مین تم میرا آفس جوائن کررہے ہو۔" انتہائی بے یقینی کے عالم میں سمیر شاہ نے اپنا جملہ ادا کیا تو فراز ان کا ردعمل دیکھ کر کھل کر مسکرا دیا اور انتہائی ٹھوس لہجے میں بولا۔

"بس پاپا میں آج اور ابھی سے آپ کے ساتھ آفس جاؤں گا اور آپ کا بزنس سنبھالنے میں آپ کی ہیلپ کروں گا۔" سمیر شاہ کو تو اس گھڑی کا کافی عرصے سے انتظار تھا کہ کب فراز ان کے کندھوں کا بوجھ ان کی ذمہ داریوں کا بار ان کے ساتھ بانٹے گا کب ان کا رائٹ ہینڈ بن کر ان کے بزنس میں ان کا ہاتھ بٹائے گا' انہیں یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ آج وہ دن وہ گھڑیاں آ گئی ہیں' یک دم انہیں بے پایاں مسرت وانبساط کا احساس ہوا جب کہ ساحرہ یہ سب سن کر نخوت بھرے لہجے میں بولی۔

"فراز ابھی تمہاری عمر بزنس کے جھمیلوں میں پڑنے کی نہیں ہے بیٹا' تم ابھی اپنی لائف اچھی طرح انجوائے کرو گھومو پھرو موج مستی کرو بزنس سنبھالنے کے لیے تو ابھی پوری زندگی پڑی ہے۔" ساحرہ کی بات پر فراز نے اپنی ماں کو مسکرا کر دیکھا پھر سمیر شاہ کی طرف نگاہیں ٹکا کر گویا ہوا۔

"میں اپنے پاپا کا بوجھ بانٹنا چاہتا ہوں مما اور پھر بزنس سے مجھے بھی کافی انٹرسٹ ہے رہا موج مستی کرنے کا سوال تو بزنس جوائن کر کے مجھ پر کوئی پابندیاں تو نہیں لگ جائیں گی نا۔" فراز کے جواب پر سمیر شاہ نے ایک اطمینان بھری سانس لی۔

"مجھے تو اپنے دونوں بیٹوں کی سمجھ نہیں آتی ایک تو بزنس جوائن کرنے کے چکر میں بالکل بے صبرا ہورہا ہے اور دوسرا بزنس سے بھاگ کر سرکاری نوکری کے حصول میں ادھ موا ہورہا ہے۔" ساحرہ نے انتہائی چڑ کر چمچ میز پر تقریباً پٹختے ہوئے کہا تو اچانک فراز کو کامیش کا خیال آیا۔

"یہ کامیش ابھی تک اٹھا نہیں ہے کیا؟"

"نہیں بیٹا میں نے اسے نہیں جگایا کل رات گئے تک وہ اسٹڈی میں مصروف رہا جب نیند پوری ہو جائے گی تو خود ہی

اٹھ جائے گا۔" سمیر شاہ سہولت سے بولے تو فراز نے محض "اوکے" کہنے پر اکتفا کیا پھر دونوں ناشتہ کرکے اکٹھے آفس کے لیے نکل گئے جبکہ ساحرہ بھی اپنے آفس جانے کے خیال سے اپنے روم میں تیار ہونے کی غرض سے چل دیں۔

●.......□.......●

سونیا اپنے گھر میں ایکسر سائز میں مگن تھی وہ اپنے آپ کو اسمارٹ رکھنے کی غرض سے کافی کچھ کرتی رہتی تھی یوگا اور ایروبک بھی پابندی سے کرتی تھی اپنی فٹنس پر اس نے خصوصی توجہ دی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ انتہائی دلکش سراپے کی مالک تھی اسی طرح وہ اپنی اسکن اور بالوں کا بھی بہت خیال رکھتی تھی ہر پندرہ دن بعد شہر کی معروف بیوٹیشن سے وہ اپنی گرومنگ کے لیے ٹائم لیتی تھی غرض کہ وہ اپنی خوب صورتی کی حفاظت میں ذرا سی بھی غفلت نہیں برتتی تھی تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ مختلف ایکسر سائز کرکے جم سے باہر آئی تو ممی کو فریش لائم کا گلاس لاتے دیکھا۔

"اوہ ممی تھینکس۔" لائم کا گلاس دیکھ کر اسے اپنی پیاس کی شدت کا احساس ہوا تو فوراً سے گلاس اٹھا کر دو سپ لے ڈالے ممی اسے محبت سے دیکھتے ہوئے مسکرانے لگیں پھر دونوں سائیڈ پر بنے خوب صورت سے سیٹنگ ایریا میں آ کر بیٹھ گئیں۔

"سونیا بیٹا تمہاری اسٹڈیز تو کمپلیٹ ہوگئی اب آگے تمہاری کیا پلاننگ ہے اگر اپنی خالہ کے پاس ٹورنٹو جانا چاہتی ہو تو وہاں کا چکر لگا آؤ وہ تمہیں بہت یاد کرتی ہے۔" ممی اسے دیکھتے ہوئے سہولت سے بولیں تو سونیا ایک گہری سانس کھینچ کر گویا ہوئی۔

"ممی فی الحال تو میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں اور نا ہی موڈ ہو رہا۔"

"تو پھر آسٹریلیا اپنے ماموں کے پاس چلی جاؤ اگلے ماہ تمہارے ماموں زاد شرجیل کی شادی بھی تو ہے۔"

"ہوسکتا ہے آسٹریلیا چلی جاؤں۔" سونیا پرسوچ انداز میں بولی تو ممی نے اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھا پھر اچانک ان کے ذہن میں اسپارک ہوا۔

"ارے یاد آیا تم نے فراز سے بات کی؟"

"نو ممی میری ابھی تک فراز سے اس ٹاپک پر بات نہیں ہوسکی۔" اس پل سونیا کے لہجے میں مایوسی جھلکی تھی۔

"تو بیٹا آپ کو بات کرنی چاہیے تھی نا آخر اتنا ڈیلے کیوں کررہی ہو۔" ممی نے الجھ کر استفسار کیا تو سونیا اپنی شہادت کی انگلی سے اپنی پیشانی کو مسلتے ہوئے بولی۔

"ممی میں نے دو مرتبہ اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر میں اب تک کر نہیں سکی سچویشن ہی ایسی بن گئی کہ مجھے موقع ہی نہیں مل سکا۔"

"میری جان موقع ملتا نہیں بلکہ لیا جاتا ہے آئی تھنک تمہیں فراز سے جلد سے جلد بات کرلینی چاہیے۔"

"ہوں آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں مجھے فراز سے بات کرلینی چاہیے مگر ممی وہ بھی کتنا بورنگ پرسن ہے ابھی تو ہماری پڑھائی کمپلیٹ ہوئی ہے اور ابھی سے اس نے انکل کا بزنس جوائن کرلیا میں اس کے ساتھ کچھ اور وقت گزارنا چاہتی تھی مگر اب تو وہ صرف آفس میں ہی بزی رہے گا۔"

"سونیا ڈیئر فراز شاہ عام لڑکوں جیسا نہیں ہے بہت ذمہ دار میچور اور سمجھدار لڑکا ہے اور وہ آج کل کے لاابالی اور بے پروا لڑکوں جیسا بھی نہیں ہے۔" ممی مسکراتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"جی ممی فراز بہت مختلف ہے تبھی تو سونیا خان کو بہت پسند ہے اور آپ دیکھ لیجیے گا فراز شاہ صرف میرا ہوگا میں اسے پاکر رہوں گی۔" سونیا کی آنکھوں میں اس پل فراز شاہ کا عکس اور لہجے میں اسے حاصل کرنے کا عزم تھا ممی نے محبت سے سونیا کو دیکھ کر کہا۔

"اور پھر میری بیٹی سونیا بھی کسی شہزادی سے کم نہیں ہے بھلا۔ اتنی خوب صورت' طرح دار' سمجھدار لڑکی فراز شاہ کو کہاں ملے گی تم دونوں تو ایک دوسرے کے لیے بنے ہو۔" ممی کی بات پر سونیا کے لبوں پر تفاخرانہ مسکراہٹ دینگ گئی۔

●......□......●

ماریہ اپنی سوچوں میں گم کلاس روم سے باہر آئی تو سامنے ہی خوب صورت سے گارڈن کی ایک لکڑی کی بیٹھک پر مام کو براجمان پایا خوف کی ایک تندو تیز لہر آن واحد میں اس کے وجود میں سرائیت کرگئی دل کی دھڑکنیں اس پل بے ترتیب انداز میں دھڑکنے لگیں' سخت سردی اور گرم ملبوسات پہننے کے باوجود اس کی کشادہ پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے سے قطرے نمودار ہوگئے' جسم میں کپکپاہٹ سی دوڑ گئی۔

"مام یہاں...... مام یہاں کیوں آئی ہیں مطلب...... ابرام بھائی نے انہیں...... نو وے وہ میرے ساتھ ایسا نہیں کرسکتے' انہوں نے مام کو کچھ بھی نہ بتانے کا مجھ سے پرامس کیا تھا۔ وہ اس طرح اپنا پرامس توڑ نہیں سکتے۔ مگر پھر مام یہاں کیوں آئی ہیں؟" ماریہ بے تحاشہ سہم کر خود سے اندر ہی اندر بولے جارہی تھی کہ اگلے ہی پل نگاہ اٹھا کر مام نے ماریہ کو اپنی جگہ پر منجمد پایا وہ سہولت سے اپنی جگہ سے اٹھیں اور چھوٹے چھوٹے قدم بڑھاتی اس کے سر پر آن پہنچیں۔

"ماریہ کیا تم نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہے جو اس طرح اسٹیچو بن کر کھڑی ہوئی ہو۔" ان کی مخصوص کرخت دبنگ آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو بے ساختہ وہ گڑبڑائی۔

"ن...... نو نو...... مام کوئی بھوت نہیں دیکھا میں نے۔" ماریہ جلدی سے بے تکے پن سے بولی تو مام نے قدرے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔"

"آف کورس مام......! میں بالکل ٹھیک ہوں مجھے کیا ہونا ہے۔" وہ بے حد عجلت میں بولی تو مام نے کچھ چونکنے انداز میں اسے سر سے پیر تک دیکھا اور اس پر ماریہ کو اپنا خون خشک ہوتا محسوس ہوا۔

"اتنی بدحواس اور اسٹوپڈ کیوں لگ رہی ہو تم؟"

"کچھ نہیں مام وہ ایکچولی ایک پروجیکٹ کو لے کر میں کچھ ٹینشن فیل کررہی ہوں۔ آپ سنائیے یہاں کیسے آئیں؟" ماریہ خود کو بمشکل سنبھال کر اپنے لہجے کو ہموار بناتے ہوئے تیزی سے بولی وہ بخوبی جانتی تھی کہ اس کی مام کی نگاہیں کسی ہوشیار اور چالاک تفتیشی افسر سے بھی زیادہ تیز ہیں تبھی اپنی کیفیت پر بڑی دقت سے پردہ ڈالا تھا۔

"مجھے کچھ گروسری کرنی تھی سوچا کہ تمہیں بھی ساتھ لیتی چلوں۔" مام ہنوز انداز میں گویا ہوئیں تو ماریہ کو انکار کی جرأت ہی کہاں تھی' سو انتہائی سعادت مندی سے بولی۔

"اوکے مام چلتے ہیں میری بھی تھوڑی آؤٹنگ ہوجائے گی۔" پھر دونوں قدآور گیٹ کو کراس کرکے سڑک کی جانب آگئیں تھوڑی دیر میں وہ ایک مشہور اسٹور میں گروسری کررہی تھیں' جب اس کام سے فارغ ہوئیں تو مام اسے لیے قریبی کافی شاپ پر آگئیں ماریہ ادھر ادھر لوگوں کی جانب ایک سرسری نگاہ ڈال کر مام کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

"مام آج سردی کچھ زیادہ ہے یہاں چہل پہل بھی اتنی دکھائی نہیں دے رہی جتنی عام دنوں میں ہوتی ہے۔"

"ہوں۔" ماریہ کی بات پر مام نے فقط ہوں کہنے پر اکتفا کیا تو ماریہ اندر ہی اندر کچھ پریشان سی ہوگئی اس نے مام کے چہرے پر ایک گہری نگاہ ڈالی تو اسے اندازہ ہوا کہ آج مام ضرورت سے زیادہ سنجیدہ اور خاموش دکھائی دے رہی ہیں وہ خائف سی ہوئی اپنی مام کے رعب ودبدبے کی وجہ سے وہ ان سے کافی سہمی ہوئی رہتی تھی کیونکہ وہ عام ماؤں سے بہت مختلف تھی ماریہ کو اپنی بچپن کی یادوں میں کوئی ایسا لمحہ یاد نہیں تھا جس میں اس کی مام نے اسے روایتی ماؤں کی طرح سینے سے لگایا ہو

چٹاچٹ اس کے گالوں کو چوما ہو یا پھر اس کے بیمار پڑنے پر پریشان و متفکر بیٹھا دیکھا ہو ماریہ نے ایک نگاہ ماں پر ڈال کر اپنی پوری توجہ کافی کے مگ کی جانب مرکوز کرلی۔ دونوں نے کافی خاموشی سے ختم کی۔ اس کی ماں کم گو ہونے کے ساتھ ساتھ زیادہ باتیں کرنے والے لوگوں کو بھی بالکل پسند نہیں کرتی تھی اسی لیے ابرام اور ماریہ مام کے سامنے زیادہ بات چیت کرنے سے گریز کرتے تھے۔

"ماریہ میں نے تمہیں ولیم کے بارے میں بتادیا تھا کہ اسے اور تمہیں لے کر میں کیا فیصلہ کرچکی ہوں اس سلسلے میں میں نے اس کے پیرنٹس سے بھی بات کرلی ہے وہ اس پروپوزل سے خوش ہیں نیکسٹ ویک تمہاری انگیجمنٹ کے لیے ٹھیک رہے گا۔" مام اسے بتا نہیں رہی تھیں بلکہ حکم دے رہی تھیں ماریہ بے وقوفوں کی طرح منہ کھولے بس ٹکر ٹکر انہیں دیکھے گئی اسے تو اس بات کا وہم و گمان تک نہیں تھا کہ مام اتنی عجلت میں اس کی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کرلیں گی وہ تو ابھی تک یہی سمجھ بیٹھی تھی کہ ابھی صرف انہوں نے ولیم کا نام ہی لیا ہے ہرگز اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی کوشش کریں گی۔ "چلو اب ہمیں دیر ہورہی ہے۔" مام اپنی نشست سے اٹھنے ہی والی تھیں کہ ماریہ اچانک انتہائی تیزی سے گویا ہوئی۔

"مام اتنی جلدی کیا ہے؟ آئی مین میری ابھی اسٹڈیز چل رہی ہے اور......؟"

"تم ابھی اتنی بڑی اور سمجھدار نہیں ہوئیں کہ تم یہ جج کرسکو کہ کیا جلدی اور کیا لیٹ ہے اور رہا اسٹڈیز کا سوال تو بعد میں کمپلیٹ کرلینا ویسے ولیم بھی ابھی اسٹڈیز ہی کر رہا ہے۔" جیکولین انتہائی ناگواری سے ماریہ کی بات درمیان میں ہی قطع کرکے اپنے مخصوص کھردرے لہجے میں بولیں اور پھر بنا ماریہ کا کوئی جواب سنے وہ اٹھ کر واپس جانے کی غرض سے اپنی پیٹھ موڑ گئیں، ماریہ انتہائی مضطرب ہو کر اپنے ہونٹوں کو کاٹ کر رہ گئی پھر تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور جیکولین کی جانب بھاگی اب وہ دونوں شاپ سے باہر آکر سائیڈ روڈ پر چل رہی تھیں باہر آتے ہی سردی کی تیز و تند خنک ہوا نے ان دونوں کو اپنی لپیٹ میں لیا تھا مگر ماریہ جیسے ہر احساس سے اس پل عاری ہوگئی تھی۔

"مام پلیز میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" وہ ان کے ساتھ ساتھ تیز تیز چلتے ہوئے اپنی پھولی سانسوں سمیت بولی تو جیکولین نے اچانک رک کر اور گردن موڑ کر اسے انتہائی سپاٹ نظروں سے دیکھا ماریہ کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ ان کی بات سننے کے لیے رک گئی تھیں۔

"ایکچولی مام......" ماریہ نے تھوک نگلتے ہوئے اپنے خشک پڑتے گلے کو تر کرتے ہوئے بمشکل کہا۔

"آپ یقیناً میری لائف کے لیے ایک اچھا فیصلہ کریں گی مگر مام میں ولیم کے ساتھ......؟" وہ خود ہی اپنا جملہ ادھورا چھوڑ گئی گرم بلیک لیدر کے اوور کوٹ کی دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے جیکولین نے اسے کھوجتی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔

"کون ہے وہ جس کے ساتھ تم اپنی زندگی گزارنا چاہتی ہو؟" مام کی اس بات پر ماریہ نے اپنا جھکا سر انتہائی تیزی سے اٹھایا اس کی خوب صورت خواب ناک آنکھوں میں یک دم عجیب سے رنگ آن ٹھہرے حیرت، پریشانی، فکر و بے قراری ولاچاری کے۔ "او کے جب میرے پاس ٹائم ہوگا تو تم مجھے اس شخص سے ملادینا اس سے مل کر ہی میں یہ فیصلہ کروں گی کہ وہ شخص تمہارے لیے مناسب ہے جسے تم نے پسند کیا ہے یا پھر ولیم جو ہماری چوائس ہے۔" انتہائی کھردرے لہجے میں بول کر جیکولین نے جانے کے لیے قدم بڑھادیئے جبکہ ماریہ وہیں کھڑی رہ گئی۔

●......□......●

کچھ ہی دنوں میں فراز نے آفس کا تمام کام سمجھ لیا تھا اس کا اسٹاف بھی بہت کوآپریٹو اور محنتی تھا فراز شاہ کی ہر قدم پر سب نے بہت مدد کی اور اپنے نئے ایم ڈی کو انہوں نے خوش آمدید بھی کہا تھا۔ سمیر شاہ نے حیا آفندی کو اس کے لیے بطور پرسنل

سیکرٹری اپائنٹ کیا تھا جو پہلے سے یہاں کام کرتی تھی اس طرح سے فراز شاہ کو یہاں کے معاملات سمجھنے میں اور آسانی ہو سکتی تھی وہ اپنے روم میں کسی فائل میں مصروف تھا جب ہلکا سا دروازہ ناک کر کے سمیر شاہ چلے آئے۔

"ارے پاپا آپ پلیز آیئے نا۔" وہ انہیں دیکھ کر خوش اخلاقی سے بولا تو سمیر شاہ اپنے ہونہار بیٹے کو ایک ٹک بس دیکھتے رہ گئے بلیک فارمل ڈریسنگ میں ایم ڈی کی کرسی پر بیٹھا فراز انہیں اس پل بہت اچھا لگا۔ وہ اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"اور سناؤ بیٹا مین کام کیسا چل رہا ہے؟ اگر کوئی پرابلم ہو تو مسٹر سبحان اور مسٹر عدنان سے پوچھ لینا یہ دونوں صاحبان ہمارے آفس کے بہت سینئر ورکرز ہیں۔" سمیر اپنے مخصوص لہجے میں نرمی سے بولے تو فراز دھیرے سے ہنس کر بولا۔

"ارے پاپا یہاں تو سب میری ہیلپ کرنے کو تیار ہیں واقعی آپ بہت لکی ہیں کہ آپ کو اتنا محنتی اسٹاف ملا۔"

"ہوں۔" وہ اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے بولے پھر معاً کچھ یاد آیا تو انہوں نے فراز کو دیکھ کر کہا۔

"بیٹا تمہاری ممی تمہارے آفس جوائن کرنے کی خوشی میں ایک پارٹی ارینج کر رہی ہیں تم اپنے دوستوں وغیرہ کو بلانا چاہو تو انوائٹ کر لینا۔"

"او کے پاپا میں دیکھ لوں گا۔" پھر فراز اور سمیر کاروباری امور کے متعلق ایک دوسرے سے تبادلہ خیال کرنے لگے۔

●......□......●

لندن آئی کی سیر کرتے ہوئے جیسکا کسی طلسم کے زیر اثر تھی ماحول کی بے پناہ رعنائی و رنگینی پر کیف و رومان پرور ماحول اس پر ابرام کا ساتھ اسے کسی دوسرے جہان میں لے گیا تھا وہ ابرام کے بازو کو اپنی بانہوں میں لپیٹے اس کے کندھے پر سر رکھے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی چہل قدمی میں مصروف تھی۔

"اوہ ابرام مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ تم اس پل میرے ساتھ ہو میرے ہاتھوں میں تمہارا ہاتھ ہے اور ہم یہاں ایک دوسرے کے سنگ گھوم رہے ہیں کیا یہ کوئی حسین خواب تو نہیں۔" جیسکا کچھ پل کے لیے آنکھیں موندھ کر بولی اس پل جیسکا کے ملبوسات اور وجود سے اٹھتی انتہائی دلفریب مہک نے ابرام کے گرد جیسے کوئی حصار سا باندھ دیا تھا آج وہ معمول سے ہٹ کر حسین اور دلنشین لگ رہی تھی رائل بلو اسکرٹ پرنٹ بلاؤز کے ہمراہ فینسی بلیک اوور کوٹ پہنے وہ بہت سحر انگیز شخصیت کی مالک لگ رہی تھی۔

"ڈیئر یہ خواب نہیں...... میں اس وقت مجسم تمہارے ہمراہ ہوں۔" ابرام کی مسکراتی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ کچھ اور بھی مدہوش ہونے لگی تھی تقریباً دو گھنٹے بعد جب انہوں نے واپسی کا قصد کیا تو ریڈیو سیٹ کی ذریعے انہیں سنو فال کی بابت معلوم ہوا گرم ہینڈ گاڑی میں ڈرائیونگ سنبھالے ابرام کچھ مضطرب سا ہو گیا۔ "تو وہ اس کا مطلب ہے راستہ بند ہو گا اور اسے کلیئر ہونے میں گھنٹوں لگ جائیں گے۔"

"سو واٹ ابرام میری مام کو معلوم ہے کہ اس وقت میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہیں بھی گھر جانے کی اتنی کیا جلدی ہے ہمیں گھر ہی تو جانا ہے پہنچ جائیں گے۔" جیسکا ایک بار پھر اس کے کندھے پر سر رکھ کر بولی تو ابرام سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"مجھے ایک بہت ضروری کام تھا جیسکا۔" ابرام کی آواز پر اس نے اپنا سر اٹھایا اور اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔

"مائی ڈیئر فرینڈ مجبوری ہے ہم فی الحال اس وقت گھر نہیں پہنچ سکتے۔"

"تمہیں تو بہانہ مل گیا نا میرے ساتھ مزید وقت گزارنے کا۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا تو جیسکا کھلکھلا کر ہنس دی۔

"آف کورس ڈیئر۔" پھر ہاتھ بڑھا کر جیسکا نے میوزک پلیئر آن کر دیا دلکش و دلفریب سی انگریزی موسیقی کے رنگ

گاڑی میں بکھرے تو ماحول کچھ اور بھی خوب صورت و خواب ناک ہو گیا۔ ابرام نے گاڑی اسٹارٹ کر کے سہولت سے آگے بڑھا دی جبکہ جیسکا ایک بار پھر اس کے کندھے پر سر رکھ کر آنکھیں موندے ہوئے اپنے لبوں کو گانے کے بول کے ساتھ چلانے لگی۔

●.....□.....●

شفاف و کشادہ نیلگوں آسمان۔ جس پر چھوٹے چھوٹے بادلوں کے گولے ایک دوسرے سے کافی فاصلوں پر ادھر ادھر بکھرے دکھائی دے رہے تھے۔ ٹھنڈا خنک موسم اس پل اپنی رنگینیوں کا مظاہرہ کرتا بہت بھلا لگ رہا تھا چہچہاتے کھلکھلاتے سرمست پرندے تلاش رزق کے لیے اپنے اپنے گھونسلوں سے نکل کر مختلف سمتوں میں پرواز کر رہے تھے جن کی چہکار سے ماحول میں ایک ردھم سا بنا ہوا تھا لالہ رخ نے کمرے کی کھڑکی سے یہ سارا منظر دیکھا اور پھر گہری گہری سانسیں لے کر تر و تازہ ہوا اپنے نتھنوں کے ذریعے پھیپھڑوں میں اتاری تھی۔

"اف لالہ یہ کھڑکی تو بند کرواتنی ٹھنڈی ہوا اندر آ رہی ہے۔" زرتاشہ جو غالباً ابھی غسل کر کے نکلی تھی بالوں کو تولیے سے جکڑے اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے سے رگڑتے ہوئے کپکپاتی آواز میں بولی تو لالہ رخ نے اس کی حالت دیکھ کر جلدی سے کھڑکی بند کر دی پھر اس کے قریب آ ئی۔

"تاشو آج تمہارا یونیورسٹی میں پہلا دن ہے عتیق بتا رہا تھا کہ عموماً فرسٹ ڈے ہی دوستیاں ہو جاتی ہیں' گروپس وغیرہ بن جاتے ہیں تم ذرا دیکھ بھال کے دوستی کرنا سمجھیں۔"

"لالہ تم فکر مت کرو میں دیکھ لوں گی مگر پلیز تم میری تیاری میں تو ہیلپ کرو میں ویسے ہی بہت نروس ہو رہی ہوں۔"

اس وقت وہ ہوسٹل کے روم میں موجود تھیں' دونوں بہنیں کل یہاں ٹرین کے ذریعے پہنچی تھیں لالہ رخ کو فوراً واپس مری جانا تھا۔ کیونکہ ایک تو اس کی جاب کا معاملہ تھا اور دوسرا ابا کی طبیعت بھی ناساز رہتی تھی اور امی بھی تنہا لالہ کے بنا بوکھلا جاتی تھیں۔ انہیں لالہ رخ کے وجود سے بہت ڈھارس اور طمانیت محسوس ہوتی تھی ایک تحفظ کا احساس ہوتا تھا۔ نجانے لالہ رخ کی شخصیت میں ایسی کون سی کشش تھی اس کے وجود سے سب کو بہت سکون اور تقویت محسوس ہوتی تھی' وہ تھی ہی ایسی ہر کسی مسئلے پریشانی کو اپنا سمجھنے والی اور پھر اسے حل کرنے کی سر توڑ کوشش کرنے والی وہ محلے والوں جاننے والوں غرض کہ ہر ایک کے دکھ درد میں کام آتی تھی امی ابا کے لیے اس کا وجود باعث رحمت و تشکر تھا' وہ واقعی اس دنیا کی بہت منفرد پر خلوص اور بے مثال لڑکی تھی پھر جب دونوں بہنیں تیار ہو کر وہاں پہنچیں تو بھانت بھانت کی بولیاں بولتے طلباء رنگ برنگے لہراتے آنچل اور ہنستے مسکراتے بے فکرے چہروں کو دیکھ کر وہ دونوں سٹپٹا سی گئیں لالہ رخ نے تو کچھ ہی دیر میں اپنے آپ کو کمپوز کر لیا اس کی ازلی خود اعتمادی واپس بحال ہو گئی تھی البتہ زرتاشا کافی گھبرائی ہوئی تھی۔ وہ رونی صورت میں اس کے کان کے پاس آ کر بولی۔

"لالہ یہاں تو بے پناہ اسٹوڈنٹس ہیں مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" زرتاشہ کی سرگوشی نما منمناہٹ سن کر بے ساختہ لالہ رخ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ در آئی۔

"ہوں بڑا شوق ہو رہا تھا نا تمہیں یہاں آ کر پڑھنے کا اب بھیگی بلی کیوں بن گئی ہو؟"

"اب تم مجھے اس طرح طعنے تو مت دو نا۔" لالہ رخ کو اس کی روتی شکل پر ترس آ گیا' کندھے پر دھرا زرتاشہ کا ہاتھ وہ اپنے دوسرے ہاتھ سے تھپک کر بولی۔

"تاشو یہ لوگ تمہیں کھا نہیں جائیں گے آؤ ادھر بینچ پر جا کر بیٹھتے ہیں۔" لابی میں موجود بینچوں میں سے ایک پر وہ دونوں بیٹھ گئیں۔

"ویسے لالہ یہاں کی لڑکیاں کچھ عجیب سی نہیں ہیں اف اللہ دیکھو ذرا اس لڑکی نے کتنا بے ہودہ لباس پہنا ہوا ہے۔"
ایک نسوانی مہین سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو اخبار بینی میں مصروف یک دم فراز شاہ نے بے اختیار اپنے منہ پر پھیلے اخبار کو ایک جانب ہٹاتے ہوئے تھوڑا گردن موڑ کر دیکھا اس کے بالکل قریب کی بینچ پر دو لڑکیاں اسے بیٹھی ہوئی دکھائی دیں' ڈارک براؤن گرم شلوار سوٹ میں بلیک شال اچھی طرح اوڑھے سنہری دمکتی رنگت والی یہ نوخیز سی لڑکی اسے کافی نروس سی نظر آئی جبکہ ٹی پنک لیلن کے سوٹ میں آف وائٹ شال اوڑھے دوسری لڑکی کافی پُراعتماد دکھائی دی۔ فراز شاہ نے کن اکھیوں سے انتہائی دلچسپی سے انہیں دیکھا۔
"لالہ پلیز تم میرے ساتھ کلاس روم میں چلنا میں اکیلی ہرگز نہیں جاؤں گی۔" وہ نوعمر کیوٹ سی لڑکی بڑی لاچاری سے بولی۔
"کیا پاگل ہوگئی ہو تم ایڈمیشن تمہارا ہوا ہے میں کس خوشی میں وہاں جا کر بیٹھ جاؤں اور پھر سارے اسٹوڈنٹس تمہاری عمر کے ہیں میں وہاں پر بیٹھ کر کتنی آکورڈ لگوں گی۔"
"ہاں ہاں تم تو ماسی برکتے ہو جس کی آنکھ میں موتیا اتر آیا ہے یا پھر کا کا نذیرہ جو مدر ٹریسا کی ہم عمر ہیں یا خدا آخر تمہیں خود کو اتنا بڑا اور بوڑھا ثابت کر کے کس بات کی تسکین حاصل ہوتی ہے۔"
"تاشو حد ہوگئی مبالغہ آرائی کی میں اپنے آپ کو بھلا ماسی برکتے یا کا کا نذیرہ سے کہاں ملا رہی ہوں مگر اب میں تمہاری عمر کی بھی نہیں ہوں۔" وہ اسے لتاڑتے ہوئے گویا ہوئی۔
"یار قسم سے لالہ تم میری ہی ہم عمر لگ رہی ہو اس وقت بلکہ مجھ سے بھی چھوٹی لگ رہی ہو اب پلیز میرے ساتھ کلاس روم چلی چلونا۔" وہ لڑکی اس کا ہاتھ پکڑ کر منت بھرے لہجے میں بولی تو فراز نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی تھی۔
"اف تاشو تم بہت عاجز کرتی ہو مجھے۔"
"پلیز پلیز لالہ بس میری یہ ایک بات اور مان لونا پلیز۔"
"او کے اب چلو چل کر دیکھتے ہیں کہ کہاں ہے تمہاری کلاس۔" لالہ کے جواب پر زرتاشہ کے چہرے پر خوشی کی قوس قزح بکھر گئی پھر وہ دونوں لڑکیاں اپنی جگہ سے اٹھ کر دوسری جانب چل دیں جبکہ فراز اپنے دوست اسسٹنٹ پروفیسر بلال سے ملنے کے لیے ہاتھ میں بندھی گھڑی پر نگاہ ڈال کر اٹھ کھڑا ہوا۔

●......□......●

انتہائی ویل ڈیکوریٹڈ روم کا جب دروازہ کھلا تو بے حد بھینی و دلکش خوش بو نے جیسے ان کا استقبال کیا ابرام کمرے میں داخل ہوا تو ڈارک پرپل اور آف وائٹ امتزاج سے سجا یہ کمرہ اس کی نگاہوں کو انتہائی بھلا لگا اس کے پیچھے پیچھے جیسکا بھی اندر داخل ہوئی۔
"واؤ ویری بیوٹی فل روم۔" جیسکا نے ایک تفصیلی نگاہ کمرے میں ڈال کر بے اختیار کہا پھر آگے بڑھ کر دیوار گیر کھڑکی پر سے دبیز آف وائٹ پردوں کو کھینچا سامنے جیسے پورا لندن دکھائی دے رہا تھا انتہائی خوب صورت منظر تھا جیسکا نے بڑی اشتیاق آمیز نگاہوں سے دیکھا پھر گردن موڑ کر ابرام کو متوجہ کرتے ہوئے پرجوش انداز میں بولی۔
"ابرام دیکھو کتنا خوب صورت نظارہ ہے۔ مجھے تو ایسا لگ رہا ہے کہ آج میں تمہارے سنگ کسی جنت میں آ گئی ہوں۔ آؤ نا پلیز۔" ابرام نے مسکرا کر بچوں کی طرح خوش ہوتی جیسکا کو دیکھا پھر اس کے پہلو میں جا کھڑا ہوا برف باری ہونے کی وجہ سے راستے بند تھے دونوں نے فی الحال کسی ہوٹل میں رہنے کا فیصلہ کیا تھا لہٰذا اب دونوں یہاں موجود تھے۔ جیسکا واقعی بہت دلچسپ اور اچھی لڑکی تھی۔ ابرام نے اس کی کمپنی کو آج بہت انجوائے کیا تھا جیسکا کی شخصیت میں ایک بات تھی کہ وہ

مقابل کو بالکل بھی بور نہیں ہونے دیتی تھی وہ سامنے والے کی پسند و مزاج کو مدنظر رکھ کر خود کو بھی اس کے ڈھب میں ڈھال کر اس کی ہم مزاج بن جاتی تھی جس سے سامنے والے کو لگتا تھا کہ جیسکا اسی کی جیسی لڑکی ہے اور پھر وہ اس کے ساتھ بہت ایزی فیل کرتا۔ جیسکا نے آج صرف ابرام کے مزاج اس کی عادات کے مطابق خود کو ظاہر کیا تھا یہی وجہ تھی کہ ابرام جیسا مشکل اور ریزرو و سنجیدہ طبیعت کا حامل شخص بھی جیسکا کے ساتھ وقت گزار کر خوش و پرسکون دکھائی دے رہا تھا۔

"ابرام مجھے اپنا ملک اپنا شہر بہت پسند ہے۔ دیکھو نا کتنی خوب صورتی و دلکشی پھیلی ہوئی ہے یہاں۔" جیسکا کھڑکی سے نظارہ کرتے ہوئے مگن لہجے میں بولی تو ابرام نے صرف ہوں کہنے پر اکتفا کیا پھر کچھ سوچ کر گویا ہوا۔

"تمہارے والدین یہاں کے مقامی ہیں نا؟"

"ہاں میرے دونوں پیرنٹس کا یہ آبائی شہر ہے دونوں کا پسندیدہ مگر علیحدگی کے بعد ڈیڈ لاس اینجلس چلے گئے۔" جیسکا کے والدین کے درمیان طلاق ہو چکی تھی وہ اپنی ماں کے ساتھ یہیں لندن میں ہی مقیم تھی۔

"تم ایسا کرو ابرام کچھ آرڈر کرو جب تک میں فریش ہو کر آتی ہوں۔" یہ کہہ کر جیسکا واش روم کی جانب بڑھی تو ابرام روم سروس کو کال کرنے کی غرض سے فون سیٹ کی جانب چلا آیا تھوڑی ہی دیر میں روم سروس کافی کے ساتھ ساتھ یہاں کا خاص مشروب بھی لے آیا ابرام نے اسے جانے کا اشارہ کیا اور پھر وہ خاص مشروب کی جانب متوجہ ہو گیا ساتھ ساتھ اس کا ذہن کہیں اور کی سوچ کی پروان بھر رہا تھا جب اور جہاں اس کا ذہن کچھ ریلیکس ہوتا اس کا دھیان ماریہ کی جانب چلا جاتا ابھی بھی وہ ماریہ کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ اسی دم واش روم کا دروازہ کھلا اور خوشبوؤں میں ڈوبی جیسکا باہر آئی ابرام نے بے ارادہ اس پر نگاہ ڈالی تو چند ثانیے کے لیے وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا وہ اپنا بلیک گرم کورٹ اتار چکی تھی بلو اسکرٹ میں اس پل اس کے وجود کی پوشیدہ رعنائیاں خود کو چھپانے کی کوشش میں مزید ظاہر ہو رہی تھیں اس وقت جیسکا کا حسین و دلفریب سراپا کسی قیامت سے کم نہیں لگ رہا تھا اور ایسی دعوت عشرت دیتی قیامت سے نظر چرانا کسی مرد کے بس کی بات نہیں تھی۔ ابرام بھی جیسے کسی طلسم کے زیر اثر آ گیا تھا۔ جیسکا نے ابرام کی نگاہوں میں خاص رنگوں کو دیکھ کر انتہائی دلکشی سے مسکرا کر دیکھا تھا جواباً ابرام بھی اسے دیکھ کر مسکرایا۔ پھر وہ نزاکت سے چلتی ہوئی اس کے مقابل آ بیٹھی تو ابرام جیسے ٹرانس سے باہر آیا پھر یک دم کافی کی جانب اشارہ کر کے بولا۔

"تمہارے لیے بلیک کافی آرڈر کی ہے پی لو کہیں ٹھنڈی نہ ہو جائے۔"

"نہیں میرا کافی پینے کا موڈ نہیں۔" یہ کہہ کر اس نے مشروب کی بوتل اٹھائی اور گلاس میں تھوڑا سا مشروب نکال کر اپنے شنگرفی لبوں سے لگا لیا ابرام اس کی کارروائی کو خاموشی سے دیکھتا رہا مشروب پینے کے دوران جیسکا کی خوب صورت آنکھوں میں سرخی در آئی تھی جو اسے اور دلنشین و دلفریب بنا گئی تھی۔

"جیسکا تم ڈرنک کرتی ہو؟" ابرام کے سوال پر جیسکا نے اسے قدرے چونک کر دیکھا پھر قاتلانہ مسکراہٹ لبوں پر سجا کر دھیرے سے ہنس کر بولی۔

"بہت کم ڈیئر خاص خاص موقعوں پر جیسے آج کا موقع بہت خاص ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھے گئی ابرام اس کی نگاہوں کے پیغام اور معنویت کو پڑھ کر دھیرے سے مسکرایا پھر اپنی نشست سے اٹھ کر کھڑکی کے نزدیک جا کھڑا ہوا باہر ہوتی برف باری انتہائی دل فریب لگ رہی تھی اس وقت ایسا لگ رہا تھا جیسے چھوٹے چھوٹے روئی کے سفید گالے آسمان سے گر رہے ہوں پورے ماحول پر ایک عجیب سا فسوں طاری تھا جب ہی اگلے پل ابرام کو احساس ہوا کہ انتہائی ملائم مگر انگارے سے بھی زیادہ دہکتا وجود اس کی پشت پر آ سمایا ہو۔

"اوہ ابرام مجھے تو ابھی تک ایسا لگ رہا ہے کہ میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں جو بہت دلفریب و رومان پرور ہے ڈر لگ رہا

ہے کہ کہیں میں آنکھیں کھولوں اور یہ خواب ٹوٹ نہ جائے۔" جیسکا کی گرم بے ترتیب سانسوں کی حدت اس کو محسوس ہو رہی تھی۔ وہ چند ثانیے یونہی کھڑا رہا پھر آہستہ سے اس کی جانب پلٹا تو جیسکا تیزی سے اس کے سینے میں آ سمائی۔

"جیسکا تم ضرورت سے زیادہ رومینٹک ہو رہی ہو۔" ابرام جیسکا کے بالوں سے آتی مہک کو اپنے اندر اتارتا ہوا سرگوشی میں بولا۔

"کیوں تمہیں میرا رومینٹک ہونا اچھا نہیں لگ رہا۔" جواباً ابرام نے اس کے سر پر چپت رسید کر کے ہنس کر کہا۔

"بس جیسکا آج کے لئے اتنا رومینس کافی ہے تمہیں پتہ ہے نا کہ مجھے رومینس کرنا بالکل نہیں آتا۔"

"نو پرابلم ابرام میں تمہیں رومینس کرنا سکھا دوں گی۔" اور اس پر ابرام کو لگا جیسے جیسکا نے اس کے سارے راستے مسدود کر دیے ہوں اب وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہل سکے گا۔

●......□......●

ماریہ اپنے کمرے میں چکر پھیریاں لگا لگا کر اب تھک چکی تھی۔ مگر اس کا ذہن کسی نتیجے پر اب بھی نہیں پہنچ سکا تھا وہ نڈھال سے انداز میں اپنے بستر پر ڈھے گئی اور اپنے دونوں ہاتھوں میں سر گرالیا اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی اس کے گرد اپنا شکنجہ مضبوط سے مضبوط تر کر رہا ہو اسے کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی اور شومئی قسمت اس کی کوئی بھی ایسی دوست نہیں تھی جس کے سامنے وہ اپنی پریشانی بیان کر کے اس کا حل مانگنے کی درخواست کرتی اس پل وہ خود کو بہت اکیلا اور تنہا محسوس کر رہی تھی۔

"اوہ گاڈ...... کیا کروں کیا مام سے کلیئر کٹ بات کر کے نہیں سب کچھ سچ سچ بتا دوں؟" وہ خود سے بولی پھر اگلے ہی پل اس نے اپنے خیال کی انتہائی شدومد سے نفی کی۔ "نہیں میں ایسا ہرگز نہیں کروں گی ورنہ تو وہ پہلی ہی فرصت میں میری شادی اس ولیم سے کر دیں گی...... تو...... تو کیا کروں پاپا سے بات کروں؟" ایک بار پھر اس نے خود سے سوال کیا۔ "وہ تو مام کی آنکھوں سے دیکھتے اور ان کے کانوں سے سنتے ہیں وہ مام کو سب کچھ بتا کر میرے لیے اور پرابلم کھڑی کر دیں گے۔ تو کیا جیسکا میری کچھ ہیلپ کر سکے گی؟ نو وے جب ابرام بھائی مجھے سپورٹ نہیں کر رہے تو جیسکا بھی مجھے شیلٹر نہیں دے گی۔" وہ مایوسی سے خود ہی سے بولے جا رہی تھی۔ "یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے مجھے سمجھنے والا کوئی بھی میری بات نہیں سنے گا۔" ماریہ کافی دیر تک ہنوز اسی پوزیشن میں بیٹھی اپنا دماغ لڑاتی رہی کہ شاید کوئی ترکیب کوئی حل اس کے ذہن میں آ جائے مگر جب وہ کوئی بھی حل نکالنے میں ناکام ہو گئی تو خاموشی سے اٹھی اور الماری سے اپنی مطلوبہ چیز نکالی اسے بستر پر رکھا اور پھر واش روم کی جانب چلی گئی۔

●......□......●

ہتھیلیوں کی دعا پھول لے کر آئی ہو
کبھی تو رنگ میرے ہاتھ کا حنائی ہو
کوئی تو ہو جو میرے تن کو روشنی بھیجے
کسی کا پیار ہوا میرے نام لائی ہو
گلابی پاؤں مرے چمپئی بنانے کو
کسی نے صحن میں مہندی کی باڑھ اگائی ہو
کبھی تو ہو مرے کمرے میں ایسا منظر بھی
بہار دیکھ کر کھڑکی سے مسکرائی ہو

وہ سوچتے جاگتے رہنے کا موسموں کا فسوں
کہ نیند میں ہوں مگر نیند بھی نہ آئی ہو!!

وہ پروین شاکر کی کتاب کی ورق بینی کرتے کرتے یک دم کتاب اپنے سینے پر رکھ کر کسی لامعنی سی سوچ میں ڈوب گئی۔ چھوٹے سے کمرے کے ایک کونے میں بنے آتش دان میں اس وقت لکڑیاں سلگ کر کمرے کے ماحول کو خوش گوار سی حدت بخش رہی تھیں اپنے آرام دہ بستر پر بچھے آرام گرم لحاف کے اندر لیٹی لالہ رخ خیالات کے گھنے جنگل میں بھٹکتے نجانے کن بھول بھلیوں میں گم ہونے لگی تھی۔ جب ایک لڑکی بچپن کا آنگن پار کر کے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتی ہے تو سنہرے روپہلے پُرمہک ورومانوی خوابوں کے پنچھی خود بخود بغیر کسی اجازت اور بلاوے کے دل کی منڈیر پر آبیٹھتے ہیں اور آنکھیں ان خوابوں کو سوتی جاگتی کیفیت میں ہمہ وقت دیکھنے لگتی ہیں۔ اپنے شریک حیات کے حوالے سے ہر لڑکی کوئی نہ کوئی خواب ضرور اپنے من میں بن لیتی ہے اور پھر دل وجان سے اس خواب کی حفاظت کرتی ہے مگر ہر لڑکی کی طرح لالہ رخ کے اندر ایسا کوئی احساس کوئی خیال اجاگر نہیں ہوا تھا وہ بچپن ہی سے کم گو سنجیدہ اور کافی مختلف مزاج کی حامل تھی اپنی آنے والی زندگی اور اپنے جیون ساتھی سے متعلق اس نے کوئی سہانا خواب کوئی دلفریب احساس اپنے اندر محسوس نہیں کیا تھا وہ اگر اس متعلق سوچنا بھی چاہتی تو اسے فرصت ہی نہیں ملتی تھی وہ یونہی لامتناہی بے وجہ کی سوچوں میں گھری ہوئی تھی جب ہی امی کمرے میں داخل ہوئیں لالہ رخ انہیں دیکھ کر اپنے دھیان سے چونکی اور پھر تھوڑی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"امی آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں؟ کیا ہوا نیند نہیں آ رہی آپ کو؟" لالہ رخ اپنے بیڈ سے تھوڑا سرکتے ہوئے امی کے لیے جگہ بناتے ہوئے بولی تو امی ایک گہری سانس بھر کر اس کے پاس بیٹھ کر گویا ہوئیں۔

"ہوں تاشو کی بہت یاد آ رہی ہے۔"

"تو میں آپ کی اس سے بات کروا دیتی ہوں۔" وہ فوراً بولی۔

"رہنے دو لالہ وہ اس وقت سو رہی ہوگی اتنی رات کو فون کرو گی تو پریشان ہو جائے گی۔" پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوئیں۔

"بیٹا تم نے اچھی طرح تسلی تو کر لی تھی نا وہاں کا ماحول تو ٹھیک تھا نا اور ہوسٹل کیسا تھا وہاں سیکیورٹی کا انتظام تو تسلی بخش تھا' تاشو پریشان تو نہیں ہو رہی تھی۔" لالہ رخ پرسوں ہی زرتاشیہ کو کراچی چھوڑ کر مری پہنچی تھی پہلے دن تو وہ بہت نروس تھی' مگر زرینہ جہانگیر سے اس کی دوستی ہوگئی تھی جو پشاور کے کسی گاؤں سے آئی تھی اور زرتاشہ کی روم میٹ بھی تھی لالہ رخ نے اپنی جانب سے زرینہ کو پرکھنے کے بعد زرینہ کو اس سے دوستی کی اجازت دی تھی زرینہ بھی اسے زرتاشہ کی طرح معصوم اور بھولی بھالی لڑکی لگی تھی جو زرتاشہ کی ہی طرح اعلیٰ تعلیم کا خواب لے کر اپنے گھر والوں سے بڑی مشکلوں سے اجازت لے کر یہاں تک پہنچی تھی چند ہی گھنٹوں میں زرینہ اور زرتاشہ آپس میں کافی گھل مل گئی تھیں۔ امی نے لالہ رخ سے یہ بات کوئی چھٹی مرتبہ پوچھی تو بے ساختہ لالہ رخ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ در آئی۔

"امی آپ کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہیں میں وہاں پوری تسلی اور اطمینان کرنے کے بعد ہی اسے چھوڑ کر آئی ہوں اور پھر عتیق بھی تو وہیں پڑھتا ہے وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ باجی آپ بالکل فکر مت کریں میں زرتاشہ کا خیال رکھوں گا۔" لالہ رخ سہولت سے گویا ہوئی تو امی نے ایک اطمینان بھری سانس بھری پھر لالہ رخ کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھ کر دھیرے سے کہنے لگیں۔

"لالہ تم تو جانتی ہو نا کہ تاشو کتنی معصوم اور سیدھی ہے زمانے کے چال چلن سے بالکل نابلد اب وہ اتنے بڑے شہر چلی گئی ہے جہاں ہر قسم کی لڑکیاں ہوں گی آزاد اور بے باک ماحول ہوگا مجھے ڈر ہے کہ......" وہ خود ہی اپنا جملہ ادھورا چھوڑ گئیں لالہ رخ

خاموشی سے انہیں دیکھے گئی۔ "لالہ مجھے تم پر بہت بھروسہ ہے تم بہت سمجھدار بچی ہو میری' میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تم میری تاشو کا خیال رکھنا اس کی حفاظت کرنا۔"

"امی یہ سب باتیں آپ کو کہنے کی ضرورت نہیں ہے وہ میری چھوٹی بہن ہے مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے آپ پلیز اس کے متعلق بالکل بھی فکر مند نہ ہوں' میں ہوں نا......؟" وہ امی کے بازو پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"میں جانتی ہوں کہ تمہیں اپنی چھوٹی بہن کا بہت خیال ہے' بس میں نے یونہی کہہ دیا۔"

"تو بس آج سے آپ زرتاشہ کی فکر میرے حوالے کردیں۔" وہ ہنس کر بولی تو امی نے انتہائی شفقت سے اس کی کشادہ پیشانی کو چوم لیا۔

●......□......●

چہار سو معنی خیز خاموشی خواب ناک پُرطلسم ماحول اور شوریدہ جذبوں کی لہروں نے اسے پوری طرح اپنے قابو میں کرلیا تھا' جیسکا کی بے ترتیب تیز رفتاری میں چلتی سانسیں ابرام کو اپنے چہرے اور گردن پر محسوس ہورہی تھیں جیسکا ابرام کی مضبوط بانہوں میں ریشم کے تھان کی طرح پھسل پھسل جارہی تھی' قریب تھا کہ وہ دونوں اس سرکشی پر آمادہ جذبات کے ساغر میں ڈوبتے ابرام نے یک دم اپنی بند آنکھوں کو ایک جھٹکے سے کھولا...... جیسکا اپنا آپ بھولائے شاید کچھ بول رہی تھی مگر ابرام کہاں سن رہا تھا اس کا موڈ ایک لمحے میں تبدیل ہوا تھا' جیسکا کو انتہائی نرمی سے خود سے الگ کیا اور وہاں سے ہٹ گیا' جیسکا جو مدہوشیوں کی آخری انتہا پر پہنچی تھی یوں اچانک ابرام کو دور جاتا دیکھ کر انتہائی حیرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتی رہ رہی جو اس وقت اپنا سیل فون چیک کررہا تھا۔

"ابرام آر یو اوکے؟" جیسکا تعجب بھری آواز میں استفہامیہ لہجے میں بولی۔

"یس آئی ایم...... راستے کلیئر ہوگئے ہیں تم نیچے آؤ ہمیں اب چلنا چاہیے۔" یہ کہہ کر وہ اس کی جانب دیکھے بنا ہی دروازہ کھول کر باہر نکلتا چلا گیا جب کہ جیسکا نے انتہائی تملا کر اپنا پیر زمین پر پٹخا پھر بستر پر دھرا کورٹ بے تحاشا چڑ کر اٹھایا اور باہر کی جانب بڑھ گئی۔

●......□......●

سمیر شاہ کی کوٹھی کے کشادہ اور خوب صورت سے وسیع وعریض لان میں انتہائی خوب صورت ڈیکوریشن کر کے لان کی دلکشی میں مزید اضافہ کیا گیا تھا۔ سردی کا موسم ہونے کے باعث جدید طرز کے ٹینٹ سے پورے لان کو انتہائی مہارت سے کور کیا گیا تھا' اندر کے ماحول کو گرم اور پر حدت رکھنے کے لیے ہیٹرز کا انتظام بھی موجود تھا' اطراف کو اصلی پھولوں کے دلفریب گل دستوں سے بڑی خوبی کے ساتھ سجایا گیا تھا خوب صورت وجدید انداز کے برقی قمقموں نے خوب صورتی میں جیسے چار چاند لگادیئے تھے۔ لان سے ملحق بنے صحن میں باربی کیو کی تیاری زوروں پر تھی جس کی دلفریب اور اشتہا انگیز خوش بو نے بھوک کو اور زیادہ چمکا دیا تھا' بااعتماد اور پُراثر مہمانان گرامی اپنے اپنے سوفٹ ڈرنک کے گلاسوں سے لطف اندوز ہورہے تھے۔ ساحرہ سمیر بڑی تمکنت اور طمطراق سے حق میزبانی ادا کررہی تھی آج انہوں نے اپنے بیٹے فراز شاہ کے اعزاز میں اس پُرتکلف پارٹی کا اہتمام کیا تھا جس نے بزنس کی دنیا میں اپنا قدم رکھا تھا۔

"یار سمیر اب تو تمہیں ریٹائرمنٹ لے لینی چاہیے تمہارا بیٹا جواب بزنس سنبھالنے لگا ہے۔" مسٹر فاروق کافی جولی مزاج کے تھے سمیر شاہ کو چھیڑتے ہوئے بولے۔

"یو آر رائٹ مسٹر فاروق' فراز یقیناً سمیر کے بزنس کو اس سے زیادہ اچھے طریقے سے چلائے گا۔"

"مقبول احسان صاحب آپ بھی مسٹر فاروق کے ہمنوا ہوگئے یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔" سمیر شکایتی انداز میں بولا تو

تینوں نفوس زور سے ہنس دیئے۔
"اوہ مسز سمیر وہری ناٹس پارٹی بھئی میں تو کہتی ہوں کہ جیسی ڈیسینٹ پارٹیز مسز سمیر دیتی ہیں ایسی پارٹیز کا تو کوئی مقابلہ ہی نہیں کرسکتا۔" مسز جمال خوشامدانہ انداز میں بولیں تو ساحرہ کی گردن مارے تفاخر وغرور کے کچھ اور زیادہ تن گئی۔
"بھئی مسز جمال میری زندگی کا تو ایک ہی اصول ہے جو کرو شاندار انداز سے کرو۔"
"ہاں بھئی مسز ساحرہ کی تو ہر چیز ہی شاندار ہے۔ شاندار شوہر شاندار زندگی شاندار پرسنلٹی شاندار بیٹے۔"
"ہوں اب بہو بھی شاندار ہی ہونی چاہیے۔" مسز فیروز کی بات پر مسز جمال نے ہنستے ہوئے ٹکڑا لگایا تو سب نے ہی مسز جمال کی بات کی تائید کی جس پر ساحرہ بڑی بے نیازی سے اپنے خوب صورت شولڈر کٹ بالوں کو دوسری جانب جھٹکتے ہوئے بولی۔
"بھئی اس سلسلے میں میں نے اپنے بیٹوں کو بالکل فری ہینڈ دیا ہوا ہے شادی انہیں کرنی ہے تو چوائس کا رائٹ بھی انہیں ہی ہونا چاہیے ایکچو لی میں عام ماؤں جیسی نہیں ہوں کہ اپنی پسند اور مرضی اپنے بچوں پر تھوپنے کی کوشش کروں ان کے کریئر کے حوالے سے بھی میں نے ان کو ہی اختیار دیا ہے کہ وہ جو چاہیں وہ لائن جوائن کریں۔"
"مسز سمیر یہ تو بہت اچھی بات ہے۔"
"ویسے مجھے اپنے بیٹوں پر پورا ٹرسٹ ہے کہ لائف پارٹنر بھی وہ بہت اعلیٰ اور بہترین چوز کریں گے کیونکہ میرے بیٹوں کی پسند عام تو ہے ہی نہیں۔" مسز فیروز کی بات پر ساحرہ ہنوز اپنے مخصوص انداز میں بولیں کہ اسی دم فاریہ بیگم اور سونیا خان چلی آئیں۔
"ہیلو آنٹی۔"
"او ہیلو مائی لونگ ڈاٹر آج تو تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔" سونیا نے نزاکت سے اپنا گال ساحرہ کے رخسار سے ملایا۔ وہ ساحرہ کے کمنٹ پر مسکرا کر تھینک یو کہہ کر رہ گئی' ساحرہ فاریہ سے علیک سلیک کے بعد سونیا کو جاتا دیکھ کر بولی جو فراز کی جانب چلی گئی تھی۔
"فاریہ سونیا کتنی اٹریکٹیو اور اسمارٹ ہوگئی ہے ساری محفل میں بالکل الگ اور منفرد لگ رہی ہے۔"
"ہوں...... تمہاری ہی بھتیجی ہے تمہارا اثر بھی تو آئے گا نا۔" فاریہ نے ساحرہ کو جیسے چڑھایا...... ساحرہ اتراہٹ بھری ہنسی ہنس کر رہ گئی بلیک ویلویٹ کی میکسی میں ملبوس نفیس سے میک اپ میں ساحرہ اس پل اپنی عمر سے بہت چھوٹی معلوم ہو رہی تھی۔
"سونیا یہ صحیح نہیں ہے میری بیسٹ فرینڈ اتنی لیٹ پارٹی میں آئی ہے تمہیں تو سب سے پہلے آنا چاہیے تھا۔" لڑکے اور لڑکیوں کے جھرمٹ میں گھرا فراز سونیا کو دیکھ کر اپنائیت بھرے انداز میں بولا تو سونیا کے اندر احساسِ تفاخر نے یک دم سر اٹھایا۔ اس نے بڑی فاتحانہ اور جتاتی نگاہوں سے ان لڑکیوں کو دیکھا جو اس پل فراز کے اردگرد کھڑی تھیں جن کے چہرے فراز شاہ کے جملے پر تھوڑے بگڑ سے گئے تھے۔
"آئی نو فراز تم میرا بہت شدت سے ویٹ کر رہے ہوں گے ایم سوری میں پھر بھی لیٹ ہوگئی۔" ڈارک میرون رنگ کی ساڑھی پر میرون ہی سلیولیس بلاؤز میں وہ بہت زیادہ خوب صورت لگ رہی تھی میرون اسٹون کی ہلکی سی جیولری اس پر ڈارک میک اپ کیے وہ بلاشبہ ساری لڑکیوں کو مات دے رہی تھی۔
"فراز تم مجھے آرٹ کے حوالے سے کچھ بتا رہے تھے نا۔" مسز فیروز کی بیٹی عائلہ نے فراز کی توجہ اپنی جانب مبذول کرنے کی کوشش کی۔ فراز نے چونک کر اپنے سامنے کھڑی عائلہ کی طرف دیکھا۔

"فراز کو تو آرٹ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے ان فیکٹ یہ تو کہتا ہے کہ رنگوں اور برش سے کھیلنا دنیا کا بورنگ ترین کام ہے۔" عائلہ انڈس ویلی سے آج کل فائن آرٹ کی کلاسز لے رہی تھی لہٰذا سونیا نے جان بوجھ کر عائلہ کو شرمندہ کرنے کی غرض سے کہا۔ فراز سونیا کی بات پر قدرے خفیف سا ہوا وہ عائلہ کا دل رکھنے کی خاطر یونہی اس سے آرٹ کی بابت گفتگو کرنے لگا تھا۔

"ہوں تم تو فراز کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو۔" عائلہ نے سونیا کو بغور دیکھتے ہوئے عام انداز میں یہ جملہ کہا مگر اس کے لہجے میں چھپی کاٹ اور ناگواری صرف سونیا ہی محسوس کر سکی سو انتہائی دلکشی سے مزید اسے سلگانے کی غرض سے فراز کے بازو کو اپنی بانہوں میں سمیٹتے ہوئے بولی۔

"میں فراز کے متعلق سب کچھ جانتی ہوں ان فیکٹ فراز کو میں خود اس سے بھی زیادہ جانتی ہوں۔" یہ سن کر عائلہ کا دل جل کر کباب ہوگیا۔

"اونہہ یہ سونیا جب تک فراز شاہ کے اردگرد ہے ہماری دال نہیں گلنے والی۔" عائلہ دل ہی دل میں بے پناہ تنفر سے بولی پھر بڑے استحقاق سے سونیا سب سے ایکسکیوز کر کے فراز کو وہاں سے لے گئی۔

●......▢......●

یہ وادیاں یہ پربتوں کی شہزادیاں
پوچھ رہی ہیں
کب بنوں گی میں دلہن کب آئیں گے میرے سجن
میرے سجن چلا بھی آ چلا بھی آ!!

"آ......آ ہاہا......" انتہائی رومینٹک انداز میں گانا گاتے ہوئے مہرینہ نے لہک کر جونہی پیچھے مڑ کر دیکھا ایک فلک شگاف چیخ مری کی وادیوں میں گونج اٹھی۔ جب کہ ساتھ چلتی لالہ رخ بھی بری طرح سہم کر رہ گئی۔

"یا وحشت مہر واقعی خوف ناک چیخ مارنے کی کیا ضرورت تھی۔" لالہ رخ نے انتہائی چڑ کر اسے لتاڑا پھر مہرینہ کی طرف دیکھا جو ششدر سی کھڑی تھی۔ لالہ رخ نے بھی مہرینہ کی تقلید میں گردن موڑ کر دیکھا تو اسے بھی اس پل خفیف سا جھٹکا لگا تین فٹ چار انچ کا عجیب وغریب سا شخص جس کا سر اس کے دھڑ سے قدرے بڑا تھا مہرینہ کو دیکھ کر اپنے پیلے پیلے دانت نکوس رہا تھا۔

"ل......لالہ......یہ......یہ کیا ہے؟"

"تم ہی تو اتنے زور و شور سے پکار رہی تھی چلا بھی آ......لو اب آ گیا......" لالہ رخ اپنے ہونٹوں کو بمشکل مسکرانے سے باز رکھتے ہوئے انتہائی شرارت آمیز لہجے میں بولی۔

"بکو مت سمجھیں......یہ ہے کون؟" مہرینہ اسے ڈپٹ کر ایک بار پھر اس کی جانب متوجہ ہوئی تو وہ شخص یک دم ہنسنے لگا۔

"ہی ہی......" اس کی ہنسی بھی بڑی عجیب وغریب تھی دونوں لڑکیاں پل بھر کو ٹپٹا گئیں۔

"باجی میں ہوں میں......!" وہ ہنوز دانتوں کو نکوستے ہوئے بولا تو مہرینہ بری طرح چڑ گئی۔

"لالہ مجھے تو یہ کوئی دوسری مخلوق لگ رہی ہے۔ میں منع کر رہی تھی نا تم سے کہ بھول اس وقت مت توڑو دیکھو نا یہ بھوت ہمارے پیچھے لگ گیا۔" مہرینہ خوف و دہشت کے عالم میں گھری گھگھیا کر بولی تو وہ اور زیادہ قہقہے لگانے لگا لالہ رخ اور مہرینہ ایک دوسرے سے لپٹیں انتہائی خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھے گئیں۔

"میں کوئی بھوت تو نہیں ہوں وہ زمیندار دلاور جان ہے نا ان کے خاص ملازم اکبر دین کا بیٹا ہوں بٹو۔" جب اس لڑکے نے اپنا مکمل تعارف کروایا تو دونوں کی جان میں جان آئی۔

"ہاں تو پھر ڈرا کیوں رہا ہے سیدھا سیدھا نہیں بول سکتا تھا کہ تو چاچا اکبر دین کا بیٹا ہے۔" مہرینہ قدرے شرمندہ اور خفیف سی ہو کر لالہ رخ سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔

"آپ مجھے بولنے کا موقع ہی کہاں دے رہی تھیں۔" وہ ایک بار پھر اپنی پوری بتیسی نکال کر بولا تو مہرینہ دل و جان سے سلگ گئی۔

"اب تو نے یہ خوف ناک دانت باہر نکالے تو ایک مکا مار کر سارے دانت توڑ دوں گی سمجھے۔" مہرینہ کی دھمکی پر فوراً اس نے اپنے دانت اندر کر لیے تھے۔

"اونہہ اچھے بھلے موڈ کا ستیاناس کر دیا کتنا اچھا گانا گا رہی تھی میں۔"

"ارے تم تو اب اور دل سے گانا گا سکتی ہو اب تو تمہارا انتظار جو ختم ہو گیا تم کہہ رہی تھی نا چلا بھی آ چلا بھی آ اب سامنے تو کھڑا ہے۔" لالہ رخ بھلا کہاں باز آنے والی تھی سو مہرینہ کو زچ کرنے کی غرض سے بولی مہرینہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔ بٹو نے دونوں کو نا سمجھی والے انداز میں دیکھا پھر جلدی سے بولا۔

"باجی مہرو تم کو بلو کی اماں بلا رہی ہے وہ کہہ رہی تھی کہ اسے تم سے کوئی جروری (ضروری) بات کرنی ہے۔"

"تم باجی مہرو کو کیسے جانتے ہو۔" لالہ رخ نے اسے دیکھ کر استفسار کیا تو ایک بار پھر وہ اپنے دانت نکالتا ہوا بولا۔

"نہیں تو سب جانتے ہیں میں کیسے نہیں جانوں گا بلو میرا دوست ہے میں نے اس کے گھر پر انہیں دیکھا تھا۔"

"مگر ہم نے تمہیں آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تم کہیں اور سے آئے ہو کیا؟" لالہ رخ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تو وہ تیزی سے سر ہلا کر بولا۔

"میں ساتھ والے گاؤں میں اپنے چاچا کے ساتھ رہتا ہوں اس کی فصلوں پر کام کرتا ہوں۔"

"تو پھر بلو کے گھر پر تم میرے سامنے کیوں نہیں آئے؟" مہرینہ نے یونہی پوچھ لیا تو وہ قدرے سنجیدگی سے نگاہیں جھکا کر بولا۔

"وہ جی سب مجھے دیکھ کر ڈر جاتے ہیں نا اس لیے میں آپ کے سامنے نہیں آیا مگر بلو مجھ سے نہیں ڈرتا وہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔"

بٹو کی بات پر لالہ رخ اور مہرینہ دونوں بری طرح شرمندہ سی ہو گئیں انہیں اس پل بٹو کی دل آزاری کا احساس ہوا یقیناً کسی بیماری میں مبتلا ہو کر بٹو کی ایسی ہیبت ہو گئی تھی۔

"بٹو ہمیں معاف کر دو پلیز ہم بھی تمہیں دیکھ کر ڈر گئے تھے۔" مہرینہ نے ندامت سے چور لہجے میں کہا تو یک دم بٹو پریشان ہو کر بولا۔

"نہیں باجی آپ معافی مت مانگو اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔"

"اچھا اب چھوڑ و ان باتوں کو بٹو تم بلو کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی اپنا دوست بنا لو پلیز۔" لالہ رخ کی بات پر بٹو نے انتہائی بے یقین نگاہوں سے انہیں دیکھا اور پھر دیکھتا رہ گیا۔

"کیا ہوا بٹو؟ تم ہمیں اپنا دوست نہیں بنانا چاہتے۔" مہرینہ اسے خاموش و ساکت سا کھڑا دیکھ کر شکایتی لہجے میں گویا ہوئی تو بٹو نے تیزی سے سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں نہیں باجی ایسی کوئی بات نہیں ہے وہ دراصل مجھ سے آج تک کسی نے دوستی تو دور اتنے پیار سے بھی بات نہیں کی

نا۔" بولتے بولتے اس کی آواز میں نمی در آئی۔ "میرے بھائی، بہن بھی مجھے پسند نہیں کرتے کہتے ہیں کہ اسے دوبارہ چاچا کے پاس بھیج دو۔" اس بات پر لالہ رخ اور مہرینہ کے حساس دل ایک ساتھ تڑپے تھے۔
"بس پھر آج سے ہماری دوستی پکی۔" مہرینہ تیزی سے بولی تو بٹو جلدی سے اپنی آستین سے آنکھوں میں آئے آنسو صاف کر کے بے پناہ خوشی کے احساس میں گھر کر بولا۔
"بالکل پکی باجی۔"

●......□......●

ڈرپوک ہیں وہ لوگ
جو محبت نہیں کرتے
بڑا حوصلہ چاہیے
برباد ہونے کے لئے!!!

فراز شاہ کے سنگ چلتے ہوئے سونیا نے انتہائی جذب کے عالم میں یہ مصرعہ ادا کیا تو فراز یک دم اپنی جگہ فریز ہوا پھر انتہائی بے یقینی سے سونیا کی جانب دیکھا۔
"او مائی گاڈ سونیا تم مجھے کبھی کبھی حیران کر دیتی ہو شعر و شاعری سے تمہیں اچانک اتنا انٹرسٹ کیسے پیدا ہو گیا؟"
"ہوں تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔" فراز کی بات پر وہ منہ پھلا کر بولی۔ پھر بغور اس کی جانب دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔
جانے کیوں اتنی سی بات پہ دھڑکن رک سی گئی
بس ذرا تصور ہی تو کیا تھا اس کے بغیر جینے کا
"یا اللہ اب تو میں بے ہوش ہونے والا ہوں۔ سونیا میں بے ہوش ہو جاؤں تو پلیز مجھے ہوش میں لے آنا۔" وہ دونوں باہر چلتے ہوئے پول سائیڈ پر آ گئے تھے۔ فراز نے ڈگمگاتے ہوئے باقاعدہ گرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔
"ویری فنی فراز! اب میں اتنی بدذوق بھی نہیں ہوں۔" وہ قدرے چڑ کر گویا ہوئی۔
"او کے...... او کے! اچھا کوئی اور اچھا سا شعر سناؤ۔"
"اب میرا موڈ نہیں ہے۔" وہ قدرے خفگی سے بولی۔
"اچھا بابا سوری میں رئیلی تمہارا مذاق نہیں اڑا رہا تھا۔" انتہائی خنک و روشن رات کے اس پل سونیا کو فراز کے ہمراہ یوں باتیں کرنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ حالانکہ ٹھنڈک کی زیادتی سے ہولے ہولے اس کا بدن کپکپا رہا تھا مگر یہ پرفسوں خیز لمحات ہر چیز پر جیسے حاوی ہو گئے تھے۔
"فراز مجھے تم سے بہت ضروری اور خاص بات کرنی ہے۔" آسمان کے سینے پر چمکتے گول و سفید چاند کو بغور دیکھتے فراز نے چونک کر سونیا کی جانب دیکھا۔ اندر غالباً ڈنر شروع ہو چکا تھا جب ہی کوئی انہیں ڈھونڈتا ہوا یہاں نہیں آیا تھا۔
"بولو سونیا میں سن رہا ہوں۔" فراز پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہو کر بولا تو سونیا نے نگاہ بھر کر فراز کو دیکھا گرے ڈنر سوٹ میں مہرون ٹائی اور اندر وائٹ شرٹ پہنے وہ ڈیسینٹ لگ رہا تھا۔
"فراز ہم دونوں بچپن سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں میری ساری زندگی تمہارے سامنے ہی گزری ہے ہم ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں۔"
"آف کورس سونیا! یو آر رائٹ۔" فراز اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے بولا۔
"فراز میں......" یک دم سونیا کو چھینک آئی اور پھر یکے بعد دیگرے آتی ہی چلی گئیں۔

"تو مائی گاڈ سونیا آئی تھنک تمہیں ٹھنڈ لگ گئی ہے اُف میں بھی کتنا اسٹوپڈ ہوں کہ باہر یوں تمہیں لے کر کھڑا ہو گیا۔ چلو آؤ اندر چلیں۔" یہ کہتے ہوئے فراز اس کا ہاتھ تھام کر اندر کی جانب بڑھا تو سونیا نے بھی اپنے قدم بڑھا دیئے۔

●......□......●

ابرام اور جیسکا نے باقی کا سفر خاموشی سے طے کیا جیسکا اپنی جانب کی کھڑکی کے شیشے سے باہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے خوب صورت چہرے پر چھائی سرخی اس کی اندرونی کیفیت کی بخوبی غمازی کر رہی تھی۔ ابرام نے دوران ڈرائیونگ دو تین بار جیسکا کی طرف دیکھا مگر قصداً اسے مخاطب نہیں کیا جاتے وقت جیسکا جتنی ایکسائیٹڈ اور خوش تھی آتے وقت اتنی ہی بجھی بجھی تھی ابرام نے گاڑی جیسکا کے اپارٹمنٹ کے سامنے روکی تو بڑی خاموشی سے اپنی جانب کا دروازہ کھول کر وہ اترنے ہی والی تھی کہ یک دم ابرام نے اس کا ہاتھ تھاما جیسکا نے سوالیہ نگاہوں سے ابرام کی سبز مائل آنکھوں میں جھانکا۔

"آئی ایم سوری جیسکا" وہ دھیرے سے بولا۔

"ابرام یو ہرٹ می۔" جیسکا نے یک دم کہا تو ابرام نے ایک گہری سانس بھری۔

"جیسکا میں نے تمہیں پہلے ہی بتادیا تھا کہ میں بہت بور اور مشکل انسان ہوں تم میری دوستی سے بور ہو جاؤ گی۔" ابرام نے اسے یاد دلانے والے انداز میں کہا تو یک دم جیسکا خفیف سی ہو گئی۔

"آئی ایم سوری ٹو ابرام مجھے ایسا نہیں بولنا چاہیے تھا ایکچولی میں تھوڑا اپ سیٹ فیل کر رہی تھی۔" وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے کانوں کو پکڑ کر بولی تو ابرام زور سے ہنس دیا پھر جیسکا اسے "بائے" بول کر گاڑی سے اتر گئی اور ابرام زن سے گاڑی لے اڑا۔

●......□......●

باسل آج کل اپنا سارا وقت نیلم فرمان کے ساتھ گزار رہا تھا وہ اپنے تئیں یہی سمجھ رہا تھا کہ اس نے نیلم فرمان جیسی مشرقی لڑکی کو ایمپریس کر لیا ہے حالانکہ معاملہ تو کچھ اور ہی تھا۔ ابھی بھی وہ اپنے اطراف سے بے خبر یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں بیٹھے باتوں میں مشغول تھے جب ہی رطابہ وہاں آدھمکی۔

"اُف نیلم تم یہاں بیٹھی ہو اور میں تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر بالکل ادھ موئی ہو گئی ہوں۔"

"تم نیلم کے سیل پر کال کر لیتی۔" باسل رطابہ کو دیکھتے ہوئے بولا جو پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"وہ ایکچولی میرے سیل فون کی بیٹری ختم ہو گئی ہے نا تو بار بار وہ آف ہو جاتا ہے۔" نیلم قدرے شرمندگی سے بولی تو باسل نے یہ سن کر فوراً کہا۔

"اٹس او کے نیلم میں تمہیں دوسرا سیل فون لا دوں گا۔"

"باسل نہیں پلیز اس کی کوئی ضرورت نہیں۔" نیلم گھبرائے ہوئے انداز میں بولی۔

"او کم آن نیلم ہم دوست ہیں اور پھر دوستوں میں تکلفات نہیں چلتے۔" باسل قطعیت بھرے لہجے میں بولا تو نیلم ناچار خاموش ہو گئی پھر وہ تینوں ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے جب باسل کو اپنا گروپ اندر داخل ہوتا دکھائی دیا۔

"او کے نیلم میرے فرینڈز آ گئے ہیں تم کل شام پانچ بجے تیار رہنا میں تمہیں رطابہ کے گھر سے پک کر لوں گا۔"

"او کے۔" نیلم شرمگیں مسکراہٹ سمیت بولی تو باسل اپنی کرسی سے اٹھ کر اپنے دوستوں کی جانب بڑھا جب کہ رطابہ نے انتہائی معنی خیز نگاہوں سے نیلم کو دیکھا جواباً نیلم بڑے خاص انداز میں مسکرائی تھی۔ باسل اپنے گروپ کو لے کر باہر نکل آیا۔

"اور سنا میرے یار وہ بنگال کی رانی آ گئی لائن پر۔" انس باسل کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

''اور کیسے نہ آتی لائن پر اسے شاید اس بات کا اندازہ نہیں کہ باسل حیات آخر ہے کیا چیز۔'' وہ نخوت بھرے انداز میں گویا ہوا۔

''چلو اب تمہاری انا کو تو تسلی مل گئی ہوگی کہ تم نے نیلم کی بے نیازی اور اس کا غرور مٹی میں ملا دیا۔'' عدیل نے گوہر افشانی کی۔

''ہوں ابھی نہیں میرے دوست ابھی تھوڑا اور اس کو اپنے قدموں میں جھکانا ہے۔'' وہ تنفر سے بولتا آگے بڑھ گیا۔

●......□......●

آج سنڈے ہونے کی وجہ سے وہ اپنی مام کے ہمراہ عبادت گاہ آئی ہوئی تھی۔ تقریباً ہر سنڈے وہ جیکولین کے ساتھ عبادت گاہ آتی تھی۔ مسٹر جوزف اس وقت مقدس کتاب کے کچھ اقتباسات کے متعلق بتا رہے تھے تمام حاضرین انتہائی ادب و احترام سے بیٹھے مسٹر جوزف کی باتوں کو دھیان سے سن رہے تھے جبکہ ماریہ سامنے کی جانب غائب دماغی سے کسی غیر مرئی نقطے کو گھورے جا رہی تھی۔ وعظ شاید ختم ہو گیا تھا دعائیہ کلمات اس کے کانوں میں پڑے تو ماریہ نے چونک کر اپنے اطراف میں دیکھا تیسری رو کی بینچ پر اسے جیسکا اور ولیم بھی بیٹھے دکھائی دیئے تھے۔ ولیم اسی جانب دیکھ رہا تھا ماریہ کے متوجہ ہونے پر اس نے اسمائل پاس کی تو ماریہ مروتاً بھی نہ مسکرا سکی یک دم اس کے اندر بے چینی و اضطراب کی لہریں سی اٹھنے لگیں سر اچانک بھاری ہوتا محسوس ہوا اسے چکر سے آنے لگے اپنی بگڑتی طبیعت پر اس نے قابو پانے کی کوشش کی اور پھر سر جھٹک کر مسٹر جوزف کی طرف متوجہ ہو گئی۔ مگر اگلے ہی لمحے اسے بے تحاشا ابکائی سی محسوس ہوئی وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور پھر تقریباً بھاگتی ہوئی عمارت سے باہر نکلی جیکولین نے کافی چونک کر اسے وہاں سے جاتا دیکھا جب کہ حاضرین کی بھی توجہ پل کی پل اس کی طرف مرکوز ہوئی تھی مگر پھر سر جھٹک کر وہ مسٹر جوزف کی جانب متوجہ ہو گئے ماریہ نے باہر آتے ہی خود کو لان کی گھاس پر گھٹنوں کے بل گرایا اور گہری گہری سانسیں لینے لگی اس پل اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے اسے کفن باکس میں بند کر دیا ہو ابھی اسے اسی پوزیشن میں بیٹھے کچھ دیر ہی گزری تھی کہ پیچھے پیچھے جیسکا اور ولیم آن پہنچے۔

''آر یو اوکے ماریہ۔'' ولیم اسی کے انداز میں اس کے قریب بیٹھتا ہوا بولا جب کہ جیسکا اس کے سر پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

''مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔'' جیسکا اس کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھ کر کچھ متفکرانہ انداز میں بولی تو اسی دم ماریہ کو زوردار ابکائی آئی۔ ماریہ کی اس کیفیت کو قدرے حیران اور پریشان ہو کر ولیم اور جیسکا نے بغور دیکھا۔

''ماریہ سب ٹھیک ہے نا کوئی گڈ نیوز تو نہیں ہے۔'' جیسکا کے شرارت سے بولنے پر ولیم نے اسے انتہائی الجھ کر دیکھا جب کہ ماریہ جیسکا کی بات پر انتہائی ششدر سی ہو کر اسے دیکھتی رہ گئی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

صائمہ قریشی

ڈھیروں ڈھیر سپنے آنکھوں میں سجائے وائٹ شرارہ پہنے' جس پر بلیو اور گولڈن ربن لگی تھی' موتیوں سے سجی شارٹ شرٹ کے ساتھ پیلا دوپٹہ جس کو انتہائی مہارت سے سیٹ کیا گیا تھا۔ لائٹ پنک میک اپ اور جیولری کے نام پر بڑی سا سیٹ اور رنگ برنگی چوڑیوں سے بھری کلائیاں اس کے حسن کو چار چاند لگا رہے تھے۔ خراماں خراماں چلتی وہ اسٹیج کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ہونٹوں پر کھیلتی مسکان اس کی دلکشی میں مزید اضافہ کررہی تھی۔ اسٹیج کو گرین سلک اور گلابوں سے سجایا گیا تھا۔ جدید اسٹائل کے دوسیٹ والے صوفے کے سائیڈ پر سنگل اسٹول پر دیدہ زیب رنگوں کا مغل اسٹائل کا بڑا سا تھال رکھا تھا۔ جس میں دیے روشن تھے اور دو چھوٹے چھوٹے باؤل رکھے تھے جن میں ابٹن اور مہندی رسم کے لیے منتظر تھے۔ دایاں ہاتھ پھیلائے اس پر ریڈ ٹشو پیپر رکھا تھا جس پر اب سب ملنے والے مہندی کی رسم مہندی لگا کر اور بالوں میں تیل ڈال کر دعائیں دے کر واپس جارہے تھے۔

اصبح سر جھکائے بیٹھی تھی۔ گلاب کی پتیوں کی بدھر مہک کے ساتھ مہندی کی خوش بو اس کو مسحور کررہی تھی۔ منزل قریب ہو' محل کا گیٹ نظر آرہا ہو تو ایک انجانی سی خوشی دل کے اندر پھوٹنے لگتی ہے۔ قدم اور تیزی سے اٹھنے لگتے ہیں اور تھکن کا احساس بھی ماند پڑنے لگتا ہے۔ اس طرح کی ایک خوشی نے اس وقت اصبح کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔

"مہندی ہے رچنے والی
ہاتھوں میں گہری لالی
کہئے سکھیاں اب کلیاں
ہاتھوں میں کھلنے والی ہیں
تیرے من کو جیون کو
نئی خوشیاں ملنے والی ہیں"

اسٹیج کے پاس نیچے کارپٹ پر شوخ لڑکیوں کا ٹولہ جمع تھا اور ڈھولکی کی تھاپ پر تال ملانے میں مصروف تھیں۔ زبیدہ اور حفصہ' کنزیٰ نے مہندی کی رسم کے لیے آنا تھا۔ اصبح کی نظریں گاہے بگاہے ادھر ادھر بھٹکنے لگیں تھیں۔ جو ٹائم سرمد نے آنے کا کہا تھا اس سے ایک گھنٹہ لیٹ ہونا زبیدہ کے موڈ کے بگاڑ کے لیے کافی تھا۔ حفصہ اور کنزیٰ کچھ سہیلیوں کے ساتھ اسٹیج پر آئی اور ان کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوگی تھی۔ اصبح کے سارے کپڑے مہندی اور آئل سے رنگے جارہے تھے۔ گہما گہمی کا سماں تھا۔ لڑکیاں گانوں کے بول کے ساتھ شرارتی نظروں سے اصبح کو دیکھ رہی تھیں۔ انتہائی خوش گوار ماحول میں مہندی کا فنکشن رواں دواں تھا...... سب مہمانوں کو کھانا سرو کرتے کرتے اشعر اسٹیج پر چڑھا...... اصبح کو خبر ہوئی کیونکہ اشعر نے اس کے ہاتھ پر مہندی لگائی تھی...... یک دم زناٹے دار تھپڑ کی آواز سے خوش گوار ماحول پر سناٹا چھا گیا۔ اصبح نے یک لخت سر اٹھا کر دیکھا...... اشعر قہر آلود نظروں سے کنزیٰ کی طرف دیکھ رہا تھا اور وہ حفصہ کا ہاتھ پکڑے کھڑی تھی۔ دوسرے پل اشعر اسٹیج سے اتر گیا۔ وہاں موجود لوگوں میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

❀ ...... ❀ ...... ❀

"آپا میں سوچ رہی ہوں اس مہندی کا رنگ کس کے نام سے گہرا ہو کر پھیکا پڑے گا۔" وہ اپنے ہاتھوں پر لگی مہندی کو کھرچتے ہوئے کسی کسی جگہ سے گہرے ہوتے رنگ کو دیکھتے ہوئے بولی تو عالیہ نے انتہائی دکھ بھری نظر اس پر ڈالی' اس کے چہرے پر پھیلی بے بسی اور یاسیت نے اس کے دل کو دہلا دیا۔

"دیکھو گڑیا...... فکر نہ کرو سب ٹھیک ہوجائے گا۔ اس

طرح اداس نہ ہو۔" عالیہ تسلی آمیز لہجے کے ساتھ اس سے مخاطب تھی۔

"نہیں آپا' کچھ ٹھیک نہیں ہوگا اب' ایک بار جب رشتوں میں دراڑیں پڑ جائیں ناں تو ابھی تک کوئی ایسا مٹیریل نہیں ایجاد ہوا جو ان خلاؤں کو بھر سکے' میں جانتی ہوں اب کچھ نہیں ہوگا۔" وہ اسی بیزاری اور مایوسی سے بولی۔

"ارے یہ کیا اتنی مایوسی کفر ہے' اچھی امید رکھو ان شاء اللہ سب ٹھیک ہوگا۔" عالیہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اس کو ڈانٹنے لگی۔

"آپا...... اپنے خوابوں' ارمانوں اور اپنی محبت کو میں اپنی آنکھوں سے آندھیوں کی نذر ہوتے دیکھ رہی ہوں' ریزہ ریزہ ہو کر بکھرتے دیکھ رہی ہوں۔ اپنے آپ کو بے مایہ ہوتے دیکھ رہی ہوں آپا۔ یہ دل یونہی لرزاں نہیں ہے' مجھے ہی دست بردار ہونے کے لیے کہا جائے گا اور میں یہ نہیں کرسکوں گی' پلیز آپا کچھ کرو ناں' میرا دل بند ہوا جارہا ہے۔" وہ اپنے دونوں ہاتھوں میں عالیہ کا ہاتھ دبوچے منت بھرے لہجے میں اس سے فریاد کررہی تھی۔

"اصبح...... صبر سے کام لو ہمت رکھو اللہ نے چاہا تو سب بہتر ہوگا۔" عالیہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کو تسلی دینے لگی۔

"اگر اللہ نے ایسا نہ چاہا تو؟" وہ انتہائی بے بسی سے عالیہ کو دیکھ کر بے ساختہ بولی۔

"تو...... تو جو اللہ چاہے گا ناں وہ زیادہ بہتر ہوگا۔ تم کوشش کرو' لیکن اللہ کے سامنے ضد نہ کرنا' اللہ جو کرتا ہے ناں وہی ہمارے لیے زیادہ اچھا ہوتا ہے۔" عالیہ اس کے آنسو صاف کرتی ہوئی اس سے کہہ رہی تھی۔ وہ خاموش ہوگئی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁
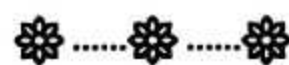
مہندی کا جوڑا پہنے' چوڑیوں سے بھری کلائیاں' مہندی سے سجے ہاتھوں کو گود میں رکھے' مایوسی اور بے بسی کی تصویر بنے وہ فیصلے کی منتظر تھی۔ جو رات خوابوں کی تکمیل کی تھی وہ فیصلے کی منتظر ٹھہری۔ جو آنکھیں وصال رتوں کی راہ دیکھ رہی تھیں' اب ہجر کے خوف میں مبتلا تھیں۔ دوسری طرف بڑے ہال میں جمع لوگ اس کی زندگی کے فیصلے پر غور و فکر کررہے تھے۔ ایک امید باقی تھی کہ فیصل ضرور احتجاج کرے گا۔ وہ اس موڑ پر آ کر اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ لیکن اس کی طرف سے ہوتی دیر' اس کی خاموشی اصبح کو کسی مثبت پہلو پر غور و فکر کرنے سے روک رہی تھی۔ وہ اندر سے کانپ رہی تھی' نفرت کے بیج کو پنپتے دیر ہی کتنی لگتی ہے؟ جب نفرتیں اور ضدیں سر عام ہوجاتی ہیں تو لحاظ بھی ختم ہوجاتے ہیں اور عزتیں بھی۔ باقی رہتی ہیں تو فقط انا کی اونچی دیواریں' جو آخری سانس تک ڈھائی نہیں جاسکتیں۔ اصبح بھی انہی اونچی اونچی دیواروں میں چنوائے جانے کی خبر کی منتظر بیٹھی تھی۔

عالیہ کمرے میں بکھرے کپڑے اور مہندی کے تھال اٹھا کر سائیڈ پر رکھ رہی تھی۔ چیزوں کو سمیٹنے کے ساتھ ساتھ گاہے بگاہے اس پر بھی نظر ڈال لیتی تھی۔ بہت ڈھیر ساری دعائیں بھی مانگی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کو جانے کیا منظور تھا؟ اس لمحے قسمت کے پلٹنے میں کیا مصلحت تھی؟ جوڑیاں آسمانوں پر بنتی ہیں اور فیصلے زمین پر ہوتے ہیں۔ چند گھنٹے پہلے تک اس کو یقین تھا کہ اس کی جوڑی بھی آسمان پر بنی تھی اور بہت سی نفرتوں کو چیر کر اس کا فیصلہ زمین پر ہوا تھا۔ لیکن اب...... اس لمحے...... نجانے کیوں اس کے اندر سے ایک آواز ابھری اور وہ کانپ اٹھی۔ یہ جوڑی آسمان پر نہیں بنی تھی اس کا صرف فیصلہ زمین پر ہوا تھا جو کہ ناپائیدار تھا' تبھی ڈگمگا رہا ہے۔ وہ اپنے ہاتھوں کی مہندی کو دیکھ رہی تھی۔

"اصبح...... اٹھو اور کپڑے بدل لو...... میں کھانا لے کر آتی ہوں۔ تم نے کچھ کھایا نہیں ناں بھوک لگی ہوگی۔" عالیہ سارا سامان سمیٹ کر اس کی طرف دیکھے بغیر بولی' تو یک لخت وہ تڑپ اٹھی۔

"کک کیوں آپا...... کیا کہا سب نے...... کیا ہوا ہے؟" وہ حواس باختہ چلانے لگی۔ اس کے چہرے کی

رنگت اس کی حالت نے عالیہ کو سہادیا۔
"کچھ نہیں...... تم فکر نہ کرو، بس اللہ سے دعا کرو کہ جو بھی فیصلہ ہو وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔" عالیہ اس کے بال سہلاتی تسلی آمیز لہجے میں بولی۔
"کسی نے کچھ کہا ہے آپا؟" وہ عالیہ کے ہاتھ اپنے یخ بستہ ہاتھوں میں تھامے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس سے پوچھنے لگی۔
"نن...... نہیں تو...... میں...... میں تو......"
"عالیہ......" وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ زریدہ اندر داخل ہوئیں تو عالیہ اپنے ہاتھ چھڑا کر ان کی طرف متوجہ ہوئی۔
"جی مما۔"
"جاؤ تم حارث رو رہا ہے، شاید بھوک لگی ہے اسے۔" سپاٹ لب و لہجے کے ساتھ وہ دو ٹوک انداز میں بولی تو عالیہ نے اصبح کو دیکھا، جو زریدہ کے اس انداز کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اصبح کے چہرے پہ تغیر و تبدل سے عالیہ بخوبی سمجھ رہی تھی کہ وہ زریدہ کی تلخی کی وجہ جان گئی ہے۔
"تم بھی کپڑے بدلو اور ہاتھ منہ دھو کر آؤ کھانا کھا کر بہن کی مدد کرو۔" وہ بے تاثر لہجے میں بولتیں اس کے پیروں تلے سے زمین سرکا گئیں۔
"کک...... کیا مطلب کپڑے بدلو۔" وہ لڑکھڑاتی آواز میں ان سے پوچھنے لگی۔
"کیا تم نہیں جانتی کہ کیا ہوا ہے؟" وہ تیکھی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کڑے تیوروں سے بولیں اور اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی بات کرتی زریدہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

"تم ابھی تک ایسے ہی بیٹھی ہو، میں نے کہا تھا اٹھو اور بہن کی مدد کرو۔" اصبح اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی نجانے کتنی دیر گزری تھی کہ زریدہ کمرے میں آئیں اور اس کو بیٹھے دیکھ کر ترش لہجے میں کہنے لگیں۔
"پر مما......"
"پر مما کیا؟ میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔" اس کی بے جان آواز کو زریدہ نے مزید بڑھا دیا۔
"تمہارے لیے لڑکوں کی کمی نہیں ہے۔" مغرور لہجے میں بولتی وہ یہ تک نہ جان سکی کہ اپنی ہی پرچھائی کے پرخچے اڑا رہی ہیں۔
"مما میرے ہاتھوں میں مہندی تک لگ چکی ہے۔" وہ بے بسی سے اپنے مہندی میں رچے بسے ہاتھوں کو زریدہ کے سامنے پھیلاتے ہوئے لرزتے دل کے ساتھ بولی۔
"تو کیا ہوا؟ مہندی ہی ہے ناں کل تک رنگ اتر جائے گا' نکاح نہیں ہوا جو طلاق کا دھبہ لگے۔" وہ سفاکی کی انتہا پر تھیں۔
"مما...... آپ کیوں بھول رہی ہیں کہ یہ رنگ صرف ہاتھوں پر نہیں کہیں اور بھی بہت گہرا ہے اور اب آپ اس طرح کا کوئی فیصلہ نہ کریں پلیز مما...... دھبہ طلاق کا ہو یا مہندی کا اس کا رنگ بہت پکا ہوتا ہے۔" اصبح منت بھرے انداز میں زریدہ کے سامنے کھڑی تھی۔
"سن لڑکی...... مجھے کوئی ان لوگوں کی حمایت نہیں چاہیے' بھری برادری میں اس لڑکی نے میرے اشعر کو لکارا ہے۔ اس کے منہ پر طمانچہ مارا ہے اور تم یہ چاہ رہی ہو کہ میں ان لوگوں کو بارات لانے دوں؟" زریدہ کے لب و لہجے سے جھانکتی نفرت اور ضد نے اس کو دہلا دیا۔
"اور اوپر سے سینہ زوری تو دیکھو کہ جب تک اشعر کے لیے حفصہ کا رشتہ نہیں ہوگا بارات نہیں لائیں گے۔" زریدہ کمرے میں بکھری چیزوں کو سمیٹتے ہوئے بڑبڑانے لگیں تو اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔ یہ اطلاع اس کے لیے بھی نئی اور مزید پریشان کن تھی۔
"نہیں لاتے بارات تو نہ لائیں' تمہارے لیے رشتوں کی کمی ہے کیا؟" وہ ابھی ان کی پہلی بات پر ہی چکرا رہی تھی کہ زریدہ کی مزید گوہر افشانی نے اس کے سر پر جیسے بم پھوڑا۔ کپڑوں کو فولڈ کر کے الماری میں رکھتے ہوئے اچٹتی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔
"اور خبردار جو اب کسی نے ایک لفظ بھی کہا تو......

تم میری بیٹی ہو میرے کلیجے کا ٹکڑا ہو تمہارے لیے کبھی برا نہیں چاہوں گی' تمہاری شادی وہاں ہوگی جہاں میں چاہوں گی۔" ہاتھ کو لہرا کر زبیدہ نے منٹوں میں فیصلہ سنایا اور وہ شاکڈ سی ان کو دیکھے گئی' لیکن ایک لفظ نہ بول پائی۔ چند پل زبیدہ نے اسے دیکھا اور کپڑوں کو اٹھا کر باہر نکل گئیں۔

❀ ...... ❀ ...... ❀

"سرمد ایسا کرتے ہیں مسجد میں اعلان کروا دیتے ہیں۔ سب کو پتہ چل جائے گا اب ایک ایک گھر میں کیسے اطلاع دیں۔" وہ کمرے میں داخل ہوئی تو دونوں ہاتھوں سے سر تھامے صوفے پر بیٹھے سرمد سے مخاطب ہوئی۔

"تمہارا دماغ خراب ہے کیا؟ بجائے بات کو سنبھالنے کے تم یہ کہہ رہی ہو کہ مسجد میں اعلان کروں۔" سرمد پہلے ہی پریشان تھے اس کی بات پر مزید طیش میں آگئے۔

"اب بات سنبھلنے کی حد پار کر چکی ہے سرمد صاحب......" وہ بھی کڑوے لہجے میں بولی۔

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ یہ سب غلط ہے زبیدہ۔ حالات بگڑنے لگیں تو ان کو سنوارنا پڑتا ہے خود کو نہیں بگاڑ لیا جاتا۔ بات کی نزاکت کو سمجھو...... زندگی کے فیصلوں میں شرطیں رکھنا عقل مندی نہیں ہوتی۔" دوسرے پل گہرا سانس لے کر سرمد قدرے نارمل انداز میں زبیدہ سے نرم لہجے میں مخاطب ہوا۔

"ہاں...... ہاں میں جانتی ہوں' آپ کو تو میں ہی غلط لگتی ہوں ناں سارا قصور میرا ہی ہے ناں۔" زبیدہ یک دم بگڑے تیوروں کے ساتھ بولیں اور آنکھوں کو آنسوؤں سے بھر لیا۔

"میں نے یہ کب کہا؟ لیکن یہ بھی سچ ہے زبیدہ بیگم کہ بات کو خوامخواہ طول دیا جا رہا ہے۔ معاملہ اتنا سنگین نہیں ہے جتنا تم لوگوں نے بنا دیا اور یہ بھی تو سوچو کہ اس میں بچوں کا کیا قصور جو سزا ان کو مل رہی ہے؟" سرمد بے بسی سے بولے۔

"میں زبیدہ کو جانتا ہوں' وہ کتنی ضدی ہے کتنی خودسر ہے میں بخوبی جانتا ہوں' وہ کبھی بھی اب ایسا نہیں ہونے دے گی۔ چھوٹی سی بات کو انا کا مسئلہ بنا لیا اور اب ستم بلائے ستم زبیدہ بیگم آپ کی بے تکی شرط......" سرمد انتہائی دکھ سے بولے۔

"مگر آپ کو اتنا ہی افسوس ہو رہا ہے ناں تو کرلیں جو بھی ٹھیک ہے...... لیکن میں اب کسی بات میں شامل نہیں ہوں گی' نہ ہی وہ لڑکی اس گھر میں آ سکتی ہے' کہیے اپنے بیٹے سے کہ الگ گھر لے کر لے آئے اس کو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" زبیدہ اپنے مخصوص ضدی اور ترش لہجے میں بولیں تو سرمد بس ایک قہر آلود نظر اس پر ڈال کر باہر نکل گئے اور زبیدہ کسی سوچ میں ڈوب گئیں۔

❀ ...... ❀ ...... ❀

پچھلے تین سال سے دعائیں مانگ مانگ کر وظیفے کر کر کے اس نے یہ فیصلہ اپنی قسمت میں لکھوایا تھا۔ بے تحاشا نفرتوں کو ختم کر کے محبتوں کی دعائیں مانگی تھیں۔ لیکن نجانے کہاں کمی رہ گئی تھی۔ دعا میں وہ شدت نہیں تھی یا محبت میں ہی کھوٹ تھی۔ یا پھر قسمت...... کوشش کے باوجود جب ایک چیز' ایک رشتہ ہمارے نصیب کا حصہ نہیں بنتا تو اس کا صرف اور صرف ایک ہی مطلب ہوتا ہے کہ وہ ہمارا ہے ہی نہیں اور اللہ ہمیں ان دعاؤں کے بدلے کچھ بہتر دینے والا ہے۔ لیکن دل اس بات کو سمجھنے میں دیر لگاتا ہے' وہ بھی نہیں سمجھ رہی تھی۔

"تم ابھی تک اٹھی نہیں...... اصبح میں نے کہا اب بس کرو سوگ منانا۔" زبیدہ واپس کمرے میں آئیں اور اصبح کو اسی پوزیشن میں بیٹھے دیکھا تو تلخی سے بولیں' اصبح نے بھیگی آنکھوں سے ان کو دیکھا۔

"پہلے بھی صرف اور صرف تمہاری وجہ سے میں چپ ہوگئی تھی۔ وہ میرا بھائی ہے تو کیا ہوا مجھے اپنے بچوں سے زیادہ عزیز کوئی نہیں' میں اپنے ہاتھوں سے اپنے بیٹے کا گلا دبا دوں گی لیکن اس ڈانسر حفصہ کو اپنے اشعر کے ساتھ کبھی نہ جوڑوں گی۔" اس کی پژمردہ حالت پر بھی ان کا دل نہ پسیجا

تو اصبح اندر تک کانپ گئی۔

"مما آپ کس طرح کی باتیں کررہی ہیں۔ حفصہ اتنی بھی بری نہیں کہ آپ اس حد تک اس کے بارے میں بات کریں۔ اور پھر اس میں میرا کیا قصور؟" زریدہ کی ہٹ دھرمی پر تواتر سے بہتے آنسوؤں کے ساتھ اپنے ہی حق میں انصاف کی کوشش میں وہ اپنی ہی ماں کے سامنے گڑگڑا رہی تھی۔

"تو تم کیا چاہتی ہو میں اشعر کے لیے اس حفصہ کا رشتہ مانگوں...... ان کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں؟" زریدہ کو اصبح کا ایسا کہنا انتہائی ناگوار گزرا تھا۔

"میں بھی تو آپ کی اپنی ہوں ناں میری قربانی دے کر آپ اشعر کی زندگی بچارہی ہیں۔ کیا میری تکلیف و دکھ کا اور بدنامی کا آپ کو احساس نہیں؟" اصبح مسلسل بہتے آنسوؤں کے ساتھ بھرائی آواز میں بولی۔

"احساس ہے پورا پورا احساس ہے تمہاری تکلیف کو بھی سمجھتی ہوں ماں ہوں تمہاری...... لیکن میں زریدہ بھابی کو بھی جانتی ہوں۔" کب تک دل کو پتھر بنائے رکھتی۔ بلآخر زریدہ نرم لہجے میں اصبح کے لیے اپنی محبت کو عیاں کرنے لگی۔

"کک...... کیا مطلب؟" زریدہ کی بات پر اصبح چونکی۔

"زریدہ بھابی نے حفصہ کا کوئی رشتہ نہیں دینا۔ یہ شرط اس لیے رکھی کہ وہ انکار کرسکیں۔ ہم رشتے کی بات کریں گے اور وہ انکار کردیں گے۔" زریدہ انتہائی کڑوے لہجے میں اصبح کو بتانے لگی۔

"میں جانتی ہوں تمہیں یقین نہیں آئے گا۔" اصبح کی آنکھوں سے جھانکتی بے یقینی زریدہ بخوبی دیکھ رہی تھی۔

"نہیں مما ایسی بات نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ یہ صرف آپ کا وہم ہو۔" اصبح اپنی بے یقینی کو جھٹکتے ہوئے مدھم لہجے میں بولی۔

"تمہاری آنکھوں پر ان لوگوں کی محبت کی پٹی بندھی ہے تمہیں تو وہ کبھی غلط لگیں گے ہی نہیں۔" دوسرے لمحے زریدہ پھر اسی تلخ لہجے میں بولی۔

"تو مما آپ بھی آنکھوں پر محبت کی پٹی باندھ لو ناں کہ سب ٹھیک ہوسکے۔" اصبح صلح جو انداز میں بولی۔

"یہ محبتوں کی پٹیاں تم اپنے پاس رکھو۔ اٹھو اور چینج کرکے کام پر لگ جاؤ۔ بہت سے کام سمیٹنے باقی ہیں اور عالیہ کب سے اکیلی لگی ہوئی ہے۔" زریدہ اسی کرخت انداز میں اس سے مخاطب ہوئی تو اصبح کی امیدیں ایک بار پھر بکھرنے لگیں۔

"مما آپ مانے یا نہ مانیں لیکن غلطی اشعر کی ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ماموں کی فیملی کس نیچر کی ہے سب جانتے ہیں کہ حفصہ، کنزیٰ کسی کے ساتھ فری نہیں ہوتیں، تو اشعر کو کیا ضرورت تھی کنزیٰ کے ساتھ اس طرح بے ہودہ مذاق کرنے کی؟" دوسرے پل وہ جھنجلائی۔

"خبردار جو تم نے میرے اشعر کو غلط کہا تو...... مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" زریدہ نے اس کا بازو دبوچا اور انتہائی غصے میں اس کی طرف دیکھا۔

"حد ہوگئی، ایسا کون سا گناہ ہوگیا جس کی اب معافی ملنا مشکل ہے اور شادی بیاہ میں تو ایسی چھوٹی موٹی چھیڑ چھاڑ ہوتی ہی رہتی ہے ناں، عمر بھی یہی ہوتی ہے اور موقعے بھی تو یہی ہوتے ہیں ناں، لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ بھری برادری کے سامنے اگلے بندے کا منہ سینک کر رکھ دو۔" اس کی طرف داری پر زریدہ مزید طیش میں آگئی۔

"مایوں کی رسم تھی ذرا سا تیل کیا لگادیا، اونہہ......" اس نے چونک کر زریدہ کو دیکھا۔ جو اپنے بیٹے کی محبت میں اندھی ہوچکی تھیں۔ اس پل وہ یہ جان گئی کہ بیٹے کی محبت سے زیادہ اس وقت وہ اپنی ضد میں اندھی ہورہی ہیں۔ سارے لوگ جانتے ہیں کہ غلطی واقعی اشعر کی تھی جس نے انتہائی بے ہودہ انداز میں کنزیٰ سے بدتمیزی کی تھی اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو اس کے گال لال ہی ہوتے۔ لیکن اب معاملہ انتہائی گھمبیر صورت اختیار کرچکا تھا۔

"اگر وہ یہ کہتے ناں کہ کنزیٰ کا ہی رشتہ کردو تو میں اپنے

اشعر کی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے ان کے سامنے ہاتھ بھی پھیلا لیتی لیکن انہوں نے حد ہی کردی' حصہ...... اونہہ وہ پاگل' بددماغ جاہل میرے اشعر کے قابل ہے ہی نہیں۔" زریدہ ضد اور غرور کی انتہا پر تھیں۔

"مما پلیز...... اس طرح کی بات نہ کریں۔" اصبح اب حالات کو مزید سمجھ رہی تھی۔ سمجھ رہی تھی کہ کس کی نفرت کا بدلہ کس سے لیا جارہا ہے۔

"میں نے کہا ناں مجھے کوئی بات نہیں سننی۔" زریدہ اس کی بات کاٹ کر ترش لہجے میں بولیں۔

"بہت جلد تمہاری شادی ہوجائے گی' دنیا میں ہزاروں' لاکھوں ایسے کیس ہوتے ہیں یہ کوئی ایسی انہونی نہیں۔ تم فکر نہ کرو' ایسا کچھ نہیں ہوا۔" زریدہ سفاکی سے کہتی اس کو مزید دکھی کرگئی۔

"اور کیا ہوگا مما...... آپ ہی نہیں سمجھ رہی ہیں تو......"

"میں کیا نہیں سمجھ رہی ہوں؟ اور تو زیادہ سیانی نہ بن' نہ ہی ان لوگوں کی اتنی حمایت کی ضرورت ہے۔" اس سے پہلے کہ اصبح مزید کچھ کہتی زریدہ اس کی بات کاٹ کر بولیں۔

"اگر اتنا ہی عشق ہے ناں تو جا چلی جا کوئی ضرورت نہیں ہماری عزت کی پروا کرنے کی۔ لیکن یاد رکھنا ادھر سے ادھر جانا' اس گھر سے تمہارا جنازہ اٹھنا ہوگا۔" زریدہ نفرت کی آخری حد تک پہنچ چکی تھیں جہاں سمجھنے سمجھانے کی ہر بات اپنا اثر کھودیتی ہے۔

"مما......" وہ چیخی...... لیکن زریدہ کمرے سے باہر نکل چکی تھیں۔ وہ نیچے بیٹھتی چلی گئی اور زار و قطار رونے لگی۔

❀......❀......❀

"اصبح......" عالیہ اس کے پاس آ کھڑی ہوئی اور مدھم آواز میں اس کو پکارا۔

"آپا...... کچھ صحیح نہیں ہے......" دوسرے لمحے اصبح اس سے لپٹ کر رونے لگی۔

"ارے نہیں پاگل' ایسے نہیں روتے۔" اس کو اپنے سے الگ کرتے ہوئے عالیہ تسلی آمیز لہجے میں اس سے مخاطب ہوئی۔

"منع کیا تھا ناں مایوسی کفر ہے اور رونا نہیں اب۔" عالیہ اپنے ہاتھوں سے اس آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے اس سے کہنے لگی۔

"سمجھا اس کو عالیہ' ان لوگوں کی حمایت میں ہم سے بغاوت کرے گی تو انجام بہت برا ہوگا۔" زریدہ چبھتے لہجے میں عالیہ سے مخاطب ہوئیں تو اصبح نے ان کو دیکھا۔

"مما...... اصبح کی زندگی کا سوال ہے خدارا کچھ تو رویے میں لچک رکھیں۔" بالآخر عالیہ بھی جھنجلا کر بولی تو زریدہ قہر آلود نظر اس پر ڈال کر باہر نکل گئیں۔

"اصبح......" رخ موڑے کھڑی اصبح کو پکارا تو اس نے پلٹ کر دیکھا۔

"تم فیصل سے بات کرو...... ہوسکتا ہے وہ کچھ کرسکے۔" عالیہ نے امید کی کرن دکھائی۔

"آپا وہ بھی تو فون کرسکتا تھا ناں۔" آنسو پونچھتے ہوئے ٹوٹے ہوئے حوصلے کے ساتھ بولی۔

"ہاں لیکن ہوسکتا ہے بلکہ یقیناً ادھر بھی یہی حالات ہیں ناں۔" عالیہ اس کی امید توڑنا نہیں چاہتی تھی۔

"آپا...... اگر وہ ایک لڑکا ہو کر اتنا مجبور ہے کہ ایک میسج تک نہیں کرسکتا تو میں تو لڑکی ہوں۔" اصبح دل برداشتہ انداز میں بولی۔

"اصبح بری بات اتنا بدگمان نہ ہو۔ مامی جان کو جانتی ہو ناں' اور پھر جب بات بیٹی یا بہن کی عزت کی ہوتی ہے ناں تب مرد کی غیرت اس کو کسی بات کی اجازت نہیں دیتی۔" عالیہ اصبح کی بدلی ٹون سے خوف زدہ ہورہی تھی۔

"بیٹی یا بہن' کی عزت اور میں؟ میری عزت پر......"

"اصبح تم فیصل کو کال کرو اس سے پہلے کہ بات اتنی بگڑ جائے کہ سنبھلنا مشکل ہوجائے۔" عالیہ اس کی بات کاٹ کر اس کو فیصل کے لیے کسی بدگمانی سے باز رکھتے ہوئے بولی۔

"اس سے زیادہ کیا بات بگڑے گی آپا۔" اصبح موبائل

ہاتھ میں اٹھائے ٹوٹے لہجے میں بولی۔
"کچھ نہیں ہوتا۔ تم کال تو کرو۔ پتہ تو چلے ادھر کے کیا حالات ہیں۔ میں ذرا باہر دیکھ لوں مما کے کام کہاں تک پہنچے۔" عالیہ کہہ کر باہر کی جانب بڑھ گئی اور اصبح دھڑکتے دل اور کانپتے ہاتھوں سے فیصل کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔
مسلسل جاتی بیل...... اس کے اوسان خطا کرنے کے لیے کافی تھی۔ جو کال ایک ہی بیل پر اٹینڈ کرلی جاتی تھی آج بج بج کر بند ہوگئی۔ آف کا بٹن پش کرتے ہی وہ بے آواز آنسو بہاتی چلی گئی اور دوسرے پل ہاتھوں پر لگی مہندی کو کھرچنے لگی کہ اس کے موبائل کی اسکرین پر فیصل کالنگ کے ساتھ بجتی ٹون نے اس کی رکی سانسوں کو بحال کیا۔
"ہیلو...... اصبح کیسی ہو؟" فیصل کی مدھم آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو اصبح نے گہرا سانس لیا۔
"فیصل یہ سب کیا ہوگیا؟" وہ بھرائی ہوئی آواز میں اس سے پوچھنے لگی۔
"میں واش روم میں تھا اس لیے تمہاری کال اٹینڈ نہیں کرسکا۔" وہ اس کے سوال کو نظر انداز کرتا اس کی کال ریسیو نہ کرنے کی وجہ بتانے لگا۔
"اب کیا ہوگا فیصل؟" فیصل کے ایکسکیوز کو اہمیت نہ دیتے ہوئے اصبح متزلزل لہجے میں دوبارہ اسی بابت سوال کرنے لگی۔
"تم نے کھانا کھایا؟"
"فیصل اس وقت مجھے سانس لینا مشکل ہو رہا ہے کیا تمہیں اندازہ ہے کہ میں کس کرب سے گزر رہی ہوں؟" اس کی لاتعلقی پر اصبح تیز و تلخ لہجے میں اس سے مخاطب ہوئی۔
"اصبح میں......" اس کو شاید الفاظ نہیں مل رہے تھے۔
"فیصل میں اس ادھوری بات کو کیا سمجھوں؟" فیصل خاموش ہوگیا تو آنسوؤں کو ضبط کرکے اصبح کا دل کانپنے لگا۔
"بس اصبح میں خود بھی بہت پریشان ہوں۔ مجھے بھی سمجھ نہیں آرہا ہے کہ کیا ہونے والا ہے۔" فیصل کا شکستہ لہجہ نجانے کیوں اصبح کو کھوکھلا اور بے تاثر لگا تھا۔
"تم کیا چاہتے ہو فیصل؟" اس کا لہجہ اصبح کو کسی انہونی کا اشارہ دے رہا تھا۔ "میں اس خاموشی کو کیا سمجھوں فیصل؟" وہ مسلسل خاموش تھا تو اصبح کا امید کا دیا پھڑپھڑانے لگا۔
"میرے چاہنے نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہوگا اصبح' شاید ہماری قسمت میں ایک دوسرے کا ساتھ بس اتنا ہی تھا۔" وہ بولا تو اصبح کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔
"فیصل......" وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی۔
"کتنی بڑی بات تم نے کتنی آسانی سے کہہ دی فیصل۔ اس موڑ پر...... اس مقام پر آکر ایک بار بھی میرے لیے کیوں نہ سوچا؟" وہ ٹوٹے لہجے میں اس سے استفسار کرنے لگی لیکن وہ خاموش تھا۔
"میں تمہارے لیے لڑ رہی ہوں اور تم کہہ رہے ہو کہ......" آنسوؤں میں روانی آگئی تو وہ خاموش ہوگئی۔
"تم اشعر سے کہونا کہ وہ مان جائے' شاید اب اسی ایک صورت میں ہم ایک ہوسکتے ہیں۔"
"فیصل یہ تم کہہ رہے ہو؟" وہ انتہائی متعجب انداز میں بے یقینی کی سی کیفیت میں بولی۔
"کیا اب یہ نوبت آگئی ہے کہ یہ رشتہ شرطوں پر طے ہوگا۔ وہ بھی اس وقت' جب میرے ہاتھوں پر تمہارے نام کی مہندی لگ چکی ہے۔" اس کو یقین نہیں آرہا تھا' جو انسان دھوپ چھاؤں میں اس کے ساتھ کا وعدہ کرچکا تھا' صرف اس کی چاہت' ساتھ کا متمنی تھا' آج معمولی سی بدمزگی پر اس کے ساتھ سے دستبردار ہو رہا تھا۔
"اصبح میں سب سمجھ رہا ہوں لیکن میں......"
"لیکن میں...... کیا فیصل؟" وہ خاموش ہوا تو اصبح نے تیز انداز میں اس سے پوچھا۔
"میں مجبور ہوں اصبح' میں اپنی فیملی کو نہیں چھوڑ سکتا۔" اس نے سفاکی کی انتہا کرتے اصبح کی رہی سہی سانسوں کو بھی مشکل کردیا تھا۔

"اور مجھے چھوڑ سکتے ہو؟" اس کو اپنی ہی آواز گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔

"یہ سب میرے لیے بھی اتنا ہی مشکل ہے اصبح جتنا تمہارے لیے لیکن میں تمہارے لیے کسی......"

"تم مجھے چھوڑ دینے کا سودا کرسکتے ہو فیصل......" اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اصبح بولی۔

"یہ سودا نہیں ہے اصبح' لیکن حالات ایسے ہوگئے ہیں کہ ہماری محبت اس کی زد میں آگئی ہے۔" وہ اسی انداز میں اس سے مخاطب تھا۔

"فیصل کیا کررہے ہو کھانے کا ٹائم ہورہا ہے۔" ایئر پیس سے اصبح کو کسی کی آواز آئی۔

"آتا ہوں۔" وہ چند سیکنڈ کے لیے ادھر متوجہ ہوا۔

"اصبح' امی بلارہی ہیں۔ مجھے جانا ہے اب' حوصلہ رکھو' جو ہوگا اچھا ہوگا' ہمارا ساتھ قسمت میں ہے تو کوئی کچھ نہیں کرسکتا......اور اگر نہیں ہے تو بھی کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ تم یہ نہ سمجھو کہ میں بدل گیا ہوں۔ اس وقت حالات میرے بس میں نہیں ہیں امی کسی طرح کوئی بات سننے کو تیار ہیں اور نہ ہی پھوپو کسی قسم کے سمجھوتے کے لیے حامی بھر رہی ہیں۔" اصبح کی مدھم سسکیاں اس کو اپ سیٹ کرنے لگی تھیں۔

"ہاں میں جانتی ہوں' لیکن تم یا کوئی بھی یہ نہیں سمجھ رہا ہے کہ میں بھی اپنے بس میں نہیں ہوں۔ ہاتھوں پر لگی مہندی کو دیکھتی ہوں تو یہ خیال آتا ہے کہ یہ رنگ تمہاری محبت کا نہیں ہوا تو......؟ میرا دل ڈوبنے لگتا ہے فیصل اور سانسیں تنگ ہونے لگتی ہیں۔" وہ بھرائی آواز میں اس کو مزید بےچین کرگئی۔

"اصبح تم فکر نہ کرو سب ٹھیک ہوگا۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا تو سرسری انداز میں اصبح کو ایک انجانے درد سے دوچار کرگیا۔

"فیصل......" بے اختیار اس کو پکارا۔

"ہاں بولو۔"

"اگر ہم پھر بات نہ کرسکے تو؟" ایک ڈر اس کو کھونے کا ڈر اور مایوسی عروج پر تھی۔

"اچھی امید رکھو اصبح۔ سب ٹھیک ہوجائے گا' دل کا رشتہ نہ سہی لیکن خون کا رشتہ ہمیں ہمیشہ باندھے رکھے گا۔"

"ہاں میں......" وہ بولنے ہی لگی تھی کہ دوسری طرف سے آتی' ٹوں ٹوں کی آواز نے اس کی ساری امیدوں کو تہ وبالا کردیا پھر زیر لب اللہ حافظ بول کر اس نے موبائل سائیڈ پر رکھ دیا اور گود میں رکھے ہاتھوں کو یک ٹک دیکھنے لگی۔

"میں نے سمجھا تھا کہ تو ہے تو درخشاں ہے حیات
تیرا غم ہے تو غم دہر کا جھگڑا کیا ہے
تیری صورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات
تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے
تو جو مل جائے تو تقدیر نگوں ہوجائے
یوں نہ تھا میں نے فقط چاہا تھا......یوں ہوجائے
مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ"

فیض احمد فیض کی یہ خوب صورت غزل نور جہاں کی دلآویز و دل سوز آواز میں اس کی سماعت میں گونجنے لگی تھی۔

"تو جو مل جائے تو تقدیر نگوں ہوجائے" یہ وہ لائن تھی جو فیصل نے بار بار اس سے کہی تھی۔ اس کے پُرحدت لہجے نے ہر بار اس کو یہ یقین دلایا تھا کہ وہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا۔

"یوں نہ تھا میں نے فقط چاہا تھا یوں ہوجائے" وہ زیر لب بڑبڑائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ منوں بھاری قدموں سے پلنگ پر بکھرے کپڑوں کو سمیٹنے لگی' فیصل کی کال کے بعد وہ امید کا دامن چھوڑ بیٹھی تھی۔ سارا فیصلہ اب قسمت کے سپرد کردیا تھا۔ "اللہ نے یہ ساتھ لکھ رکھا ہے تو ضرور ملے گا۔" فیصل کی کہی بات پر ایک بار پھر ایمان لائی اور پیلا جوڑا جو پچھلے دس دن سے زیب تن تھا اور برسوں کی پلاننگ تھا اب تبدیل ہونے لگا تھا' آنکھوں کو ہاتھوں کی پشت سے رگڑتی وہ عام سا بلو پرنٹڈ سوٹ اٹھا کر واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

✿......✿......✿

"چلو مانا یہ زندگانی فانی ہے
چلو مانا کسی نے بھی نہیں رہنا
مگر جینا ہے جو چند پل
انہیں جی لو محبت سے"

نجانے کیوں اصبح کے کانوں میں بار بار فیصل کی آواز گونج رہی تھی۔

"کہ زیست کے تقاضوں میں
محبت اک تقاضا ہے
جسے پورا کرنا واجب ہے"

"اصبح تم نہیں جانتی تم میرے لیے کتنی قیمتی ہو۔" اس کی گھمبیر فسوں خیز آواز نے اس کی دھڑکنوں کو ایک انجانی لے پر رقص کرنے پر مجبور کیا تھا۔

"کہ بنیاد رکھی تھی
خدا نے بشر آدم کی
محبت پر اطاعت پر
چلو جی لو محبت کو
کہ اس کو شرف حاصل ہے
خدائی صفت ہونے کا"

"میری محبت پر یقین ہے ناں اصبح؟ میرا ساتھ دو گی ناں؟ مجھ سے شادی کرو گی ناں؟"

"ہاں......" اس کی خوشی کی انتہا نہ تھی، جو اس نے چاہا وہ اس کے لیے اس کے ساتھ ہے۔

دونوں میں اس محبت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے عہد بندھے تھے لیکن آج...... آج دونوں وہ دو کنارے بن بیٹھے تھے جو کبھی مل نہیں سکتے۔ فیصل نے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی فیملی سے بڑھ کر کچھ نہیں کرے گا۔ اور جب وہ ایک بااختیار مرد ہو کر کچھ نہیں کر سکتا، اس کے ساتھ کے لیے اپنی فیملی سے ٹکر نہیں لے سکتا تو وہ تو ایک ماں باپ کی عزت میں بندھی ہوئی مجبور و بے بس لڑکی تھی۔ وہ کیسے بغاوت کر سکتی تھی۔

"اصبح کیا بات ہے...... بات ہوئی فیصل سے؟" کچھ ہی دیر بعد عالیہ واپس آئی تو اصبح کو بیڈ پر بیٹھے گم صم انداز

میں دیکھ کر قدرے متجسس انداز میں پوچھا۔

"بولو ناں کیا ہوا؟ اور یہ تم نے کپڑے کیوں بدل دیے؟" اصبح نے خالی خالی نظروں سے اس کو دیکھا لیکن بولی کچھ نہیں۔

"اصبح کیا کہا فیصل نے...... پلیز بتاؤ ناں مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔" عالیہ اصبح کے پاس آتے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اس سے استفسار کر رہی تھی۔ تو بہت ضبط کے باوجود آنکھوں سے پانی کا بند ٹوٹ گیا۔

"اصبح......" عالیہ کو اس لمحہ اس کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

"کچھ نہیں آپا......" وہ ہاتھوں میں پکڑے گوٹے لگے پیلے دوپٹے سے اپنی آنکھوں کو رگڑتے ہوئے بولی۔

"کیا مطلب کچھ نہیں؟" عالیہ فکرمندی سے گویا ہوئی۔

"فیصل نے کہا ہے کہ اگر ہماری شادی ہونی ہوتی تو کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا اور اگر نہ ہونی ہوئی تو بھی کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔" وہ اپنی کلائیوں کو رنگ برنگی چوڑیوں سے آزاد کرتے ہوئے نم آواز میں عالیہ کو بتانے لگی۔

"کیا......؟" عالیہ نے چوڑیاں اتارنے سے روکا تو اس کے چہرے پر ایک افسردہ مسکراہٹ نے عالیہ کے دل کو بھی زخمی کر دیا۔

"آپا...... یہ قسمت کے فیصلے ہیں۔ فیصل نے ٹھیک کہا ہے' اب دیکھیں ناں سب کچھ کتنا ٹھیک ہو رہا تھا' میرے ہاتھوں پہ مہندی لگ چکی تھی کہ اچانک سب کچھ بدل گیا۔ ختم ہو گیا۔ کبھی گمان بھی نہیں گزرا تھا آپا' خواب میں بھی کبھی اتنا بھیانک انجام اپنی محبت کا نہیں سوچا تھا' لیکن......" وہ یاسیت بھرے لہجے میں کہتی رکی تو عالیہ کی طرف دیکھا جو اسی کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

"آپا ایسے نہیں دیکھو میں پاگل نہیں ہوئی ہوں۔" وہ عالیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں سے نکالتے ہوئے چوڑیاں اتارنے لگی۔

"آپا کپڑے...... یہ مہندی کے کپڑے زیب تن کیے رکھنے یا چوڑیاں پہننے رکھنے سے قسمت نہیں بدل جاتی۔ قسمت کو بدلنے کے لیے دعا کے بعد ہمت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ دعا کو قبولیت کا شرف تبھی ملتا ہے جب ہم یقین بھی رکھیں اور خود کو مضبوط بھی کریں۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے سے' بے یقینی کے ساتھ دعا اثر نہیں رکھتی۔" وہ انتہائی دکھ کے ساتھ بولی تو عالیہ اس کی دلی کیفیت سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا گئی اور اصبح سر جھکا کر اپنے زیور اتارنے میں مشغول ہو گئی۔

❁......❁......❁

"زریدہ میں آ رہا ہوں' تم سے بات کرنی ہے۔"

"معاف کیجیے گا بھائی' میں فیصلہ کر چکی ہوں اور اب کسی اور بات کی کوئی گنجائش نہیں۔" اپنے ترش لہجے کو برقرار رکھتے ہوئے زریدہ بولی۔

"میں پھر بھی آنا چاہتا ہوں زریدہ...... اور تم مجھے روک نہیں سکتی۔" سرمد اپنے آپ کو کسی بھی تلخی سے باز رکھتے ہوئے بولے اور اس سے پہلے زریدہ دوبارہ ان کو منع کرتی وہ لائن کاٹ چکے تھے۔

"اشعر...... اشعر......" فون کو صوفہ پر پٹختے ہوئے زریدہ نے اشعر کو آوازیں دیں۔

"جی مما!" اگلے پل وہ ان کے سامنے مؤدبانہ انداز میں کھڑا تھا۔

"تمہارے ماموں آ رہے ہیں۔" صوفہ پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے اشعر کو اطلاع دی۔

"کیا...... کیوں...... وہ کیوں آ رہے ہیں اب؟" اشعر کے ہر ایک لفظ سے نفرت چھلک رہی تھی۔

"معاملے کو سلجھانے کے لیے۔" زریدہ پہلو بدلتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"مما......" وہ حیرت زدہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم نے بگڑے ہی رہنا ہے اشعر...... ماموں کی کوئی بات نہیں ماننی۔" زریدہ پرسوچ انداز میں اشعر سے مخاطب ہوئیں۔

"میں تو کسی صورت نہیں مانوں گا لیکن اصبح اگر وہ بولی

پڑی تو؟" اشعر نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔
"یہی ڈر ہے مجھے۔" زریدہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولیں۔
"تم اب کنزیٰ اور حفصہ دونوں کے لیے نفرت کا اظہار کرو گے، کسی صورت اب یہ رشتہ یہاں نہیں ہونا چاہیے۔ ماں، باپ بچوں کی مرضی کے آگے بے بس ہوجاتے ہیں، سرمد بھائی کے سامنے تم نے مجھے بے بس کرنا ہے ورنہ جو پلاننگ تھی ساری دھری کی دھری رہ جائے گی۔" زریدہ اشعر کو مہرہ بنائے اپنی چالیں چل رہی تھیں۔ زبیدہ سے نجانے کس بات کا بدلہ تھا، جس کی لپیٹ میں زریدہ کی اپنی ہی بیٹی آرہی تھی لیکن...... وہ بے پروا بنی اپنے بدلے میں مصروف تھیں۔
"ہاں مما...... آپ فکر نہ کریں، بس آپ کوشش کریں اصبح ماموں سے نہ مل سکے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اصبح بھی نہیں مان رہی۔" اشعر کی بات پر زریدہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"میں صدقے، میں واری، تم سے اسی عقل مندی کی توقع تھی۔" زریدہ خوش ہوتے ہوئے اس کی بلائیں لینے لگیں۔
"عالیہ سے کہتی ہوں وہ اصبح کے ساتھ رہے گی۔" وہ اشعر کی طرف سے مطمئن ہوئیں تو اٹھ کھڑی ہوئیں کہ اب اصبح سے نپٹنے کی باری تھی۔

❁...... ❁...... ❁

"بھائی چائے لاؤں آپ کے لیے؟" وہ کھانا کھا کر اٹھنے لگا تو کنزیٰ کی آفر پر اثبات میں سر ہلاتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔
"مما بھائی پریشان ہیں......" پانی گلاس میں ڈالتے ہوئے حفصہ نے زبیدہ کو بتایا۔
"ہاں پریشان ہے کچھ دن تک ٹھیک ہوجائے گا۔ تم برتن سمیٹو اور کنزیٰ میرے لیے سبز پتی کا قہوہ بنادینا میں اپنے کمرے میں ہوں۔" سپاٹ انداز میں وہ ان کو ہدایات دیتے کرچلی گئی۔

"کنزیٰ...... اصبح سے بات ہوئی۔" حفصہ جاتی ہوئی کنزیٰ سے پوچھ رہی تھی۔
"نہیں...... میں نے میسج کیا تھا لیکن اس نے جواب نہیں دیا۔" اس نے سرسری انداز میں بتایا۔
"آناً فاناً کتنا برا ہوگیا ناں۔" حفصہ کو صحیح معنوں میں اس بربادی کا دکھ تھا۔
"ہاں...... اصبح کے ساتھ مل جل کر رہنے کے کتنے خواب دیکھے تھے ناں ہم نے۔ اصبح کی حالت کیا ہوگی؟" کنزیٰ حفصہ کے پاس کھڑی بولی۔
"جب ہمیں اتنا دکھ ہے تو اس کی تو زندگی کا سوال ہے۔ کاش کوئی معجزہ ہوجائے اور یہ تلخیاں جو غلط ٹائم پر وارد ہوئی ہیں ختم ہوجائیں۔" حفصہ نے سچے دل سے دعا مانگی تھی۔
"تم کیا کہتی ہو ہمیں اصبح سے بات کرنی چاہیے؟ اس نے میسج کا جواب نہیں دیا تو کیا ہم خاموش ہوجائیں؟" حفصہ دوبارہ گویا ہوئی تو کنزیٰ سوچ میں پڑ گئی۔
"یہ سارا کیا دھرا پھوپو اور اس اشعر کا ہے، میرے خیال میں ہمیں بات کرنی چاہیے۔" کنزیٰ کے دل میں زریدہ اور اشعر کے لیے تلخی تھی۔
"ہاں میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔ تم چائے بھائی کو دے آؤ اور مما کو قہوہ میں بھی فری ہوجاؤں پھر ٹرائی کرتے ہیں۔" حفصہ برتن اٹھاتی ہوئی بولی تو کنزیٰ بھی کچن کی طرف بڑھ گئی۔
"بھائی چائے۔" کنزیٰ کمرے میں داخل ہوئی تو فیصل شوز پہنے آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا تھا۔
"ہاں رکھ دو۔" اپنی حالت کو برقرار رکھتے ہوئے وہ بولا تو کنزیٰ نے سائیڈ ٹیبل پر چائے کا کپ رکھ دیا۔
"بھائی...... اصبح سے بات ہوئی؟" کنزیٰ جاتے جاتے پلٹی تو فیصل نے یک لخت آنکھوں پر سے بازو ہٹایا اور اٹھ بیٹھا۔
"ہاں ہوئی تھی۔" وہ چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے بغیر اس کی طرف دیکھے بولا۔

"وہ ٹھیک ہے ناں بھائی۔" کنزیٰ متفکرانہ انداز میں اس سے استفسار کررہی تھی۔

"اس سچویشن میں کوئی لڑکی ٹھیک ہوسکتی ہے کیا؟" فیصل اس کی طرف دیکھتے اس سے پوچھنے لگا تو وہ لب بھینچ کررہ گئی۔ "وہ کیسے ٹھیک ہوسکتی ہے کنزیٰ......" چائے کا سپ لیتے ہوئے وہ پھر گویا ہوا۔

"میں نے میسج کیا تھا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔" کنزیٰ کی اطلاع پر فیصل نے چونک کر اسے دیکھا۔

"اور شاید وہ کر بھی نہ سکے...... پھوپو کوئی بات سننے کو تیار ہیں نہ ہی مما حالات کو سلجھانے کی کوئی تدبیر کررہی ہیں۔ وہ کیا جواب دے گی؟" فیصل دل برداشتہ انداز میں بولا۔

"بھائی اب کیا ہوگا؟" کنزیٰ فکرمندی سے اس سے دریافت کرنے لگی۔

"وہی ہوگا جو منظور خدا ہوگا۔" فیصل گہرا سانس لے کر بولا۔

"بھائی آپ خاموش رہیں گے کیا؟ پلیز بھائی! اصبح ہم سب کو بہت عزیز ہے اس کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ ہونے دینا۔ اس کی محبت کو پھوپو اور مما کی ضد کی بھینٹ نہ چڑھنے دینا۔" کنزیٰ منت بھرے لہجے میں اس سے کہنے لگی تو فیصل خاموش نظروں سے اس کو دیکھتا رہ گیا۔

❀......❀......❀

"مما ایک بار بات کو آرام سے سن لیں پہلے......" وہ منت بھرے لہجے میں ان سے مخاطب ہوا۔

"کتنا بے غیرت بھائی ہے تو اس لڑکے نے تمہاری بہن کی عزت پر ہاتھ ڈالا اور تو ابھی تک انہی کی طرف داری کررہا ہے۔" زبیدہ کے الفاظ نے اس کو لرزا دیا۔

"مما پلیز اتنے سخت اور چیپ الفاظ نہ استعمال کریں کہ کل پچھتانا پڑے۔" وہ زچ انداز میں غصے سے ان کو ڈپٹتے ہوئے بولا۔ "معمولی سی بات کو خوامخواہ بڑھا کر آپ دو زندگی برباد کررہی ہیں۔" وہ دوبارہ بولا۔

"تو وہاں تھا؟ نہیں تھا ناں، اس لیے تمہیں پتہ نہیں کہ وہاں کیا ہوا؟ کنزیٰ نے ایسے ہی تھپڑ نہیں مارا تھا اسے......" زبیدہ عالم طیش میں نفرت میں یہ تک بھول گئیں کہ بیٹے کے سامنے بیٹی کو کس طرح کے الفاظ میں مخاطب کررہی ہیں۔

کنزیٰ واپس جاچکی تھی، لیکن فیصل کے کانوں میں زبیدہ کی کڑوی کسیلی باتیں گونجنے لگیں۔ وہ سمجھ نہیں پارہا تھا کہ ان حالات میں اس کو کس کا ساتھ دینا چاہیے۔ محبت کو چھوڑتا ہے تو ساری زندگی کے لیے بے وفا کہلاتا ہے اور ماں کے خلاف جاتا ہے تو تھوڑی سی طرف داری کے بعد بے غیرت بھائی کا طعنہ مل گیا تھا، دونوں ہاتھوں سے کنپٹیوں کو دبایا کہ سر درد سے پھٹا جارہا تھا۔ دراز سے پین کلر نکال کر کھائی اور چائے کا آخری سپ لے کر لیٹ گیا۔ درد بڑھتا جارہا تھا اور پھر نیند مہربان ہوئی تو وہ سو گیا۔

❀......❀......❀

"مما...... یہ کیا کہہ رہی ہیں؟" عالیہ کی حیرت سوا نیزے پر تھی۔

"وہی جو تم نے سنا۔" زبیدہ ناگواری سے اس کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"لیکن مما...... یہ تو......"

"جو میں نے کہا ہے وہ کرو عالیہ۔" اس کی بات کاٹ کر زبیدہ اسی تلخی سے گویا ہوئیں۔

"مما اگر ماموں حالات ٹھیک کرنے کی نیت سے آرہے ہیں تو پلیز مما اپنے دل کو نرم کریں، اصبح کی خوشی کی خاطر ہی سہی مما پلیز۔" عالیہ، زبیدہ کے سخت انداز کو دیکھتے ہوئے منت بھرے لہجے میں ان سے کہنے لگی۔

"سرمد بھائی آرہے ہیں، تم اصبح کے ساتھ رہنا، اس تک یہ بات نہ پہنچے ورنہ...... اچھا نہیں ہوگا۔" زبیدہ اس کی بات کو نظرانداز کرتی اسی ترش انداز میں کہتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"مما......"

"دیکھو عالیہ تم اپنے کام سے کام رکھو بیٹا اور جتنا کہا جائے اتنا کرو اور تم کال کرلینا بلال کو کہ وہ تمہیں لے

جائے۔ وہاں تمہاری ضرورت ہوگی۔ بلال کچھ نہیں کہتا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم یہاں ہی ڈیرے جمالو۔“ زریدہ، عالیہ کو بھی سنا کر وہاں سے جاچکی تھیں اور وہ سکتے کے سے عالم میں اپنی جگہ جم گئی۔

”مائیں تو بیٹیوں کی ڈھال ہوتی ہیں ناں آپا‘ پھر ہمارے ساتھ ایسا کیوں کررہی ہیں مما؟“ عالیہ زریدہ کی باتوں سے بہت ہرٹ ہوئی تھی۔ اس نے ہمیشہ زریدہ کی بات مانی تھی‘ اصبح پھر ان کے سامنے بولتی تھی لیکن عالیہ...... ہمیشہ ان سے دب کررہی تھی۔ چھوٹی عمر میں بنا اس کی مرضی جانے‘ بنا اس سے پوچھے اس کی شادی طے کردی اور وہ بلاچوں وچراں مان گئی۔

”اصبح...... پتہ نہیں ڈیڈ کی وفات کے بعد سے مما کافی تلخ ہوگئی ہیں اور کچھ ماموں کی فیملی کی وجہ سے ضدی ہورہی ہیں۔ اس لیے ان کو سمجھ نہیں آرہی کہ کس طرح حالات کو فیس کریں۔“ عالیہ نہ چاہتے ہوئے بھی زریدہ کی حمایت میں بول رہی تھی۔

”آپا کون سے حالات؟ یہ سب کچھ مما نے خود ہی کرایٹ کیا ہے۔ مائیں تو اپنی اولاد کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتیں اور مما اپنی انا اور بے بنیاد ضد کا دامن چھوڑنے کو قطعی تیار نہیں۔ کیا میری زندگی کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں؟ کیا میری خوشی اتنی بے ضرر ہے کہ ان کی ضد اور انا کے سامنے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟“ اصبح انتہائی دل برداشتہ اور مایوس کن انداز میں اس سے استفسار کررہی تھی۔

”اصبح پلیز...... سنبھالو خود کو۔ مجھ سے کوئی سوال نہ پوچھو۔ یہ نفرت اور ضد کی جنگ ہے اصبح اس میں صرف اور صرف انا کی جیت ہوگی۔“ عالیہ بھرائی آواز میں بولی تو اصبح نے ڈبڈبائی نظروں سے بہن کی طرف دیکھا۔ جو کبھی اس انداز میں نہ بولی تھی ہمیشہ اس کی ہمت بندھاتی تھی۔ مما کچھ بھی کہہ دیں کبھی اس کے ماتھے پر ایک شکن تک نہ آئی تھی۔ اور آج...... اس وقت عالیہ کا انداز بہت مایوس کن تھا۔

”نیتوں میں کھوٹ ہوناں اصبح تو قسمت کا لکھا بدل دیا جاتا ہے۔ جب اپنے ہی محبت میں دوغلے پن سے کام لیں ناں تو وہاں ہمارا خلوص‘ ہماری محبت‘ ہمیں اس در پردہ نفرت کی دلدل میں ڈوب جانے سے نہیں بچاسکتے۔ جب رشتوں کو مان نہیں دیا جاتا ناں تب خون کے گہرے رشتے بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔“ عالیہ سمجھ چکی تھی کہ اصبح اور فیصل کا رشتہ ایک سوچی سمجھی پلاننگ کے تحت ٹوٹ رہا ہے۔ وہ اصبح کو بتانا چاہتی تھی کہ سرمد ماموں آرہے ہیں لیکن زریدہ کی باتوں کی وجہ سے خاموش تھی۔ اصبح متعجب و متغیر نظروں سے عالیہ کو دیکھے جارہی تھی اور یہ سمجھنے کی کوشش کررہی تھی کہ وہ اس طرح کی باتیں کیوں کررہی ہے۔

”آپا! کیا ہوا‘ کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟“ اصبح عالیہ کی طرف بڑھی‘ اس سے استفسار کرنے لگی تو اس کا نظریں چرانا اصبح نے محسوس کیا۔

”کچھ نہیں اصبح۔“ اس نے عالیہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو عالیہ نے اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کررونہاسی انداز میں اس کی طرف دیکھا تو اصبح کی آنکھوں سے جھانکتی بے یقینی اور انہونی کا ڈر واضح تھا۔

”اصبح...... “ عالیہ ہمت مجتمع کرنے لگی کہ اس کو بتاسکے اس کی تھوڑی سی جو امید باقی ہے اس کا دیا بجھ گیا ہے۔ بتا سکے اس کو کہ فیصل سے اس کی شادی نہیں ہوسکتی‘ کیونکہ یہ جنگ سراسر ضد اور نفرت کی جنگ ہے‘ جس میں صرف اور صرف انا کا جھنڈا لہرا رہا ہے‘ محبت یا کسی قسم کی مصلحت کی کوئی گنجائش باقی نہیں ہے۔

”اصبح دعا کرو...... محبت میں دوغلا پن چل سکتا ہے لیکن دعا خالص ہوتی ہے‘ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ دعا کا تعلق صرف اور صرف اللہ سے ہوتا ہے اور اللہ کے سامنے ہم دوغلے پن کا مظاہرہ قطعی نہیں کرسکتے۔ وہ ہمارے راز‘ ہماری نیت کو ہم سے زیادہ جانتا ہے۔“ عالیہ اپنے ہاتھ سے اس کا گال چھوتے ہوئے انتہائی نرم لیکن مضبوط انداز میں بولی۔

”لیکن آپا ہوا کیا؟“ اصبح کا دل بے تحاشہ دھڑکا۔

”میری جان! مجھے نہیں پتہ کیا ہوا......“ دونوں ہاتھوں سے اس کے چہرے کو تھام کر عالیہ نے اپنے آپ کو باز رکھا یہ بتانے سے کہ سرمد ماموں آرہے ہیں۔

”میں نے تمہارے لیے بہت دعا کی ہمیشہ اور اب بھی لیکن تم......اصبح......“ عالیہ میں اس کی امید توڑنے کی ہمت نہ تھی۔

”میں کیا آپا؟“ اصبح نے لرزتے دل کے ساتھ اس سے پوچھا۔

”تم......اپنے آپ کو محبت کے اس آکٹوپس سے آزاد کرالو......اصبح اب یہ ممکن نہیں ہے کہ تمہارا اور فیصل کا ساتھ ہمیشہ کا ہو پلیز اصبح۔“ اس کے چہرے پر لہراتے سائے نے عالیہ کو دہلا دیا۔

”ہاہاہا......“ دوسرے پل اصبح کا بلند ہوتا قہقہہ عالیہ کو چونکا گیا۔

”اصبح......؟“ عالیہ نے حیرت سے اس کو دیکھا۔

”آپا......او میری پیاری آپا میں بھی پتہ نہیں کیا ہوگیا ہے جو اتنی سیریس ہورہی ہو۔“ اصبح بے تحاشہ ہنستے ہوئے بمشکل بولی۔

”اصبح......!“ عالیہ کو اس کی ذہنی حالت خاصی مشکوک لگنے لگی تھی۔

”آپا یہ بات میں اسی وقت سمجھ گئی تھی جب فیصل نے کہا تھا کہ وہ میرے لیے اپنی فیملی کو نہیں چھوڑ سکتا۔ تو اس محبت کے آکٹوپس نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔“ اصبح نے عالیہ کے سامنے سے ہٹتے ہوئے کمرے میں رکھی چیئر پر بیٹھتے ہوئے کہا تو عالیہ نے اس کے دھواں دھواں چہرے کی طرف دیکھا۔ جواب ہنسی رو کے ہاتھوں کی پشت سے آنکھوں کو رگڑ رہی تھی۔

”جب کوئی ہمارا ساتھ نہیں دے سکتا ناں ہمیں پانے کے لیے حق بات بھی نہیں کہہ سکتا ناں تو تب ہمیں اس محبت کی ضرورت نہیں رہتی آپا......محبت کو قائم رکھنے کے لیے عزت بھی ضروری ہوتی ہے ناں؟“ چند قدموں کے فاصلے پر کھڑی عالیہ کی طرف دیکھتے ہوئے اصبح نے اس سے استفسار کیا تو بنا ایک لفظ کہے عالیہ نے اثبات میں سر ہلایا تو اصبح مسکرانے لگی۔

”آپا فکر نہ کرو میں ٹھیک ہوں۔ آہستہ آہستہ نارمل ہوجاؤں گی۔“ اصبح پھر بولی لیکن اب عالیہ کے پاس تسلی کا ایک لفظ بھی باقی نہ بچا تھا۔ ڈبڈبائی نظروں سے عزیز ترین بہن کی طرف دیکھنے لگی۔ جب اعتبار کی ڈور پر بے اعتباری کی قینچی چلتی ہے تو وہ لمحہ دل سے جڑے رشتوں کے زوال کا پہلا مرحلہ ہوتا ہے پھر گرہیں تو لگتی ہیں لیکن محبتوں کا دیا پھڑپھڑاتا ہی رہتا ہے۔ اصبح اور فیصل کی محبت بھی بے اعتباری کی زد میں آچکی تھی۔ زبیدہ کی ضد، اشعر کی پلاننگ اور زبیدہ کی شرط نے محبت کی دنیا کو تہس نہس کردیا تھا۔ اصبح خاموشی سے بیٹھی تھی، عالیہ نے اس کی طرف دیکھا تو دل کٹ کر رہ گیا۔ ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور باہر نکل گئی۔ لیکن جاتے جاتے دروازے کو اچھی طرح بند کرنا نہ بھولی تھی۔

❀......❀......❀

”زبیدہ......بیٹھو تم......“ سرمد اور زبیدہ آمنے سامنے تھے۔ چند پل کی خاموشی کے بعد سرمد، زبیدہ سے مخاطب ہوئے جو سپاٹ چہرہ لیے ان کے سامنے صوفے کی پشت پر ہاتھ رکھے کھڑی تھیں دوسری پل انتہائی بے دلی سے صوفہ پر بیٹھ گئیں۔

”زبیدہ میں یہاں......“

”اگر آپ یہاں کسی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش میں آئے ہیں ناں تو معاف کیجیے گا بھائی آپ کو مایوسی ہوگی۔“ اس سے پہلے سرمد اپنی بات مکمل کرتے اپنے آنے کا مقصد بیان کرتے زبیدہ نے ان کی بات کاٹ کر انتہائی ترش لب و لہجے کے ساتھ ان کو اپنا فیصلہ سنادیا۔

”زبیدہ بچوں جیسی باتیں مت کرو۔“ سرمد اس کے ردعمل کے لیے خود کو تیار کرکے آئے تھے اس لیے بنا کسی تلخی کے پورے حق کے ساتھ بولے۔

”بچوں جیسی باتیں؟ ماشاء اللہ سرمد بھائی یہ بچوں کی

سی باتیں ہیں۔" زریدہ اسی لب و لہجے کے ساتھ بولیں تو سرمد لب بھینچ کر رہ گئے۔ "کھچا کھچ مہمانوں سے بھرا تھا گھر...... اور بھری برادری کے سامنے جو ہوا کیا اس کے بعد آپ مجھ سے کسی نرم رویے کی توقع رکھتے ہیں تو بھائی آپ سراسر غلطی پر ہیں۔ خود کو میری جگہ رکھ کر سوچیں۔ کیا اتنی بے عزتی کے بعد آپ کی طرف سے کوئی مثبت پیش قدمی ہوئی۔"

"میں مانتا ہوں زریدہ جو ہوا غلط ہوا' لیکن غلطی کو سدھارنے کی کوشش بھی تو کی جاسکتی ہے ناں؟" سرمد انتہائی نرم لہجے کو اپنائے ہوئے تھے' جانتے تھے کہ اس وقت ان کا ایک بھی تلخ لفظ رہی سہی تھوڑی سی امید کا بھی دم توڑ دے گا۔

"بھائی کچھ غلطیاں ایسی ہوتی ہیں جو سدھرتی نہیں ہیں۔ ہم چاہیں تب بھی نہیں۔" زریدہ اپنی ضد پر ڈٹی ہوئی تھیں۔

"زریدہ رشتوں کو قائم رکھنے کے لیے ظرف بڑا کرنا پڑتا ہے۔ خدا کا واسطہ ہے اپنی اس نکمی انا کو چھوڑ دو۔ بچوں کی خوشیوں کو یوں ملیامیٹ نہ کرو۔" سرمد پھر بولے۔

"اچھا...... آج آپ مجھے ظرف بڑا کرنے کا سبق پڑھا رہے ہیں' اس وقت کیوں نہ سوچا کہ ظرف بڑا کرنا چاہیے جب میں نے رو رو کر آپ کو روکا تھا۔ تکلیف کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب خود کو چوٹ لگتی ہے۔ دوسرا بے شک روئے تڑپے احساس نہیں ہوتا۔" زریدہ ان کی طرف دیکھ کر استہزائیہ لہجے میں بولی۔

"زریدہ یہ پرانی باتوں کو دہرانے کا وقت نہیں ہے۔ اس وقت ہمیں بچوں کے مستقبل کے بارے میں سوچنا ہے نہ کہ اپنے گھاؤ تازہ کرنے ہیں۔" سرمد نظریں چرائے نرم لہجے میں بولے۔

"اونہہ...... گہرے زخموں کے گھاؤ ہمیشہ تازہ ہی رہتے ہیں۔ اور وقت بے وقت ان سے ٹیسیں اٹھتی ہی رہتی ہیں۔" زریدہ اسی کڑوے لہجے میں بولیں۔

"زریدہ میں مانتا ہوں میری غلطی ہے' میری ہی غلطی تھی۔ لیکن اب وقت گزر چکا زریدہ خدارا اب بھولنے کی کوشش کرو۔" اب کے سرمد قدرے روہانسی آواز میں گویا ہوئے۔

"غلطی کا اعتراف انسان کو سکون دے سکتا ہے لیکن بگڑے پل سنوار نہیں سکتا۔" زریدہ کا سپاٹ انداز برقرار تھا۔

"زریدہ جو غلطی میں نے کی وہ تم نہ کرو۔ میں مانتا ہوں مجھے تمہارا ساتھ دینا چاہیے تھا لیکن اس وقت حالات جس رخ پر جارہے تھے مجھے جو ٹھیک لگا میں نے وہی کیا...... اور میں بارہا اپنے رویے کی لاتعلقی اور خود غرضی کی معافی مانگ چکا ہوں۔ میں جانتا ہوں زریدہ معافی مانگ لینا کافی نہیں ہوتا' ہماری معافی گھاؤ کو مندمل نہیں کرسکتی لیکن اگر اعلیٰ ظرف اپنایا جائے تو کچھ بھی ناممکن نہیں۔" سرمد اپنی جگہ سے اٹھ کر زریدہ کے ساتھ آبیٹھے تھے۔

"سرمد بھائی میرے پاس اعلیٰ ظرف نہیں ہے۔ ہر انسان خود غرض ہی ہوتا ہے۔ آنسہ عندلیبن بھی خود غرض تھی۔ بختاور علی بھی خود غرض تھی' سرمد علی بھی خود غرض تھا اور آج زریدہ بھی خود غرض ہے بھائی' بہتر یہی ہوگا کہ آپ فیصل کی شادی کہیں اور طے کردیں۔ اپنی بیٹی کے لیے میں بہتر ہی فیصلہ کروں گی۔" انتہائی تلخی سے بولتی زریدہ نے گویا اپنے فیصلے کو حتمی قرار دے دیا تھا۔ سرمد نے گہرا سانس لیا۔

"میں اصبح سے ملنا چاہتا ہوں۔" سرمد نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

"آپ کو اس کی اجازت نہیں ہے۔" زریدہ سفاک انداز میں بولی تو سرمد بنا ایک لفظ کہے وہاں سے اٹھے اور دوسرے لمحے وہ کمرے سے باہر نکل گئے اور زریدہ چند پل وہاں رکیں اور پھر اٹھ کر باہر نکل گئیں۔

❀......❀......❀

منیر نیاز علی کی ناگہانی موت نے علی مینشن کا شیرازہ بکھیر دیا تھا۔ آنسہ عندلیبن عدت پوری ہوتے ہی چچازاد کاظم الٰہی کے نکاح میں چلی گئی اور کسی کی پروا کیے بغیر اتنی

جلدی کے اس اقدام نے آنسہ کے کردار کو مشکوک بنادیا۔
دو معصوم بچے جو باپ کی شفقت سے محروم ہوئے تھے۔ آناً فاناً ماں کے پیار کے لیے بھی ترسنے لگے۔ بختاور علی جو میجر نیاز علی کی طلاق یافتہ بہن علی مینشن میں رہائش پذیر تھی اس کی طلاق کے بعد آنسہ اور بختاور کبھی اچھی دوست نہ بن سکیں اور بھائی کی وفات کے بعد بختاور صحیح معنوں میں آنسہ کے عتاب کا نشانہ بنی۔ سارے لحاظ بالائے طاق رکھے ہر ایک بات کو فراموش کیے آنسہ نے بختاور کا جینا دوبھر کیا اور اس کے پیچھے صرف اور صرف اس کی خود غرضی شامل تھی کہ کاظم الٰہی سے نکاح کے لیے کوئی رکاوٹ نہ ہو اور ایسا ہی ہوا۔ آنسہ کا رویہ ایسا تھا کہ بختاور نے احتجاج کا ایک لفظ نہ کہا اور خاموشی سے دونوں بچوں کی ذمہ داری لے لی۔

شعور کی منزل پر قدم رکھتے ہی بے شمار طعنے کڑوی کسیلی باتوں نے زریدہ کے اندر بھی نفرت اور بدلحاظی کے کیکر اگانے شروع کردیے اور رہی سہی کسر بختاور کی نفرت نے پوری کردی۔ وقت بے وقت اٹھتے بیٹھتے جب ایک ناانصافی اور خود غرضی کا احساس دلایا جانے لگے تو اچھا بھلا میچور ذہن متاثر ہونے لگتا ہے اور پھر وہ تو تھی ہی کچے ذہن کی۔ اس کے اندر بھی تلخی اور نفرت کی آبیاری ہونے لگی۔

زریدہ سرمد کی منتظر رہتی بھائی کے چھوٹے چھوٹے کام وہ اپنے ہاتھوں سے کرتی تھی۔ لیکن سرمد کی طرف سے اس کو وہ پذیرائی کبھی نہ ملی جو بھائی کا فرض ہوتا ہے۔ شاید وہ بھی خود غرضی کی ڈگر پر قدم رکھ چکا تھا۔ آنسہ سے اس کی اکثر ملاقاتیں ہوتیں لیکن زریدہ کو کبھی کوئی خبر نہ ہوئی تھی اور بختاور سرمد اور آنسہ کے میل ملاپ کے خلاف ہو رہی تھیں اور سرمد مکمل طور پر آنسہ کی سائیڈ پر تھا۔ اور یہ بات بختاور کو کسی طرح منظور نہ تھی۔ تو اس نے زریدہ کو مہرہ بنالیا۔

نفرت کا بیج جو آنسہ کی خود غرضی اور بختاور کی ضد نے زریدہ کے دل میں بویا تھا اب تناور درخت بن چکا تھا۔ پھر بھی زریدہ سرمد کی راہ دیکھتی تھی بھائی کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگتی تھیں لیکن سرمد ہمیشہ مصروف رہا۔ کبھی وہ گھڑی اس کے پاس نہ آیا۔

زریدہ سرمد کی شادی کے خواب دیکھنے لگی بختاور سے اکثر وہ سرمد کی شادی کا ذکر کیا کرتی تھی تو بختاور کی استہزائیہ ہنسی سے وہ ہمیشہ خائف رہتی تھی۔

”تم جو اتنے پلانز بنا رہی ہو ناں یہ کبھی اپنے بھائی سے بھی پوچھ لو کہیں ایسا نہ ہو وہ شادی کرچکا ہو۔“ بختاور اس کی امیدوں کو پل بھر میں توڑ پھوڑ کر رکھ دیتی تھیں۔

”پھوپو آپ ناں ہمیشہ دل دکھانے والی باتیں ہی کرتی ہیں۔“ وہ نروٹھے لہجے میں ہمیشہ ایک بات کہتی تو بختاور ہنس دیتی اور پھر بختاور کی کہی ہر بات کو سرمد نے سچ ثابت کردیا۔ زریدہ اور سرمد کی شادی...... اور زریدہ کی پلاننگ وہی کی وہی رہ گئی۔ سارے خواب جو اس نے سرمد کی شادی کے حوالے سے دیکھے تھے سب چور چور ہوگئے۔ یوں سرمد کی اس طرح سے بغیر زریدہ کو انوالو کیے شادی کرنا دونوں بہن بھائی کے درمیان نفرت اور ایک سرد جنگ کے رشتے کو قائم کرگیا اور پھر ان شعلوں کو ہوا دینے والوں نے بہن بھائی کے درمیان فاصلے قائم کردیے اور زریدہ نے رخصت ہوتے وقت سرمد کو اتنا بھی نہ بتایا جتنا اس نے زریدہ سے شادی کے وقت زریدہ کو بتایا تھا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

وقت نے تھوڑے اور قدم اٹھائے اور آگے بڑھ گیا۔ لیکن نفرت...... اور ضد نے اپنے قدم مضبوطی سے جمائے رکھے۔ دلوں کی کدورتیں ختم نہ ہوئیں...... چند سال کے دل کے عارضے میں مبتلا رہنے کے بعد بختاور نے زریدہ کا ساتھ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا تھا اور زریدہ جو بختاور سے بہت اٹیچڈ تھی۔ ان کی ابدی جدائی سے ٹوٹ پھوٹ گئی۔

سرمد اور زبیدہ زریدہ کے مقابلے میں زیادہ سیٹ تھے۔ فیصل حفصہ اور کنزیٰ ایک مکمل فیملی۔ اکثر زریدہ کو اس بات کا احساس دلاتی رہتی کہ ماں کی ساری دعائیں سرمد کے پاس ہیں اور انہی کی وجہ سے سرمد ہر لحاظ سے کامیاب ہے۔ جبکہ زریدہ کے حصے میں صرف تشنگی اور نظر انداز کرنا ہی آیا تھا۔ نفرت کے سبق پڑھتے پڑھتے وہ یہاں تک پہنچی

ہے۔ اسی وجہ سے جو کڑواہٹ زریدہ کے اندر رچ بس چکی تھی بچوں کے بڑے ہونے تک اس میں کمی نہ آئی لیکن اس نفرت اور بدمزگی کے باوجود نجانے کیسے اصبح اور فیصل کے دل ایک دوسرے کے لیے دھڑکنے لگے۔ اصبح نے زریدہ کو ہمیشہ زہر اگلتے ہی دیکھا تھا شاید اس میں زریدہ کی غلطی نہیں تھی یا شاید ساری غلطی زریدہ کی ہی تھی لیکن جب اپنی ماں صرف اپنی غرض کی خاطر بچوں کو چھوڑ کر اپنی الگ دنیا بسا لیتی ہے تو ایسے حالات کا خمیازہ عموماً لڑکیوں کے حصے میں آتا ہے زریدہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اصبح فیصل کے ساتھ مل کر رشتوں میں پڑی دراڑوں کو محبت کے سیمنٹ سے پُر کرنا چاہتی تھی لیکن زریدہ کی بے اعتباری کا گراف انتہائی تھا کہ اصبح کو مشکل پیش آنے لگی۔

لیکن پھر سرمد نے منت سماجت سے زریدہ کو منالیا اور یوں اصبح اور فیصل کا رشتہ طے ہوگیا تھا۔ رشتہ طے کرتے ہی شادی کی ڈیٹ فکس کردی گئی۔ سرمد جانتا تھا کہ زریدہ کتنی ضدی ہے مان گئی ہے لیکن خوش نہیں ہے اور یہ تعلق منگنی کی کچی ڈور سے بندھا رہا تو زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکے گا۔ اس لیے جلدی شادی طے کرنا بہترین حل تھا۔ زریدہ بھی راضی ہوگئی اور بے دلی سے ہی سہی لیکن بیٹی کی شادی کی تیاریوں میں لگ گئی۔ اصبح بھی خوش تھی کہ بالآخر ماں کا دل پگھلانے میں کامیاب ہو ہی گئی اور وہ مطمئن ہوگئی خوابوں کی دنیا جو ڈانواڈول ہو رہی تھی یک دم ہی سنبھل گئی۔

لیکن...... نصیب میں کیا لکھا ہے؟ یہ راز ہمیشہ پوشیدہ ہی رہتا ہے اور حالات اچانک ایسا رخ موڑ دیتے ہیں کہ ہم سنبھل نہیں پاتے۔ سمجھ نہیں پاتے۔

❀......❀......❀

اور پھر لاکھوں کوششوں کے باوجود زریدہ بگڑی تو کسی طور سنبھلنے میں نہ آئی۔ اصبح کے آنسو اس کی دعائیں رونا تڑپنا زریدہ کی نظروں سے اوجھل رہا یہ وہم گمان میں بھی نہ تھا وہ دل جو طمن رت کے لیے رستوں کو محبتوں کی پتیوں سے سجانے کے لیے بے تاب تھا وہاں ایک بار پھر خاردار جھاڑیاں اگائی جانے لگی تھیں۔ اشعر لاڈلہ اور اکلوتا ہونے کی وجہ سے کچھ بھی کرتا زریدہ کی حمایت ہمیشہ اس کے ساتھ ساتھ ہوتی اور پھر یہ تو اس نے ان کی من کی مراد پوری کی تھی۔ مشکل یہ تھی کہ اب زریدہ بھی بگڑ چکی تھیں۔ فیصل کی مہندی کا فنکشن کینسل کردیا گیا اور لاکھ جتن کے باوجود پھر دلوں کے تار نہ جڑ سکے۔

فیصل اور اصبح کی پھر بات نہ ہوسکی غصہ اور کنزئی کے میسجز پر اصبح نے کوئی رسپانس نہیں دیا اور پھر وہ رشتے جو برسوں بعد جڑنے لگے تھے ایک بار پھر اپنی اپنی الگ دنیا کے ہوکر رہ گئے۔ اصبح جو ہر دم چہکتی تھی اب خاموشیوں کے حصار میں مقید تھی آناً فاناً کایا ہی پلٹ گئی۔ وہ ہمہ وقت بیٹھی اپنے ہاتھوں پر پھیکی پڑتی مہندی کو دیکھتی رہتی تھی عالیہ اپنے گھر چلی گئی تھی۔ سارے گھر سے شادی کی تقریب کی ڈیکوریشن اتار دی گئی تھی۔ رشتہ داروں کی چہ میگوئیاں مسلسل جاری تھیں۔ جو لوگ شادی کی مبارک دینے آنے والے تھے اب بیٹی کی شادی ٹوٹ جانے کا افسوس کرنے آرہے تھے۔

فیصل کی حالت اصبح سے کم نہ تھی لیکن وہ اپنے جذبات واحساسات پر مکمل دسترس رکھتا تھا۔ کمزور نہیں تھا لیکن بے بس تھا۔ بے وفائی کا دھبہ برداشت کرسکتا تھا لیکن ایسے بھائی کا نہیں جو بہن کی عزت کی حفاظت نہ کرسکے۔ چاہنے کے باوجود اصبح کو ایک لفظ بھی تسلی کا نہ کہہ سکا تھا۔

”اصبح کہاں تھی تم کتنی دیر سے کال کررہی ہوں۔“ مسلسل بجتے موبائل کو اس نے کان سے لگایا تو عالیہ کی گھبرائی آواز پر اس نے گہرا سانس لے کر اپنی آنکھوں کو صاف کیا۔

”سوری آپا دھیان نہیں دیا کہ موبائل بج رہا ہے۔ کیسی ہیں آپ اور میرا شہزادہ کیسا ہے؟“ لہجے کو نارمل کرتے ہوئے وہ قدرے بشاش لہجے میں بولی۔

”خیریت ہے ادھر، تم کیسی ہو؟“ عالیہ کا انداز عجلت بھرا تھا۔

”میں ٹھیک ہوں۔“ اصبح گلے میں اٹکتے آنسوؤں کے گولے کو نگلتے ہوئے بمشکل بولی۔

"اصبح...... کسی سے کوئی کنٹیکٹ ہوا؟ کوئی بات ہوئی پھر؟" عالیہ نے محتاط انداز اپنایا تھا اور اس سے استفسار کرنے لگی۔

"نہیں آپا! حفصہ اور کنزئی کے میسجز آتے رہے تھے کل تک' میں نے کوئی جواب نہ دیا تو آج کوئی میسج نہیں آئے۔" اصبح نارمل لہجے میں بولی۔

"اور فیصل؟" عالیہ نے پوچھا تو اصبح کے دل میں ٹیس اٹھی۔

"پھر بات نہ ہوسکی اس سے لیکن میں جانتی ہوں کہ میری طرح وہ بھی بار بار میرے نام پر کالنگ کا بٹن پش کرتے کرتے رک جاتا ہوگا۔" اصبح گلوگیر آواز میں بولی تو عالیہ اس کی اس خوش فہمی پر کچھ تلخ بولتے بولتے رکی۔

"کیوں کیا ہوا؟" عالیہ کچھ نہ بولی تو اصبح پھر سے گویا ہوئی۔

"اصبح ضروری نہیں ہوتا کہ محبت میں دونوں فریق کی دیوانگی ایک ہی لیول پر ہو۔ بعض دفعہ ہماری محبت اور اعتبار کی عمارتیں بہت بلند ہوتی ہیں لیکن ان بلند وبالا عمارتوں کی بنیادیں پانی کے بلبلوں کی طرح ہوتیں ہیں جن کو چھونے سے سارا ملبہ ہمارے اپنے اوپر آ گرتا ہے اور سب تہس نہس ہوجاتا ہے۔"

"کیا مطلب آپا؟" اصبح یک لخت بولی۔

"تمہاری محبت بھی خوش فہمی کے پل پر کھڑی تھی۔ بے اعتبار بھی اس کے پلر بھی ان بلبلوں کی طرح تھے اور مسمار ہوگئے۔" عالیہ قدرے تلخی سے بولی۔

"میں سمجھی نہیں آپا۔" اصبح الجھی۔

"فیصل کا رشتہ طے ہوگیا ہے۔ ارم کے ساتھ۔" عالیہ کے الفاظ اس کے پیروں کے نیچے سے زمین سرکا گئے۔

"کیا......! یہ کس نے کہا؟" اس کو اپنی آواز گہری کھائی سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"ماموں سارے خاندان میں مٹھائیاں بانٹتے پھر رہے ہیں۔" عالیہ انتہائی تلخی سے بولی۔

"نہیں آپا یہ سچ نہیں ہوسکتا۔ ابھی دو دن ہی تو ہوئے ہیں ناں اتنی جلدی؟ فیصل نہیں مان رہا ہوگا۔ میرے ہاتھ پر لگی مہندی کا رنگ ابھی تو گہرا ہورہا ہے۔" اصبح کو یقین نہ آیا تھا۔

"مہندی تمہارے ہاتھوں پر لگی ہے اصبح، فیصل کے ہاتھ پر نہیں۔" عالیہ کے تلخ الفاظ اس کو زندہ درگور کرنے کے لیے کافی تھے۔

"آپا......" وہ بمشکل اتنا ہی کہہ سکی۔

"تم اس سچائی کو جتنی جلدی ایکسیپٹ کرلوگی تمہارے لیے اتنا ہی اچھا ہوگا۔" عالیہ کو اب اس کی فکر ستانے لگی تھی۔

"میں نے کہا تھا ناں یہ دعا کرو کہ اللہ وہ کرے جو بہتر ہو۔ یہی بہتر ہوگا اصبح۔" وہ کچھ نہ بولی تو عالیہ پھر گویا ہوئی۔

"جی آپا۔" وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

"اچھا میں کل آؤں گی تم خیال رکھنا اپنا۔"

"جی آپا...... اللہ حافظ۔" اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا' اس سے پہلے کہ عالیہ فون بند کرتی اس نے آف کا بٹن پش کردیا۔ اور قسمت کے اس فیصلے پر اپنوں کی ستم ظریفی پر زاروقطار روتی چلی گئی۔

محبتوں کے بیزوال سے
کرنے لگے ہیں نڈھال سے
تشنگی کے اس صحرا میں
ساتھ میں کچھ ملال سے
تیرا ساتھ اک سراب جیسا
تیرے فسوں کے کمال سے

❀ ...... ❀ ...... ❀

"بھائی یہ کیا ہے؟" کنزئی نے کارڈ اس کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا۔

"غالباً یہ شادی کا کارڈ ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھے بنا سرسری نظر سے کارڈ کو دیکھ کر بولا۔

"محمد فیصل ارم زینب......" کنزئی نے کارڈ اٹھا کر اس پر لکھے نام پڑھے تو فیصل نظریں چراتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ کی آمد ہمارے لیے مسرت کا باعث ہوگی۔" کنزئی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اس کے چہرے پر

نظریں جمائے کارڈ پر لکھا جملہ پڑھا۔
"کنزیٰ تنگ نہ کرو سائیڈ پر ہو۔" وہ باہر جانے لگا تو کنزیٰ اس کے راستے میں آ کھڑی ہوئی تو وہ جھنجلا اٹھا۔
"آپ خوش ہو بھائی؟" اس کی جھنجلاہٹ کو نظر انداز کر کے وہ اس سے پوچھنے لگی۔
"میں خوش ہوں؟" وہ الٹا اس سے پوچھنے لگا۔
"جب کسی ان چاہے فیصلے کے خلاف کوئی احتجاج نہ کیا جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ ہم اس فیصلے کے خلاف نہیں ہیں' وقتی جھنجلاہٹ ہے جو ختم ہو جائے گی۔" کنزیٰ نے تلخی سے کہا۔
"ایسی بات نہیں ہے کنزیٰ' تم جانتی ہو مما کو اور پھوپو کو بھی...... میں......"
"میں کیا؟ مرد مجبور نہیں ہوتا بھائی' وہ عورت کا محافظ ہوتا ہے اور اگر محافظ ہی مجبوریوں کی زد میں ہے تو محافظ کیسا؟" اس کی بات کاٹ کر کنزیٰ بولی۔
"اس کو خبر دی؟" استہزائیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے وہ پوچھنے لگی۔
"نن...... نہیں...... ہمت نہیں ہوئی۔"
"اونہہ......" اور پھر بنا ایک لفظ کہے کنزیٰ وہاں سے چلی گئی اور وہ سوچوں کے گرداب میں الجھتا چلا گیا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

"چلو اٹھو اور اپنا حلیہ ٹھیک کرو۔ لیکن پہلے یہ گلاب جامن کھاؤ۔" اندھیرے میں ڈوبا کمرہ یک لخت روشنیوں سے بھر گیا تو اس نے نظر اٹھا کر دیکھا۔
"ارے آپا تم کب آئیں اور یہ گلاب جامن کس خوشی میں؟" اصبح نے بکھرے بال سمیٹ کر کیچر میں مقید کیے اور شریر نظروں سے عالیہ کو دیکھ کر پوچھا۔
"تم کیسی ہو؟" وہ اس کے سامنے کھڑی تھی عالیہ نے اس کو گلے لگاتے ہوئے پوچھا یک دم ہی اس کی پلکیں پھر سے گیلی ہونے لگیں۔
"آپا یہ گلاب جامن......" وہ کیسی ہے یہ بتانے سے اجتناب کرتے ہوئے وہ گلاب جامن کی بابت پوچھنے لگی۔ عالیہ نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ اس کو دیکھا اور ہاتھ میں پکڑی پلیٹ میں رکھے گلاب جامن سائیڈ پر رکھے چھوٹے سے ڈسٹ بن میں انڈیل دیے۔
"ارے ارے آپا یہ کیا کیا؟" اس کی اس حرکت پر اصبح چلائی۔
"یہ ماموں کے گھر سے آئے تھے فیصل کی شادی کے کارڈ کے ساتھ۔" عالیہ کی اطلاع پر اصبح کا رنگ اڑ گیا۔ یک دم زمین آسمان گھومتے ہوئے محسوس ہوئے۔ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھاما اور اس سے پہلے کہ نیم جاں ہو کر زمین پر گرتی عالیہ نے بڑھ کر اس کو تھام لیا۔
"اصبح سنبھالو خود کو اور حقیقت کا سامنا کرو۔" عالیہ اس کو ڈانٹنے لگی۔
"کوئی کسی کے ساتھ ناانصافی کر کے کیسے خوش ہو سکتا ہے آپا؟" گالوں پر بہتے گرم سیال کو ہاتھ کی پشت سے پونچھتے ہوئے اصبح نے عالیہ کو دیکھا۔
"جب احساسات مر جاتے ہیں تب سب کچھ ہو سکتا ہے۔" عالیہ اس کے ساتھ بیٹھتی ہوئی کہنے لگی۔
"پھر لوگ خوش بھی رہتے ہیں اور دوسروں کی پروا بھی نہیں رہتی۔" عالیہ پھر تلخی سے بولی۔
"دوسروں کی خوشیوں کے' خوابوں کے محل کو مسمار کر کے اپنی خواہشات کی بنیادیں رکھنا بہت آسان ہوتا ہے لیکن پھر اس سے حاصل ہونے والی خوشی وقتی ہوتی ہے۔ اس خوشی کی عمر لمبی نہیں ہوتی آپا......" اصبح عالیہ کے ساتھ ساتھ خود کو بھی تسلی دے رہی تھی۔
"پتہ نہیں...... چھوڑو یہ سب اٹھو تم۔ مجھے میری پہلے والی اصبح چاہیے ہنستی مسکراتی جو ہر بات کو فیس کرتی تھی۔" عالیہ اس کی طرف دیکھ کر اس سے کہنے لگی۔
"وہ اصبح تو اب کہیں بھی نہیں ہے آپا' لیکن میں ٹھیک ہوں' آپ فکر نہ کرو۔" اصبح نے زبردستی مسکراتے ہوئے عالیہ کو مطمئن کرنا چاہا۔
"میں تبھی فکر کرنا چھوڑوں گی جب یہ یقین ہو جائے گا کہ تم نے اپنے آپ کو سنبھال لیا ہے۔" عالیہ متفکرانہ انداز

میں اس سے مخاطب ہوئی۔
"میں ٹھیک ہوں ناں آپا بچی میں ٹھیک ہوں۔ اب تھوڑا سا ٹائم تو لگے گا ناں۔" وہ اپنے رویے میں درآئی جھنجلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے بولی تو عالیہ نے مزید کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا اور اٹھ کر جانے لگی تو اصبح کی طرف دیکھا جو بجتے موبائل کی اسکرین پر نظریں جما چکی تھی۔
"اصبح......" عالیہ نے حیرت سے اسے مخاطب کیا۔ تو اصبح نے موبائل اس کے سامنے کیا جہاں "فیصل کالنگ" فلیش کررہا تھا۔ تو عالیہ کی حیرت میں بھی چنداں اضافہ ہوا لیکن وہ بنا ایک لفظ کہے اس کے فیصلے کی منتظر رہی اور جب اصبح نے موبائل کان سے لگایا تو وہ باہر نکل گئی۔

✿ ...... ✿ ...... ✿

"اصبح کچھ تو بولو۔" بار بار کال کے بعد بالآخر اصبح نے فیصل کی کال ریسیو کرلی تھی۔ لیکن مسلسل خاموش تھی۔
"اصبح۔" اس نے دوبارہ پکارا تو اصبح نے گہرا سانس لیا۔
"مجھے کیوں کال کی؟" وہ پتہ نہیں یہی پوچھنا چاہتی تھی کہ نہیں، جب خاموشی نے لفظوں کا روپ دھارا تو لہجے کی اجنبیت فیصل پر مکمل طور پر عیاں ہوچکی تھی۔
"کیا نہیں کرنی چاہیے تھی؟"
"کرنی چاہیے تھی لیکن بہت دیر کردی ہے فیصل۔"
"اصبح......میں۔"
"آں...... ہاں...... نہیں نہیں کوئی بات نہیں فیصل...... مصروف ہوں گے میں جانتی ہوں اور پھر میں ایسی کزن نہیں ناں جس کو تم اپنی شادی کی اطلاع سب سے پہلے دیتے۔" اس کے لہجے میں نجانے کیا تھا' طنز مذاق یا پھر گلے۔ فیصل سمجھ نہ پارہا تھا۔
"اصبح جو کچھ بھی ہوا اس کا مجھے بھی دکھ ہے تم نہیں جانتی کن حالات میں، میں نے اب یہ فیصلہ کیا ہے۔" فیصل کو اس کا رویہ سمجھ نہیں آرہا تھا لیکن تکلیف کا احساس ضرور ہورہا تھا۔
"تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں نہیں جانتی؟" اصبح کا مختصر سا سوال اس کو لاجواب کرگیا تھا۔
"اصبح ڈیڈ گئے تھے پھوپو سے بات کرنے۔" فیصل کی اطلاع پر اصبح چونکی۔ "لیکن حالات کو مزید الجھا کر واپس آئے تھے اور پھر میرج ہال کی بکنگ باقی سارے اخراجات کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے مجھے یہ اقدام اٹھانے پڑے۔ میں تم سے رابطہ کرنا چاہتا تھا لیکن نہیں کرسکا' کچھ ذہنی ڈسٹربنس کی وجہ سے اور کچھ حالات کی سنگینی کی وجہ سے۔"
"تمہیں کوئی ایکسپلینیشن دینے کی ضرورت نہیں ہے فیصل۔ میں کوئی چھوٹی بچی نہیں ہوں جو حالات کو سمجھ نہ سکوں۔ یہ نہ سمجھ سکوں کہ میرج ہال کی بکنگ کینسل کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے یہ نہ سمجھ سکوں کہ تم کتنے مجبور تھے' کتنے مجبور ہو سو تم فکر نہ کرو میں......"
"اصبح...... میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ میرج ہال کی بکنگ کینسل نہیں ہوسکتی' لیکن سارے حالات تمہارے سامنے ہی ہیں ناں۔" اصبح کے لہجے میں دکھ کی آمیزش اتنی واضح ہوگئی کہ فیصل اس کی بات کاٹ کر بولا۔
"ہاں......" یک لخت ہی اس کی آواز بھاری ہوئی تھی۔ "میں جانتی ہوں۔" تھوک نگلتے ہوئے وہ بمشکل بولی کہ اب کسی قسم کی بے بسی یا کمزوری وہ اس پر عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی۔ "میں جانتی ہوں فیصل تم...... مجبور تھے' تم نے وہی کیا جو ایک بہت اچھے بیٹے کو کرنا چاہیے تھا' جو ایک بہت اچھے بھائی کو کرنا چاہیے تھا' تم نے صحیح فیصلہ کیا ہے فیصل۔" اصبح لمحہ بھر رکی اور اپنی آنکھیں صاف کیں' فیصل خاموش تھا۔
"اصبح تم......"
"فیصل ہماری محبت کے فیصلے ہمارے حق میں ہوں یا ہمارے خلاف ہمیں سر تسلیم خم کرنا ہی پڑتا ہے۔" فیصل کے کچھ بھی کہنے سے پہلے اصبح مزید گویا ہوئی۔
"تم مجھ سے ناراض ہو ناں؟" فیصل کے لہجے میں شرمندگی درآئی تھی۔
"نہیں تو' یہ محبت تو مجھے مجبوریوں کے شکنجے میں

ہی لپٹی ملی تھی۔" ایک بے بس، لاچار مسکراہٹ کے ساتھ اصبح بولی۔

"ہماری محبت سے جڑے ہر رشتے" نے اپنی اپنی مجبوری کے طوق اس کے گلے میں لٹکا کر اس کو مزید بوجھل کر دیا تھا۔ مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ تم سے ناراض نہیں ہوں۔" اصبح نے شاید حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا۔

"تم واقعی ناراض نہیں ہو ناں؟" اس کے لب و لہجے نے فیصل کو پریشان کر دیا تھا۔ یک دم ہی اس کے اندر ایک عجب سے احساس نے کروٹ لی۔

"جب روٹھنے منانے کے سلسلے ختم ہو جائیں ناں تو ناراض بھی نہیں ہونا چاہیے۔ وہ ناراضگی سوائے تکلیف کے اور کچھ نہیں دیتی۔ اور اب میں مزید کسی دکھ کی متمنی نہیں ہوں۔" اصبح اسی ٹون میں بولی تو فیصل مزید بے چین ہو گیا۔

"تم کیا کرو گی اب؟" نجانے کیسے اور کیوں یہ سوال اس کی زبان سے پھسلا اور اصبح کو حیران کر گیا۔

"ہاہاہا۔" نجانے کیوں وہ ہنسی اور اس کی ہنسی میں چھپا طنز درد فیصل بخوبی سمجھ سکتا تھا۔

"میں کچھ بھی نہیں کروں گی...... ہاں شاید اس مہندی کے اترنے کا انتظار...... ہاتھوں پر سے...... اور دل پر سے بھی......" وہ ایک ہاتھ سے موبائل کان سے لگائے دوسرے ہاتھ پر گہرے رنگ چھوڑتی مہندی کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"اصبح تم ٹھیک ہو ناں۔" نجانے کیوں فیصل کو اس کی فکر ہو رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں ڈونٹ وری...... شادی مبارک ہو' اللہ حافظ۔" اصبح نے اپنے آپ کو مزید کسی کمزوری کی زد میں آنے سے روکا۔

"اصبح...... سنو......" اس سے پہلے کہ وہ فون بند کرتی فیصل نے تیزی سے اسے پکارا۔

"بولو......" وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی۔

"میری خواہش ہے کہ......"

"کہ......؟" وہ خاموش ہوا تو اصبح متجسس ہوئی۔

"مجھے مہندی لگانے تم آؤ۔" بات پوری کر کے اس نے یوں سانس لیا جیسے میلوں کی مسافت طے کر کے آیا ہو۔

"میرے ہاتھوں میں تمہارے نام کی مہندی لگی ہے اور میں تمہیں کسی اور کے نام کی مہندی لگانے آؤں۔" اصبح کے لہجے میں آنسوؤں کی آمیزش واضح تھی۔ فیصل کی اس خواہش پر اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"اصبح پلیز......" فیصل اس لمحے خود بھی اپنے جذبات کو سمجھنے سے قاصر تھا۔

"میری محبت' تمہاری محبت کی طرح مجبور نہیں ہے اور نہ ہی یہ مہندی اتنی بے مول کہ میں کسی اور کو سونپ کر بے فکر ہو جاؤں......" اصبح کے ضبط کا پیمانہ چھلک پڑا تھا۔

"اصبح......"

"فیصل...... مزید ایک لفظ نہیں' اپنی آنکھیں کسی کو دان کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم اپنے خواب بھی بیچ رہے ہیں۔ آج کے بعد ہمارا حوالہ صرف ماموں زاد اور پھوپو زاد کا ہے۔ خوش رہنا' اللہ حافظ۔" اس سے پہلے کہ فیصل مزید کوئی بات کر کے اس کو کمزور کرتا اصبح نے اپنا فیصلہ سنا کر فون بند کر دیا اور...... فیصل کو یہ احساس ہونے لگا کہ آج اس نے اپنے پیار کو ہار دیا...... لیکن...... اب اسی احساس کے ساتھ اس نے اپنے نئے سفر کا آغاز کرنا تھا...... اور اصبح نے اپنا فیصلہ اللہ پر چھوڑ کر اطمینان کا سانس لیا تھا۔

قسط نمبر 5

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

فائز طبیعت بہتر ہوجانے پر اسپتال سے گھر تو آجاتا ہے لیکن سفینہ سے جدائی کا خوف اسے بے چین کیے رکھتا ہے سائرہ بیگم کی نفرت کے آگے اسے اپنی محبت دم توڑتے محسوس ہوتی ہے جب ہی وہ اداس دل کے ساتھ چھت پر آتا ہے اور حالات کو سازگار بنانے کی کوشش کرتا ہے ایسے میں جلال خان وہاں پہنچ کر اس کی اداسی کا سبب دریافت کرتے ہیں لیکن وہ ٹال جاتا ہے ایسے میں وہ ابرار خان سے سفینہ اور فائز کے نکاح کی بات کرتے ہیں اور انہیں فائز سے بات کرنے کا کہتے ہیں ابرار خان فائز کے منہ سے نکاح کے لیے انکار سن کر دنگ رہ جاتے ہیں لیکن وہ اس کے انکار کو خاطر میں لائے بغیر دونوں بیٹوں کو شادی کی تیاری کا حکم دیتے ہیں۔ دلشاد بانو تنہائی میں خود احتسابی کے عمل سے گزرتی ہیں ایسے میں انہیں شرمیلا کی خدمت گزاری بہت اچھی لگتی ہے ان کے پاؤں میں موچ آنے پر بھی وہ ان کا بہت خیال رکھتی ہے جب ہی ان کے دل میں یہ خواہش جنم لیتی ہے کہ فائز اور شرمیلا کا رشتہ طے کردیا جائے یہ بات وہ سائرہ بیگم سے کرتی ہیں تو وہ بھی رضامند ہوجاتی ہیں۔ شرمیلا اور فائز کی اتفاقیہ ملاقات ہوتی ہے اور فائز کی بھرپور شخصیت کے آگے شرمیلا خود کو بے بس محسوس کرتی ہے جب ہی وہ فائز کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہے جبکہ فائز اس کے رویے پر ششدر رہ جاتا ہے۔ سائرہ بیگم سفینہ اور فائز کے نکاح کی خبر سن کر خاموش ہوجاتی ہے دوسری طرف ریحانہ بیگم بھی اپنے شوہر کا مان رکھتے سفینہ کے لیے فائز کا ہاتھ قبول کرلیتی ہیں۔ فائز کے رویے کی سرد مہری سفینہ کو اضطراب میں مبتلا کردیتی ہے وہ اس ناروا سلوک کی وجہ جاننا چاہتی ہے لیکن فائز اسے کوئی موقع دینے پر رضامند نہیں ہوتا۔ وہ نئے سال کی آمد پر فائز کو تحفہ دے کر اس کو موڈ خوش گوار کرنا چاہتی ہے لیکن یہ دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے کہ فائز نے اس کے تحائف ڈسٹ بین کی نذر کردیے ہیں۔ جبکہ فائز سفینہ کی زبانی یہ سب جان کر حیران رہ جاتا ہے اور اپنی ماں کی اس نفرت کو دیکھ کر انتہائی شرمندہ بھی ہوتا ہے جب ہی سفینہ کے آگے ماں کا بھرم رکھتے وہ اسے اپنی باتوں اور تحائف سے بہلا لیتا ہے لیکن دوسری طرف اس کا دل ماں کی نفرت اور سفینہ کی محبت کے آگے ڈوبنے لگتا ہے دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب اس کے لیے انتہائی جاں گسل ہوتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

یہ دل بھی کتنا نادان ہے، ہمیشہ اسی کی آرزو میں کھو جاتا ہے جو پہنچ سے دور ہو آدمی، ادھوری تشنہ خواہشات اور امیدیں باندھ بیٹھتا ہے، جس کا پورا ہونا مشکل یا ناممکن ہو، جب تشنگی بڑھنے لگتی ہے تو، رب کی رضا پر راضی ہونے کی جگہ، اپنی زندگی کا سکون سبق سکھانے اور بدلہ لینے کی آگ میں بھسم کر بیٹھتا ہے، جو کچھ میسر ہو اس پر صبر نہیں کرتا اور باقی کی زندگی خود ساختہ الجھنوں میں پڑ کر برباد کردیتا ہے۔ ہمارے اردگرد ایسے کتنے تشنہ دل موجود ہیں۔ جن میں سے کچھ مخفی رہ جاتے ہیں اور کچھ عیاں ہوجاتے ہیں۔ ایسے ہی دل سائرہ اور دلشاد بانو کے سینے میں بھی دھڑکتے پائے گئے۔

❁......❁......❁

"بیٹی! گھر میں شرمیلا کے حوالے سے کوئی بات کی۔" دلشاد بانو نے فون پر سائرہ سے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں اماں میں نے ان کو سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر آپ کو اپنے داماد کے دماغ کا پتا ہے نہ پھر کہاں کی ہاں وہ لمحے بھر کو بھی یہ نام سننے پر راضی نہیں۔" سائرہ نے اکتاہٹ سے جواب دیا۔

"فائز سے پوچھا وہ کیا کہتا ہے؟" کچھ دیر سوچنے کے بعد انہوں نے دوبارہ فون کان کے نزدیک کیا۔

"لو اس کی کیا پوچھتی میں وہ تو باپ سے بھی بڑا مخالف ہے۔" سائرہ نے ماتھا پیٹ کر جواب دیا۔

"میرے اللہ کیسی کمبخت لڑکی ہے پیٹ کے جنے سے ڈرتی ہے اتنا سا کام بھی نہیں ہو پارہا۔ ایسا کر فائز کو کسی بہانے میرے پاس لے آ یہاں ہم دونوں اس پر دباؤ ڈالیں گے شاید وہ مان جائے اور تمہارا پیچھا اس بلا سے چھوٹ جائے۔" دلشاد بانو نے اپنے روایتی انداز میں بیٹی کو جلی کٹی سناتے ہوئے نئی راہ دکھانے کی کوشش کی۔

"اچھا...... اماں! کچھ کرتی ہوں۔" سائرہ نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد حتمی انداز میں کہا اور فون کھٹاک سے بند کردیا۔

"شرمیلا...... او شرمیلا...... بیٹی ایک بات سننا۔" دلشاد بانو نے اوپر منہ کرکے آواز لگائی۔

"آئی نانی!" شرمیلا جس کے کان نیچے ہی لگے تھے فوراً سیڑھیاں اترتی چلی آئی۔

❁......❁......❁

"کچھ ایسا معجزہ ہوجائے کہ یہ نکاح رک جائے۔" سائرہ جو کافی دیر سے بستر پر کروٹیں بدل رہی تھی منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"ایں...... کچھ کہا آپ نے......؟" جلال خان نے مڑ کر بیوی کو دیکھا۔

"آپ سوئے نہیں۔" وہ ایک دم چوکنا ہوئیں۔

"نیند نہیں آرہی میں تو اب دن رات اپنے بچوں کی خوشیوں کی دعائیں مانگتا رہتا ہوں۔" انہوں نے بڑے خلوص سے بیوی کے سامنے حال دل بیان کیا۔

کیسی عجیب بات تھی ایک چھت تلے وہ دونوں ایک ہی بستر پر لیٹ کر ایک ہی بات پر ہلکان ہورہے تھے بس فرق یہ تھا کہ ایک کی منفی تو دوسرے کی سوچ مثبت تھی۔ اگر سائرہ کا بس چلتا تو وہ جلال خان اور فائز کو پہلی ہی فرصت میں خان ہاؤس اور اس پورے خاندان سے کہیں دور لے جاتی مگر وہ جہاں اپنا شاطرانہ دماغ استعمال کرنے میں ماہر تھیں، وہیں جلال خان کے رعب اور غصے سے خوف بھی کھاتیں۔ انہوں نے فائز کی شادی سفینہ سے نہ کرانے کے لیے بڑے پاپڑ بیلے، نت نئے ہتھکنڈوں پر غور وفکر کیا مگر جلال خان نے ایک نہ سنی نکاح کی تاریخ طے کردی۔ سائرہ بیگم نے پھر بھی ہمت نہ ہاری وہ اس معاملے سے چھٹکارا پانے کے لیے آخری لمحوں تک لڑنے کے لیے تیار بیٹھی تھیں اور دلشاد بانو مکمل طور پر بیٹی کی پشت پناہی میں مصروف تھیں۔

"کسی طرح فائز کی شادی سفینہ کے بجائے شرمیلا سے ہوجائے تو مزہ آجائے۔" سائرہ نے جمائی روکتے ہوئے سوچا اور کروٹ بدل کر شوہر کو دیکھا جو خراٹے لینے میں مصروف تھے۔ جلال خان ایسے ہی تھے ابھی ہوش وحواس کی دنیا میں جاگتے ہوئے باتیں کررہے ہیں اور پانچ منٹ بعد دیکھو تو نیند کی وادیوں میں کھوگئے۔

"یااللہ میرے بیٹے کی شادی کسی بھی طریقے سے ٹل جائے۔" سائرہ نے پتا نہیں دعا کی یا بددعا...... یہ تو آنے والا وقت ہی بتاسکتا تھا۔

صفیہ چوہدری

سب سے پہلے پیارے آنچل کو پڑھنے والوں اور ترتیب دینے والوں کو بہت دعا اور پیار اللہ تعالیٰ سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ میرا نام صفیہ چوہدری ہے میرا تعلق سرائے عالمگیر کے نواحی گاؤں بھمبلہ سے ہے۔ تاریخ پیدائش 23 ستمبر 1994ء ہے۔ اسٹارز پر یقین نہیں رکھتی میٹرک کررہی ہوں۔ رنگوں میں سیاہ اور سرخ پسند ہے۔ کھانے میں نمکین چیزیں بے حد پسند ہیں۔ پکوڑے اور بریانی تو بہت ہی پسند ہے جیولری میں ٹاپس اور لاکٹ پسند ہے برسات کا موسم اچھا لگتا ہے ہم لوگ سات بہن بھائی ہیں بڑی تین آپی شادی شدہ ہیں باقی دو ہیں ایک میں اور ایک مجھ سے بڑی۔ مجھے صرف تمام رسالوں میں سے آنچل پسند ہے۔ جب میں ساتویں کلاس میں تھی تو میں نے پڑھنا شروع کیا۔ فارغ وقت میں مجھے ٹی وی دیکھنا صفائی کرنا اور اچھی کتاب پڑھنا پسند ہے۔ شاعروں میں مجھے فراز پسند ہیں میری پسندیدہ شخصیت حضور پاک ﷺ اور میرے نانا نانی ہیں جو اس دنیا سے چل بسے اور میری دوستیں بہت ساری ہیں لیکن میری فیورٹ فرینڈ شانزا اور شکیلہ ہیں جن سے میں اپنے دکھ سکھ شیئر کرتی ہوں کھیل میں مجھے کرکٹ بہت پسند ہے اداکار میں سمیع خان اور ارم اختر پسند ہے سنگر میں مجھے ابرار الحق اور راحت جی بہت پسند ہیں میں بہت شرارتی ہوں مجھے کھانے کا بہت شوق ہے۔ لیکن پکانے کا بالکل بھی شوق نہیں ہے لیکن تھوڑا سا کھاتی ہوں میرے پیارے چہرے میں میری آنکھیں اور ہونٹ بہت خوب صورت ہیں خود نہیں کہتی سب لوگ تعریف کرتے ہیں۔ اب اجازت چاہتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اور پورے پاکستانیوں کی حفاظت کرے آمین ثم آمین۔

❁......❁......❁

سفینہ اور فائز کے نکاح کا دن جیسے جیسے قریب آرہا تھا۔ خان ہاؤس کے آنگن، دالان اور دریچوں سے خوشی اور اداسی کا امتزاج جھلکنے لگا تھا۔ ابرار خان کے وجود پر طمانیت کا خمار طاری ہوا، ریحانہ اور سائرہ بانو کے پہلو میں جیسے ایک نوکیلی سی شے گڑ گئی کسی پل قرار نہ ملتا، بہزاد اور جلال خان اس معاملے پر کافی حد تک مطمئن تھے کہ ان کی مرحومہ ماں کی خواہش پوری ہونے جارہی ہے۔ سنبل اور ثوبیہ کو اس تقریب کی حد سے زیادہ خوشی تھی، ماں کو فون ملا کر یہاں پہنچنے کی ضد شروع کردی۔

"تقریب والے دن پہننے کے لیے کیسے کپڑے بنائے جائیں؟" ایک مشکل سوال منہ کھولے کھڑا تھا۔ بازاروں کے چکر لگنے لگے ڈیزائن سلیکٹ ہوتے پھر ریجیکٹ کردیے جاتے۔ فارغ اوقات میں وہ کبھی سفینہ کا سر کھاتیں تو کبھی فائز کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں لگ جاتیں۔ ایک ایک لمحے سے خوشیاں کشید کرنا انہیں اچھا لگ رہا تھا۔

❁......❁......❁

دلشاد کو جب بیٹی نے روتے ہوئے فون کرکے فائز اور سفینہ کے نکاح کا دن طے ہونے کی خبر سنائی تو ان کا دل جیسے ہول اٹھا۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ بتول کی لڑکی ان کے نواسے کی دلہن بن جائے۔ مگر یہاں تو تاریخ تک طے کردی گئی انہیں کسی کھاتے میں رکھا ہی نہیں گیا۔ وہ جل بھن کر کباب ہوگئیں۔ فوراً ہی دونوں کو اپنے گھر طلب کرلیا۔ سائرہ ٹہل ٹہل کر بیٹے کا انتظار کرنے لگیں اور وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوا اس کے پیچھے لپکیں۔

"آج بہت دیر لگادی خیر اماں کے گھر ضروری کام سے جانا ہے تم تھوڑا فریش ہوجاؤ پھر ہم نکلتے ہیں۔" فائز کے کمرے میں داخل ہوتے ہی سائرہ نے حکم صادر کیا۔

"اچھا میں ذرا کپڑے تبدیل کرلوں؟" فائز ماں کو آرام سے جواب دینے کے بعد واش روم کی جانب بڑھ گیا۔

کچھ دیر بعد جب وہ دونوں گاڑی میں بیٹھے تو سائرہ نے باتوں کے دوران ایک بار پھر شرمیلا کا ذکر نکالا اس کے حسن کے قصیدے پڑھنے لگیں سلیقہ مندی کی تعریفیں ہوئیں۔ فائز چپ چاپ پورا راستہ ماں کی باتیں بناء جواب دیئے سنتا رہا۔ سائرہ نے بیٹے کے نوٹس نہ لینے پر دانت پیسے مگر وہ نارمل انداز میں ڈرائیونگ کرتا ہوا دلشاد بانو کے گھر پہنچ گیا۔ سائرہ لپک کر گاڑی سے اتریں اور جا کر بیل بجائی۔

"شرمیلا دیکھنا کون آیا ہے؟" ڈور بیل بجنے پر دلشاد بانو نے کہا جو ان کے بالوں میں تیل لگانے کے بعد مساج میں مصروف تھی۔

"جی نانی جاتی ہوں۔" اس کے چہرے پر شرمیلی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ دلشاد بانو نے اس کے سامنے سائرہ اور فائز کے یہاں آنے کا تذکرہ پہلے ہی کر دیا تھا۔ وہ گرم جوشی سے دروازے کی طرف بڑھی۔

"السلام علیکم خالہ۔" شرمیلا نے دروازہ کھولا اور بڑی سعادت مندی سے سلام پیش کیا۔

"وعلیکم السلام۔" سائرہ کا دل شرمیلا کو دیکھتے ہی باغ باغ ہو گیا چور نگاہوں سے بیٹے کی جانب بھی دیکھا۔

"ماشاءاللہ بڑی لمبی عمر پائی ہے۔ نانی ابھی آپ لوگوں کو یاد کر رہی تھی کہ آپ پہنچ گئیں۔" اس نے مسکہ لگایا اور نگاہوں نے فائز کو تلاشا۔

"بڑی پیاری بچی ہو میری اماں کا اپنوں سے بڑھ کر دھیان رکھتی ہو۔" سائرہ نے خوش ہو کر اسے سراہا۔

"ارے ایسا کیوں بول رہی ہیں نانی میری بھی کچھ لگتی ہیں کہ نہیں؟" شرمیلا نے مسکرا کر بڑے استحقاق سے جواب دیا اور سائرہ کے پیچھے دوبارہ جھانکا فائز گاڑی سے پھلوں کے شاپرز نکالنے میں مصروف تھا۔

"اندر آجائیں نانی تو صبح سے آپ لوگوں کا انتظار کر رہی ہیں۔" شرمیلا نے سائرہ کو راستہ دیا۔ فائز ہنوز مصروف تھا۔

وہ تھک ہار کر چائے بنانے کے لیے اوپر کی جانب بڑھ گئی۔ اس نے آج خاص طور پر دہی بڑے اور کٹلس بنائے تھے۔ دلشاد نے باتوں باتوں میں اسے بتایا تھا کہ فائز کو دہی بڑے بہت پسند ہیں۔ وہ فائز کی پسندیدہ ڈش اب شام کی چائے کے ساتھ پیش کرنے والی تھی۔

❁......❁......❁

"کیسی بیٹی ہو...... سسرال میں ذرا عزت نہیں کرواتی' فائز میرا بھی کچھ لگتا ہے یا نہیں؟" دلشاد بانو نے جیسے ہی بیٹی کو دیکھا تو اندر کا سارا غبار ایک ہی لمحے میں زبان اور آنکھوں سے باہر ٹپکنے لگا۔

"اماں بس کریں میں ادھر کتنا پریشان ہوں اور آپ ہیں کہ ہر وقت کچھ نہ کچھ کہہ کر روتی ہی رہتی ہیں۔" دلشاد کے رونے دھونے سے تنگ آکر سائرہ بولیں۔

"کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہو ابھی تیری ماں زندہ ہے۔" دلشاد بانو نے سائرہ کی گلوگیر ہوتی آواز پر گھبرا کر سیدھی ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اماں میں تو اس خاندان کے چنگل میں پھنس گئی ہوں۔" سائرہ آنسو بہاتے ہوئے بولی۔

"ہاں میرے بچے یہ تمہارے ابا کی ہی غلطی تھی جو ایسے جنجال میں تمہاری جان پھنسائی انہیں اپنے دوست ابرار خان پر بڑا اعتماد تھا...... ہونہہ۔" سائرہ بانو نے منہ بنایا۔

"ابا کو کیوں قصوروار ٹھہراتی ہیں' یہ تو میری قسمت ہی کھوٹی نکلی' شوہر میری بات سننے کو تیار نہیں۔ باپ کے آگے ان کی بولتی بند ہو جاتی ہے اور بیٹا وہ الگ مجھ سے باغی۔ اب یہ ہی دیکھ لیں کہ میری اولاد کے معاملات میں میری

ایک نہیں چلتی۔ آپ تو پھر نانی ہو۔" سائرہ نے ایک ہی سانس میں سارے جملے بول ڈالے۔ دلشاد بانو کو بیٹی پر بے انتہا دکھ اور ترس آیا۔
"ہائے میرے مولا ان لوگوں نے میری بچی کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ اس بڈھے کو تو اللہ ہی سمجھے۔" دلشاد نے دانت کچکچا کر جھولی پھیلائی۔ باہر قدموں کی چاپ سن کر سائرہ چونکی ہوئی۔
"اماں! چپ ہو جاؤ لگتا ہے فائز اندر آ رہا ہے۔" سائرہ نے بڑی مشکل سے ماں کو چپ کرایا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں فائز نہ سن لے۔

❁......❁......❁......❁

"السلام علیکم باجی! کیسی ہیں آپ؟" کال ریسیو کرتے ہی عزیر کی چہکتی آواز ریحانہ کے کانوں میں پڑی۔
"وعلیکم السلام بھائی! کیسے ہو شاہانہ کیسی ہے؟" ریحانہ کا لہجہ محبت سے چور ہو گیا فوراً بہن بہنوئی کی خیریت پوچھی۔
"ہم دونوں ٹھیک ہیں مگر سنبل اور ثوبیہ کے لیے اداس ہیں ذرا ان دونوں سے بات تو کروائیے وہاں جا کر تو ہمیں بھول ہی گئیں۔" عزیر کے لہجے میں اداسی گھل گئی۔
"ہاں یہ بات تو ہے' تمہارے گھر کی رونقیں خان ہاؤس میں جو اتر آئیں مگر ابھی ابھی ان دونوں سے بات ہونا مشکل ہے کیوں کہ وہ تو سفینہ کو لے کر شاپنگ پر گئی ہوئیں ہیں۔" ریحانہ نے خوش دلی سے جواب دیا۔
"اوہ تب ہی میں کہوں کہ دونوں میں سے کوئی ایک بھی میری کال ریسیو نہیں کر رہی۔" عزیر نے مسکرا کر جواب دیا۔
"اچھا شاہانہ سے بات کراؤ۔" ریحانہ نے بے قراری سے بہن کو یاد کیا۔
"سوری باجی! میں تو ابھی باہر نکلا ہوں' وہ گھر پر ہے اس کے سیل پر کال کر لیں۔" عزیر نے معذرت کی۔
"اچھا ٹھیک ہے ویسے تم لوگ یہاں کب تک آ رہے ہو؟" انہوں نے پوچھا۔
"ابھی کچھ پتا نہیں چھٹی کنفرم ہو جائے تو ٹکٹ بک کرواؤں گا۔ ویسے فکر نہ کریں تقریب سے پہلے آپ کی بہن کو لے کر پہنچ جاؤں گا۔" عزیر نے چھیڑا تو وہ ہنس دیں۔
"تم نہیں سدھرو گے۔" ریحانہ نے مسکرا کر جواب دیا۔
"اچھا باجی! گھر میں سب کو میرا سلام کہیے گا اور سفینہ کو پیار...... او کے اللہ حافظ۔" عزیر نے لائن ڈسکنکٹ کر دی ریحانہ کا چہرہ انجانی خوشی سے دمکنے لگا۔

❁......❁......❁......❁

"شرمیلا واقعی بہت اچھی لڑکی ہے۔ بیٹا ایک دفعہ اس کے بارے میں سوچو تو......" فائز جیسے ہی نانی کے پاس آ کر بیٹھا تھوڑی دیر بعد سائرہ کے اشارے پر دلشاد بانو کا منت بھرا لہجہ اس کے کانوں میں پڑا۔ وہ جی بھر کر بدمزہ ہوا۔
"نانی! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ دادا ابا نے میرے نکاح کی تاریخ رکھ دی ہے اور آپ......" اس نے چڑ کر جواب دیا اور پھر جھلا کر ماں کو دیکھا جو آرام سے کرسی پر بیٹھی نانی نواسے کے مذاکرات کو انجوائے کرتی دکھائی دیں۔
"اوہو...... دادا ابا کا بہت خیال ہے اور یہ جو بوڑھی نانی کے ارمان ہیں ان پر خاک ڈال دی۔"
"مجھے نہیں پتا بس شرمیلا ہی تیری بیوی بنے گی۔" دلشاد بانو جھلائیں پھر دوپٹے سے آنسو پونچھتے ہوئے اس پر جذباتی دباؤ ڈالا۔

”میری پیاری نانی یقین کریں اگر بیچ میں سفینہ والا معاملہ نہیں ہوتا تو پھر آپ کی مرضی ہی چلتی مگر......“ وہ نرم لہجے میں ان کے کاندھے دباتے ہوئے بولا۔
”یہ اگر مگر بہانوں کی ایک قسم ہے بیٹا۔“ انہوں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں طنز کا تیر چلایا۔
”اچھا ایک کام کرتا ہوں‘ میں شادی ہی نہیں کرتا ساری عمر کنوارا پھروں گا۔“ فائز نے پُرسکون انداز میں کہا اور جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔
”فائز بیٹھ جاؤ۔“ سائرہ نے غصے سے گھورا اور تنبیہی انداز میں کہا۔
”آپ نانی کو سمجھانے کی جگہ مجھ پر خفا ہو رہی ہیں۔“ اس نے زچ ہو کر ماں کو دیکھا اور ناچار دوبارہ بیٹھ گیا۔
”آخر حرج کیا ہے اس رشتے میں شرمیلا شکل وصورت میں لاکھوں میں ایک ہے‘ کام کاج میں بھی کسی سے کم نہیں‘ تم ایک بار ہاں تو کرو۔ میں جلال خان کے پورے خاندان سے ٹکر لینے کی سکت رکھتی ہوں۔“ دلشاد بانو نے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے تان وہی سے جوڑی جہاں سے ٹوٹی تھی۔ ساتھ میں نواسے کو للچایا۔
”حرج نانی ایک لڑکی جو بچپن سے میرے نام سے جڑی ہوئی ہے اسے بے خطا یہ سزا کیوں دوں۔ وہ کوئی اور نہیں...... میرے چاچا کی بیٹی ہے۔ ہمارے خاندان کی عزت۔“ فائز کا دل چاہا دیوار سے جا کر اپنا سر پھوڑ لے۔ اس نے خود کو پرسکون کرتے ہوئے جواب دینے کی سعی کی۔
”ہونہہ خاندان کی لڑکی۔“ سائرہ نے بیٹے کی حمایت پر منہ بنایا۔
”ایک بات اور سفینہ میرے لیے پرفیکٹ لڑکی ہے۔ اس میں وہ ساری خوبیاں موجود ہیں جو خان ہاؤس کی بہو بننے والی لڑکی میں ہونی چاہئیں۔“ فائز نے دھیرے دھیرے حمایت کی۔
”یہ لڑکا تو ہاتھوں سے نکل گیا۔“ فائز کی تعریف خصوصاً فقرے کے دوسرے حصے پر سائرہ نے اپنے اوپر بمشکل ہی جبر کیا کیونکہ انہیں اندازہ تھا کہ شور شرابہ کرنے سے کام خراب ہو جائے گا اور وہ یہاں سے اٹھ کر جانے میں عار محسوس نہیں کرے گا۔
وہ صرف سفینہ کی ضد میں شرمیلا کو بہو بنانے پر زور نہیں دے رہی تھیں بلکہ انہیں اس کی خوب صورتی اور گوری چٹی رنگت نے بڑا متاثر کیا تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ ان کی اکلوتی بہو ایسی لڑکی کو ہی ہونا چاہیے کہ جس کے ساتھ جب وہ خاندان میں کہیں آئیں جائیں تو لوگوں کی نگاہیں جھکنا بھول جائیں اور ان کا سر اونچا ہو جائے۔
”سفینہ میں ایسی کیا خوبیاں ہیں جو تم اس سے شادی کے لیے مرے جا رہے ہو۔“ سائرہ نے بیٹے کو طنزیہ انداز میں دیکھ کر پوچھا۔
”کوئی ایک ہو تو بتاؤں۔ وہ تو بہت ساری خوبیوں کا مجموعہ ہے۔“ اس نے ماں کو چڑایا۔
”ہونہہ خوبیوں کا مجموعہ۔“ دلشاد بانو نے ہاتھ اٹھا کر نواسے کی نقل اتاری۔
”ہمیں بھی فیض یاب کرو گے یا ان خوبیوں کو چھپا کر رکھو گے۔“ سائرہ کا انداز نہایت کٹیلا تھا۔ فائز نے شکوہ بھری نظروں سے ماں کو دیکھا۔
”سفینہ کی صبر و تحمل کی عادت تمام خوبیوں پر بھاری ہے جو آپ کی بہو بننے کے لیے بہت ضروری ہے۔ میرے خیال میں آج کل کی لڑکیوں میں اس وصف کی شدت سے کمی ہے......“ اس نے طنز کیا اور گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا۔ دلشاد بانو نے منہ پر ہاتھ رکھ کر نواسے کی چوڑی پشت تکی پھر سوالیہ نگاہوں سے بیٹی کی جانب دیکھا۔ شرمیلا جو چائے کی ٹرے تھامے سہج سہج کر سیڑھیوں پر قدم رکھتی نیچے آرہی تھی، فائز سے سامنا ہونے پر مسکرائی مگر اس نے

پلٹ کر کٹیلی نظروں سے دیکھا اور پھر باہر نکل گیا۔ شرمیلا گھبرا کر وہیں سیڑھیوں پر براجمان ہوگئی۔
سائرہ کو احساس ہوا کہ اس طرح تو بات بگڑ جائے گی اور کہیں بیٹا ہاتھ سے نکل گیا تو وہ کہیں کی نہیں رہے گی۔ اسی لیے ماں کو سمجھانے بیٹھ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ فائز ویسے بھی سفینہ کے معاملے میں شروع سے بہت جذباتی رہا ہے، باقی دماغ اس کے دادا ابا اور باپ نے خراب کر رکھا ہے اسے پہلے سے خبر تھی کہ اس میٹنگ سے کوئی فائدہ ہونے والا نہیں پھر بھی ماں کی بات رکھنے کو بیٹے کو کانوں سے پکڑ کر یہاں لے آئی۔
"لیکن یہ مسئلہ اتنی آسانی سے حل نہیں ہوگا..... شرمیلا سے شادی ہو نہ ہو مگر میں اس کا نام لے لے کر سفینہ کا جینا حرام کر کے رکھ دوں گی۔" سائرہ بیگم نے مسکرا کر ماں سے کہا اور وہ بیٹی کا منہ دیکھنے لگیں۔

❁.......❁.......❁

ڈپریشن، اداسی اور غیر یقینی کی کیفیت نے ایک عفریت کا روپ دھار لیا اور غیر محسوس انداز میں اسے نگلنے لگے، وہ ماحول سے فرار چاہنے لگی، اس کے من میں عجیب طرح کی خواہشات ڈولنے لگیں، صحراؤں کی خاک چھاننے لگے، جنگل بیاباں میں نکل جائے، پہاڑوں پر چڑھ بیٹھے، جہاں اس کا کسی انسان سے واسطہ نہ پڑے۔ بس پھول، پودے، درخت، پرندے ہوں، فضا رسیلی سبز گھاس کی باس سے مہک رہی ہو برف ہو، نم پھولوں کی پتیاں ہوا اور چیڑ کے درختوں پر کوئل کوکتی پھرے ایسی تنہائی ہو، جہاں وہ اپنی ذات سے بھی بیگانہ ہو جائے مگر ایسا سوچنا آسان صحیح کر گزرنا بہت مشکل تھا۔
کچھ اور سمجھ میں نہیں آیا تو آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترتی ہوئی لان کی طرف چلی آئی۔ اس نے فائز کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے خاص طور پر اندر جھانکا' سائرہ بانو کرسی پر نیم دراز بیٹے کے سامنے کھڑی کسی بات پر ناراض ہو رہی تھیں، فائز نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا، دونوں کی نظریں ایک دوسرے سے کیا ٹکرائیں، ایک کوندا سا لپکا۔ سفینہ نے ٹھنڈی سانس بھری اور بغیر رکے آگے بڑھ گئی۔ فائز کی نگاہ اس کی پشت پر بکھرے بالوں میں الجھ گئی۔ اندھیرا پھیل رہا تھا' خان ہاؤس میں لائٹ جل اٹھی اور روشنی نے پورے گھر کو اپنے وجود میں سمونا شروع کر دیا مگر اس کے اندر کا اندھیرا کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ جانے کیوں اسے تائی اماں کا بلاوجہ میں شرمیلا کی تعریفیں کرنا بہت کھٹک رہا تھا۔ اس کے دل میں فائز کے خلاف بھی شکایتیں جمع ہونے لگیں جو سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بنا ہوا تھا۔
سفینہ نے لان کی نیم تاریکی میں قدم رکھا ہوا بند ہونے کی وجہ سے سینے پر بوجھ بڑھنے لگا۔ بے اختیار سر اٹھایا تو آسمان پر بکھرے رنگ دکھائی دیئے مگر اسے پوری کائنات بے رنگ سی لگی۔ وہ جھنجھلاتی ہوئی بے دلی سے سنگ مرمر کی بینچ پر بیٹھ گئی۔ چپل اتار کر پیر زمین پر لگائے گھاس پر بکھری ٹھنڈک اور نمی نے تھکن کا احساس قدرے کم کر دیا۔ فائز نے ماں کے کمرے سے نکلتے ہی لپک کر اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے دیکھا۔ اترتی شام کے دھندلکے میں اس کا معصوم بھولا بھالا چہرہ بڑا من موہنا لگا۔

❁.......❁.......❁

"ریحانہ ذرا دیکھنا یہ والا کارڈ چھپوا رہا ہوں....." بہزاد خان نے چمکیلے کارڈ کے بنڈل میں سے ایک کارڈ بیوی کے سامنے رکھتے ہوئے اشتیاق سے پوچھا۔
"ہوں..... اچھا ہے..... چھپوالیں....." ریحانہ نے ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال کر جواب دیا۔ پیچھے سے بھلے وہ بیٹی کے سارے ارمان پورے کرنے میں جتی ہوئی تھیں مگر شوہر کے سامنے منہ بنا کر اپنی

حمیرا اسلم

السلام علیکم! میری طرف سے آنچل کے تمام اسٹاف اور قارئین کو دعاؤں بھرا اسلام قبول ہو۔ میں آنچل کی سات سال پرانی خاموش قاریہ ہوں' لیکن اب ہمت کر ہی لی کہ میں بھی کچھ اپنے بارے میں لکھوں' جی اب آتے ہیں تعارف کی طرف تو میرا نام حمیرا اسلم ہے۔ 12 اگست میں کراچی میں پیدا ہوئی' میرا اسٹار ٹور ہے' اسٹار پر یقین رکھتی ہوں تعلیم میٹرک ہے' قرآن کریم کی حافظہ بھی ہوں۔ میٹرک 2005ء میں کلیئر کیا۔ اور 2005ء کے اینڈ میں شادی ہوگئی ڈی جی خان کے آبائی گاؤں میں۔ اب تو ہمارے آنگن میں تین ننھے خوبصورت سے پھول ہیں۔ یعنی کہ ہماری بیٹیاں۔ یسما' بے نظیر اینڈ میمونہ' میں آنچل بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ میں کہتی ہوں کہ کھانا ملے نہ ملے پر آنچل ضرور ملے' میرے تمام بہن بھائی حافظ القرآن اور عالم ہیں۔ میرے والد صاحب مولانا ہیں' میرے گھر میں بالکل دینی ماحول ہے۔ اب شادی ہوگئی تو دین و دنیا دونوں اکھٹے ہیں۔ اب آتے ہیں پسند کی طرف۔ جی ڈشز میں بریانی اور برگر' تکہ بہت پسند ہیں اور میٹھے میں کھیر بہت پسند ہے اور کلر میں بلیک اور ریڈ پرپل پسند ہیں۔ پسندیدہ شخصیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ ان کے بعد میرے امی ابو اور میرے فیورٹ بھائی مفتی عبدالغفار پسند ہیں۔ ہم بارہ بہن بھائی ہیں۔ میرا نمبر 9 ہے۔ غصے کی بہت تیز ہوں' اچھائی' کوئی کچھ بھی کہتا ہے خاموشی سے برداشت کرتی ہوں۔ بھابھیوں میں بڑی بھابی اور شازیہ فیورٹ ہیں۔ مجھے ڈاکٹر بہت پسند ہیں' رائٹر میں سمیرا شریف طور اور عمیرہ احمد اور فرحت اشتیاق پسند ہیں۔ جنہیں ہم آنچل میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ بچوں کے ساتھ کھیلنا اچھا لگتا ہے' باہر گھومنا نئی جگہوں کی سیر کرنا بہت اچھا لگتا ہے۔ مجھے چوڑیاں پہننا اور مہندی لگانا بہت اچھا لگتا ہے۔ گھر کے سب کام شوق سے کرتی ہوں' گھر کو سنوارنا اچھا لگتا ہے۔ لباس میں ٹراؤزر شرٹ اور شلوار قمیص اچھے لگتے ہیں۔ بہن بھائیوں میں میرے بیسٹ طاہرہ اور ابوبکر ہیں۔ خدیجہ باجی بھی اچھی لگتی ہیں' باقی سب اچھے ہیں۔ فرینڈز کے نام لیلیٰ' عظمیٰ' سلمیٰ' امبرین' نسرین' سائرہ' نادیہ' منزہ' کنیزہ' رمشا' رابعہ آخر میں میری تند جس کا نام بھول گئی وہ تو میری تکہ بوٹی کردے گی' سعدیہ اینڈ رباب۔ بچوں کے نام کلیم' امان اللہ' روبی طور' آزمین' زنیرہ' اسامہ' انضمام یہ ہے میرا تعارف۔ اللہ حافظ۔

ناراضگی کا اظہار کرنا نہ بھولتیں۔

"یہ کیا بات ہوئی ہاتھ میں لے کر تو دیکھو۔" بہزاد کا لہجہ افسردگی سے بھر گیا۔ ان کی لاڈلی کی پہلی خوشی تھی مگر ریحانہ کا بنا ہوا منہ دیکھ کر وہ مجرم بن جاتے۔

"بہزاد مجھے ایک بات کرنی ہے۔" وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی۔

"ہاں بولو کیا بات ہے؟" وہ کارڈ ایک طرف رکھ کر مکمل طور پر بیوی کی جانب متوجہ ہوئے۔

"مجھے آپ کی بھابی کی پالیسی سمجھ میں نہیں آرہی ہے' ایک طرف نکاح کے دن قریب آرہے ہیں' دوسری طرف وہ ہر وقت میرے اور سغی کے سامنے کسی شرمیلا نامی لڑکی کی تعریفیں کرتی رہتی ہیں۔ پتا نہیں ان کے دماغ میں اب کیا چل رہا ہے۔" ریحانہ نے چبا چبا کر کہا۔

"ان کی چھوڑو جو بھی سوچتی رہیں مگر ہونا تو وہی ہے جس کا فیصلہ ابا جان اور جلال بھائی نے کیا ہے۔" بہزاد نے بیوی کو تسلی دی۔

"پتا ہے کل انہوں نے جس طرح کی باتیں سب کے سامنے کیں۔ ان کا ہر لفظ سلگتا دہکتا انگارہ لگا۔ ہماری ہستیوں کو ختم کردینے والا انگارہ اور میری ہمت ایسی باتوں سے جواب دے جاتی ہے پھر سغی تو ابھی ناتجربہ کار ہے

اور......" بہزاد خان کو ایک پل کے لیے اپنے اعصاب شل ہوتے ہوئے محسوس ہوئے، انہوں نے بیوی کی طرف دیکھا، ریحانہ کا چہرہ یاسیت کی لپیٹ میں آگیا...... آنسو پلکوں کی باڑ پھلانگ کر باہر نکل آئے۔

"تم رو رہی ہو؟" انہوں نے بے قرار لہجے میں پوچھا۔

"ہاں بہزاد...... مجھے لگتا ہے کہ آپ کی اپنے خاندان سے محبت کا خمیازہ ہماری بیٹی نے ادا کرنا ہے، اسے چند خوش گوار لمحوں کی بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔" انہوں نے بھیگی آنکھوں سے شوہر کو دیکھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا' تم بلاوجہ کے اندیشوں میں نہ پڑو اچھا اپنا موڈ ٹھیک کرو، ہم تھوڑی دیر کے لیے ابا جان کے پاس چل کر بیٹھتے ہیں، تمہاری بھیگی آنکھیں دیکھ کر جانے وہ کیا سوچیں۔" بہزاد نے پیار بھرے لہجے میں انہیں مخاطب کیا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" ریحانہ کے لبوں کی تراش میں مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔

❁......❁......❁

"آج پتا ہے کیا ہوا؟" سنبل نے دھم سے صوفے پر گرتے ہوئے سسپنس بھرے انداز میں کہا۔

"بالکل بھی نہیں پتا اور نہ ہی تمہاری فضول باتوں کا اتا پتا لگانا ہے۔" ثوبیہ نے جھک کر اسے دیکھا اور پھر منہ چڑایا۔

"سنو تو بہت مزے کی بات ہے۔" سنبل نے مسکرا کر پہلے بہن کو دیکھا پھر سفینہ کی جانب منہ کیا جو آزردہ سی کسی اور خیال میں گم تھی۔

"اچھا بولو جب تک پیٹ ہلکا نہیں کرو گی تمہیں سکون کہاں ملے گا۔" ثوبیہ نے سامنے رکھے باؤل میں سے پاپ کارن اٹھا کر منہ میں رکھا اور سفینہ کو ٹہوکا مارا۔

"اچھا میں تھوڑی دیر پہلے نیچے اتری تو وہ جو تائی اماں ہیں نا تخت پر بیٹھیں بوسیدہ سے البم میں کھوئیں گنگناتے ہوئے تصاویر دیکھ رہی تھیں۔" سنبل نے دونوں ہاتھوں سے چہرے پر آئے بالوں کو سمیٹ کر جوڑے کی شکل میں لپیٹتے ہوئے بڑے انداز سے کہا۔

"پھر کیا ہوا؟" ثوبیہ نے مسکرا کر بہن کو دیکھا، سفینہ بھی ان کی باتوں میں دلچسپی لینے لگی۔

"انہوں نے ایک ادا سے مجھے اپنی جوانی کی بلیک اینڈ وائٹ تصاویر دکھائیں میں نے بن کر پوچھا یہ کون ہے؟ بڑے فخر سے بولی پہچانو تو جانوں میں نے حیرت کا اظہار کیا کہ کیا یہ تایا جلال کی پہلی بیوی ہیں۔" سنبل کھلکھلائی۔

"تم نے ایسا کہا...... ہا...... ہا...... ہا...... پھر کیا ہوا؟" ثوبیہ نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے قہقہہ لگایا۔ سفینہ کے لبوں پر بھی مسکان ابھری۔

"وہ ٹھنک کر بولیں۔ نہیں بھئی یہ ہماری شادی کی تصویر ہے۔" سنبل نے ان ہی کے انداز میں گردن مٹکا کر کہا۔ "میں بھی کم نہیں ہوں انگلی ہونٹوں میں دابی آنکھوں کو جتنا کھول سکتی تھی کھولا اور پھر چیخ مار کر پتا ہے ان سے کیا کہا؟" سنبل کا دلچسپ انداز بیاں ان دونوں کو سننے میں مزا آنے لگا ایک ہی ردھم میں گردن ہلائی۔

"جلدی بتاؤ تم نے ان پر کیا غضب ڈھایا۔" سفینہ نے تھوڑی دیر بعد مسکراتے ہوئے سنبل کو چٹکی بھری۔

"میں نے کہا ہائیں تو پھر میرے سامنے بیٹھی یہ خاتون کون ہیں؟ سائرہ تائی سچ سچ بتائیں کیا آپ بیمار رہتی ہیں جو آپ کا رنگ اتنا کالا ہو گیا ہے جسم بھی کتنا بھاری ہو رہا ہے اور سر پہ یہ چار بال اف...... آپ تو بالکل بدل گئی ہیں۔ اس وقت ان کی شکل دیکھنے والی ہو گئی۔ اگر ان کا بس چلتا تو مجھے کچا چبا جاتیں۔" اس نے زور زور سے ہنستے ہوئے

اپنی داستان لپیٹی۔

"تم کتنی واہیات ہو۔ میری تائی اماں کو ایک نئے کمپلیکس میں مبتلا کردیا۔ وہ اپنی شکل وصورت کے معاملے میں ویسے بھی بہت پچی ہیں۔ مجھے پتا ہے کہ انہیں تمہاری باتیں سخت ناگوار گزر رہی ہوں گی۔" سفینہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"ہا کتنے دن ہو گئے شرمیلا کے حسن کی تعریفیں سن سن کر ہمارے کان پک گئے ایک تو میں نے ان سے آپ کا بدلہ لیا...... اور آپ مجھے ہی کوس رہی ہیں۔" سنبل نے مصنوعی غصہ دکھایا۔

"سنبل اور ثوبیہ میں اکثر سوچتی ہوں کہ اگر میری کوئی بہن ہوتی تو شاید وہ تم دونوں جیسی ہی ہوتی۔" سفینہ کو اس کے انداز پر ایک دم پیار آیا فوراً گلے لگایا۔

"آپی! جانتی ہیں آپ کی محبت نے ہمیں جاسوس تک بنادیا ہے۔ کل تائی اماں اکیلے میں فائز بھائی کو بٹھا کر لیکچر دے رہی تھیں تو ہم دونوں نے ان کے کمرے کی عقبی کھڑکی کے پاس جاکر کان لگالیے۔ ادھر انہوں نے شرمیلا کی بات شروع کی فائز بھائی ایک دم بھڑک اٹھے۔ آپ کے لیے خوب لڑے اور گھر میں سب کے سامنے شرمیلا نامہ پڑھنے سے سختی سے منع کردیا۔" ثوبیہ بھی پیچھے سے آکر ان دونوں سے لپٹ گئی اور پیار سے انکشاف کیا۔

"کیا...... وہ تائی اماں سے میرے لیے لڑے۔ سچ بول رہی ہو...... نا؟" سفینہ ششدر رہ گئی، اس کی اداسی جیسے سر پر پیر رکھ کر بھاگ اٹھی جوش سے ان دونوں کو جھنجوڑا۔

دونوں نے ایک ساتھ "ہاں" میں گردن ہلائی تو اس نے پرسکون ہوکر آنکھیں بند کرلیں۔

❁......❁......❁

"آئے ہائے میرے تو نصیب پھوٹ گئے جو شکیل کی شادی کمبخت ماری نرما سے کردی۔" دلشاد بانو کافی دنوں بعد اوپر آئیں تو انہیں بیٹے اور بہو کی یاد ستانے لگی بتول کے سامنے شروع ہوگئیں۔

"کیوں خالہ! آپ کی بہو بہت تنگ کرتی تھی کیا؟" بتول نے ساگ کاٹتے ہوئے پوچھا۔ شرمیلا وہیں آکر بیٹھ گئی۔

"ڈائن ہے پوری میرے فرماں بردار بیٹے کو اپنے چنگل میں پھنسا کر دور لے گئی۔" انہوں نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"اچھا تصویروں میں تو بہت بھولی دکھائی دیتی ہے۔" وہ چونک کر چشمے کے اوٹ سے دیکھ کر بولی۔

"آئے بھولی صورت دل کے کھوٹے تم بھی کس کی بات کرتی ہو مجھ سے پوچھو۔" دلشاد بانو کے تو سر تا پیر لگی فوراً ہاتھ نچایا۔

"چھوڑیں خالہ جیسی بھی ہے اب تو آپ کے خاندان کی عزت ہے۔" بتول نے رسانیت سے سمجھایا۔

"ارے کاہے کی عزت اس کی وجہ سے تو یہ حال ہے کہ مجھ بے چاری کا اب اس گھر میں کوئی اپنا نہیں رہا۔ میں تو سمجھو جیتے جی مرگئی ہوں اپنے بیٹے کی شکل تک دیکھنے کو نہیں ملتی اب تو۔" دلشاد بانو جیسے اپنے سارے ارمانوں کا قصور وار نرما کو سمجھتے ہوئے دل کی بھڑاس نکالتی چلی گئیں۔

"اچھا ایسے کیوں کہا ہم آپ کے اپنے نہیں کیا؟" شرمیلا نے فوراً بڑھ کر ان کو خود سے لپٹایا تو وہ اس کا منہ چوم بیٹھیں۔

"خالہ آپ بیٹھیں آج مجھے تنخواہ مل گئی ہے اندر سے کرایہ لے کر آتی ہوں۔" وہ چھری تھال پر رکھ کر کھڑی ہوئیں

اور چپل گھسیٹتی ہوئی چل دیں۔
"نانی اکل خالہ بہت جلدی چلی گئیں۔" شرمیلا نے ماں کے جاتے ہی فوراً مطلب کی بات نکالی۔
"ہاں وہ بھی کیا کرے اس کے پیچھے بھی ایک بھولی پڑ گئی ہے۔" دلشاد نے سر پر ہاتھ مار کر اظہار افسوس کیا۔
"کون بھولی؟ میں کچھ سمجھی نہیں۔" شرمیلا جواب ساگ کاٹ رہی تھی چونک کر سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔
"ہاں تو اور کیا سائرہ کے دیور کی بیٹی جس سے فائز کا نکاح ہونے والا ہے۔" وہ منہ بگاڑ کر بولیں۔
"فائز...... کا نکاح......" شرمیلا ششدر رہ گئی۔ بے خیالی میں انگلی کاٹ بیٹھی۔
"ہائے...... بیٹی...... کتنا خون بہہ رہا ہے...... ذرا دیکھو تو۔" دلشاد نے اس کی انگلی پر لگنے والے کٹ سے بہتا خون دیکھا تو شور مچا دیا مگر اس کے دماغ کی سوئی ایک ہی جگہ اٹک گئی...... باقی ہر چیز کی اہمیت جیسے ختم ہو گئی تھی۔

❁......❁......❁

باہر لان میں شور اور ہنسی مذاق کی آواز سن کر سفینہ ٹیرس پر چلی آئی نیچے جھانکا تو ہنسی آ گئی، سنبل اور ثوبیہ فائز کو گھیرے میں لیے کسی بات پر لڑنے میں مصروف دکھائی دیں۔ سفینہ نے پلکیں اٹھا کر نیچے دیکھا۔ فائز منہ اوپر کیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ لمحہ بھر نظروں کا تصادم ہوا اور اس نے شرم سے نظریں دوبارہ جھکالیں۔ کچھ لمحے یوں ہی دھڑکتے دل کے ساتھ گزر گئے۔ اچانک سنبل نے لڑنے کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا۔ ثوبیہ بھی اس کی حمایت میں بیچ بیچ میں جملے بازی کرنے لگی۔
"ہمیں تو آپ سے بہت تگڑا نیگ لینا ہے۔" سنبل نے اس کے سامنے آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہی اسے دھمکایا۔
"ہاں تو سالی ہیں کوئی مذاق نہیں۔" ثوبیہ نے ہاں میں ہاں ملائی۔
"او مائی گاڈ ابھی تو بخش دو مجھے اسی دن یہ معاملہ طے ہو جائے گا۔" اس نے دونوں ہاتھ ان کے سامنے جوڑے۔
"یہ کون سا ایسا بڑا مسئلہ ہے جس کے لیے تم دونوں نے میرا سر کھالیا۔" اس نے بھی شرارت سے کہا۔
"نہیں بھئی پہلے سے بتا دیں کہ کتنے نوٹ دیں گے؟" سنبل نے پیر پٹخ کر پوچھا۔
"سو...... پچاس...... لے لینا اور کیا۔" اس نے سر کھجاتے ہوئے دونوں کو چڑایا۔
"کیا بالکل نہیں بالکل نہیں۔" ان دونوں نے ایک ساتھ تکرار شروع کی۔
"یہ دونوں تو آج فائز کا خون چوسنے پر تلی بیٹھی ہیں۔" سفینہ کو اس کے چہرے پر چھائی بے چارگی قابل دید لگی۔ مسکرا کر بالوں میں انگلیاں پھنسا کر نیچے جھانکا۔
"اچھا بابا دیکھتے ہیں۔" وہ ان دونوں کے ٹیڑھے میڑھے سوالات کا بڑا سنبھل کر جواب دینے لگا۔
فائز کی حالت پر اسے سچ مچ ترس آنے لگا۔ سفینہ نے سنبل کو آنکھیں دکھائیں مگر وہ انجان بن کر کھڑی رہی۔ ثوبیہ کو اشارے سے منع کیا مگر وہ منہ چڑا کر دوبارہ فائز کے پیچھے پڑ گئی۔
"بچالو یار!" فائز نے نگاہوں ہی نگاہوں میں پیغام رسانی کی مگر وہ کھڑی مسکراتی رہی اس سے زیادہ کچھ کرنا اس کے اختیار میں نہ تھا حالانکہ دل تو چاہا کہ وہ اسی وقت دھڑ دھڑ کرتی سیڑھیاں اترے اور لان میں جا کر ان دونوں سے دو دو ہاتھ کرے۔ پابندی اور خوف سے آزاد ہو کر اس کی حمایت کے لیے شانہ بہ شانہ کھڑی ہو جائے کیوں کہ ریحانہ نے نکاح کی تاریخ طے ہوتے ہی بیٹی کو فائز کے آس پاس پھٹکنے سے بھی منع کیا تھا اس لیے وہ مجبور بنی اوپر سے ہی سارا تماشہ دیکھتی رہی۔
ٹیرس پر کھڑے کھڑے اسے وقت گزرنے کا احساس تک نہیں ہوا۔ شاید ان تینوں کے بیچ کوئی ڈیل طے

پا گئی، جب سنبل اور ثوبیہ نے اسے دیکھ کر وکٹری کا نشان دکھایا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ آئیں۔ فائز سر کو تھام کر بیٹھ گیا۔ سفینہ نے سر ہلاتے ہوئے اسے بڑے پیار سے دیکھا۔ فائز نے اس کی جانب دیکھا اور ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ چھا گئی۔

"فائز! ایسا کیوں ہو گیا ہے اس کے چہرے پر سچی خوشی کی چمک نظر نہیں آتی پتا نہیں کیا کیا سوچتا رہتا ہے؟" فائز کے ٹھس سے انداز پر سفینہ جل کر ٹیرس سے ہٹ گئی۔

پورے گھر میں شادی بیاہ کا سماں تھا مگر فائز کے چہرے پر جیسے اس کے ساتھ اس بندھن میں بندھنے کی خوشی دور دور تک دکھائی نہ دیتی یا شاید اسے یقین نہیں تھا کہ ان دونوں کے بیچ حائل ساری رکاوٹیں دور ہو جائیں گی اور وہ ایک ہو پائیں گے۔ سفینہ نے کئی بار اس کے ہونٹوں پر نمودار ہونے والی مستی بھری مسکراہٹ کو ٹٹولنے کی کوشش کی جو ماضی میں اس کی شخصیت کا خاصہ تھی تاہم اسے ہر بار ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ مایوس ہو جاتی فائز کسی گہری سوچ میں گم رہتا۔

❁.....❁.....❁

وہ بڑے سجاؤ سے ماں کی سنگت میں مارکیٹ جانے کے لیے سیڑھیاں اتری۔ تائی اماں کے ساتھ فائز کو کھڑا دیکھا تو پرکشش چہرے پر خوشیوں کے سنہرے عکس جھلملا اٹھے، جو سونے کی چمک سے سوا تھے۔ سائرہ بھی جلال خان کی ہدایت پر ان دونوں کے ساتھ مجبوری کی حالت میں جا رہی تھیں۔ سفینہ کو سینڈل اور چوڑیاں خریدنی تھیں جو بغیر ناپ کے لانا مشکل تھا، اسی لیے وہ ساتھ جا رہی تھی۔ گویا نکاح کی شاپنگ آخری مراحل میں داخل ہوگئی۔ دونوں ماں بیٹی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ سائرہ بڑے کروفر کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھیں تو فائز نے گاڑی چلاتے ہوئے، نگاہ بھر کر سفینہ کو دیکھا۔

سائرہ کی نگاہ سفینہ کی طرف اٹھی تو وہ پہلے سے زیادہ حسین نظر آئی۔ عجیب سحر انگیز کشش نے اس کے وجود کا گھیراؤ کیا ہوا تھا۔ سائرہ نے آگے والی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے شیشے میں اس کا دوبارہ جائزہ لیا، وہ کاسنی سوٹ میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔ لمبے گھنے سیاہ رنگ کے بال کیچر میں قید ہونے کے باوجود لٹوں کی صورت میں شہابی چہرے کے گرد گھیرا ڈالے ہوا کے جھونکوں کے ساتھ شرارت کر رہے تھے۔

باری باری ماں اور بیٹے کی توجہ خود پر مرکوز پا کر سفینہ تھوڑا کسمسائی، فائز کی موجودگی میں چہرے پر ہلکی ہلکی سرخی لو دینے لگی، تائی اماں کے بغور تکنے پر سنہری جھیل سی گہری بولتی آنکھیں، جذبوں کے اظہار سے کترائیں۔ سائرہ کو اس لڑکی کی کم عمری اور دوشیزگی پر رشک آیا۔ اس نے حسرت سے ٹھنڈی سانس بھری، گاڑی کے بیک مرر میں اپنا چہرہ دیکھا اور خود سے بھی نگاہیں چرائیں جا بجا پھیلتی لکیروں نے بڑھتی ہوئی عمر کی چغلی کھائی۔ اس نے گھبرا کر کھڑکی سے باہر جھانکا برابر میں بیٹھی ریحانہ نے جٹھانی کو چونک کر دیکھا۔ وہ آج کچھ عجیب سا برتاؤ کرنے پر تلی بیٹھی تھی۔ ریحانہ نے اپنی شادی شدہ زندگی میں پہلی بار سائرہ جلال کو اتنی دیر ایک جگہ چپ بیٹھے دیکھا مگر ان کی خاموشی میں بھی ایک طوفان چھپا ہوا تھا۔

اپنے آپ کو بہتر سے بہتر اور دلکش دیکھنے کی خواہش ہر کسی کے دل میں ہوتی ہے۔ جس کے لیے وہ خوب تگ و دو بھی کرتا ہے۔ میں کیسا لگ رہا ہوں اس حلیہ میں لوگ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے؟ یہ وہ خدشات اور افکار ہیں جو کسی نہ کسی انداز میں، انسان کے ساتھ جڑے رہتے ہیں، مگر سائرہ اس معاملے میں کچھ زیادہ ہی حساس واقع ہوئی تھیں۔ سنبل کی باتوں نے ان کے دل میں موجود خدشات کو زندہ کر دیا۔

میں بہت دن سنہری دھوپ کا آنگن رہا
ایک دن پھر یوں ہوا کہ شام آگئی دلان میں

اپنے ماضی کو یاد کرتے ہوئے سائرہ کے ذہن میں بشیر بدر کا یہ شعر گونجا اور طبیعت مزید بدمزہ ہوگئی۔
"ایسا دن بھی آنا تھا کہ مجھے آئینے سے بھی خوف آنے لگے۔" وہ زیرلب بڑبڑائیں لبی ٹھنڈی سانس ٹوٹ کر سسکیوں کی طرح سینے میں داخل ہوتی چلی گئی۔ ریحانہ نے پہلو بدلا۔
"وقت کے بے رحم لمحوں میری زندگی کے بیتے ماہ وسال لوٹا دو۔" ان کے دل میں خواہش جاگی گاڑی کے دروازے سے آسمان کی طرف دیکھا وہاں کچھ بھی نیا نہ لگا' ماضی کے دھندلکوں میں سنہری یادوں کے ننھے ننھے دیے ذہن کے افق پر جلنے بجھنے لگے۔

❁......❁......❁

"آپی ایک بات تو بتائیں؟" سنبل جو کافی دیر سے سفینہ کے کمرے میں خاموش بیٹھی تھیں کچھ سوچ کر بولی۔
"ہاں پوچھو۔" سفینہ نے بنا دیکھے اپنے کپڑوں کو ترتیب سے رکھتے ہوئے جواب دیا۔ اس کا نکاح میں پہننے والا سوٹ درزی کے یہاں سے سل کر آیا تھا وہ اسے ہی چیک کررہی تھی۔
"آپ کو فائز بھائی میں ایسا کیا دکھائی دیا جس کی وجہ سے آپ کو کچھ اور دکھائی نہیں دیا۔" سنبل نے شرارتی نظروں سے ایک ایک لفظ پرزور دیتے ہوئے کہا۔
"یہ کیسا سوال ہے؟" سنبل کے سوال پر سفینہ کے چہرہ پر ایک لالی سی اتر آئی اس نے شرماتے ہوئے جھڑکا۔
"ہاں تو سوال اتنا برا بھی نہیں نہ ہی اتنا مشکل ہے کہ آپ جیسی جینئس جواب نہ دے سکیں۔" سنبل نے اس کی حالت سے حظ اٹھایا اور سامنے پھیلے سرخ دوپٹے کو دیکھا جس پر ریحانہ نے بڑی محنت سے رات میں بیل ٹانکی تھی۔
"وہ......اصل میں......" سفینہ نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر کچھ بولا ہی نہیں گیا اس لیے خاموش ہوگئی۔
"چلیں یہ ہی بتادیں کہ ان سے کتنا پیار کرتی ہیں؟" اس نے کن انکھیوں سے سفینہ کے چہرے پر پھیلتے رنگوں کو دیکھا جو دوپٹے کے رنگ سے میل کھا رہے تھے۔
سفینہ کی خاموشی جیسے اس کی محبت کے ایک ایک لمحے کا اقرار کرنے لگی۔ سنبل کی جگہ یہ سوال اگر فائز کرتا تو شاید اس کا نگاہ بھر کر دیکھنا ہی کافی ہوتا۔ فائز کو شروع سے ہی سفینہ کے اندر پنپنے والے جذبے کا ادراک بنا کسی اظہار کے ہوجاتا تھا۔
"سنبل! میری محبت کی گہرائی ناپنا بڑا مشکل ہے شاید ایسا کوئی پیمانہ بنا ہی نہیں جو اس کی پیمائش کرسکے' میں تو جب فائز کی جانب دیکھتی ہوں تو میرے لبوں پر آنے والی مسکراہٹ محبت ہے۔ اس کی جدائی کا سوچ کر میری آنکھوں میں پانی بھر جاتا ہے' یہ کیفیت بھی ایک طرح کی محبت ہے......اس کی محبت کے تمام راستے' میرے دل تک پہنچ کر اختتام پذیر ہوتے ہیں' کبھی کبھی ہمارے بیچ جو تلخیاں پیدا ہوجاتی ہیں' ان کڑوے گھونٹ پینا بھی محبت کا ایک رنگ ہے' محبت کا فلسفہ ہی انوکھا ہے کہ جس سے ہمکلام ہوئی جہاں میں اس کا ہی بول بالا ہوجاتا ہے۔ اس جذبے کے آگے دنیا کی ہر قیمتی شے ہیچ ہوجاتی ہے۔ یہ اپنے ہونے کا پتا خود سے دیتی ہے۔ اس میں حساب کتاب کا تو کوئی سوال ہی نہیں کہ ہم فارمولا لگائیں اور ٹھیک جواب حاصل کرلیں' بس یوں سمجھو کہ فائز کی محبت کے بنا زندگی نامکمل ہے۔" سفینہ نے کچھ دیر سوچا پھر الفاظ کے موتی ٹوٹ ٹوٹ کے نازک لبوں سے ٹپکنے لگے۔ سنبل سحرزدہ سی دیکھتی رہ گئی۔

"آپی میں لاجواب ہوگئی ہوں۔" سنبل نے ایک دم متاثر ہو کر سر تسلیم خم کیا اور بڑے جوش سے، لال بھاری کامدار دوپٹہ پھیلا کر اس کو اوڑھا دیا۔ سفینہ کے چہرے پر ایسے نقرئی رنگ بکھر گئے کہ ریحانہ بیگم جو بینڈل اور چوڑیوں کے ڈبے تھامے اس طرف آئیں تو مبہوت ہو کر بیٹی کو دیکھتی رہ گئیں۔ دل ہی دل میں "ماشاءاللہ" کہا۔

❁......❁......❁

"اندر آجاؤں بھائی؟" جلال خان نے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر عادت کے مطابق باآواز بلند پکارا۔ بہزاد جو کمپیوٹر پر کام کر رہے تھے اٹھ بیٹھے۔

"بھائی جان آئے ہیں۔" انہوں نے جلدی سے کھڑے ہوتے ہوئے، کرسی پر نیم دراز ریحانہ کو اطلاع دی، وہ بھی جیٹھ کی آواز پر چونک کر سلیقے سر ڈھانپنے لگی۔

"جی..... جی..... آجایئے۔" بہزاد نے گرم جوشی سے جواب دیا۔

بہزاد خان نے پہلے کارڈ بھائی کے پاس لے کر جانے کا سوچا مگر پھر پرانی بات یاد کر کے ان کی طرف جانے کے بجائے جلال خان کو فون کر کے واپسی میں اوپر آنے کا کہا اور وہ بھی دکان سے سیدھے یہیں چلے آئے۔

"کیا ہوا خیریت تو ہے؟" جلال کی آواز سن کر بہزاد خان کے خیالوں کی ڈوری ٹوٹی، جلال خان ان کے پاس آرام دہ پوزیشن میں بیٹھ گئے۔

"جی وہ دراصل نکاح کے دعوت نامے چھپ کر آگئے بس وہ ہی دکھانا تھا۔" بہزاد نے پر جوش انداز میں خوش ہوتے ہوئے، بنڈل اٹھا کر انہیں تھمایا۔ ریحانہ نے ناگواری سے شوہر کو دیکھا۔

"کارڈ کا ڈیزائن تو اچھا ہے مگر رنگ..... خیر اب تو چھپ گئے ہیں' تم پہلے دکھا دیتے تو شاید اس سے بہتر کوئی چناؤ ہو جاتا۔" جلال نے کارڈ پر گہری نظر ڈالتے ہوئے ہلکا سا شکوہ کیا۔

"میں کارڈ کے نمونے لے کر آپ کے پاس آیا تھا' آپ موجود نہیں تھے، بھابی نے یہ ہی ڈیزائن پسند کیا۔ میں نے کہا بھی مگر بس، ان کی پسندیدگی پر یہ والا کارڈ چھپوالیا۔" بہزاد نے کچھ جھجکتے ہوئے شکوہ کیا۔

"ہونہہ یہ بھی ٹھیک ہے۔" جلال خان نے ایک مرتبہ پھر کارڈ کو چشمے کی اوٹ سے بغور دیکھا اور رضامندی دے دی۔ وہ سائرہ سے اچھی طرح سے واقف تھے۔ سارا معاملہ بغیر کہے، ان کی سمجھ میں آگیا۔

❁......❁......❁

"کیا ہوا دادا ابا کو کہاں لے گئے تھے؟" سفینہ جو ابھی کالج سے لوٹی بہزاد خان کو فائز کی مدد سے ابرار خان کو کمرے کی طرف لے جاتے دیکھا تو پریشانی سے پوچھا۔

"سفی بیٹا! پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ ابا جان کی طبیعت کچھ ناساز ہوگئی تو میں انہیں اسپتال لے گیا تھا۔" بہزاد خان نے پیار سے بیٹی کو دیکھ کر تسلی کرائی۔ وہ آج کل آفس سے چھٹیوں پر تھے۔ ابرار خان کو تھام کر بستر پر لٹانے لگے، سفینہ ایک دم پریشان ہوگئی، فائز نے اسے بغور دیکھا۔ جانتا تھا کہ دادا ابا میں اس کی جان اٹکی ہوئی ہے۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کے پاس آکھڑا ہوا۔

"ممی نانو کی طرف گئی ہوئی ہیں تم ایسا کرو دادا ابا کے لیے کھچڑی پکالو اور انہیں کھلا کر نیچے ہی رک جانا۔" بہزاد کے کمرے سے نکلتے ہی فائز نے مسکرا کر سفینہ کو ہدایات دیں۔

"کیوں آپ یہاں موجود ہیں پھر میرا رکنے کا جواز نہیں بنتا۔" اس نے تیکھے انداز میں فائز کو دیکھا۔ وہ مسکرا دیا۔

"اگر میں موجود ہوتا تو تم سے یہ کہنے کی جسارت کرتا..... مجھے تو بہزاد چچا نے کال کر کے بلوایا تھا۔ اب واپس

جانا ہے آئی سمجھ۔‘‘ اس نے تفصیل بتا کر تسلی کرائی۔
’’جی سمجھ گئی۔‘‘ سفینہ نے زیرلب کہا۔ فائز کے کان اس کی سرگوشیوں سے بھی آشنا تھے۔
’’کھانے کے بعد یاد سے انہیں دوائی کھلا کر سلا دینا، ڈاکٹر نے دوائی دینے کے ساتھ، آرام کرنے کی خاص تاکید کی ہے۔‘‘ وہ مزید بولا۔
’’ٹھیک ہے میں اب ان کا پہلے سے بھی زیادہ دھیان رکھوں گی۔‘‘ سفینہ نے اس کے چہرے کی جانب دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔ وہ جانتا تھا کہ سفینہ کو دادا ابا کے حوالے سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، وہ خود ہی سب کچھ کرلے گی، پھر بھی اتنے دنوں بعد اس سے تنہائی میں باتیں کرنا اچھا لگا۔
’’جانے یہ پل کل ہو نہ ہوں۔‘‘ اس نے سرد آہ بھری اور نگاہ بھر کر اس کے خوشنما سراپا کو دیکھا۔ جس میں اسے ہمیشہ کشش محسوس ہوتی۔
’’میں واپس شاپ پر جارہا ہوں ٹھیک ہے اگر کوئی پریشانی کی بات ہو تو پلیز مجھے کال کردینا۔‘‘ فائز نے اسے اطلاع دی۔ اس کے دل کو تھوڑا سکون ملا اور وہ وہیں سے پلٹ گیا۔

❁......❁......❁

’’میں نے سوچا ہے کہ کسی بھی طریقے سے فائز اور شرمیلا کا ایک دو بار آمنا سامنا کروادوں تو شاید بات بن جائے۔‘‘ دلشاد بانو نے سائرہ کو اپنی منصوبہ بندی کے بارے میں بتایا۔
’’نہیں اماں اب کچھ نہیں ہوسکتا وہ نہیں مانے گا اب تو جو ہونا ہے، وہ ہی ہو کر رہے گا۔‘‘ سائرہ کے لہجے میں ان دیکھی تھکان سمٹ آئی۔
’’ہاں بات تو تیری ٹھیک ہے میں نے تو شرمیلا کو بھی سمجھایا کہ جب بھی فائز یہاں آئے اس کے سامنے طریقے سے آکر میری خدمت میں لگ جائے۔‘‘ دلشاد بانو نے بیٹی کو دیکھ کر کہا۔
’’ہاں تو یہ بھی کرکے دیکھ لیا، میں نے کئی بار آپ کی بیماری کا بہانہ بنا کر فائز کو یہاں بھیجا۔‘‘ سائرہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ماں سے سرگوشی کی۔
’’شرمیلا بے چاری نے میری ہدایت پر پورا عمل کیا، فائز کی پسند کی چیزیں پکا کر لاتی مگر وہ کسی بھی طرف توجہ نہیں دیتا۔‘‘ دلشاد بانو کے چہرے پر ان کی ناکامی تحریر تھی۔
’’وہ ہی تو جب وہ مسلسل یہاں کے چکر لگا رہا تھا تو میں خوش ہوگئی کہ شاید انہوں نے آپس میں دوستی کرلی ہو...... مگر یہ لڑکا جانے کس مٹی کا بنا ہوا ہے۔‘‘ سائرہ نے ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔
’’بس ہمارے یہاں کے بچے ایسے ہی نیک ہیں اپنے بھائی شکیل کو بھول گئی ہو کیا؟‘‘ دلشاد نے بھی جوش سے سراہا۔
’’اب تو کف افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نہیں حالاں کہ شرمیلا بہت اچھی اور خوب صورت لڑکی ہے، میں نے تو اسے پہلے دن دیکھتے ہی اپنے فائز کے لیے پسند کرلیا تھا مگر۔‘‘ سائرہ نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

❁......❁......❁

ثوبیہ چھوٹے سے گول گھومنے والے اسٹول پر بیٹھی جھولا جھولنے میں مگن، جب کہ سنبل صوفے پر پاؤں پسارے گود میں کشن رکھ کر ٹی وی پر چلنے والے پاک بھارت کرکٹ میچ کو دیکھنے میں مصروف تھی۔ سفینہ کالج سے لوٹنے کے بعد بیڈ پر نیم دراز سونے کی ایکٹنگ کرنے لگی۔ ثوبیہ نے سفینہ کی بند آنکھوں کی طرف دیکھا جن کی لرزش محسوس کی۔

جانے والی تھی۔

"اچھا تو آپی جاگ رہی ہیں۔ شاپنگ پر جانے سے بچنے کے لیے ہم سے ہوشیاری۔" اس نے مصنوعی کھانسی سے سنبل کو اپنی جانب متوجہ کیا پھر ہاتھ سے سفینہ کی طرف اشارہ کیا۔ ان دونوں لڑکیوں کے ساتھ روزانہ شاپنگ پر جا جا کر سفینہ تھک چکی تھی، گھنٹوں شاپنگ مال کا سروے کرنے کے باوجود، انہیں کوئی سوٹ پسند ہی نہیں آتا۔ اسی لیے وہ ان سے پیچھا چھڑانے کے لیے لنچ کے فوراً بعد یہاں آ کر سوتی بن گئی۔

"ویسے فائز بھائی کے آگے والے دونوں دانت ڈریکولا جیسے ہیں۔" سنبل کی رگ شرارت پھڑکی، موتی جیسے دانتوں کی توہین کرنے میں عار محسوس نہ کی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو مجھے تو ان کی ناک بھی طوطے جیسی لگتی ہے۔" ثوبیہ نے پوری سنجیدگی سے کہا، لیکن سفینہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو اشارہ کیا اور پھر سنبل اٹھ کر سفینہ کے قریب گئی اور اسے گدگدی کی، سفینہ کے لیے اب ہنسی روکنا دشوار ہو گیا اور وہ ہنستی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔" اس نے لہجے میں مصنوعی برہمی پیدا کی۔

"کون سی' گدگدانے والی یا فائز بھائی کی تعریف والی۔" ثوبیہ نے حیرت ظاہر کرنے کی ناکام کوشش کی۔

"شرم کرو اپنے ہونے والے بہنوئی کی ایسی تعریفیں کرتے ہیں۔" سفینہ نے اس کے کان کھینچے۔

"اوئے...... ہوئے...... ابھی سے اتنی حمایت۔" ثوبیہ نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی کی آواز کم کی اور پھر چہکی۔

"تم لوگ اپنی بکواس بند کرتی ہو یا جا کر امی سے کہوں؟" سفینہ نے اپنی جھینپ مٹاتے ہوئے انہیں دھمکایا۔

"ہمیں بھی بتائیں نا خالہ سے جا کر کیا کہیں گی کہ یہ دونوں میرے ہونے والے شوہر کی شان میں گستاخی کر رہی ہیں۔" ثوبیہ نے اسے مزید چھیڑا۔

"اچھا مذاق چھوڑو، یہ بتاؤ اگر آپی سے فائز بھائی کی تعریف کرنے کا کہا جاتا تو یہ کیا کہتیں؟" سنبل نے کچھ سوچ کر آنکھیں مٹکا کر پوچھا۔

"میرے فائز کتنے اسمارٹ ہیں۔ دنیا میں ان سے زیادہ کوئی ہینڈسم نہیں۔ ان کی آنکھیں۔ اف کیسا جادو جگاتی ہیں۔ وغیرہ...... وغیرہ۔" ثوبیہ نے سفینہ کے انداز میں شرماتے ہوئے دوپٹہ منہ میں دبا کر کہا تو تینوں کا قہقہہ گونج اٹھا۔

"بڑی خراب ہو تم لوگ۔" سفینہ نے تھوڑی دیر بعد وہاں سے اٹھنے کی ناکام کوشش کی، ثوبیہ نے اسے پھر سے کھینچ کر بٹھا دیا۔

"کیا کریں سفی جیسے بھی ہیں بس آپ کے ہی ہیں اور......" سنبل نے موٹی آواز بنا کر فائز کی فلمی انداز میں نقل کی اور اس کے سامنے جھک گئی۔

"تم دونوں نا میرے ہاتھوں سے پٹنے والی ہو۔" سفینہ نے اس کی بات درمیان میں کاٹ دی۔ سنبل کے ساتھ ثوبیہ کے قہقہوں کی آواز کمرے میں گونج اٹھی تو اس نے شرما کر چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔

❁......❁......❁

دن بھر کا تھکا ماندہ سورج اپنا سفر ختم کر کے اونگھ رہا تھا' فضا پر اندھیرے اجالے کی ملی جلی بے بس کیفیت طاری تھی اور دور دور تک بے چینی' ارتعاش اور درد و الم کی کیفیت طاری تھی، حبس، دل گھبرا دینے والی تاریکی، گھٹن اور اندھیرے نے پورے خان ہاؤس کے گرد گھیرا تنگ کر ڈالا۔ بس ایک کمرے میں برقی روشنی اس کی راہ میں حائل

ہونے لگی۔ بستر پر نیم دراز ابرار خان مسلسل کروٹیں بدل رہے تھے۔ دوائیوں کے اثر نے کمزور پٹھوں کو مزید نقاہت بخش دی۔ ایک طرف درد کی شدت اور دوسری طرف آنکھوں میں برسوں سے سجا خواب، جس کی تکمیل کا وقت نزدیک آگیا۔ وہ دن بہ دن کمزور ہوتے جارہے تھے مگر جب بھی ان کے سامنے تقریب کے حوالے سے کوئی بات چیت کی جاتی، بڑی ہمت اور شگفتگی سے مسکرادیتے۔ عرصۂ دراز بعد ایک انوکھی مسرت نے ان کے وجود کو اپنے قبضے میں کرلیا کہ ان کے اندر خوشیاں پھیلتی چلی گئیں۔ ساری عمر انہوں نے اپنی بیوی کی ہر خواہش بڑی دلچسپی سے پوری کی مگر یہ ایک تمنا ایسی تھی، جسے پورا ہونے کی امید لیے سکینہ قبر میں جاسوئیں۔ مگر اب انہیں سرخرو ہونے کا موقع ملا۔ وہ اپنے دونوں بیٹوں کے خاندان کو ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنے میں کامیاب ہونے جارہے تھے۔ دکھ اور خوشی کا انوکھا امتزاج فائز اور سفینہ کے نکاح کی خوشی نے درد کی شدت اور تکلیف کے باوجود ابرار خان میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ وہ خیالوں میں کھوئے رہے' طویل خاموشی کے بعد ان کے منہ سے ایک ''آہ'' نکلی وہ اپنے ماضی کی راکھ کریدنے لگے۔

جیسے وہ ایک پل میں ساری زندگی گزار آئے ہوں۔ کبھی کبھی انسانی جذبات سمجھ سے بالاتر ہوجاتے ہیں، لمحات پریشان کن ہوں یا ان میں خوشیاں ہلکورے لے رہی ہوں' آنکھ بھر آتی ہے، دکھ میں نیند آنکھوں سے کوسوں دور چلی جاتی ہے اور مسرت میں نیند اڑ جاتی ہے' وجہ جو بھی ہو ایک ٹھوس حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ایسے میں کوئی اپنا بہت یاد آتا ہے۔ ابرار خان کے لیے خوشی کی اس گھڑی میں سکینہ کا ہجر ان کی باقی ماندہ جان نکالنے کے لیے کافی تھا۔ انہیں اپنی ہم سفر، ہم راہی کی یاد بری طرح سے ستانے لگی۔ سکینہ اکیلی ہوتے ہوئے بھی ان کے لیے پوری دنیا پر بھاری تھی، جانے ان میں ایسی کیا بات تھی جو سب لوگوں کے قریب ہونے کے باوجود انہیں اکیلا اور تنہائی کے احساس سے مبرا کردیتی۔ ان کے جانے کے بعد سے یوں لگا، جیسے موسم رک سا گیا ہو، ہوائیں تھم گئیں ہوں، زمین ساکت ہونے لگی ہو، ہر طرف ایک نا ختم ہونے والی خاموشی چھاگئی، سکینہ ہوتی تو دنیا کے سارے غم مٹ جاتے۔ وہ ہر دکھ اور پریشانی کی دوا بن جاتیں۔ وہ مسکراتی تو کمرے کی خاموشی میں بھی چہار سو شہنائیاں بجتی محسوس ہوتیں۔ ہر لمحہ بھرپور اور ہر پل لطیف لگتا۔ ابرار خان جانتے کیوں چند دنوں سے سکینہ کی کمی کو شدت سے محسوس کرنے لگے تھے۔

''آہ...... سکینہ! کاش آپ یہاں ہوتیں تو دیکھتیں ہم نے وہ وعدہ جو برسوں قبل کیا تھا، اسے پوری طرح سے نبھا دیا۔'' ایک پرسکون مسکراہٹ ان کے خشک لبوں پر آکر ٹھہر گئی۔

''ہاں سکینہ، ہم نے وعدہ وفا کیا۔'' ابرار خان نے سوچا اور خیالوں میں فائز کو دلہا کی شکل میں دیکھ کر نڈھال ہونے لگے۔

❁......❁......❁

وہ سب بڑے دنوں بعد ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ابرار خان بیٹوں کے ساتھ محو گفتگو رہے، فائز کو سنبل اور ثوبیہ نے گھیر لیا، سفینہ سر جھکائے چائے کا سپ لے رہی تھی مگر اس کا پورا دھیان فائز کی طرف تھا، جس نے ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر اس کی جانب نہیں دیکھا تھا۔

''فائز! ایسا کیوں کررہا ہے؟'' اس نے خود سے سوال کیا مگر کوئی جواب نہیں مل سکا بس آنکھوں میں پانی بھر آیا، جسے ہتھیلی سے پونچھ کر اس نے سب سے چھپالیا۔

''فائز بھائی! کیا بات ہے، بہت کھوئے کھوئے سے رہنے لگے ہیں؟'' سنبل نے اس کے دل کی ترجمانی کرڈالی۔

”نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔“ فائز نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔

”اچھا ایسا کریں آج ہم سب کو باہر کافی پلوانے لے جائیں۔“ ثوبیہ نے سرگوشی کی۔ قریب بیٹھی سائرہ بانو کے کان کھڑے ہوئے ناگواری سے دونوں کو گھورا۔

”آج تھوڑا کام ہے پھر کبھی چلیں گے۔“ فائز نے اسے مطمئن کرنے کے لیے بہانہ بنایا۔ وہ ایسے دنوں میں ماں کو کوئی بات بنانے کا موقع دینے کا روادار نہیں تھا۔

”یہ اتنے بیزار کیوں رہنے لگے ہیں۔“ سفینہ نے قریب بیٹھے ہونے کی وجہ سے دونوں کی باتیں سن لیں۔ اصل بات جان نہ سکی اپنی عقل سے سوچا تو دل پر مایوسی کا غلبہ چھانے لگا وحشت نے آ گھیرا اور وہ اوپر جانے کے لیے اٹھ گئی۔

”سفی...... ذرا چھت پر سے کپڑے اتار کر تہہ کردو۔“ ریحانہ نے بیٹی کو پیچھے سے آواز دی۔

”اچھا ٹھیک ہے۔“ اس نے بغیر رکے جواب دیا، سنبل اور ثوبیہ نے بھی ایک ناراض سی نگاہ فائز پر ڈالی اور سفینہ کی تقلید کی۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھنسائیں۔ خود کو پرسکون رکھنے کی پوری کوشش کی ورنہ دل تو سفینہ کے پیچھے جانے کے لیے ہمکنے لگا تھا۔ وہ سفینہ کی کیفیت سے آشنا تھا آخر وہ فائز کا انتخاب اس کی پہلی اور شاید آخری محبت بھی تھی مگر اس وقت کچھ بھی سمجھانا مشکل ہورہا تھا کہ اس کا یوں نظر انداز کرنا۔ ماں کے سامنے محتاط رہنا۔ سفینہ کے حق میں ہی بہتر ثابت ہوگا۔

فائز یہ بات سوچ کر مسرور ہوجاتا کہ جس کو چاہا وہ ہی اس کا مقدر بننے جارہی ہے مگر پھر بھی دل کے دریچوں میں کہیں بچھڑنے کا دھڑکا بھی گھات لگائے بیٹھا ہوتا۔ وہ جب بھی سفینہ کے بارے میں سوچتا اس کے ذہن میں ماں کی تکلیف دہ باتیں گونجنے لگتیں۔

بہزاد اور جلال خان کی سفینہ اور فائز کی شادی کی مشترکہ تیاریوں اور ابرار خان کے احکامات کے باوجود نجانے فائز کے دل میں کچھ عجیب سی فیلنگز ہونے لگیں تھیں۔

”اپنی محبت کو خود سے الگ ہونے نہ دینا۔“ کوئی رہ رہ کے سرگوشیاں کرتا۔ سناٹے اور تاریکی میں پھر ایک بار اسے اپنی آواز کی دھک دور دور تک سنائی دیتی۔ اس نے کئی بار سوچا کہ اگر اس کی محبت جدا ہوگئی تو وہ کیسے جی پائے گا مگر جواب نہیں مل پاتا۔

”محبت کوئی سوال کوئی جواب نہیں چھوڑتی۔ وہ ہمیں اتنا مکمل کردیتی ہے کہیں کوئی خلاء نہیں رہنے دیتی۔“ فائز نے سر کے پیچھے ہاتھ ٹکا کر سوچا اور مسکرادیا۔

❁......❁......❁

ابرار خان محوخواب تھے کہ انہیں محسوس ہوا جیسے وہ اپنی آبائی حویلی کے بڑے سے فولادی دروازے کے باہر جا کھڑے ہوئے ہوں، جہاں ان کے والد انڈیا سے ہجرت کرنے کے بعد آباد ہوئے تھے۔ پنجاب کے ایک پسماندہ گاؤں میں انہیں یہ بڑی سی حویلی الاٹ کی گئی شاید پورے گاؤں میں یہ واحد قابل ذکر عمارت تھی۔ ایک وسیع وعریض رقبے پر پھیلی اس حویلی کے بیچ میں بڑا سا کچا صحن تھا جس میں نیم، آم اور جامن کے درخت ترتیب سے لگائے گئے تھے۔ فضا میں سیلن اپلوں اور دھوئیں کی جانی پہچانی بو رچی ہوئی تھی آنگن کو سنہری دھوپ نے ڈھانپ لیا تھا، نرم گرم سے اجالے میں اپنائیت بھرا احساس جاگا کونے میں لگے تندور کے پاس مٹی کا چولہا تھا جس پر ان کی خاندانی نوکرانی شاداں تازہ تازہ مکئی کے دانے بھوننے میں مگن تھی جس میں سے اٹھنے والی سوندھی مہک نے پوری

حویلی کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ پھر اچانک انہیں اپنی شادی کا منظر دکھائی دیا۔

"پورے گاؤں میں خوشی کے شادیانے بج رہے تھے۔ ان کے یار دوست ان کے ساتھ دل لگی میں مصروف ڈھول کی تھاپ پر علاقائی رقص جاری تھا۔ گاؤں کی لڑکیاں مخصوص روایتی چمک دمک والے لباس زیب تن کیے خوب سج دھج کے ساتھ دلہن کے گھر جمع ہورہی تھیں جو نزدیک ہی واقع تھا۔ گاؤں میں شادی کے ایک ہفتے پہلے سے تیاریاں شروع ہوچکی تھیں اور پورے گاؤں والوں نے جیسے شادی کی تقریب کے رنگ کو دوبالا کرنے کے لیے کوئی کمی نہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ نجیب اللہ خان کی حویلی دور دراز سے آنے والے مہمانوں سے بھر گئی تھی۔ آخر ان کے اکلوتے بیٹے ابرار خان کی شادی ان کی بھتیجی سے ہورہی تھی۔

"چل بھائی اب ملن کا وقت آ پہنچا۔" ابرار خان گاؤں کے دوستوں کے ساتھ بیٹھے خوش گپیوں میں مگن تھے کہ کسی نے ان کے کان میں سرگوشی کی ان کے چہرے پر شرم کی ایک جھلک ابھری اور سب دوستوں نے انہیں شرارتی جملے کستے ہوئے رخصت کیا تھا۔

شادی کے کچھ دنوں بعد ہی سکینہ نے ان سے گاؤں میں واقع حلوائی کی دکان سے چم چم لانے کی فرمائش کی وہ شروع سے میٹھے کی شوقین تھی۔ ابرار خان نے نئی دلہن کو یہ کہہ کر منع کردیا کہ ہمیں میٹھا پسند نہیں تو ہم آپ کے لیے بھی نہیں لائیں گے۔ اس کے بعد سکینہ گھنٹوں ابرار خان سے ناراض رہیں، جس کے بعد ابرار خان نے انہیں معافی نامہ جمع کرانے کے ساتھ چم چم اور مختلف قسم کی مٹھائیوں کا ڈبہ لاکر دیا۔ ابرار خان نے اپنے ہاتھوں سے سکینہ کے منہ میں شیرے سے بھرا رس گلہ ڈالا تب جا کر وہ مانیں۔ سوتے میں ابرار خان کے سامنے ایک فلم سی چل رہی تھی۔

"سکینہ تمہاری زندگی کا سب سے حسین لمحہ کون سا ہے۔" جلال خان کی پیدائش کے چند مہینوں بعد جب سکینہ اپنی چوٹی میں بیلے کے پھول گوندھ رہی تھیں تو ابرار خان نے ان کا ہاتھ تھام کر محبت سے چور لہجے میں پوچھا تھا۔

"عورت کی زندگی کا حسین لمحہ وہ ہوتا ہے جب وہ ماں بنتی ہے۔" ابرار خان کے سوال پر سکینہ نے شرماتے ہوئے جواب دیا اور پاس لیٹے بیٹے پر نظر ڈالی۔

"کیا تمہیں کبھی کسی سے ڈر لگا؟" ابرار خان نے ایک بار انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"آپ کے غصے سے۔" سکینہ نے ہلکے سے شرارتی انداز میں ان کی طرف اشارہ کیا۔ ابرار خان کو بیوی کے اشارے اور شرمانے کی ادا بہت بھائی تھی۔ بعد میں بھی جب انہیں یہ بات یاد آتی وہ خوب کھل کھلا کر ہنس دیتے۔ وہ خواب میں جیسے ایک کے بعد ایک ماضی میں گزر جانے والی باتوں کو دہراتے چلے جارہے تھے۔

اچانک وہ حویلی شکستہ دکھائی دینے لگی چھتوں کی کڑیاں نیچے کی طرف جھک آئی سیلن زدہ دیواروں پر جگہ جگہ مکڑیوں نے جالا پھیلا دیا۔ چھت کے موکھلوں میں چڑیوں نے گھونسلے بنادیے۔ صحن کی زمین خشک پتوں سے اٹ گئی، بھری پری حویلی خاموش تماشائی بنی ہوئی تھی۔ کچی زمین پر جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے گڑھے غسل خانے میں سبز کائی نے ڈیرہ جمالیا اور کچے صحن میں جنگلی جھاڑی اُگ آئی۔ کچا باورچی خانہ ویران پڑا تھا۔ صحن ایک کونے میں خالی مٹی کے کچھ ٹوٹے برتن پڑے تھے۔ سیڑھیوں کے نیچے والی چھوٹی کوٹھری جس میں اناج رکھا جاتا وہاں سے ایک چوہا نکلا اور وہ اچھل پڑے۔ ابرار خان کب دوائیوں کے اثر سے باہر آئے اور نیند کی آغوش سے باہر چلے آئے۔ سامنے لگے آئینے کی جانب نگاہ اٹھی تو یوں محسوس ہوا کہ یہ حویلی کی نہیں ان کی اپنی کہانی تھی وہ بھی تو ایسے کمزور خستہ حال اور جھریوں زدہ ہاتھ پیروں اور جسم کے ساتھ زندگی کے آخری پڑاؤ کی طرف بڑھ رہے ہیں آنکھیں نم ناک ہوگئیں۔

❁......❁......❁

تقریب نکاح کو ایک روز باقی رہ گیا تھا۔ تمام تیاریاں تکمیلی مراحل میں پہنچ چکی تھیں۔ ہر طرف گہما گہمی تھی۔ شہانہ اور عزیز بھی یہاں پہنچ گئے تھے۔ خان ہاؤس میں موجود ہر چہرے پر خوشی کی چمک دکھائی دے رہی تھی۔ ریحانہ اور سائرہ دونوں اپنی اپنی جگہ اس فیصلے سے نالاں ہونے کے باوجود، خاوندوں کے فیصلے کے آگے مجبور ہوگئیں تھیں۔ بہزاد اور جلال خان بھی خوش خوش تمام انتظامات نمٹانے میں مصروف تھے۔ ایک روز بعد ان کے ماں، باپ کی دلی خواہش پوری ہونے والی تھی۔ انہیں اس موقع پر اپنی مرحومہ ماں کی کمی بہت شدت سے محسوس ہورہی تھی۔ ابرار خان کی بیماری اپنی جگہ مگر وہ اس حال میں بھی بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔ وہی مطمئن سی شفقت سے لبریز مسکراہٹ' بیمار ہونے کے باوجود بھی چہرے پر تکلیف کے آثار تک نہ تھے۔ اتنی مصروفیت کے باوجود بھی سفینہ دادا ابا کے کام اپنے ہاتھوں سے سر انجام دے رہی تھی، گرم دودھ لے کر ان کے کمرے میں پہنچی تو وہ کسی سوچ میں گم دکھائی دیئے۔

''میری بچی تمہیں ہمارا کتنا خیال ہے۔'' انہوں نے چونک کر پوتی کو دیکھا اور شفقت سے بولے۔

''دادا ابا پلیز آپ جلدی سے ٹھیک ہوجائیں۔'' اس نے نرمی سے جواباً کہا۔

''سفینہ بیٹا! کچھ دیر یہاں آکر ہمارے پاس بیٹھو جانے کیوں آج تمہیں دیکھنے کا دل چاہ رہا ہے۔'' سفینہ دادا ابا کو دودھ دینے کے بعد گلاس تھام کر واپس جانے کو مڑی تو ابرار خان نے اسے آواز دے کر روکا۔

''جی دادا ابا۔'' وہ سعادت مندی سے ان کے بیڈ کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''سفینہ! تم اپنی دادی کی شبیہ ہو۔ ہمیں تم پر مکمل بھروسہ ہے کہ تم اپنی دادی کی نقش قدم پر چلتے ہوئے ہم سب کا مان قائم رکھو گی۔'' انہوں نے اپنے کمزور ہاتھوں میں اس کا نرم و ملائم ہاتھ لے کر کہا۔

''دادا ابا! میری پوری کوشش ہوگی کہ آپ کو شکایت کا موقع نہ دوں۔'' وہ ان کے ہاتھ پر دباؤ ڈالنے کے بعد ادب سے بولی۔

''بیٹا! پتا نہیں زندگی رہے یا نہیں رہے مگر چند نصیحتیں تمہارے پلو سے باندھنا ضروری ہے سمجھتا ہوں۔'' وہ ایک مرتبہ پھر گویا ہوئے۔

''ایسے کیوں کہہ رہے ہیں...... اللہ جی...... آپ کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے۔'' اس نے شکوہ کناں نظروں سے انہیں دیکھا۔

''یہ شادی عام شادیوں کی بہ نسبت اس لحاظ سے خاص ہے کہ اس کے ذریعے ہمارے دونوں بیٹوں کا خاندان ہمیشہ کے لیے یکجا ہوجائے گا۔'' ایک سرد آہ بھرنے کے بعد وہ بولنا شروع ہوئے۔

''جی میں سمجھتی ہوں۔'' شادی کے نام پر اس کے چہرے پر شرم و حیا کے رنگ بکھر گئے۔ سعادت مندی سے سر جھکا کر کہا۔

''بچی...... ہم نے بہت دعاؤں سے تمہیں مانگا ہے ہمیں کسی کے سامنے شرمندہ ہونے نہ دینا۔ یاد رکھنا عورت کا اپنا گھر وہ ہی ہوتا ہے جہاں وہ بیاہ کر جاتی ہے۔ ایک اچھی بیوی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خاوند کا احترام کرے اگر روکھی سوکھی ملے تو بناء کسی شکایت کہ اسی پر گزر بسر کرے۔ بیٹا صبر و شکر کو اپنا شعار بنانا کبھی بھی اپنے خاوند کی جائز بات پر غصہ مت دکھانا بلکہ بات کو سمجھتے ہوئے اس کے ازالے کی کوشش کرنا۔ جلال بہت پیار کرنے والا انسان ہے اس کی اچھائی کے صلے میں اپنی تائی اماں کی باتوں کو درگزر کرنا اور ہمیشہ فائز کا خیال رکھنا۔'' ابرار خان کی آنکھیں فرط جذبات سے نم ہوگئیں۔

''اب ہمیں اپنی سفی پر مکمل اعتماد ہے کہ وہ ہماری باتوں کو تاعمر یاد رکھے گی۔ اب ایسا ہے کہ تم جاکر آرام کرو کیونکہ ہمیں نماز پڑھنی ہے۔'' انہوں نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

خان ہاؤس بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ مہمانوں کے لیے تمام تر سہولیات کا انتظام کیا جا چکا تھا۔ تقریب کا اہتمام بڑے سے لان میں کیا گیا تھا جس کے بیچ میں اصلی پھولوں سے اسٹیج کو شاہانہ انداز میں سجایا گیا تھا۔ دیواروں پر جگ مگ قمقموں کی لڑیاں سج رہیں تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ گھر درودیوار بھی سفینہ کے ساتھ سرخ جوڑا زیب تن کرنے والے ہیں۔ طویل عرصے بعد ایک بار پھر اس گھر میں شادیانوں کے آوازیں گونجنے والی تھی۔ خوشی بھرے رنگ یہاں کی زینت بڑھا رہے تھے۔

جلال اور بہزاد نے ہفتہ بھر قبل رشتے داروں کے یہاں کارڈ بانٹ دیئے تھے اور رات تک مہمانوں کی آمد کا سلسلہ بھی شروع ہوجانا تھا۔ سنبل اور ثوبیہ سفینہ کے ساتھ پارلر روانہ ہوگئیں۔ فائز جو صبح سے ڈیکوریشن کروانے میں مصروف تھا، اب کسی کام کے سلسلے میں گھر سے باہر نکلا تھا۔ باقی لوگ اپنی اپنی تیاریوں میں مصروف تھے۔ شاہانہ اور ریحانہ ایک جیسے لباس زیب تن کرنے کا ارادہ کیے بیٹھی تھیں۔ سائرہ اپنی ماں کے پاس بیٹھی انہیں جلی کٹی سنانے سے روک رہی تھی۔ جلال اور بہزاد خان کیٹرنگ والوں کے پاس گئے ہوئے تھے۔

وہ سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے، ایسے میں کسی کو بھی ابرار خان کا خیال نہیں آیا ایک گھنٹے قبل جلال خان نے اس طرف چکر لگایا تھا مگر باپ کو سوتا پا کر دبے پاؤں باہر نکل آئے۔ حکم نامہ جاری کردیا۔ جلال خان نے بیٹے کے ہاتھ میں سیاہ شیروانی تھمادی اور نہانے کے لیے واش روم کا راستہ دکھایا وہ کپڑے تھام کر اپنے کمرے میں گھسا اچانک دل پر گھبراہٹ اور بے چینی نے ہلہ بولا تو وہ بے خیالی میں باہر نکل آیا اور ابرار خان کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ ڈھلتی شام کی ہلکی ہلکی روشنی کھڑکی سے اندر چھن چھن کر آرہی تھی۔ اس نے مدھم اجالے میں اندر کا جائزہ لیا۔ انجانی سی خوش بو نے پورے کمرے کو اپنے لپیٹے میں جکڑ رکھا تھا۔ کمرے میں ہر چیز اپنی جگہ ترتیب سے رکھی ہوئی تھی۔ پورا کمرہ خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ کوئی آہٹ کوئی آواز نہ پاکر وہ واپس پلٹنے لگا تو اسے خیال آیا کہ دادا ابا کبھی اس قدر گہری نیند تو نہیں سوتے کہ انہیں کسی کی آمد کا احساس نہ ہو وہ تو ہلکی سی آہٹ پر بھی آنکھ کھول کر دیکھتے ہیں۔ فائز نے انہیں آواز دی، مخاطب کرنا چاہا کوئی جواب نہیں آیا۔ فائز نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے پہلے ان کو دیکھا پھر ہاتھ سے ان کی نبض چیک کی کمبل اٹھا کر سینے کی دھڑکن محسوس کرنا چاہی مگر وہاں ایک گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ ہمیشگی والا سکوت۔ دادا ابا کو چھوا تو جسم سرد ہوچکا تھا اسے سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ یہ اس کے ساتھ کیا ہوگیا ہے سر چکرایا اور منہ سے چیخ نکل گئی وہ یقین نہیں کر پارہا تھا کہ اس کے سامنے دادا ابا کا بے جان جسم موجود ہے۔ وہ کافی دیر تک سن سی کیفیت میں بت بنا کھڑا رہا۔ وہ جس وجود کے سائے تلے زندگی گزارتا چلا آیا تھا...... کیا آج وہ سایہ اس سے ہمیشہ کے لیے دور ہوگیا ہے؟" دماغ میں ایک ہی بات گونجی اور وجود پر چیونٹیاں رینگ گئیں۔

ابرار خان کے بے جان چہرے پر پھیلی مسکراہٹ بہت جاندار تھی۔ فائز کو ایسے لگا جیسے دادا ابا نے بڑے سکون کے ساتھ اپنی آنکھیں ہمیشہ کے لیے موند لی ہوں۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے وہ بے اختیار ہو کر چیخنے لگا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

کتابیں دیکھتے ہوئے اسے مسلسل محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے مگر کون؟ یہ معلوم نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس نے محتاط نظروں سے کئی بار اِدھر اُدھر دیکھا مگر ہر بار ناکامی ہوئی، یہی وجہ تھی کہ وہ صحیح طرح سے کتابیں دیکھ نہیں پا رہی تھی۔ جھنجلاتے ہوئے اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب کو واپس بک ریک میں لگایا اور واپسی کے لیے قدم بڑھا دیے۔ ابھی دو چار قدم اٹھا بھی نہ پائی تھی کہ واپس پلٹ آئی۔ کل روشاف کی برتھ ڈے تھی اور اسے ہر حال میں آج ہی اس کے لیے گفٹ لینا تھا تاکہ رات کو بارہ بجے ہی اسے سرپرائز دے سکے۔ ایسے میں اپنے غصے کو دباتے ہوئے وہ اسلامی کتب کے ریک کی طرف بڑھ گئی۔ بہت ساری کتابوں کو دیکھنے کے بعد اس کے ہاتھ ''یوسف اصلاحی'' کی ''آدابِ زندگی'' پر ٹھہر گئے۔ پچھلے ایک گھنٹے سے اسے جس کام میں ناکامی ہو رہی تھی وہ ہو چکا تھا۔ روشاف بہت مشکل سے نارمل زندگی کی طرف پلٹی تھی اسے ''آدابِ زندگی'' اس کے لیے مالِ غنیمت سے کم نہ لگی۔ کتاب ہاتھ میں لے کر وہ واپس پلٹی ہی تھی کہ سامنے نظر آنے والی ہستی کو دیکھ کر وہ ایک دم سے ساکت ہو گئی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یوں اچانک روشان سے اس کا سامنا بھی ہو سکتا ہے۔

''کیسے ہو؟'' وہ بمشکل بولی۔

روشاف کے ذریعے اسے خبریں ملتی رہتی تھیں کہ روشان پاکستان آچکا ہے اور اب پاکستان میں ہی اپنا کاروبار سیٹ کر رہا ہے وہ گھر بھی دو چار بار آچکا تھا۔ مگر عفاف کی غیر موجودگی میں اور یہی سوچ کر وہ مطمئن ہو گئی تھی کہ روشان اپنی زندگی کی طرف لوٹ چکا ہے۔ اب اگر سامنا ہوا بھی تو وہ اجنبی بن کر ملے گا۔ مگر اس وقت اچانک سامنا اور کچھ دیر پہلے والی کوفت کسی کی نظروں کا حصار اسے پریشان کرنے کے لیے کافی تھے۔

''جی رہا ہوں تمہارے بغیر......'' عفاف نظریں چرا گئی۔

''یہاں کیا کر رہے تھے؟'' کہتے ہوئے وہ دکان دار کی طرف بڑھی جو منتظر نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور اسے کتاب پیک کرنے کے لیے کہا۔ روشان اس کے پیچھے ہی چلا آیا۔ دکان دار نے کتاب پیک کر کے عفاف کی طرف بڑھائی۔ اس نے ادائیگی کے لیے جیسے ہی ہاتھ بڑھایا روشان نے ہاتھ پکڑ لیا اور خود ادائیگی کر دی۔

''چلو!'' ادائیگی کے بعد اس نے عفاف سے کہا۔ جو غصے سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ''ایسے مت گھورو۔ ابھی اتنا حق میں رکھتا ہوں کہ اپنی مسز کو کچھ خرید کر دے سکوں۔ اب چلو گی بھی یا اٹھا کر لے جاؤں؟'' کہنے کے ساتھ روشان نے عفاف کا ہاتھ پکڑا اور دکان سے باہر لے آیا۔ وہ معمول کی طرح اس کے ساتھ کھنچی چلی آئی۔ گاڑی تک پہنچ کر روشان نے اگلا دروازہ کھولا اور اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔

''روشان! یہ صحیح نہیں ہے۔ میں خود چلی جاؤں گی پلیز!'' اس کے لہجے میں التجا تھی۔

''کیا تمہیں مجھ پر اتنا بھی اعتبار نہیں ہے؟ ہوں!'' وہ بولا تو اس کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔ عفاف بے بسی سے ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔ ''مسز عفاف روشان! آپ کسی رکشہ ڈرائیور یا ٹیکسی ڈرائیور پر بھی اعتبار کریں گی؟ مجھے بھی اتنا مان بخش دیں، میں آپ کو کھا نہیں جاؤں گا۔'' عفاف اس سے زیادہ کی متحمل نہیں تھی۔ مٹی کے ڈھیر کی طرح فرنٹ سیٹ پر ڈھے گئی اور اپنا پرس اور کتاب گود میں ہی رکھ لی۔ روشان نے دروازہ بند کیا اور دوسری طرف سے آکر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور گاڑی اسٹارٹ کی۔ دونوں طرف مکمل خاموشی تھی۔ تکلیف دہ خاموشی...... گاڑی انجانے

رستوں پر دوڑتی ہوئی ڈیفنس ایریا کی طرف بڑھی اور ایک انجان سپر لگژری بنگلے کے سامنے آرکی۔ عفاف نے سوالیہ نظروں سے روشان کی طرف دیکھا عین اسی لمحے روشان نے بھی اسے دیکھا۔

"گھبراؤ مت۔ تمہیں اپنا گھر دکھانے کے لیے لایا ہوں۔" ہارن کی آواز پر چوکیدار نے گیٹ کھولا اور گاڑی پورچ میں آرکی۔ روشان گاڑی سے اتر چکا تھا مگر عفاف میں حرکت نہیں ہوئی' وہ اترنا نہیں چاہتی تھی' اسے آنے والے وقت سے خوف آنے لگا۔ نجانے رانیہ اسے دیکھ کر کیسا ردعمل ظاہر کرتی۔ وہ بھی اپنے گھر میں اور روشان کی گاڑی میں' روشان ہی کے ساتھ۔ روشان نے اس کی طرف سے دروازہ کھولا اور منتظر نظروں سے اسے دیکھا کہ وہ نیچے اترے۔

"آخر تم کیوں چاہتے ہو کہ بس میں موجود چنگاری بھڑکے؟ جو ہوگیا اسے بھول کیوں نہیں جاتے تم! جانتے بھی ہو کہ رانیہ کتنا شدید غصہ کرے گی مجھے سامنے دیکھ کر؟"

"جانے بھی دو عفاف! وہ گھر میں ہوگی تو غصہ کرے گی نا! اس کی آمد رات بارہ بجے سے پہلے نہیں ہوگی۔ تم بے فکر ہو آؤ اندر چلیں۔" عفاف کو گومگو میں تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اترنا پڑا۔ روشان نے خود آگے بڑھ کر اس کے لیے دروازہ کھولا۔ عفاف خود کو کوستی ہوئی آگے بڑھی۔ سامنے بہت خوب صورت اور آراستہ ڈرائنگ روم تھا۔ عفاف چپ چاپ ایک سنگل صوفے پر بیٹھ گئی۔ روشان نے ملازمہ کو آواز دے کر چائے لانے کو کہا اور خود اس کے ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں عفاف پر ہی تھیں جو بلو جینز پر سفید کرتا اور سفید ہی دوپٹے میں خود کو لپیٹے ہوئے تھی۔ ایسے لگ رہا تھا کہ گزرے چار سال اسے چھو کر بھی نہیں گزرے تھے۔ وہ آج بھی چار سال پہلے جتنی معصوم تھی مگر پہلے سے زیادہ خوب صورت ہوگئی تھی۔ عفاف کو اس کی نظروں سے کوفت ہونے لگی۔

"تمہارا گھر بہت خوب صورت ہے۔" اس نے روشان کی توجہ خود سے ہٹانا چاہی۔

"ہاں' تمہاری طرح!" جواب عفاف کے خدشوں کی طرح سنگین تھا۔

"تمہیں کیا ہوگیا ہے روشان! تم شاید اپنا وعدہ بھول رہے ہو۔ یہ ٹھیک ہے کہ میرا نام آج بھی تمہارے نام سے جڑا ہے مگر مت بھولو کہ رانیہ تمہاری بیوی ہے' تم اسے رخصت کروا کر اپنے گھر لے جاچکے ہو اب تمہاری اس طرح کی حرکتیں نہ صرف تمہارا گھر برباد کردیں گی بلکہ لوگ میرے کردار پر بھی انگلیاں اٹھائیں گے جو مجھے گوارا نہیں۔ اس لیے بہتر یہی ہوگا کہ تم میرے راستے میں مت آؤ۔ میں آج بھی اپنے وعدے پر قائم ہوں۔ میں ساری عمر تمہارے نام پر گزار دوں گی مگر تم میرے راستے میں بار بار نہیں آؤ گے۔" عفاف کے لہجے میں بے پناہ سختی تھی۔ جس نے روشان کو بھڑکا دیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اسے اٹھتے دیکھ کر عفاف بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تمہاری لگائی ہوئی آگ ہے عفاف! جس میں میں دن رات جل رہا ہوں۔ کیا قصور تھا میرا؟ صرف اتنا کہ میں تم سے محبت کر بیٹھا اور تم نے میری محبت کا یہ صلہ دیا کہ مجھے اس جہنم میں دھکیل دیا؟" وہ تو جیسے بھرا بیٹھا تھا' ایک دم بھڑک اٹھا۔

"بہت ناشکرے ہو تم! رانیہ جیسی کم عمر' خوب صورت' معصوم اور حساس لڑکی تمہاری شریک حیات ہے' اس کے باوجود تمہیں صبر نہیں آتا۔ واقعی تم مردوں کے لیے ایک عورت پر اکتفا کرنا ممکن نہیں۔ یہ عورت ہی ہے جو اپنی تمام عمر ایک ہی مرد کے ساتھ صبر و شکر سے گزار لیتی ہے۔" عفاف نے بھرپور کوشش کی کہ کسی طرح روشان کو رانیہ کی طرف موڑ دے' جس کی خاطر اتنی بڑی قربانی دی تھی ورنہ اس کا صبر' اس کا انتظار رائیگاں جاتا۔ جو اسے کسی طرح گوارا نہ تھا۔

"ہاہاہاہا......" اس کی بات نے روشان پر الٹا اثر کیا تھا۔ وہ بے ہنگم انداز میں ہنسنے لگا مگر ایسی ہنسی جس میں آنسوؤں کی آمیزش بھی تھی اور تمسخر بھی۔ "کم عمر' معصوم' خوب صورت اور حساس! یہی خصوصیات گنوائی نا تم نے میری

شریکِ حیات کی......؟ تو میری جان وہ کم عمر اور خوب صورت تو ضرور ہے مگر معصوم نہیں...... کیا تم نہیں جانتی تھیں کہ وہ شادی سے پہلے کن سرگرمیوں میں ملوث تھی لیکن وہ کس حد تک پہنچ چکی تھی' یہ شاید تم بھی نہیں جان پائیں۔" روشان نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیے تو عفاف کو لگا وہ روشان کے مضبوط ہاتھوں کا بوجھ سہار نہیں پائے گی۔ "عفاف! میری برباد زندگی کی ذمہ دار تم ہو۔" روشان نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا اور عفاف ساکت کھڑی رہ گئی۔

کیا نہیں تھا روشان کے لہجے اور اس کی آنکھوں میں......! خالی پن' ویرانی...... عفاف کے حوصلے پست ہونے لگے۔ نہ جانے کتنے لمحے یونہی دبے پاؤں گزر گئے دونوں میں سے کسی میں جنبش نہ ہوئی کہ اچانک زوردار تالی کی آواز نے دونوں کو بُری طرح چونکا دیا۔

"واہ! بہت خوب! میری غیر موجودگی میں یہاں یہ گل چھرّے اڑائے جارہے ہیں؟" رانیہ کی زہریلی آواز نے عفاف کو سہما دیا۔ روشان سے ہٹ کر وہ فوراً پیچھے ہوئی مگر روشان کو جیسے پروا ہی نہیں تھی' وہ آرام سے رانیہ کی طرف متوجہ ہوا۔

"تم گھر سے باہر نامحرموں سے ساتھ گل چھرّے اڑاتی ہو۔ عفاف تو پھر میری منکوحہ ہے اور ہم اپنے ہی گھر میں ہیں' کہیں باہر تو نہیں؟" روشان نے اسے منہ توڑ جواب دیا جس نے رانیہ کو بھڑکا دیا۔

"روشان احمر! یہ گھر میرا ہے اور اس کے تمام تر اختیارات بھی میرے ہی قبضے میں ہیں اور میں یہ ہرگز برداشت نہیں کروں گی کہ عفاف کی پرچھائیں بھی میرے گھر پر پڑے۔ جاسکتی ہو تم میرے گھر سے عفاف صاحبہ! دوبارہ اِدھر کا رخ نہ کرنا۔" رانیہ نے انگلی سے عفاف کی طرف اشارہ کیا تو احساسِ توہین نے عفاف کو نظر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ اس کے قدم باہر کی طرف اٹھے ہی تھے کہ روشان نے آگے بڑھ کر عفاف کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"عفاف کہیں نہیں جائے گی بلکہ میں اسے ہمیشہ

ہمیشہ کے لیے اس گھر میں لانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ ہاں اگر تمہیں ناگوار گزرے تو تم اپنے لیے الگ سے انتظام کرسکتی ہو۔ یقین کرو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" بس یہی سننا تھا کہ رانیہ نے ڈرائنگ روم میں موجود چیزیں اٹھا اٹھا کر عفاف اور روشان کی طرف پھینکنی شروع کردیں۔ روشان نے عفاف کو اپنی اوٹ میں لے کر باہر نکالا اور عفاف تیزی سے روشان سے ہاتھ چھڑا کر باہر نکل گئی۔ روشان اسے دیکھتا رہ گیا۔

❁......✦......❁

عفاف "روشان ولا" سے جو بھاگتی ہوئی نکلی تو ہمارا ڈیفنس کا ایریا اس نے بھاگتے ہوئے عبور کیا اور اس علاقے سے نکل کر جیسے ہی مین روڈ پر آئی تو سامنے سے گزرنے والی ٹیکسی کو ہاتھ کے اشارے سے روک کر اس میں بیٹھ گئی۔ رات کے سائے پھیلنے لگے تھے۔ مغرب کی اذان کی آواز فضاء میں گونج رہی تھی۔ عفاف کو لگا جیسے باہر کی تاریکی اس کے اندر آسمائی ہو۔ اس کا بیگ اور سیل فون روشان کی گاڑی میں ہی رہ گیا تھا۔

"گھر میں ماما جان اور روشاف پریشان ہو رہی ہوں گی۔ اب ایک نئی فکر نے اسے آن گھیرا۔ بابا جان کی وفات کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ وہ شام گئے تک گھر سے باہر تھی وگرنہ وہ چار بجے تک گھر پہنچ جاتی تھی۔ ٹیکسی گھر کے سامنے رکی تو وہ ڈرائیور کو رکنے کا کہہ کر اندر کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھلا اور سامنے ہی چھوٹے سے لان میں پلاسٹک کی کرسیوں پر ماما جان اور روشاف پریشان چہرہ لیے بیٹھی نظر آئیں۔ عفاف نے کمرے کی طرف دوڑ لگادی۔ روشاف اور ماما جان نے ایک دوسری کو حیران نظروں سے دیکھا تو روشاف عفاف کے پیچھے اندر کی طرف چل دی۔ عفاف نے جلدی سے اپنے کمرے میں پہنچ کر پیسے لیے اور باہر کی طرف دوڑی۔

"عفاف!" روشی نے اسے باہر کی طرف دوڑتے دیکھ کر آواز دی۔

"آئی!" وہ باہر چل دی۔ ڈرائیور کو فارغ کرکے دروازہ لاک کیا اور لان کی طرف چل آئی۔ جہاں روشاف واپس آچکی تھی اور ماما جان سخت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"یہ وقت ہے تمہارے گھر آنے کا......؟ اور اگر دیر سے ہی آنا تھا تو کم از کم اطلاع ہی کردیتیں مگر نہیں...... تمہیں کیا پروا سوچا ہوگا کہ باپ تو سر پر ہے نہیں چلو اپنی من مانی کرلو۔ماں کہاں کہاں دیکھے گی۔" ماما جان کے الفاظ اس کی روح کو چیر گئے۔ مگر ان کی پریشانی بجا تھی۔ رات بھی تو کافی ہوگئی تھی اور وہ اکیلی اس وقت گھر سے باہر تھی۔ سو اپنی غلطی مانتے ہوئے سر کو جھکا گئی۔

"ماما جان! ایسے تو مت کہیں۔ عافی بچی تو نہیں ہے۔ کم از کم اس سے پوچھ تو لیں کہ کیا ہوا ہے اس کے ساتھ اور عافی تمہارا بیگ کہاں ہے؟" روشی کی بات پر ماما جان بھی چونکی تھیں۔ واقعی اس کے پاس بیگ نہیں تھا۔

"آج کالج میں میٹنگ تھی اس لیے دیر ہوگئی۔ واپسی پر مجھے کچھ شاپنگ کرنا تھی جیسے ہی میں شاپنگ بیگ لیے باہر نکلی تو دو لڑکے مجھ سے میرا بیگ اور شاپنگ بیگ چھین کر لے گئے۔ میرا سیل فون بیگ میں تھا اسی لیے آپ کو اطلاع نہیں دے سکی۔" کچھ پہلے ہی اس کی نظریں جھکی تھیں کچھ مزید جھوٹ نے جھکادیں۔

"شاپنگ پھر کسی روز بھی تو ہوسکتی تھی ضروری تھا تم آج ہی کرتیں۔ ابھی تو وہ لڑکے بیگ چھین کر لے گئے ہیں اگر خدانخواستہ......" اس سے آگے بات ان کے منہ میں ہی رہ گئی۔ "چلو شاباش اندر۔ آئندہ اتنی دیر تک باہر مت رہنا۔ لڑکیوں کی عزت بہت قیمتی ہوتی ہے۔" کہتے ہوئے ماما جان نے اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ روشی نے نظریں جھکائے کھڑی عفاف کے ماتھے پر بوسہ دیا اور اسے اندر چلنے کے لیے کہا۔

"منہ ہاتھ دھو کر آؤ میں کھانا لگاتی ہوں۔ قسم سے پریشانی میں کچھ بھی نہیں کھایا۔" عفاف اس کے پیچھے چل دی۔ کھانا خاموشی سے کھایا گیا۔ کھانے سے فارغ ہوکر عفاف اپنے کمرے میں آگئی اور جیسے ہی وضو کے بعد جائے نماز پر عشاء کی نماز کے لیے کھڑی ہوئی اس کے

ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور ٹوٹتا بھی کیوں نا! اللہ ہی وہ واحد ہستی ہے جس سے اگر ہم اپنے دکھ درد بانٹتے ہیں تو وہ ہماری پریشانیوں کو سنتا ہے۔ ہم اس کے سامنے رو کر پُرسکون ہوجاتے ہیں پھر اگر اس کی حکمت کا تقاضا ہو تو ہماری پریشانی دنیا میں ہی دور کردی جاتی ہے ورنہ آخرت میں بلندی درجات کے لیے اسے سنبھال کر رکھ دیا جاتا ہے۔ اس وقت عفاف بھی اپنے رب کے سامنے زاروقطار رو رہی تھی جس نے اپنا سب کچھ اسی رب کے نام پر قربان کردیا تھا۔ اسی رب کے واسطے پر اپنی زندگی داؤ پر لگادی تھی۔ خوب رو کر جب دل کا غبار نکل گیا تو اس نے اپنے لیے استقامت کی دعا مانگی اور جائے نماز تہہ کرکے بستر پر آگئی۔ ماما جان اور روشاف ایک ہی کمرے میں سوتے تھے جب کہ عفاف ان کے ساتھ والے کمرے میں..... مگر رات کو دونوں کمروں کے دروازے کھلے رہتے۔ پہلے عفاف بھی ماما جان ہی کے کمرے میں سوتی تھی مگر ماما جان کی بے رخی کے سبب پڑھائی کا بہانہ کرکے وہ اپنے اور روشاف کے مشترکہ کمرے میں سونے لگی جب کہ روشاف ماما جان کی خراب طبیعت کے باعث ان کے پاس سونے لگی وہ ساری رات عفاف نے جاگ کر گزاری۔ دل کے اندر کا خوف اسے چین نہیں لینے دے رہا تھا۔ اگر رانیہ نے آج کا سارا قصہ تائی جان کو سنا دیا تو پھر کیا ہوگا۔ اسی "پھر کیا ہوگا" پر آکر اس کی سوچوں کو بریک لگ جاتے۔ روشان کو اس نے خود ہاتھوں سے کھویا تھا مگر اسے کھونے کے بعد اس پر یہ الزام لگتا کہ وہ اسے آج پھر سے اپنے پیچھے بلا رہی تھی تو کیسے وہ یہ الزام سہہ پاتی۔ اپنے جذبات اپنے احساسات اپنی خوشیوں کا جو خون اس نے کیا تھا اس کے باوجود بھی اگر اسے رسوائی ملتی تو پھر خود کیسے جی پاتی۔ رات جاگ کر گزارنے کے بعد اس کی صبح آنکھیں سرخ تھیں۔ فجر کی نماز کے بعد وہ تیار ہوکر نیچے ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ روشاف ناشتے کی تیاری میں لگی ہوئی تھی اور ماما جان ڈرائنگ روم میں ہی ایک کاؤچ پر وظائف میں مشغول تھیں۔

"ہیپی برتھ ڈے روشاف....." عفاف نے روشی کو پیچھے سے جالیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بہت خوب صورت سفید چمک دار کاغذ میں لپٹا تحفہ تھا اور ساتھ میں ایک کارڈ تھا۔

"شکریہ عافی۔" جواباً روشاف نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ دونوں کی چہکتی آوازوں نے ماما جان کو وظیفہ روک کر ان کی طرف دیکھنے پر مجبور کردیا۔ روشی نے پراٹھا توے سے اتار کر چولہا بند کیا۔ ناشتا تیار تھا وہ ٹرے میں رکھنے لگی۔

"روشی! اگر آج میں تم سے کچھ مانگوں تو کیا مجھے دو گی؟" عفاف کے ہاتھوں میں لرزش تھی وہ نظریں جھکا گئی۔ روشی حیران سی عفاف کی طرف مڑی۔

"تمہیں کیا چاہیے عافی! تمہارے لیے تو میری جان بھی حاضر ہے۔" عفاف کی سنجیدگی نے روشاف کو حیران کردیا۔

"روشاف مجھے ایک فیصلے کا اختیار دے دو مجھے ایک کوشش کرلینے دو صرف ایک کوشش کی! اگر اللہ نے چاہا تو تم مایوس نہیں ہوگی...... مجھے معلوم ہے تمہیں خدشہ ہے کہ جو لڑکی اپنے بارے میں صحیح فیصلہ نہیں کرسکی وہ دوسروں کے بارے میں کوئی فیصلہ یا رائے کیسے دے سکتی ہے مگر میں تم سے ایک اجازت کی بھیک مانگتی ہوں۔ کیا دے سکو گی؟" یہ کہتے ہوئے عفاف نے روشاف کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔ آنکھوں میں التجا تھی روشاف اسے منع کرنا چاہتی تھی بہت سختی سے تاکہ وہ آئندہ ایسی بات نہ کہہ سکے۔ مگر اس کی آنکھوں میں ایسا کچھ تھا جس نے روشاف کا دل پگھلا دیا وہ بولی تو لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

"عفاف! تم رد کیے جانے کا دکھ نہیں جانتیں اس عمل میں بہت اذیت ہوتی ہے مگر تمہاری خوشی کی خاطر میں یہ اذیت بھی سہہ لوں گی جاؤ خوش ہوجاؤ۔"

"اچھا! اب اپنا تحفہ تو کھول کر دیکھ لو۔" اس کی آمادگی پر عفاف پُرسکون ہوگئی تھی اور ناشتے کی ٹرے اٹھا کر ڈائننگ ٹیبل کی طرف چل دی۔ روشاف نے ہاتھ دھو کر تحفہ اٹھایا اور ماما جان کی طرف چلی آئی۔

"ماما جان! میرا تحفہ دیکھیں۔" روشاف نے اوپری

کاغذ اتارتے ہوئے کہا۔ اندر سفید اور آسمانی رنگ کے امتزاج میں ایک بہت خوب صورت سوٹ تھا۔
"عفاف! یہ تو تم اپنے لیے لائی تھیں اور تمہیں یہ بہت پسند بھی تھا پھر مجھے کیوں دیا؟" روشی حیرت سے چلائی۔
"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مومن وہ ہے جو اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند کرے جو وہ اپنے لیے کرتا ہو۔ میں نے سوچا چلو میں بھی مومنوں کی لسٹ میں اپنا نام شامل کروالوں۔" عفاف ہنستے ہوئے بولی۔
"تمہارا نام تو سرفہرست آنا چاہیے بلکہ اگر انتساب بھی تمہارے ہی نام ہو تو کیا بات ہے۔" ماما جان کی بات نے عفاف اور روشاف کے ہنستے چہروں کے تاثرات بدل دیے۔ عفاف سنجیدگی سے ناشتے کی طرف متوجہ ہوگئی جب کہ روشاف سوٹ تہہ کرنے لگی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر عفاف ہینڈ بیگ اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"گاڑی ورک شاپ سے واپس کب تک آئے گی؟" ماما جان شاید عفاف سے ہی مخاطب تھیں مگر انہوں نے نام لینے کی زحمت گوارا نہیں کی۔
"گاڑی زیادہ پریشان کررہی ہے۔ میں نے انکل سعید (ورکشاپ کے مالک) سے کہا ہے کہ اسے بیچ دیں۔ ہم اسے افورڈ نہیں کرسکتے۔"
"کتنا خرچ آرہا ہے اس پر......؟" اگلا سوال آیا۔
"انکل نے بیس ہزار کا موٹا موٹا خرچا گنوایا تھا۔ اس سے زیادہ بھی لگ سکتے ہیں، کچھ کہا نہیں جاسکتا۔" عفاف حیران تھی کہ ماما اتنے سوال جواب کیوں کررہی ہیں۔
"روشاف! میری چیک بک لاؤ۔" روشی چیک بک لانے کے لیے چلی گئی۔
"یہ پچیس ہزار کا چیک ہے۔ سعید سے کہو جتنی جلدی ہوسکے گاڑی ٹھیک کردے اور تم آج کے بعد دیر سے گھر نہیں آؤ گی۔ جتنا کام بھی ہو چار بجے واپسی ہونی چاہیے۔" ماما جان کا لہجہ بہت سخت سہی مگر اس کے پیچھے چھپی محبت عفاف کی آنکھوں میں آنسو لے آئی۔ دل چاہا ماں سے لپٹ جائے مگر ہائے افسوس! اپنی جنت کو خود اس نے ہی اپنے ہاتھوں سے دور کیا تھا۔
"جی!" وہ اپنے آنسو چھپاتی ہوئی باہر کی طرف نکلی۔
کالج پہنچ کر ابھی تیسرا پیریڈ ہی اٹینڈ کرپائی تھی کہ پیون نے اسے پرنسپل کا بلاوا دیا تو وہ جو بچوں کو پریکٹیکل کروا رہی تھی کوفت زدہ سی آفس کی طرف چل دی۔ دستک دے کر اندر داخل ہوئی۔
"بھئی عفاف! اتنی بھی کیا بے رخی؟ آپ کی والدہ کی طبیعت ٹھیک نہیں اور آپ کالج آگئیں؟ آپ مجھے فون کرکے بتادیتیں، میں کیا آپ کو کالج سے فارغ کردیتی؟" پرنسپل صاحبہ ہنستے ہوئے بولیں تو عفاف نے انہیں حیران نظروں سے دیکھا۔ تبھی اس کی نظریں میڈم کے دائیں ہاتھ پر صوفے پر بیٹھے بندے پر پڑیں تو جیسے ساری سلجھ گئی، بے اختیار اس کے منہ سے ٹھنڈی سانس نکلی۔
"بیٹا! میں غیر ضروری چھٹی کے خلاف ہوں مگر ضرورت پڑنے پر آپ چھٹی لے سکتی ہیں۔ آپ جائیں، آپ کے کزن آپ کو لینے آئے ہیں۔" کچھ کہنے سننے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ عفاف نے پیون سے کہہ کر اپنا ہینڈ بیگ لیب سے منگوایا اور روشان کے پیچھے چل دی اور فرنٹ سیٹ پر خاموشی سے آکر بیٹھ گئی گویا یہ اس کا معمول رہا ہو۔ روشان اسے ہوٹل میں لے آیا۔ دونوں کے درمیان بالکل خاموشی تھی۔ روشان نے ویٹر کو آرڈر دیا۔
"عفاف! میں چاہتا ہوں کہ اب تمہاری رخصتی کروالوں اور تمہیں اس لیے بتارہا ہوں کہ تم اپنے آپ کو تیار کرلو۔" روشان نے عفاف کی خاموشی سے تنگ آکر اپنا مدعا بیان کیا۔ عفاف نے بہت صبر اور سکون سے اس کی بات سنی تھی۔
"مسٹر روشان احمر! اگر میں ہی رخصتی نہ چاہوں تو......؟" اس نے سوالیہ نظروں سے روشان کو دیکھا۔
"عفاف! دیکھو میرے پاس الحمدللہ سب کچھ ہے۔ دولت، عزت، گاڑیاں، بنگلے، بینک بیلنس میں آرام سے دو بیویاں افورڈ کرسکتا ہوں۔ میں رانیہ سے الگ رکھوں گا تمہیں......بس ایک بار تم مان جاؤ۔ پلیز!" روشان نے

میز پر دھرے عفاف کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھے اور عفاف کو اپنے ساتھ کا احساس دلانا چاہا۔

”یہی تو مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا روشان احمر کہ تمہارے پاس ہر چیز ہے پھر تمہیں میری کیا ضرورت؟ سب کچھ تو ہے تمہارے پاس‘ تمہاری بیوی......!“ عفاف کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔

”سکون نہیں ہے میرے پاس عفاف! سکون......اور جس بیوی کا احساس تم مجھے بار بار دلاتی ہو اسے میرا بالکل احساس نہیں ہے۔ اسے تو شاید اپنا بھی احساس نہیں۔“ روشان نے عفاف کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو اپنے بالوں میں پھنسا لیا۔

”تم کیوں نہیں دلاتے اسے اپنی موجودگی کا احساس؟“ عفاف زچ ہوئی۔

”کیا احساس دلاؤں اسے......تمہارے مجبور کرنے پر میں نے پورے خلوص سے اسے اپنایا تھا مگر جانتی ہو اس نے پہلی رات میرا مذاق کیسے اڑایا؟ گھونگھٹ اٹھا کر وہ ہنستی گئی کہ روشان احمر تم تو عفاف کے منتظر تھے۔ دیکھو آج تمہاری سیج پر کون ہے۔ میں نے برداشت کیا۔ چھ ماہ تک اس کا ویزا نہیں لگ سکا‘ وہ ہمیشہ مجھے فون پر کہتی۔ روشان میں جانتی ہوں تم میرا ویزا کیوں لیٹ کر رہے ہو۔ تم مجھے اپنے پاس بلوانا نہیں چاہتے تاکہ عفاف کی یادوں کے ساتھ زندہ رہ سکو۔ میں پھر بھی خاموش رہا۔ اس نے ماما پاپا کے ساتھ برا سلوک کیا‘ وہ میری خاطر خاموش رہے۔ پچھلے تین برسوں میں وہ تین بار ابارشن کروا چکی ہے کہ وہ میری اولاد کو جنم نہیں دینا چاہتی۔ وہ سارا سارا دن باہر گزارتی ہے اور کبھی کبھی رات بھی...... ماما پاپا نے اس کے اطوار دیکھ کر مجھے پاکستان شفٹ ہونے کے لیے کہا‘ وہ خود بھی پاکستان شفٹ ہونا چاہ رہے ہیں تاکہ ہم اکٹھے رہ سکیں‘ جو مجھے ناممکن لگتا ہے۔ تم رانیہ کا لباس دیکھو وہ کہیں سے شریف اور باحیا عورت لگتی ہے؟ وہ نفسیاتی مریضہ ہے۔ اگر میں نے تمہیں چاہا‘ تمہیں یاد کیا تو کیا غلط تھا؟ تم میری منکوحہ تھیں مگر وہ مجھے تمہارے حوالے سے ایسے طعنے دیتی ہے جیسے خدانخواستہ میرے تم سے ناجائز تعلق ہوں اور خود وہ پاک و باحیا ہے۔ جو اکثر کلب کے ڈانسنگ فلور پر نشے میں دھت پائی جاتی ہے۔ میں تھک گیا ہوں عفاف! مجھے سمیٹ لو۔ ورنہ میں ٹوٹ جاؤں گا۔“ عفاف کا دل چاہا اسے سمیٹ لے کچھ اور نہیں تو تسلی کے چند حرف ہی کہہ ڈالے مگر اس کی زبان جیسے تالو سے چپک کر رہ گئی۔ وہ کہتی بھی تو کیا‘ وہ تو خود بے بس تھی۔ ویٹر سرو کر کے جا چکا تھا مگر دونوں نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا۔

”مجھے دیر ہو رہی ہے‘ میرا خیال ہے مجھے چلنا چاہیے۔“ روشان جو منتظر تھا کہ عفاف اس کی دل جوئی کرے گی اس کے منہ سے نکلے الفاظ پر حیران رہ گیا۔

”عفاف! بہت پچھتاؤ گی تم...... جب میں نہ رہوں گا۔“ عفاف نے تڑپ کے روشان کی طرف دیکھا اور فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا مبادا وہ کچھ اور ہی نہ بول جائے۔ پھر جیسے ہی اسے احساس ہوا کہ وہ کچھ غلط کر بیٹھی ہے۔ اس نے ہاتھ ہٹا لیا مگر اس کی آنکھوں کی تڑپ روشان دیکھ چکا تھا۔

”فضول نہیں بولتے‘ اللہ جانے کون سا وقت قبولیت کا ہو اور تم تو ہو بھی اکلوتے......! اور کچھ نہیں تو اپنے ماں باپ کا ہی سوچ لو۔“ عفاف اپنی خفت مٹاتے ہوئے بولی۔

”عفاف! کیا تم اپنے خدشے مجھے نہیں سونپ سکتیں؟“ روشان بولا تو اس کے لہجے میں مان تھا۔ عفاف بہت تھک چکی تھی۔ دل چاہا بکھر جائے‘ روشان کے کندھے پر سر رکھ کر رو دے‘ اسے سب بتا دے مگر اسے پلٹنا تھا۔ سو وہ پلٹ گئی۔

❀......☆......❀
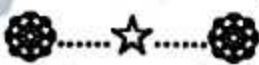
شیر افگن کا شمار ایمان دار سرکاری افسروں میں ہوتا تھا‘ اسی لیے وہ زیادہ نہیں کما سکے۔ بس اتنا کر سکے کہ اپنے بچوں کو ان کے پاؤں پر کھڑا کر دیا۔ ان کے تین بچے تھے۔ سب سے بڑے شمشیر علی‘ پھر گل زریں اور آخر میں گل شیر علی۔ ان کی والدہ حیات نہیں تھیں۔ شمشیر کی شادی ان کی خالہ زاد فردوس بیگم سے ہوئی تھی جو کہ ایک اونچے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ جس کا انہیں بہت غرور بھی تھا۔ گل

زریں کی شادی شیر افگن کے ایک دوست کے بیٹے سے ہوئی تھی۔ ان کا سارا خاندان امریکا میں رہائش پذیر تھا۔ احمر پاکستان اپنے ایک دوست کی شادی میں شرکت کرنے کے لیے پاکستان آیا تھا' جہاں گل زریں کو دیکھ کر اسے اپنانے کا فیصلہ کیا اور یوں گل زریں شادی کے بعد باہر چلی گئیں۔ رہے گل شیر' تو وہ اپنی مرضی سے شادی کے خطاوار ٹھہرے۔ مشکوٰۃ کے والدین وفات پاچکے تھے اور وہ اپنے چچا' چچی کے پاس رہتی تھی جن کے اور بھی کئی بچے اور ڈھیر سارے مالی مسائل تھے۔ گل شیر نے انہیں یونیورسٹی میں دیکھا اور اپنے والد سے ضد کر کے مشکوٰۃ کو اپنا لیا مگر مشکوٰۃ کو کبھی بھی اپنے سسرال میں وہ اہمیت نہ مل سکی جو فردوس کو حاصل تھی کہ ان کے پیچھے ایک مضبوط گراؤنڈ تھا' جو انہیں سپورٹ کرتا تھا جب کہ مشکوٰۃ کے تو صرف چچا' چچی تھے جنہوں نے اس کی رخصتی کے بعد اسے پوچھا تک نہ تھا۔ مشکوٰۃ کے والدین اچھے کھاتے پیتے لوگ تھے مگر وقت نے انہیں زیادہ مہلت نہیں دی۔ والدین کی طرف سے ملنے والی جائیداد کا ایک حصہ مشکوٰۃ نے چچا' چچی کو دے دیا اور باقی نیک نیتی سے اللہ کے بعد گل شیر کے حوالے کر دیا۔ گل شیر تدریس کے محکمے سے منسلک تھے مگر شادی کے بعد انہوں نے اپنا کاروبار شروع کر دیا' جس میں اللہ نے برکت دی اور بعد میں شمشیر بھی گل شیر کے ساتھ مل گئے۔ گل شیر صاحب دل کے اچھے انسان تھے' انہوں نے بھائی کو ہمیشہ مقدم رکھا۔ شمشیر صاحب کی بڑی اولاد انعام تھا۔ فردوس بیگم نے آٹھ سال کی عمر میں ہی جرمنی اپنے بڑے بھائی کے پاس بھیج دیا تا کہ وہ اچھے ماحول میں تربیت پا سکے۔ انعام سے چھوٹی تانیہ تھی۔ انعام اور تانیہ میں صرف گیارہ ماہ کا فرق تھا جب کہ رانیہ' شمشیر اور فردوس بیگم کی سب سے چھوٹی اولاد تھی۔ رانیہ اور تانیہ میں سات سال کا فرق تھا۔ جس کی وجہ سے رانیہ ماں باپ دونوں کی بے حد لاڈلی' ضدی اور سرچڑھی اولاد تھی۔ گل شیر اور مشکوٰۃ کو اللہ نے شادی کے چار سال بعد روشاف دی۔ عفاف روشاف سے دو سال چھوٹی تھی جب کہ گل زریں کا صرف ایک بیٹا روشان تھا۔ شیر افگن روشاف کی پیدائش تک زندہ رہے اور ان کی نصیحت کے مطابق دونوں بھائی ایک ہی گھر میں اکٹھے رہے اگرچہ گل شیر نے اپنا گھر بنا لیا تھا مگر اسے کرائے پر دے دیا کہ انہیں اپنے بھائی سے بہت پیار تھا۔

روشاف کی پیدائش مشکوٰۃ کی شادی کے چھ سال بعد ہوئی تھی' یہ عرصہ مشکوٰۃ نے تانیہ کو پیار دیتے ہوئے گزارا۔

فردوس بیگم کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔ ان کو اپنی مصروفیات سے کم ہی وقت ملتا تھا کہ وہ گھر اور بچوں کو دیکھ سکیں۔ ان کی ان ہی مصروفیات نے انعام کو بھی ضدی بنا دیا۔ دوسرا مشکوٰۃ کی شکل میں انہیں گھر سنبھالنے والی ملازمہ بھی مل چکی تھی لہٰذا وہ گھر سے بے فکر ہو گئیں۔ جس کے سبب تانیہ چچی کے قریب ہو گئی۔ مشکوٰۃ اگرچہ ایک پڑھی لکھی لڑکی تھی مگر اس کا حلقہ احباب زیادہ وسیع نہ تھا کیونکہ ہر طرف فردوس بیگم کی دھوم تھی۔ ایسے میں فردوس' مشکوٰۃ کو خوب خوب طنز کا نشانہ بناتیں جب بھی انہیں اکٹھے کہیں جانا پڑتا۔ نتیجتاً مشکوٰۃ اس جگہ جانے سے پہلے سو سو دفعہ سوچتی جہاں اسے فردوس بیگم کی موجودگی کا خدشہ ہوتا۔ تاہم گھر میں فردوس بیگم ایسے نارمل رہتیں' جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو دونوں کے درمیان...... مگر ان کے اندر مشکوٰۃ کے خلاف بہت زہر تھا۔ تانیہ' مشکوٰۃ سے زیادہ قریب تھی۔ ماں کی بے توجہی نے چچی کو اس کا آئیڈیل بنا دیا' کچھ ہی عرصے بعد روشاف چچی کی گود میں آئی تو تانیہ کا زیادہ وقت بھی چچی کے ساتھ گزرنے لگا۔ فردوس بیگم نے لاکھ چاہا کہ تانیہ کو دیورانی سے دور رکھیں مگر وہ ایسا نہ کر سکیں' اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سب سے چھوٹی رانیہ کو انہوں نے اپنی زیر نگرانی رکھا اور جان بوجھ کر اسے تانیہ سے زیادہ اہمیت دی شاید کہ تانیہ پلٹ آئے مگر ایسا نہیں ہو سکا۔ انعام بہت ضدی طبیعت کا بچہ تھا' اس لیے انہوں نے چھوٹی عمر میں ہی اسے باہر بھیج دیا تھا۔ مشکوٰۃ نے اپنی دونوں بیٹیوں کی تربیت بہت اچھے طریقے سے کی' وہ تھیں بھی ماں کا عکس! خوب صورت' ذہین' رکھ رکھاؤ والی۔ یہی اثر تانیہ پر بھی ہوا مگر رانیہ' تانیہ سے بالکل الٹ تھی۔ گل شیر اگر مشکوٰۃ کو اپنی

خوش قسمتی سمجھ کر اسے اہمیت دیتے تھے تو فردوس بیگم جل کر راکھ ہوجاتیں اور دوسری طرف رانیہ کو عفاف کا وجود ناگوار لگتا۔ دونوں کی پیدائش میں دو دن کا فرق تھا۔ عفاف دو دن بڑی تھی' مگر وہ دونوں لباس' خوراک' پسند و ناپسند اور مزاج میں ایک دوسرے سے بہت متضاد تھیں اس کے باوجود رانیہ کو ہر وہ چیز چاہیے ہوتی جو عفاف کو پسند آتی یا اس کے لیے لائی جاتی۔ چاہے اسے لینے کے بعد وہ توڑ پھوڑ کے پھینک دے مگر چاہیے عفاف ہی کی چیز...... اسکول میں اگر کسی نے عفاف کی تعریف کردی تو گھر آ کر ہنگامہ۔ عفاف نے پوزیشن لی تو دو دن کے لیے رانیہ کا کمرا بند۔ ہر کسی سے قطع تعلق۔ عفاف حتیٰ الامکان کوشش کرتی کہ گھر میں امن رہے مگر رانیہ کی ضد اس کے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیتی۔ رانیہ کی یہی حرکتیں مشکوٰۃ کو پریشان کیے رکھتیں۔ انہوں نے گل شیر پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ اپنے گھر میں شفٹ ہوجائیں۔

اولاد کی محبت اپنی جگہ' مگر گل شیر نے ایسا کرنا گوارا نہ کیا' ورنہ قطع تعلقی کا الزام ان کے سر آتا اور گھر کا تبدیل کرنا' کاروبار علیحدہ ہونا' نفرتوں میں اضافے کا سبب بنتا اور بھائی بھائی سے کٹ جاتا۔ اس لیے وہ نرمی سے عفاف کو سمجھاتے کہ رانیہ کو نظر انداز کردے مگر مشکوٰۃ اپنی بیٹی کو ایسے اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشات قربان کرتے دیکھتی تو تڑپ کر رہ جاتی۔

"گل شیر! یہاں سے چلیں' ایسا نہ ہو رانیہ کے اندر کی آگ عفاف کو اپنے گھیرے میں لے لے۔" وہ ممتا کے جذبے سے مغلوب ہو کر اکثر گل شیر سے کہتیں۔

"مشکوٰۃ! میرے پاس ایک بھائی کا ہی رشتہ ہے۔ باپ چل بسا' بہن بہت دور ہے' میں اپنے بھائی کو نہیں کھو سکتا۔ دوسرے گھر میں شفٹ ہونے کا کیا جواز بناؤں گا؟ رہی بات رانیہ کی' تو وہ ابھی بچی ہے' اس لیے تنگ کررہی ہے' بڑی ہوگی تو سدھر جائے گی۔ نہ بھی سدھری تو میری بیٹی بہت صبر والی ہے۔" انہیں عفاف کے حوصلے پر بہت مان تھا۔ وہ عفاف کو سمجھاتے ہوئے اسے کہتے۔

"عافی! تمہاری ماما چاہتی ہیں کہ ہم الگ گھر میں شفٹ ہوجائیں تمہارے سبب۔ کیا تم مجھے میرے بھائی سے جوڑ نہیں سکتیں' اپنے صبر کے ذریعے؟"

یہ نہیں تھا کہ گل شیر کو اولاد سے پیار نہیں تھا مگر وہ اپنے بھائی سے الگ ہونا نہیں چاہتے تھے کہ وہی تو دنیا میں ایک رشتہ بچا تھا ان کے پاس۔ پھر بھائی کے احسانات بھی تھے۔ بابا جان کے ساتھ مل کر بھائی نے ان کی تربیت کی تھی۔ جاب دلانے میں مدد کی پھر جب انہوں نے اپنا کاروبار شروع کیا تو بھائی صاحب ہی نے ان کی مدد کی پھر اتنے احسانات کے بعد وہ انہیں کیسے چھوڑ سکتے تھے۔ باپ کی بات سن کر عفاف حوصلے سے مسکرا دیتی۔

"بابا جان! میری پوری کوشش ہوگی کہ میری وجہ سے آپ کے اور تایا جان کے درمیان کوئی رنجش نہ آئے۔" اور گل شیر عفاف کے الفاظ سن کر فخر سے مشکوٰۃ سے کہتے۔

"دیکھو! مشکوٰۃ! عفاف میری بیٹی ہے۔"

❁......✥......❁

تانیہ ماسٹرز کرچکی تھی اور مختلف کورسز کررہی تھی کہ جب اس کی خالہ کے بڑے بیٹے کا اس کے لیے رشتہ آیا۔ جو خوشی خوشی قبول کرلیا گیا۔ ان دنوں عفاف اور رانیہ ایف ایس سی جب کہ روشاف بی ایس سی کے پیپرز دے کر فارغ ہوئی تھیں۔ جب گھر میں تانیہ کی شادی کے شادیانے بجے۔ گل زریں بھی بطور خاص اپنے میاں اور بیٹے کے ساتھ "شیر افگن ہاؤس" میں قیام پذیر ہوئیں۔

"تانی آپا! ذرا مجھے دیکھ کر بتائیں میں کہیں سے دلہن کی بہن لگ رہی ہوں؟" عفاف زور سے بولتی ہوئی تانیہ آپا کے کمرے میں داخل ہوئی جو مایوں کے پیلے سوٹ میں پھولوں کے گجرے پہنے بہت دلکش لگ رہی تھیں۔

"کیوں' کس نے کہا میری گڑیا کو کہ وہ میری بہن نہیں لگ رہی؟" تانیہ کے چہرے پر مدہم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کہا تو کسی نے بھی نہیں اور نہ ہی کسی کی مجال ہے کہ عفاف گل شیر کو کوئی کچھ کہے۔ مسئلہ ماما جان کا ہے' صبح سے مجھے کچن میں گھسا رکھا ہے۔ آج میں نے اتنی بار

چائے بنائی ہے کہ مجھے چائے سے ہی چڑ ہونے لگی ہے۔“
وہ پھولے منہ کے ساتھ تانیہ کے پاس بیڈ پر گر گئی۔
”عفاف! اِدھر آؤ۔“ اسے ماما جان کی آواز کمرے ہی سے سنائی دی تو وہ فوراً ہراساں سی اٹھ بیٹھی۔ ماما جان نے ابھی کچھ دیر پہلے ہی اسے چائے بنانے کے لیے کہا تھا اور عفاف یہ کام ماسی کے ذمے لگا کر تانیہ آپا سے شکایت کرنے آ گئی تھی۔
”جی ماما جان!“ وہ فوراً سیدھی ہوئی۔ ”وہ میں ابھی چائے کا پانی چولہے پر چڑھا کر آ رہی ہوں۔“ سب کے سامنے درگت بننے کا خیال ہی سوہان روح تھا اس لیے فوراً بول پڑی۔
”میں چائے کے لیے تھوڑا ہی کہہ رہی ہوں۔ اِدھر آؤ۔“ عفاف ماما کی طرف مڑی جو تانی آپا کے کمرے میں موجود سیٹھی پر ایک باوقار سی خاتون کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ ان سے کچھ فاصلے پر کشن پر ایک ہینڈسم بندہ بیٹھا تھا۔ عفاف نے فوراً کندھے پر موجود دوپٹے کو کھول کر اچھی طرح پھیلا لیا اور ماما کی طرف بڑھی۔
”گل! یہ میری چھوٹی بیٹی ہے عفاف!“ وہ باوقار خاتون فرطِ محبت سے اٹھ کر عفاف کو گلے لگانے لگیں۔
”آنٹی! میرے کپڑوں سے ناگوار مہک آ رہی ہے۔ میں نے آج سارا دن کچن میں گزارا ہے۔“ عفاف نے انہیں روکنا چاہا تو انہوں نے ہنستے ہوئے اسے خود میں بھینچ لیا۔ عفاف کی بات نے کشن پر بیٹھے لڑکے کو بے تحاشا ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ جس پر عفاف خفت سے آنٹی کے سینے میں سر چھپا گئی۔
”عافی! بیٹا یہ تمہاری پھوپو ہیں۔ گل زریں!“
”مجھے تو اپنی بیٹی کے پاس سے کوئی مہک نہیں آ رہی۔“ پھوپو عفاف کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے بولیں۔
”مشکوٰۃ! تمہاری کلاس لینی چاہیے۔ بچی کو کچن میں گھسا رکھا ہے اور اسے انجوائے بھی نہیں کرنے دے رہیں؟“ پھوپو امی سے مخاطب ہوئیں جو عفاف کی شکایت پر خفت سے مسکرا رہی تھیں۔

”تو اور کیا‘ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں ماسی ہوں۔“ عفاف نے ذرا سی شہ پا کر فوراً ماما جان کو ان کی زیادتی کا احساس دلایا۔
”میری شادی پہ تم ماسی بن گئی ہو‘ تمہاری دفعہ میں بن جاؤں گی‘ حساب برابر!“ تانی آپا نے ہنستے ہوئے کہا۔
”جی نہیں‘ اب میں آپ سے ایسے کام بھی نہیں لوں گی۔ آپ نے مجھے ایسا سمجھ رکھا ہے کیا؟“ عفاف فوراً خفا ہوئی۔
”ماما! میرا تعارف بھی تو کروائیں۔“ کشن پر بیٹھے لڑکے کی آواز آئی تھی۔
”عفاف بیٹا! یہ میرا بیٹا روشان اور آپ کا بھائی ہے۔“ انہوں نے اپنے بیٹے کا تعارف کروایا تو روشان نے ”ہیلو“ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ عفاف کی طرف مصافحہ کے لیے بڑھایا۔
”السلام علیکم اور سوری! میں لڑکوں سے ہاتھ ملانا پسند نہیں کرتی۔“
”بہت خوب‘ کیا کرتی ہو تم؟“ عفاف کو بُرا لگا مگر اس نے آپ جناب کا تکلف ہی نہیں کیا تھا۔ سیدھا ”تم“ کہا۔ روشان کا پہلا تاثر ہی بُرا پڑا تھا۔ عفاف کا منہ بن گیا تو سنجیدگی سے جواب دیا۔
”ایف ایس سی کا ایگزام دیا ہے۔“
”عفاف!“ باہر سے بابا جان کی آواز آئی تھی تو عفاف باہر کی طرف لپکی کہ اندر آتی رانیہ سے ٹکرا گئی۔
”آہ!“ رانیہ کراہی۔ ”عفاف! نہیں بچو گی میرے ہاتھ سے۔“ عفاف کا کندھا رانیہ کے کندھے سے ٹکرایا تھا۔ عفاف بھاگتی ہوئی تانیہ کے بیڈ کی طرف آئی اور رانیہ پیچھے پیچھے۔ ماما جان بے چینی سے اپنی جگہ سے اٹھی تھیں۔
”رانیہ! اگر تم مجھے پکڑ لو تو سوچو تے آرام سے کھا لوں گی اور اف بھی نہیں کروں گی۔“ رانیہ کو اپنے پیچھے لپکتے دیکھ کر عفاف چیخی تھی۔
”چڑیل! تم بھاگتی ہی اتنا تیز ہو۔ جاؤ چھوڑا تمہیں۔“ عفاف نے رانیہ کو چکرا دیا اور دروازے کی

طرف لپک گئی۔ عفاف کو ہاتھوں سے نکلتا دیکھ کر رانیہ وہیں رک گئی جب کہ عفاف ہنستی ہوئی باہر نکل گئی۔ رانیہ چچی کی طرف بڑھی۔

"چچی! عفاف کو سمجھالیں ورنہ وہ میرے ہاتھ سے نہیں بچے گی۔"

"رانی! اتنا غصہ نہیں کرتے۔ وہ بھاگتی ہوئی باہر جارہی تھی تو تم بھی اندھا دھند اندر آرہی تھیں۔ دونوں برابر کی قصوروار ہو۔ اچھا چھوڑو ان سے ملو یہ تمہاری پھوپو ہیں۔ گل زریں!" پھوپو نے اس آفت لڑکی کو پیار سے دیکھا مگر نظروں میں ابھی بھی الجھن تھی۔ انہوں نے رسمی سے انداز سے رانی کو پیار کیا۔ "اور یہ روشان ہے، گل پھوپو کے اکلوتے جاں نشین" سابقہ تجربے کو مدِنظر رکھتے ہوئے روشان نے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا یہ کام رانیہ نے خود کردیا۔

"ہیلو روشان!" روشان نے ہنستے ہوئے رانیہ کا ہاتھ تھاما تھا۔

"ہیلو......" اور رانیہ کا دل اس کی خوب صورت مسکراہٹ میں اٹک گیا۔

❁......✥......❁

تانیہ کی شادی ہر لحاظ سے اچھی رہی۔ روشان کی نظریں اگر عفاف کا طواف کررہی تھیں تو رانیہ کی نظریں روشان کا اور شادی کے اختتام تک روشان عفاف کو اپنانے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ موم کی طرح نازک، کسی دیوی کی طرح حسین اور ہنس مکھ مگر اپنی تمام تر خوب صورتی سے زیادہ اس کی حفاظت کرنے والی۔ اپنے نام کی طرح عفیف پاکیزہ اور یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ روشان کی نظریں دیوانہ وار عفاف کی طرف نہ اٹھتیں اور وہ بے خبر رہتی۔ "عورت کی چھٹی حس مردوں کے لیے بہت حساس ہوتی ہے۔ اپنی طرف اٹھنے والی نظر کو عورت بہت اچھے طریقے سے پہچان لیتی ہے کہ وہ ستائش کے لیے اٹھی ہے یا ناگواری کے لیے، پاکیزگی کے جذبے سے اٹھی ہے یا کسی برائی کے تحت، یہ قدرتی الارم اللہ تعالیٰ کا عورت کے لیے بہت بڑا تحفہ ہے مگر ہر عورت اس کی قدر نہیں کرپاتی۔ روشاف، رانیہ دونوں روشان سے بے تکلف ہوچکی تھیں۔ مگر عفاف کو ایک جھجک سی رہتی۔ اس نے کئی بار روشان کو اپنی طرف مسلسل دیکھتے پاکر گھورا مگر بجائے شرمندہ ہونے کے روشان کورنش بجالاتا، گویا عفاف کا اسے دیکھنا اس کے لیے بہت بڑا اعزاز تھا۔ تانیہ کے ولیمے کے اگلے روز ہی گل زریں نے گل شیر کے آگے عفاف کے لیے دست سوال دراز کردیا۔ گل شیر صاحب کے لیے اس سے بڑھ کر خوش قسمتی کی بات کیا ہوسکتی تھی کہ بہن سے ناتا جڑ جاتا اور دوسری طرف روشان کو رد کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں تھی۔ خوب صورت، گوراچٹا، اچھے خاندان کا چشم وچراغ، اکلوتا اور صاحب جائیداد بھی۔ اسی لیے انہوں نے فوراً ہاں کہہ دی۔ بڑوں کا ارادہ صرف منگنی کرنے کا تھا مگر روشان نے تو جیسے ایک رٹ ہی لگالی تھی کہ "نکاح ہوگا" ساری نوجوان پارٹی نے عفاف کو جالیا۔ صرف ایک رانیہ تھی جو کمرے میں بند تھی۔ آخرکار روشان کا مطالبہ تسلیم کرلیا گیا۔ گویا روشان کی امید برآئی اور اس نے عفاف کے جملہ حقوق اپنے نام کروالیے۔ رخصتی دوسال بعد ہونا تھی تاکہ روشاف و عفاف دونوں کو ایک ساتھ رخصت کیا جاسکتا۔ روشان اور اس کے والدین کی واپسی نکاح سے اگلے دن تھی۔ جانے سے پہلے روشان نے عفاف کو سونے کے کنگن پہنائے اور اسے تاکید کی کہ کبھی ان کو نہ اتارے۔

روشان کے جانے کے کچھ ہی دنوں کے بعد یکے بعد دیگرے روشاف، عفاف اور رانیہ کا رزلٹ آگیا۔ تینوں کی پہلی پوزیشن تھی۔ فردوس بیگم، شمشیر و گل شیر سب نے بچوں کو پیارے پیارے تحائف لے کردیے جب کہ مشکوٰۃ نے سب کو اچھا سا ڈنر دیا تھا۔ ساتھ میں انہوں نے سکھ کا سانس بھی لیا کہ تانیہ کی شادی کے بعد سے امن تھا، رانیہ نے عفاف کے خلاف کوئی محاذ کھڑا نہیں کیا تھا۔ مگر وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ رانیہ اب کیا کرنے والی ہے۔ روشان نے ان تینوں کے رزلٹ آنے کی خوشی میں اپنے ایک دوست کے ہاتھ روشاف و رانیہ کے لیے گولڈ کی رنگ جب کہ عفاف کے لیے ایک

بے حد خوب صورت نیکلس بھیجا تھا مگر وائے قسمت! روشان کے دوست کو رانیہ ہی نے اٹینڈ کیا تھا اور اب وہ عفاف کا نیکلس ہتھیا چکی تھی۔ عفاف کا چہرہ اتر گیا' جسے دیکھ کر رانیہ کا دل خوشی سے بھر گیا۔

"عافی! یہ نیکلس کیسا لگ رہا ہے؟" رانیہ نے جلدی سے نیکلس پہنا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ رانیہ بہت خوب صورت تھی اور وہ نیکلس اس کی صراحی جیسی گردن میں خوب جچ بھی رہا تھا۔ عفاف کا دل بھر آیا۔ وہ کیسے رانیہ سے مانگ سکتی تھی اپنا حق۔ گھر میں ہنگامہ کھڑا ہو جاتا۔

"ہاں' بہت پیارا لگ رہا ہے۔" عفاف اتنی آہستہ بولی جیسے خود کو سنا رہی ہو اور چپ چاپ وہاں سے اٹھ گئی۔ پھر جس جس کو رانیہ کی اس حرکت کا پتا چلا تو انہوں نے رانیہ کو سمجھایا مگر اس پر خاک اثر ہونا تھا۔ حتیٰ کہ روشان نے بھی عفاف کی کلاس لی کہ وہ رانیہ سے اپنا نیکلس واپس لے لے مگر وہ رانیہ ہی کیا جو مان جائے۔

"آج رانیہ نے تمہارا نیکلس لیا ہے اور تم اپنے حق کے لیے آواز نہیں اٹھا سکیں اور اگر کل کو اس نے مجھے تم سے چھین لیا تو پھر کیا کرو گی؟" روشان' عفاف پر برس رہا تھا' کتنے چاؤ سے اس نے عفاف کے لیے وہ نیکلس خریدا تھا اور اس پر رانیہ نے قبضہ کرلیا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ جب اس نے یہی بات رانیہ سے کہی تو رانیہ نے کہا۔

"روشان! مجھے اپنی پسند سے چیز لینے کی عادت ہے' اگر تم مجھے گفٹ نہیں دینا چاہتے تو ویسے ہی بتادو۔ ڈرامے کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" رانیہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔ مجال ہے جو شرمندہ ہوتی یا کوئی اثر لیتی۔

"ایسے تو مت کہو۔" عفاف' روشان کے ان سخت الفاظ پر سسک اٹھی۔

"اچھا' رو مت عفاف! کوئی بات نہیں۔ نیکلس نہ سہی' میں تو ہوں تمہارا!" عفاف اور رانیہ نے آگے بی ایس سی میں جب کہ روشاف نے ایم ایس سی میں داخلہ لے لیا۔

❀......❖......❀

تانیہ آپا کے ہاں بیٹے کی پیدائش ہوئی تھی۔ سب کو خوشی تھی کہ تانیہ کے پاس جائیں۔ ان کے سسرال والوں نے پہلی خوشی اپنے ہاں کی تھی۔ سب کو کراچی جانے کا شوق تھا اور گل شیر صاحب نے بچوں کی خواہش کو رد کرنا مناسب نہیں سمجھا اور وہ بچوں کو لے کر کراچی چلے گئے۔

وہیں ہلے گلے اور سیر کے دوران وہ ناقابلِ فراموش واقعہ پیش آ گیا' جس نے روشاف کی زندگی میں اندھیرا پھیلا دیا۔ تانیہ آپا کی سب سے چھوٹی نند خود یونیورسٹی جاتی تھی' اس کی سہولت کے لیے تانیہ کے سسرال والوں نے اسے گاڑی دے رکھی تھی' جسے وہ مزے سے اڑائے پھرتی۔ رانیہ کو اسے دیکھ کر ڈرائیونگ کا شوق چڑھا' اپنے ساتھ ساتھ وہ عفاف کو بھی کھینچ لے جاتی اور پھر ان کی شرارتیں ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتیں۔ رانیہ نے ایک ہفتے کے اندر اچھی خاصی ڈرائیونگ سیکھ لی۔ وہ اتوار کا دن تھا اور شام سات بجے گل شیر اور باقی بچوں کی واپسی تھی۔ رانیہ روشاف وعفاف اور تانیہ آپی کی نند' فٹ بال گراؤنڈ میں مستیاں کر رہے تھے۔ رانیہ ڈرائیونگ کی مشق میں مشغول تھی۔ روشاف اور تانیہ کی نند باتیں کرتے ہوئے فٹ بال گراؤنڈ کی روش سے اتر کر ایک بنچ پر بیٹھ گئیں جب کہ عفاف روش کے ساتھ لگائے گئے پودوں کا معائنہ کرنے لگی۔ وہ پھولوں کی دیوانی تھی۔ اب بھی وہ ارد گرد سے بیگانہ ہوکر پھولوں میں مگن تھی۔ رانیہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے ان لوگوں کے پاس سے گزری تو کچھ سوچ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس نے کچھ آگے جاکر گاڑی کو پوری رفتار سے پیچھے کیا تھا۔ تانیہ کی نند سے باتیں کرتے ہوئے اچانک روشاف کی نظر عفاف اور پھر پیچھے جاتی ہوئی کار پر پڑی تو وہ بدحواسی سے عفاف کی طرف لپکی۔ عفاف کو ایک دم سے جھٹکا لگا تھا۔ وہ پھولوں سے لدی کیاری پر گری۔ روشاف اس کے اوپر تھی۔ عفاف' روشاف اور تانیہ کی نند کی چیخوں نے فٹ بال گراؤنڈ کے سکوت کو بُری طرح تباہ کیا تھا۔ رانیہ کی گاڑی' روشاف کا

بایاں پاؤں کچلتے ہوئے پیچھے نکل گئی۔ اتوار ہونے کی وجہ سے آج گراؤنڈ میں لوگوں کی تعداد قدرے کم تھی ورنہ تو عموماً تازہ ہوا لینے والوں یا بوڑھوں کا رش ہوا کرتا تھا۔ اردگرد موجود لوگ ان کی طرف بڑھے تھے اور فوراً روشاف کو اسپتال پہنچایا گیا مگر اس کا نقصان تو ہو چکا تھا۔

❁......❖......❁

شمشیر صاحب، فردوس و مشکوٰۃ ایمرجنسی میں کراچی پہنچے تھے۔ مشکوٰۃ روشاف کا پاؤں دیکھ کر دل تھام کر رہ گئی اور زندگی میں پہلی بار شمشیر صاحب نے رانیہ پر ہاتھ اٹھایا اگر تانیہ کے سسرال والے بیچ میں نہ پڑتے تو شاید وہ ویسے ہی رانیہ کو مار دیتے۔

"پاپا! بس کریں، مر جائے گی وہ۔" تانیہ نے پاپا کو پہلی بار اتنے غصے میں دیکھا تھا اتنا کہ فردوس بیگم بھی ڈر کر پیچھے ہٹ گئیں۔

"اچھا ہے مر جائے۔ مجھے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ چاہتی کیا ہے؟ بچپن سے لے کر اب تک یہ عفاف کے خلاف محاذ بنائے ہوئے ہے اور اب ساری عمر کے لیے اس معصوم بچی کو معذور کر دیا۔" شمشیر صاحب غصے سے کانپ رہے تھے۔ "کیا منہ دکھاؤں گا اپنے بھائی کو میں...... اس کے سامنے سر اٹھا کر کھڑا نہیں ہو سکتا میں۔" وہ تھک کر صوفے پر بیٹھ گئے۔

رانیہ کو اپنے فعل پر جو تھوڑی بہت شرمندگی ہوئی تھی وہ اپنے باپ کی پھٹکار اور سب کے سامنے اپنی درگت بننے پر غصے اور انتقام میں بدل گئی۔ فردوس بیگم خود حیران تھیں کہ مقابلہ اور حسد ایک طرف، رانیہ کی اس حرکت کا سبب کیا ہے۔ اسی لیے جب انہوں نے رانیہ کو سمجھانا چاہا تو وہ ان سے اکھڑ گئی۔

"آپ دیکھیے گا مما! میں عفاف کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ چچا، چچی اپنی جگہ کہ وہ عفاف کے والدین تھے۔ پاپا اور تانیہ آپا نے بھی عفاف کو اہمیت دی اور مجھے ہمیشہ عفاف سے پیچھے رکھا۔ اسکول کالج ہر فنکشن و مقابلے میں عفاف نے میرا مقابلہ کیا اور اب روشان کو بھی مجھ سے چھین لیا۔ لیکن مما! یاد رکھیے گا میں عفاف کو روشان کا نہیں ہونے دوں گی یا عفاف کو مار دوں گی یا خود کو......" رانیہ نے انگلی اٹھا کر دھمکی دی تھی اور فردوس بیگم دہل کر رہ گئیں۔ رانیہ کی ضد کو ان سے بہتر اور کون جان سکتا تھا۔ پھر یہ سارا کیا دھرا ان ہی کے حسد کا تو تھا۔ وہی ہر چیز میں رانیہ اور عفاف کا مقابلہ کرواتی تھیں۔

"رانیہ! پڑھ لو ورنہ عفاف کے نمبر تم سے زیادہ آئیں گے پھر سب اسے پیار کریں گے۔ تمہیں کوئی نہیں کرے گا" یا "رانیہ دودھ پی لو۔" مگر رانیہ کو دودھ سے چڑ تھی۔ اس کی ضد پر فردوس بیگم کہتیں۔ "عفاف! دودھ بہت شوق سے پیتی ہے کیونکہ دودھ ہڈیوں کو مضبوط کرتا ہے، چہرے کی دلکشی و خوب صورتی کا سبب بنتا ہے۔" تو رانیہ چپ چاپ پی لیتی۔ اسی طرح کی باتیں رانیہ میں مقابلے کا احساس پیدا کرتیں اور وہ اپنے اور عفاف کے درمیان موازنہ کرنے لگتی۔ اس کی تعریف، اس کی اچھائی پر جلنے لگتی۔ اسے روشان پہلی نظر میں ہی پسند آ گیا تھا مگر اس پسندیدگی نے شدت اس وقت اختیار کی جب روشان نے عفاف میں دلچسپی کا اظہار کیا اور پھر جلد ہی ان دونوں کا نکاح بھی ہو گیا۔ رانیہ سوچ بھی نہ سکی اور قدرت نے انہیں مضبوط رشتے میں باندھ دیا۔

ٹھیک ہے کہ روشان خوب صورت، اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا مگر دنیا میں فقط وہی ایک تو نہ تھا مگر اس کی بدقسمتی کہ وہ جس ہستی سے جڑا تھا۔ رانیہ اسے برداشت نہیں کر سکتی تھی اور اپنی ازلی دشمنی کے سبب اسے عفاف سے چھیننے کے در پے تھی اور یہی سبب اس حادثے کا باعث بنا جس نے روشاف کی زندگی کو اندھیروں سے بھر دیا۔

❁......❖......❁

بھائی سے محبت اپنی جگہ مگر گل شیر صاحب کو ایک بیٹی کی معذوری نے سبق سکھا دیا۔ وہ اب کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ تھے۔ شمشیر صاحب کے لاکھ اصرار کے باوجود وہ اپنے الگ گھر میں شفٹ ہو گئے۔ روشاف کو مصنوعی پاؤں لگا دیا گیا تھا مگر وہ گھر سے باہر نکلنے اور گھر

سے باہر کی دنیا میں بالکل حصہ نہیں لیتی تھی۔ پچھلے دنوں اس کے بہت اچھے اچھے رشتے آئے تھے اور گل شیر صاحب اپنے ایک دوست کو ہاں بھی کہنے والے تھے مگر حادثے کے بعد جیسے سب کچھ ختم ہوگیا۔ لوگ اچھی اچھی لڑکیوں میں نقص نکال دیتے ہیں۔ روشاف تو پھر معذور تھی۔ اس لیے ہر جگہ سے ہونے والے انکار نے اسے زندگی سے ہی بے زار کردیا۔ روشاف و عفاف کا ایک ہی کمرا تھا' عفاف' روشاف کو ہر وقت بستر پر بے زاری سے کروٹیں بدلتے دیکھ کر کڑھتی۔ اسے لگتا جیسے وہ ہی روشاف کی مجرم ہے۔ وہ روشاف کو زندگی کی طرف مائل کرنا چاہتی تھی مگر روشاف پر کوئی اثر نہ ہوتا۔ گل شیر صاحب روشاف کی وجہ سے بہت پریشان تھے۔ موجودہ حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے انہوں نے کمرشل ایریا میں کچھ پلاٹس لے کر روشاف کے نام کردیے کہ شاید اس طرح روشاف کے لیے کوئی اچھا رشتہ مل سکے اور ان کی بیٹی زندگی کی طرف لوٹ آئے۔ مگر انسان جو کچھ سوچتا ہے اکثر ویسا نہیں ہوتا۔ تقدیر انسان کے تابع نہیں بلکہ انسان تقدیر کے تابع ہے۔ ہاں ایک راستہ اللہ نے رکھا ہے' تقدیر کو بدلنے کا اور وہ ہے دعا...... مگر اکثر لوگ اس راستے کو بھول جاتے ہیں اور محض اپنی کوشش سے حالات کو بدلنا چاہتے ہیں اور یہیں آ کر انہیں ناکامی ہوتی ہے جو بعض اوقات انہیں مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا پھینکتی ہے۔ یہی گل شیر صاحب کے ساتھ ہوا۔ آفس میں انہیں ہارٹ اٹیک ہوا جو اسپتال لے جاتے ہوئے ان کی موت کا سبب بن گیا۔ ان سب کی زندگی اندھیر ہوچکی تھی۔ عفاف نے بہت مشکل سے بی ایس سی کے پیپرز دیے۔ گل شیر کی وفات پر گل زریں اپنے میاں کے ساتھ آئی تھیں۔ روشان نہیں آسکا۔ اس کے ایم بی اے کا آخری سمسٹر تھا اور پھر وہ آ کر کرتا بھی کیا' اس کے آنے سے گل شیر صاحب واپس تو نہیں آسکتے تھے' اس لیے عفاف نے خود ہی اسے آنے سے منع کردیا۔

❁......❖......❁

گل شیر صاحب کی وفات کو چھ ماہ گزر چکے تھے۔ عفاف نے کمپیوٹر سائنس میں ماسٹرز کے لیے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا۔ گھر کے اخراجات کے لیے تایا جان مخصوص رقم مشکوٰۃ بیگم کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کردیتے۔ اسی طرح سے گزارا ہوجاتا۔ ان ہی دنوں روشان نے خوش خبری سنائی کہ وہ پاکستان رخصتی کے لیے آرہا ہے تو مشکوٰۃ بیگم نے خدا کا شکر ادا کیا۔ بڑی نہ سہی چھوٹی' کسی ایک کے فرض سے تو وہ فارغ ہوئیں۔ انہوں نے خوشی خوشی تیاریاں شروع کردیں۔ روشان سے محبت اپنی جگہ لیکن عفاف کو روشاف کا دکھ کھائے جارہا تھا۔ روشان نے عفاف کو تسلی دی کہ وہ عفاف کے ساتھ مل کر روشاف کو زندگی کی طرف مائل کرے گا' جس پر عفاف مطمئن ہوگئی مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ آگے اس کی قسمت میں کیا لکھا ہے۔

❁......❖......❁

رانیہ نے بی ایس ایس کے بعد یونیورسٹی محض وقت گزارنے کے لیے جوائن کی' اس کا سارا وقت سیر سپاٹوں میں گزرتا۔ یونیورسٹی کا ہر فلرٹی رانیہ کے ساتھ دکھائی دیتا مگر دو یا تین دن تک' اس کے بعد ساتھی بدل جاتا' اب اس نے ڈانسنگ کلب جوائن کرلیا تھا مگر سکون کہیں نہیں تھا۔ فردوس بیگم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اس بے لگام گھوڑے کو قابو کریں مگر وہ تو جیسے بپھرا ہوا طوفان تھی۔ تھک ہار کر انہوں نے رشتے کی تلاش شروع کردی۔ مگر رانیہ کی ایک ہی رٹ تھی کہ وہ روشان سے شادی کرے گی اور یہیں فردوس بیگم ہار گئیں۔ وہ اپنی اس ضدی لڑکی کی حرکتوں پر پردے ڈال ڈال کر تھک چکی تھیں' جو اُن کے قابو سے روز بروز باہر ہوتی جارہی تھی۔

"رانیہ! تیرا باپ تجھے جان سے ماردے گا۔" وہ بے بسی سے بولیں۔

"ماردیں' مجھے جینا بھی نہیں ہے۔" رانیہ غصے سے اٹھ کر چلی گئی اور فردوس بیگم سر پکڑ کر رہ گئیں۔ پھر جب روشان کی واپسی اور عفاف کی رخصتی کے بارے میں انہیں پتا چلا تو انہوں نے پوری کوشش کی کہ کسی طرح رانیہ کو اپنی

رشتے کی کزن کے پاس بھیج دیں کہ اگر تانیہ کے پاس بھیجتیں تو اسے خود شادی میں شرکت کے لیے آنا تھا۔ رانیہ کو اپنی کزن کی طرف بھیجنے کے لیے جب وہ اس کے کمرے میں داخل ہوئیں تو ان کے قدموں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ رانیہ کا کمرہ دھوئیں سے بھرا ہوا تھا اور وہ کمرے کے ایک کونے میں سگریٹ کے کش لگا رہی تھی۔

"رانیہ!" وہ غصے اور خوف کے ملے جلے جذبات سے مغلوب ہو کر چلا ئیں۔ "یہ کیا کر رہی ہے..... کیا ہو گیا ہے تجھے......؟" انہوں نے رانیہ کے منہ سے سگریٹ نکال کر پھینکا۔

"واپس کریں ماما مجھے! سکون ملتا ہے اس سے...... نیند آتی ہے۔" وہ بہکے لہجے میں بولی اور ساتھ ہی فردوس بیگم سے واپس سگریٹ چھینا۔

"کیا گناہ ہو گیا مجھ سے' کیوں میری اولاد مجھے ستا رہی ہے؟ بیٹے کو باہر بھیجا کہ وہ پڑھ لکھ کر کچھ بنے اور باپ کا ہاتھ بٹائے' وہ غلط روش پر چل پڑا اور بیٹی کو لاڈ پیار سے پالا تو وہ عزت کو بٹہ لگانے پر تلی ہے۔" فردوس بیگم روتے ہوئے بولیں۔ تو رانیہ نے سگریٹ ان کی طرف بڑھایا۔

"ماما! روئیں مت' اسے پئیں۔ دیکھیے گا آپ کو بہت سکون ملے گا۔" نشے میں چور اس کی آواز نے کمرے کے سکوت کو توڑا تھا۔ فردوس بیگم نے غصے سے اس کا ہاتھ جھٹکا اور باہر نکل آئیں۔

❀......✤......❀

عفاف ابھی سیکنڈ کلاس لے کر باہر نکلی تھی جب اس کی نظر تائی جان پر پڑی۔ بہت منتشر حلیہ' الجھے بال اور پریشان چہرے کے ساتھ وہ اسٹوڈنٹس سے عفاف گل شیر کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔

"السلام علیکم تائی جان!" عفاف ان کی طرف بڑھی۔

"وعلیکم السلام!" انہوں نے جواب دیا۔

"خیریت' آپ یہاں......! کوئی کام تھا تو مجھے بلوا لیا ہوتا۔" عفاف ان کے حلیے پر حیران تھی۔ کہاں وہ تائی جان جو ہر وقت تیار نظر آتیں۔ کیوٹکس سے سجے ہاتھ' ہائی ہیل اور ساڑھی کے ساتھ میچنگ جیولری پہنے خوب صورتی کا چلتا پھرتا شہہ کار مگر اب تو ان کا حال گھریلو ملازمہ سے بھی بدتر تھا۔

"عفاف! مجھے تم سے کام تھا' مگر یہ مناسب نہیں تھا اس لیے یہاں چلی آئی۔ آؤ کہیں چل کر بات کریں۔" عفاف اور وہ یونیورسٹی کے قریب کیفے ٹیریا میں آ گئے۔

"عفاف! میں جو بات کرنے جا رہی ہوں' بہت تکلف دہ ہے مگر خدا کے لیے مجھے معاف کر دینا' اس وقت تمہارے سامنے میں تمہاری تائی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک مجبور ماں کی حیثیت سے بیٹھی ہوں۔"

"خیریت تو ہے تائی جان! آپ اتنی لمبی تمہید کیوں باندھ رہی ہیں؟ آپ میری ماما جان کی طرح قابل احترام ہیں' کہیں جو کہنا چاہتی ہیں۔" عفاف نے ان کے رویے پر حیران ہوتے ہوئے کہا اس نے تو کبھی تائی جان کا ایسا لہجہ دیکھا ہی نہیں تھا وہ تو صرف حکم دینے کی عادی تھیں۔

"بیٹا! جب اولاد منہ زور اور بے لگام ہو جائے تو ماں باپ کے لہجے ایسے ہی پست ہو جاتے ہیں۔ تم جیسی اولادیں تو خوش نصیب والدین کو ملتی ہیں جو والدین کی فرماں بردار' اطاعت گزار اور خدمت کرنے والی ہوں۔" اب عفاف کا الجھنا لازمی تھا' کیا مجال جو تائی جان کبھی کسی کی تعریف کر دیں یا ان کے غرور کا پارہ نیچے آ جائے۔

"تائی جان! اولاد کو منہ زور اور بے لگام بنانے میں قصور کس کا ہوتا ہے؟ والدین کا! کیوں وہ اپنی اولاد کی پرورش و تربیت اچھے طریقے پر نہیں کرتے؟ محض کھلانا' پلانا' پہنانا ہی تو والدین کا فرض نہیں' انہیں تربیت بھی چاہیے۔ جب تربیت صحیح نہیں تو پھر اولاد سے منہ زوری کا شکوہ ہی کیوں' رانیہ کو ایسا بنانے میں آپ کا اپنا ہاتھ ہے۔" عفاف ناصحانہ انداز میں بولی تھی۔

"ہاں' میں مانتی ہوں۔ میں واقعی اپنی اولاد کی اچھی تربیت نہیں کر سکی آج میری اولاد میرے لیے فتنہ بن چکی ہے اور میری بے بسی دیکھو کہ میں اپنی اولاد کو تباہی کے

دہانے پر کھڑا دیکھ رہی ہوں مگر اسے گڑھے میں گرنے سے بچا نہیں پارہی۔" یہ کہتے ہی تائی جان پھوٹ پھوٹ کر رودیں۔ عفاف پریشان ہوگئی۔ اس نے تائی جان کو پانی پلانا چاہا مگر انہوں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

"عفاف! میری رانیہ کو بچالو وہ خود کو ختم کرلے گی مگر اپنی ضد سے نہیں ہٹے گی۔ عفاف! اسے بچالو وہ کہتی ہے اسے روشان چاہیے۔" عفاف کی سماعتوں میں جیسے دھماکے ہوئے تھے وہ جو تائی جان کے اپنے سامنے جڑے ہاتھوں کو ہٹانے لگی تھی ایک دم سے ایسے پیچھے ہٹی۔ جیسے اسے کسی بچھو نے ڈنک ماردیا ہو۔

"عفاف! وہ نشہ کرنے لگی ہے۔ اگر اس کے باپ کو پتا چل گیا تو وہ اس کا گلا دبادے گا۔ کوئی بعید نہیں کہ مجھے بھی دھکے دے کر گھر سے نکال دے۔ میں تو اسے لے کر کہیں جا بھی نہیں سکتی۔ میں مانتی ہوں میری تربیت میں کمی رہ گئی ہے مگر میں مجبور ہوں عفاف! تمہیں خدا کا واسطہ، تمہیں تمہارے والدین کا واسطہ!" یہ کہتے ہوئے انہوں نے آگے بڑھ کر عفاف کے پاؤں کو چھونا چاہا تو وہ ایک دم سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایسا مت کریں تائی جان! میرے بس میں کچھ نہیں ہے اور ویسے بھی میرا اور روشان کا نکاح ہوچکا ہے۔ عنقریب ہماری رخصتی ہونے والی ہے اب میں کچھ نہیں کرسکتی۔" عفاف نے واپسی کے لیے قدم اٹھائے تھے مگر تائی جان نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"عفاف! تمہیں اس رب کا واسطہ جس کی تم نام لیوا ہو۔ میں اتنی اچھی مسلمان نہیں ہوں ہاں کبھی کبھار عید، شب برات پر نماز پڑھ لیتی ہوں۔ تم تو پانچ وقت کی نماز پڑھتی ہو۔ اس رب کا واسطہ دے کر میں تم سے اپنی بیٹی کی زندگی مانگتی ہوں مجھے میری بیٹی کی زندگی دے دو۔" وہ بھی دعا اپنے رب سے بھی مانگ سکتی تھیں اور وہ دینے پر قادر بھی ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ جو رب کو بھلا دیتا ہے رب بھی پھر اسے یاد نہیں رکھتا۔ ساری عمر اس عورت نے اپنے رب کو بھلائے رکھا اور اب خدا نے اس سے یہ توفیق چھین لی کہ وہ اسے پکارے۔ انہوں نے اگر رب کا واسطہ دے کر عفاف سے کچھ مانگا تھا تو عفاف نے انہیں واپس نہ لوٹایا۔

"خوش ہوجائیں اپنے رب کے نام پر میں نے روشان دان کردیا۔" وہ کتنی دقتوں سے بولی تھی وہ خود نہ جان پائی۔

"مگر روشان کیسے راضی ہوگا؟" اب کی بار ان کے لہجے میں شرمندگی کی رمق تھی۔

"وہ بھی مان جائے گا آپ فکر نہ کریں۔" کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

❁......☆......❁

ماما جان شادی کی تیاریوں میں مصروف تھیں اور کچن کی ذمہ داری روشاف نے اپنے ذمے لے رکھی تھی اسی لیے عفاف کو سنبھلنے کا موقع مل گیا ورنہ تو وہ شاید ٹوٹ ہی جاتی۔ دوسری طرف تائی جان نے رانیہ کو بہلا پھسلا کر علاج پر آمادہ کیا کہ وہ کسی طرح چکر چلا کر روشان کی شادی رانیہ ہی سے کروادیں گی۔ مگر وہ اپنی لاڈلی کو یہ نہ بتاسکیں کہ وہ جس کی دشمن ہے اسی سے وہ اپنی بیٹی کی زندگی کی بھیک مانگ کر آرہی ہیں۔ احمر صاحب روشان کی رخصتی کے لیے پاکستان میں گھر لینا چاہ رہے تھے مگر شمشیر صاحب نے خود ہی منع کردیا کہ ان کا گھر کس کام آئے گا۔ اس لیے ان کو شیر افگن ہاؤس ہی میں قیام کرنا پڑا۔

❁......❖......❁

"روشان! مجھے تم سے کام ہے کیا تم شام کو مجھ سے ملنے آسکتے ہو؟" عفاف نے روشان کو کال کی۔

"ارے یار! آپ بلائیں اور ہم نہ آئیں ایسے تو حالات نہیں......" روشان نے اسے چھیڑا تھا۔ مگر دوسری طرف کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہ آیا۔

"آرہے ہو یا نہیں......ہاں یا نا میں جواب دو۔" اس کے انداز میں حد درجہ رکھائی تھی۔ روشان نے حیرت سے موبائل فون کان سے ہٹا کر دیکھا تھا۔

"کتنے بجے آؤں؟" روشان نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

''شام چھ بجے!'' جواب مختصر تھا۔

''اوکے میں آ جاؤں گا۔''

ماما جان اور روشاف دونوں کو ڈاکٹر کی طرف جانا تھا اور ان کی واپسی تین سے چار گھنٹے تک متوقع تھی۔ اس لیے عفاف نے روشان کو گھر پر ہی بلوالیا۔ ماما اور روشاف ڈاکٹر کی طرف روانہ ہوئیں تو عفاف نے حاجت کے نوافل پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا مانگی اور نیچے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ شام ٹھیک چھ بجے دروازے پر دستک ہوئی تھی' ہمتیں اکٹھی کرتی عفاف نے دروازہ کھولا۔

''خیریت تو ہے نا!'' دروازہ کھلتے ہی روشان کی پریشان شکل نظر آئی۔

اگرچہ شادی کی تاریخ طے نہیں ہوئی تھی مگر اتنا معلوم تھا کہ روشان اور ان کے گھر والوں کی پاکستان آمد کے پندرہ دن بعد رخصتی ہوگی۔ درمیان کا یہ وقفہ خریداری کے لیے تھا۔ اسی لیے روشان کو پریشانی ہوئی تھی۔ فون پر بات ہوجانے کے باوجود یہ ''بلاوا'' اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

''ہاں' خیریت ہی ہے۔'' عفاف اس کے پیچھے پیچھے آگے بڑھی۔ روشان ڈرائنگ روم میں موجود سنگل صوفے پر بیٹھ گیا اور عفاف اس کے قدموں میں' اس نے اپنے ہاتھ روشان کے گھٹنوں پر رکھ دیے۔

''عفاف! کیوں مجھے پریشان کر رہی ہو۔ بتا کیوں نہیں دیتیں کہ کیا پریشانی ہے؟'' عفاف کی حرکت بہت رومینٹک تھی مگر اس کا چہرہ اس کی اس حرکت کے خلاف تھا۔

''روشان! تم مجھے خوش دیکھنا چاہتے ہو؟'' عجیب سوال تھا' روشان الجھ گیا۔

''یہ کوئی پوچھنے والی بات ہے؟'' روشان نے گھٹنوں پر دھرے عفاف کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر اسے اپنے ہونے کا احساس دلان کیا تھا۔

''پھر رانیہ سے شادی کرلو۔'' عفاف بغیر لگی لپٹی رکھے بولی۔

''یار! تم نے مجھے اس قابل چھوڑا ہی کہاں ہے کہ کسی اور کی طرف دیکھوں' مجھے تو ہر جگہ عفاف' عفاف ہی نظر آتی ہے۔'' روشان نے دھیرے سے اس کی لٹ کو چھوا تھا۔ جو اس کے بالوں سے نکل کر چہرے پر آ گئی تھی۔

''تم اس کی خواہش ہو وہ تمہیں مجھ سے زیادہ چاہے گی' تم اسے اپنا لو' مجھے راستے میں آنے والا بس ایک موڑ سمجھ لینا۔'' عفاف نے اپنے بال اس سے چھڑاتے ہوئے کہا۔

''تم ہوش میں تو ہو عفاف! جانتی ہو کیا کہہ رہی ہو؟'' روشان کی پوری آنکھیں کھل گئیں' وہ عفاف کو پیچھے ہٹاتے ہوئے اضطراب سے کھڑا ہو گیا۔ ''رانیہ مجھے چاہتی ہے یا نہیں' یہ میرا مسئلہ نہیں...... تم میری بیوی ہو' میں اتنا ضرور جانتا ہوں اور تم کیا سوچ کر مجھے یہ کہہ رہی ہو...... ہاں! بولو؟'' روشان نے آگے بڑھ کر عفاف کے کندھے تھامے اور جواب کا طالب ہوا۔ ''کہیں تم کسی اور میں تو انٹرسٹڈ نہیں؟'' روشان کے لہجے میں شک سر اٹھا رہا تو عفاف بے بسی سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

''نہیں روشان! ایسا کبھی نہ سوچنا۔ عفاف نے اگر کسی کو چاہا' کسی کو سوچا تو وہ روشان احمر ہے جو اس کا جائز' حقیقی اور شرعی حق دار ہے۔ عفاف خائن نہیں ہے۔''

''پھر اس ڈرامے کا کیا مقصد ہے' یہ میری سمجھ سے باہر ہے۔ کیوں تم مجھ سے جان چھڑانا چاہتی ہو؟'' روشان کا لہجہ حد درجہ سفاک تھا۔

''کوئی مقصد نہیں ہے میرا۔ بس تم مجھ پہ احسان کرو' رانیہ کو اپنا لو۔'' عفاف نے اپنے کندھے سے روشان کے ہاتھ جھٹکے تھے۔

''یاد رکھو عفاف گل شیر! میں کوئی چیز نہیں ہوں کہ جس سے تمہارا دل بھر گیا اور اب تم اسے کسی اور کو دے رہی ہو۔''

''روشان! تم سمجھ کیوں نہیں جاتے؟'' عفاف کے لہجے میں التجا تھی۔

''مجھے تمہاری کوئی بکواس نہیں سننی۔ میرا خیال ہے اب مجھے چلنا چاہیے۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' روشان نے واپسی کے لیے قدم اٹھایے۔

"روشان! اگر تمہیں میری بات منظور نہیں تو مجھے طلاق دے دو۔" اپنے پیچھے آنے والی آواز نے روشان کو پتھر کا بُت بنادیا۔

"تم ہوش میں تو ہو؟" وہ بمشکل پلٹا تھا۔ عفاف جانتی تھی کہ اب روشان رانیہ کی ضد بن چکا ہے اور جو چیز رانیہ کی نظر میں آجائے اور رانیہ اسے پا نہ سکے تو وہ اس چیز کو اس قابل نہیں چھوڑتی کہ کوئی دوسرا اسے استعمال کرسکے یہ تو پھر جیتا جاگتا انسان تھا۔ عفاف کو آج بھی یاد تھا اسکولنگ کے دوران ایک بار برتھ ڈے پر عفاف کی دوست نے اسے بہت بہت پیارا ٹیڈی بیئر گفٹ کیا تھا جو اس کی دوست کے پاپا نے اسے باہر سے بھیجا تھا۔ رانیہ کے بہت واویلا کرنے پر بھی فردوس بیگم نے اسے عفاف سے وہ ٹیڈی بیئر لینے نہیں دیا پھر جیسے ہی رانیہ کو موقع ملا اس نے عفاف و روشاف کے مشترکہ کمرے میں جاکر قینچی سے اس ٹیڈی بیئر کو اتنا کاٹا کہ اس کی کٹنگ بھی عفاف کے لیے سمیٹنا مشکل ہوگئی۔ عفاف نے یہ بات ماما جان سے چھپالی اور ٹیڈی بیئر پر روپیٹ کر صبر کرلیا اور اب سامنے روشان تھا جس کی خاطر رانیہ نے خود کو نشے کا عادی بنالیا۔ جو خود کو اتنا نقصان دے سکتا ہے وہ دوسرے کے لیے اس سے بھی زیادہ خطرے کا سبب بن سکتا ہے۔ روشاف کی بے کیف زندگی عفاف کے سامنے تھی۔ کیا فائدہ وہ وقتی طور پر روشان کو پالیتی اور پھر ہمیشہ کے لیے کھودیتی۔

"ہاں ہوش و حواس میں ہوں۔" عفاف نے آنسوؤں کا گولا حلق سے نیچے اتارا تھا۔

"مجھے کھو کر خوش رہ سکوگی؟" روشان عفاف کے عین سامنے آ کھڑا ہوا لہجہ لودیتا ہوا تھا۔

"اب بھی تو رہ رہی ہوں پھر بھی رہ لوں گی۔ کیا فرق پڑتا ہے۔" عفاف ایسے بولی جیسے پروا ہی نہ ہو۔ عفاف کا جواب روشان کو بہت بُرا لگا تھا۔ کیا تھا وہ اپنا مسئلہ شیئر کرلیتی اور یہیں روشان کو غصہ آ گیا۔

"ٹھیک ہے مجھے تحریری ثبوت چاہیے کہ رانیہ سے شادی کے بعد تم مجھ سے طلاق کا مطالبہ نہیں کروگی اور نہ ہی خلع کے لیے دعویٰ دائر کروگی۔" ایک طرح سے روشان نے بھی آگ لگانے میں کسر نہیں چھوڑی تھی۔ ایک لڑکی ہی تو تھی جو مسلسل اس کے ضبط کا امتحان لے رہی تھی۔ اسے آزما رہی تھی پھر اگر وہ خود کانٹوں پر اسے دھکیل رہی تھی تو روشان اسے کیوں پیچھے چھوڑتا۔ رقابت کا احساس تکلیف کو کاٹنے میں معاون ثابت ہوتا ہے مگر عفاف نے اسے تحریری ثبوت دے دیا۔

"اب بھی وقت ہے عفاف! رک جاؤ۔" روشان کے دل نے دہائی دی مگر زبان خاموش رہی۔ کیا تھا جو عفاف روشان کی آنکھوں کی طرف دیکھ لیتی مگر وہ تو خود سے نظریں چرا رہی تھی کہیں سارے کیے کرائے پر پانی نہ پھر جائے۔ روشان شکستہ قدموں سے باہر نکل گیا اور عفاف کی نظریں اس کے اٹھتے قدموں سے لپٹ گئیں۔

❁......☯......❁

پھر سب کچھ بہت خاموشی سے ہوا تھا۔ روشان نے خود ہی شمشیر صاحب اور احمد صاحب کو راضی کرلیا اور اگلے دن نکاح کے فوراً بعد وہ واپس امریکا چلا گیا۔ گل زریں و احمد صاحب کچھ دن قیام کے بعد واپس چلے گئے۔ رانیہ کو ویزا آنے کے بعد جانا تھا۔ وہ خوشی خوشی ہواؤں میں اڑتی پھرتی۔ اِدھر مشکوٰۃ بیگم گل زریں کے نہ آنے پر پریشان تھیں۔ رہی سہی کسر پریشان کن خوابوں نے پوری کردی۔ فون پر گل زریں سے رابطے کی کوشش کی مگر قسمت نے یہ تمام کام ملتوی کردیے۔

❁......☯......❁

رانیہ کی "مسز روشان" کے حوالے سے آمد مشکوٰۃ بیگم پر بجلی کی طرح گری تھی مگر عفاف رانیہ سے یوں ملی جیسے سامنے رانیہ نہ ہو کوئی دل پسند ہستی ہو۔ اس نے خود کو سنبھال لیا تھا واویلا کرنے سے حاصل بھی کیا تھا۔ عفاف کا سکون رانیہ کو بے سکون کرنے کے لیے کافی تھا۔

"عفاف! تمہیں دکھ نہیں ہوا؟ میں اب بھی تم سے جیت گئی۔" رانیہ کی آنکھوں میں الجھن تھی۔ مطلوب تو عفاف کا دکھ تھا مگر وہ پورا نہیں ہوا تھا تو حیرت لازمی تھی۔

عفاف نے سکون سے اس کے بے داغ چہرے کو دیکھا جس پہ اپنا مطلوب پالینے اور اسے نیچا دکھانے کا غرور تھا' مگر اس کی بات نے رانیہ کے چہرے کا رنگ اڑا دیا۔

"دکھ کیسا...... میں نے خود روشان کو تمہاری جھولی میں ڈالا ہے اور ہمیشہ کی طرح تم نے میرا دیا قبول کرلیا۔" عفاف کی آنکھوں میں موجود تمسخر نے رانیہ کو بھسم کرڈالا۔

"بکواس بند کرو۔" وہ چلائی تھی۔

"دھیرج رکھو یار! بات تم نے شروع کی ہے اور غصہ بھی تم ہی ہورہی ہو۔" عفاف نے سکون سے پانی کا گلاس رانیہ کی طرف بڑھایا' جسے نظر انداز کرتی ہوئی وہ باہر نکل گئی۔

پھر رانیہ باہر چلی گئی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ مکمل توجہ اپنے گھر' خاوند اور سسرال کو دیتی مگر وہ کسی ایک رشتے کو بھی اچھی طرح نہ نبھا سکی۔ ساس' سسر خود روشان ہر طرح سے اسے سمجھا چکے تھے مگر وہ کسی کے معیار پر پورا نہ اتر سکی بلکہ ان کے لیے مسائل پیدا کرنے لگی۔ سارا سارا دن باہر گزار دینا' رات کو کلب سے لیٹ آنا' نشہ کرنا۔ روشان کی اولاد اس نے صرف اس ضد پر پیدا نہ کرنے کا فیصلہ کیا کہ جب تک روشان عفاف کو طلاق نہیں دے گا وہ روشان کی اولاد کو جنم نہیں دے گی۔ اگر آنٹی' انکل اسے ماہر نفسیات کے پاس لے کر جانے کا سوچتے تو وہ بغیر لحاظ آنٹی انکل کو سنا دیتی۔ بیٹے کی پریشان حالت نے گل زرین کو دکھ میں مبتلا کردیا۔ وہ بیٹے سے الجھتیں۔

"کیا نظر آیا تھا تمہیں اس پاگل میں کہ تم عفاف کو بیچ منجدھار چھوڑ آئے۔ حتیٰ کہ چھوٹی بھابی مشکوٰۃ سے مجھے بات تک کرنے نہ دی۔"

"عفاف کی لگائی ہوئی آگ ہے ماں! جس میں میں دن رات جل رہا ہوں مگر سکون سے وہ بھی نہیں رہے گی' یہ میں بھی جانتا ہوں۔" روشان بے بس اپنی ماں کے گھٹنوں پر سر رکھتے ہوئے بولا۔

"آخر ایسی بھی کیا غلط فہمی ہوگئی تھی تمہارے درمیان کہ تم نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا اور ہمیں دیکھو اچھے بھلے زمانہ شناس ہوکر تمہارے پیچھے چل پڑے۔" بیٹے کی حالت انہیں تڑپا گئی مگر غلطی ان کی بھی تھی' اس لیے ذرا دھیمی ہوئیں۔

"ماما! عفاف ہمیشہ سے رانیہ کی ضد رہی ہے اور اس پگلی نے ہر بار کی طرح اس بار بھی اپنا حق چپ چاپ رانیہ کی جھولی میں ڈال دیا اور خود تنہا یہ بوجھ ڈھو رہی ہے۔ نہیں جانتی کہ میں بھی اس کے خدشات سے باخبر ہوں۔ جب اعتبار نہیں کیا تو بھگتے اب......" روشان اٹھ کر چلا گیا۔ گل زرین کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی سب کچھ سمجھ گئیں۔ بیٹے کی حالت نے انہیں اس قدر دکھ پہنچایا کہ انہوں نے مشکوٰۃ کو فون کرڈالا۔ فون عفاف ہی نے ریسیو کیا تھا انہوں نے عفاف کو خوب سنائیں کہ ان کے بیٹے کی برباد زندگی کی ذمہ دار وہ ہے۔ عفاف آنسو پیتے ہوئے یہ سب سن رہی تھی' جب اس کے ہاتھ سے ریسیور مشکوٰۃ بیگم نے لے لیا۔

"گل زریں! کس حیثیت سے اپنے بیٹے کی برباد زندگی کا الزام میری بیٹی کے سر لگا رہی ہو جب کہ راستہ بدلنے والا بھی تمہارا اپنا ہی ہے؟" گل زریں کے کان سے مشکوٰۃ بیگم کی سرد آواز ٹکرائی تھی۔ "اور دوسری بات یہ کہ اپنے بیٹے سے کہو طلاق کے کاغذات بھجوادے۔ میری بیٹی کو رشتوں کی کمی نہیں ہے۔" اپنی بات مکمل کرکے مشکوٰۃ بیگم نے فون رکھنا چاہا تھا مگر دوسری طرف سے آنے والی آواز نے ان کے ہاتھ ساکت کردیے۔

"روشان کو راستہ بدلنے کا کہا بھی تمہاری بیٹی نے تھا۔"

"اپنا الزام میری بیٹی کے سر مت تھوپو۔" مشکوٰۃ بیگم چلائی تھیں۔ عفاف کا رنگ زرد ہوگیا۔ ماما جان کے سوا اور تھا ہی کون جو اُن کا اپنا تھا۔ وہ بھی اگر کھو جاتیں تو اس کے پاس کیا بچتا۔ اس نے بڑھ کر فون بند کرنا چاہا مگر ماما جان نے سختی سے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

"پہلے اپنی بیٹی سے معلوم کرلو پھر مجھ سے بات کرنا اور دوسرا یہ کہ روشان عفاف کو طلاق نہیں دے گا۔ اگر سکون سے میرا بیٹا نہیں رہ رہا تو عفاف کیوں رہے؟" گل زریں

نے فون بند کردیا۔ مشکوٰۃ نے عفاف کی کلاس لی اور ساری بات سامنے آنے پر وہ سر تھام کر رہ گئیں۔ پھر گھر میں ایک سرد جنگ چھڑ گئی۔ ماما جان عفاف سے بات نہ کرتیں۔ انہوں نے عفاف کو بُری طرح نظر انداز کرنا شروع کردیا۔ ایک روشاف تھی جس سے یہ مثلث کے دونوں کونے آملتے۔ ماما جان کی بے رخی کو دیکھتے ہوئے عفاف پڑھائی کا بہانہ بنا کر الگ کمرے میں شفٹ ہوگئی۔ کچھ وہ یکسوئی بھی چاہتی تھی تاکہ اچھے طریقے سے پڑھ سکے۔ روشاف جب ماما کو عفاف کے ساتھ بدسلوکی کرتے دیکھتی تو عفاف کو سمجھاتی کہ ماما جان کی بات کا بُرا نہ مانے اور یہیں عفاف کو روشاف کو سمجھانے کا موقع مل گیا۔ ماسٹرز کے بعد عفاف کو مقامی کالج سے پیش کش ہوگئی اور اس نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اس پیش کش کو قبول کرلیا۔ ساتھ ہی اس نے روشاف کو مائل کیا کہ چاہے وہ پڑھائی کا سلسلہ دوبارہ نہ شروع کرے مگر کوئی اچھا سا کورس کرلے۔ اس طرح خود کو زنگ لگانے کا کیا فائدہ! پھر وہ کوئی خوش قسمت ترین لمحہ ہی تھا جب روشاف کی سمجھ میں عفاف کی بات آگئی اور اس نے عفاف کے کالج کے قریب ایک انسٹی ٹیوٹ میں ایڈمیشن لے لیا جہاں مختلف نوعیت کے کورسز کروائے جاتے تھے۔

❁ ☯ ❁

وقت اپنی مخصوص رفتار سے گزر رہا تھا' ایسے میں روشان کی آمد نے ہلچل مچادی۔ مگر عفاف کو اس کی واپسی سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ اپنی زندگی کی بے رونقی سے سمجھوتا کرچکی تھی اس لیے نہیں چاہتی تھی کہ پھر سے بکھرے۔ انہی دنوں جب روشاف اپنے کورسز سے فارغ ہوئی تو روشاف کی ایک دوست نے عفاف سے رابطہ کیا تھا۔ روشین' عفاف کی طرح ایک اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی' وہ دو بہنیں اور دو بھائی تھے۔ اس کی بڑی بہن اور بھائی شادی شدہ تھے اور خود روشین کی منگنی ہوچکی تھی' روشین کے دوسرے بھائی اسید تھے۔ اسید بھی شادی شدہ تھے مگر ان کی پہلی بیوی پہلے بچے کی پیدائش کے موقع پر ہی فوت ہوگئی تھی اور بچہ بھی دنیا میں آنے کے بعد زیادہ دن تک زندہ نہیں رہ سکا۔ اس کے بعد انہوں نے شادی نہیں کی تھی۔ اسید ملٹی نیشنل فرم میں جاب کرتے تھے' کبھی یہاں' کبھی وہاں اس لیے بھی شادی سے کتراتے۔ ایک بار وہ انسٹی ٹیوٹ سے روشین کو پک کرنے آئے اور وہیں ان کی نظر روشاف پر پڑی۔ روشین کی زبانی انہیں روشاف کی بہت زیادہ تعریفیں اور اس کی ٹریجڈی پتا چلی تو انہوں نے روشاف سے شادی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اسی سلسلے میں روشین عفاف سے ملی' اسے ساری بات بتا کر اسید کا فون نمبر تک روشین نے عفاف کو دے دیا تاکہ عفاف اچھے طریقے سے تسلی کرلے۔ قدرت نے جو اپنی رحمت کا در کھولا تو عفاف نے اسے گنوانا اللہ کی رحمت کی ناقدری سمجھا اس نے اسید کے بارے میں معلومات حاصل کیں' خود اسید سے ملی اور روشاف کی ٹریجڈی ڈسکس کی۔ اسید خوش تھے جیسے ان کے نزدیک روشاف کے پاؤں کی خرابی کوئی مسئلہ نہ تھی۔ وہ خود چونکہ اپنی جاب کے سلسلے میں ملکوں ملکوں پھرتے تھے تو روشاف کے پاؤں کا بہتر سے بہتر علاج کرواسکتے تھے' جس میں مصنوعی پاؤں لگنے کے باوجود لنگراہٹ تھی۔ عفاف نے وعدہ کیا تھا کہ وہ روشاف کو شادی کے لیے رضامند کرلے گی اور خود موقع کی تلاش میں لگ گئی۔

روشاف کی برتھ ڈے پر اس نے بہت ہمت کر کے روشاف سے بات کی مگر اس سے پہلے اللہ سے بہت مدد کی دعا بھی کی تھی اور رب تعالیٰ نے اسے مایوس بھی نہیں کیا تھا۔ روشاف کی رضامندی کے بعد اس نے ماما جان سے بات کی اور پھر سب کچھ آناً فاناً ہوتا چلا گیا۔ اسید کے والدین منگنی وغیرہ کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتے تھے' ویسے بھی دیر کی کوئی وجہ نہیں تھی اس لیے آنے والے جمعہ کو روشاف اور اسید کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کردیا گیا۔ مشکوٰۃ بیگم نے جیٹھ اور جٹھانی کو بلانا مناسب نہیں سمجھا' پہلے بھی ان سے صرف دکھ ہی ملے تھے مگر روشان کو اس تقریب میں بلانا نہیں بھولی تھیں اور یہی بات عفاف کی

سمجھ سے بالاتر تھی۔

"کیا روشان اسے اپنانے کے لیے راہ ہموار کررہا ہے؟ جس انداز سے روشان نے روشاف کی رخصتی کے انتظامات سنبھالے‘ ماما جان کو سہارا دیا‘ بھائی بن کر روشاف کو رخصت کیا۔ عفاف کی جان پر بن گئی اور ایک ہی خیال اسے بار بار ستا رہا تھا۔ روشان کے انداز بتارہے تھے کہ وہ پیچھے نہیں ہٹے گا۔

❀......♥......❀

روشاف رخصت ہوکر اپنے گھر چلی گئی‘ وہ بہت خوش تھی۔ خوش تو عفاف اور ماما جان بھی تھے کہ وہ زندگی کی طرف پلٹ آئی ہے۔ پھر یہ ہوا کہ گھر میں روشان کی آمد بڑھنے لگی‘ عفاف اسے روک سکتی تھی اگر روشان کو ماما جان کی حمایت نہ ہوتی۔

"عفاف! میرا خیال ہے کہ اب تمہاری رخصتی بھی ہوجانی چاہیے۔ میں بوڑھی جان نہ جانے کب فرشتہ اجل آلے۔ میں اپنی زندگی میں اپنی دونوں بیٹیوں کو ان کے گھروں میں خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔" عفاف برتن سمیٹ رہی تھی جب اس کے کانوں سے ماما جان کی آواز ٹکرائی۔ آج اسید اور روشاف ڈنر پر مدعو تھے۔ اسید نے بہت جلد روشاف کا پاسپورٹ اور ویزا کا انتظام کرلیا تھا اور اب اگلے ہفتے وہ دونوں نیویارک جارہے تھے‘ ارادہ سیر کے ساتھ ساتھ روشاف کے پاؤں کے علاج کا بھی تھا۔ اسید اور روشاف کی واپسی کے بعد ماما جان عفاف سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"ایسا ممکن نہیں ہے ماما جان!" عفاف کی آواز پست تھی۔

"کان کھول کر سن لو عفاف! پہلے جو کچھ تم کرچکیں‘ میں نے بھلا دیا مگر پہلی بار کی غلطی دوبارہ کرنے کی اجازت میں تمہیں نہیں دے سکتی۔ اگلے ہفتے گل زریں آرہی ہے اور میری کوشش یہی ہوگی کہ روشاف کے باہر جانے سے پہلے اس کی موجودگی میں ہی تمہیں رخصت کردوں۔" ماما جان نے دوٹوک اپنا فیصلہ سنادیا تھا۔

"جس بات کو آپ اتنا آسان سمجھ رہی ہیں ماما! وہ اتنی آسان نہیں ہے۔ رانیہ کبھی اس کے لیے راضی نہیں ہوگی۔" عفاف نے ماما جان کا فیصلہ سن کر صاف بات کرنے کی ٹھانی تھی۔ کب تک وہ روشان سے چھپتی‘ بہتر تھا کہ ساری بات صاف ہوجاتی۔

"رانیہ مانے یا نہ مانے‘ ہمیں رانیہ سے غرض نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ تم آج بھی روشان کی منکوحہ ہو اور وہ جب چاہے تمہیں لے جاسکتا ہے۔ اب مزید کیا رہ جاتا ہے بحث کے لیے......؟"

"آپ کیوں نہیں سمجھتیں ماما! ویسے بھی میں ایسے ہی خوش ہوں۔ روشان یا کسی کے بغیر بھی...... بس آپ لوگ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔"

"اب ایسا ممکن نہیں ہے۔" ماما جان اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔ عفاف ان کے قدموں کی طرف دیکھتی ہی رہ گئی۔

❀......☆......❀

ماما جان اپنے فیصلے سے ایک انچ ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھیں اور عفاف شادی کے لیے...... مگر مسئلے کا حل کیا تھا۔ عفاف جتنا سوچتی اتنا الجھتی‘ کیا ماما جان رانیہ کی ضد بھول گئی مگر عفاف کیسے بھولتی۔ روشان جب اسے زبردستی اپنے گھر لے کر گیا تھا تب رانیہ کیسے ہسٹیرک ہوئی تھی۔ یہی سوچ سوچ کر عفاف کا دماغ پھٹنے لگا‘ ایسے میں نجانے کیسے اس کے قدم "شیر افگن ہاؤس" کی طرف اٹھے تھے۔ وہ تائی جان سے پوچھنا چاہتی تھی کہ آپ کی بیٹی تو روشان کے پیچھے موت کو گلے لگانے پر تیار تھی‘ چار دن بھی اسے خوش نہ رکھ سکی۔ اپنے ساتھ ساتھ کتنے لوگوں کی زندگیوں کو جہنم بنادیا تھا ان کی لاڈلی نے...... صدر دروازہ کھلا تھا۔ عفاف بیل دیے بغیر اندر آگئی۔ اندر کا حال بہت بدتر تھا۔ پودے بے ترتیب انداز میں بڑھے ہوئے تھے‘ گھاس چارے کی طرح اُگی ہوئی تھی‘ ہر طرف گرد و غبار اور دھول پڑی تھی۔ عفاف لاؤنج میں آگئی وہیں پر سب کمروں کے دروازے کھلتے تھے۔ ہر طرف خاموشی کا راج تھا شاید گھر

میں کوئی نہیں تھا۔ مگر در تو سبھی وا تھے۔ وہ تائی جان کے کمرے کی طرف بڑھی مگر دروازے کے آگے ہی رک جانا پڑا اندر سے انجانی مردانہ آواز آرہی تھی۔

"ماما! میں کچھ نہیں جانتا' مجھے ہر حال میں ابھی اور اسی وقت پانچ لاکھ چاہئیں' چاہے آپ پاپا سے مانگیں چاہے خود سے انتظام کریں۔"

"تم پانچ لاکھ کی بات کررہے ہو' میرے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں اور نہ ہی میں اب تمہارے باپ سے تمہارے لیے کچھ مانگوں گی' یاد رکھنا۔" یہ آواز عفاف لاکھوں میں پہچان سکتی تھی' یہ تو تائی جان کی آواز تھی مگر......!

"ٹھیک ہے پھر شام کو جب پولیس آپ کے دروازے پر آئے تو مجھ سے سوال مت کیجیے گا۔ چاہے آپ کی برسوں کی عزت خاک میں ملے' مجھے پروا نہیں۔"

"انعام کیوں' ہمیں بڑھاپے میں ذلیل کرتا ہے۔ ہم تیرے ماں باپ ہونے کے سزاوار ہیں۔ تُو کیوں نہیں ہمیں بخش دیتا۔ اب تیرا باپ تجھے ایک روپیہ بھی نہیں دے گا۔ اس پہ آج کل ویسے ہی دورہ پڑا ہوا ہے کہ اس کے چھوٹے بھائی کا قاتل بھی تُو ہے۔" عفاف کی چھٹی حس بیدار ہوگئی۔ انعام تو تائی جان کے بیٹے کا نام تھا' جسے بچپن ہی سے جرمنی بھجوا دیا گیا اور وہ تو ساری عمر باہر رہا تو پاپا کا قاتل کیسے......!

"میں کیسے چچا جان کا قاتل ہوگیا؟" غصیلی آواز گونجی تھی۔ "اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے چچا کو تو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔" سوچتی ہوئی آواز آئی تھی۔

"اور وہ ہارٹ اٹیک کس کی وجہ سے ہوا تھا میرا لاڈلا یہ بھول گیا؟ جب تو زنا کے کیس میں جیل میں پڑا سڑ رہا تھا تو جرمانے اور مخالف پارٹی سے صلح کے لیے تیرے باپ نے جو پچاس لاکھ بھجوائے تھے وہ تیرے اور تیرے چچا کے اکٹھے کاروبار سے نکالی گئی رقم تھی اور تیرے باپ نے تیرے چچا سے یہ کہا تھا کہ انہیں کاروبار میں پچاس لاکھ کا نقصان ہوگیا ہے' تب تیرے چچا کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔" تائی کے کیے گئے انکشاف پر عفاف لڑکھڑا کر رہ گئی۔

"تُو قصوار پاپا کا اپنا ہے میرا نہیں......اور آپ مجھے دھمکیاں مت دیں' پیسوں کا انتظام کریں۔" انعام پر مطلق اثر نہیں ہوا تھا۔ اس سے زیادہ سننے کی ہمت عفاف میں نہیں تھی' وہ لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکل آئی۔

منسوب تھے جو لوگ میری زندگی کے ساتھ
اکثر وہی ملے ہیں بڑی بے رخی کے ساتھ
چہرے بدل بدل کے مجھے مل رہے ہیں لوگ
اتنا بُرا سلوک میری سادگی کے ساتھ

❁......☆......❁
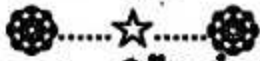
جمعہ کو عفاف کی رخصتی تھی مگر ہر لحہ اس پر عذاب بن کر اُتر رہا تھا۔ "اب کچھ ہوا' کچھ ہوا' اُسے لگا وہ پاگل ہو جائے گی' رخصتی میں صرف تین دن رہ گئے تھے۔ آخر کیا تھا جو اسے چین نہیں لینے دے رہا تھا اور پھر وجہ سامنے آہی گئی۔ رانیہ کو جب سے روشان کے رخصتی کے ارادوں کی خبر ہوئی تھی وہ روشان کے سر پر سوار تھی کہ وہ عفاف کو طلاق دے دے مگر روشان پر کوئی اور دھن ہی سوار تھی۔ انکل' آنٹی آچکے تھے۔ رخصتی کی تیاریاں مکمل تھیں اور رانیہ یہ سب برداشت نہیں کر پارہی تھی وہ جمعرات کی شام تھی اور کل عفاف کی رخصتی۔ روشان نے عفاف کے لیے الگ گھر کا بندوبست کرلیا تھا۔ روشان اپنے کسی کام سے ڈیفنس آیا تھا ورنہ وہ پچھلے کچھ دنوں سے کم ہی ڈیفنس ولا میں ٹک رہا تھا۔ وہ جیسے ہی لاؤنج میں آیا' اس کی چھٹی حس نے اسے خبردار کیا تھا کہیں پر کچھ تھا۔ ملازمہ کے بقول رانیہ پچھلے تین دن سے اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی مگر کیوں......!

اس نے آہستگی سے دروازہ کھولا جو لاک نہیں تھا۔ سامنے رانیہ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی۔ روشان گومگو کیفیت میں تھا کہ آگے جائے یا واپس پلٹ جائے۔ رانیہ نے سر اٹھا کر دیکھا پھر وہ تیزی سے اٹھی کہ روشان اس کی حرکت پر حیران بھی نہیں ہوسکا اور نتیجہ سامنے تھا۔ رانیہ بلیک ماؤزر روشان کی طرف تانے کھڑی تھی' روشان ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گیا تھا۔

"کتنا مزہ آئے گا روشان! جب عفاف تمہاری میت

پہ بین کرے گی' آنسو بہائے گی۔ اسے سفید دوپٹا پہنایا جائے گا۔" وہ بے ہنگم انداز میں ہنسی تھی کہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور اسی موقع کو غنیمت جانتے ہوئے روشان نے بیڈروم کے دروازے کے ساتھ موجود کاؤچ سے بھاری کشن اٹھا کر رانیہ کی طرف پھینکا تھا جو پوری قوت سے رانیہ کے جا لگا۔ وہ اس کے لیے تیار نہیں تھی' ایک دم سے بوکھلائی تھی۔ یہی موقع روشان کے لیے غنیمت تھا' اس نے رانیہ کے ہاتھ سے آگے بڑھ کر ماؤزر چھیننا چاہا مگر اس وقت وہ انتقام اور غصے کی لپیٹ میں تھی۔ بھوکی شیرنی کی طرح وہ روشان پر جھپٹی مگر ماؤزر پر ابھی بھی اس کی گرفت سخت تھی اور پھر اسی چھینا جھپٹی میں نجانے کیسے رانیہ کا ہاتھ ٹریگر کو دبا گیا حالانکہ روشان کی مکمل کوشش تھی کہ کسی طرح احتیاط سے ماؤزر رانیہ کی گرفت سے نکل آئے۔ مگر جس کی موت جیسے لکھی ہو وہ اسی طرح آتی ہے سو رانیہ کا قصہ وہیں ختم ہوگیا۔ ماؤزر سے نکلنے والی گولیاں رانیہ کا اپنا قصہ تمام کر گئیں۔ روشان نے بے بسی کے احساسات سے آنکھیں بند کرلیں۔

کیسا ناشکرا انسان ہے جسے اس کے رب نے اپنی دائمی ہدایت کی کتاب میں بارہا سمجھایا ہے کہ دیکھو! حسد' بغض' کینہ' ضد' انتقام' غصہ یہ سب شیطان کے خوش رنگ و دلکش جال ہیں جن کے ذریعے وہ رحمان کے بندوں کو رحمان کی بندگی سے نکال کر اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ مجھے تو آگ میں جلنا ہی ہے کیوں نہ دوسروں کو بھی ساتھ لے کر جلوں۔ مگر انسان یہ نہیں سمجھتا۔ شیطان کے فریب کے جال میں پھنس کر اپنی دنیا اور آخرت دونوں برباد کرلیتا ہے۔

رانیہ کی موت نے تائی جان کو اتنا صدمہ دیا کہ وہ سکتے میں آگئیں۔ رانیہ کے سوئم پر انعام کے گرفتار ہونے کی خبر مل گئی۔ اب کی بار اس نے شہر کے معروف ترین بزنس مین کی بیٹی پر ہاتھ ڈالا تھا مگر ناکامی کے ساتھ ساتھ بدنامی نے بھی اس کا دامن پکڑ لیا۔ مخالف فریق نے نہ صرف اس کی گرفتاری مانگی تھی' ساتھ ہی اس پر کئی اور مقدمے بھی ڈال دیے۔ انعام کی ساری ہسٹری شیٹ کھنگالی گئی جہاں دھوکے اور جرائم کے سوا کچھ نہ تھا۔ انعام کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جنہیں مناسب توجہ اور محبت نہ ملنے کے سبب گندی صحبت اپنے جال میں پھانس لیتی ہے' ماں نے بچپن ہی میں اسے خود سے دور کردیا جب اسے اچھے بُرے کی پہچان نہ تھی۔ ماموں اور مامی دونوں جاب کرتے تھے' ان کی اپنی اولاد نہیں تھی' وہاں جا کر انعام احساس کمتری کا شکار ہوگیا۔ اس کا حل اس نے آوارہ لوگوں کی صحبت میں نکالا۔ نت نئے ایڈونچر چھوٹی موٹی چوریاں یہ عام سی باتیں تھیں۔ ماموں ممانی کو جب انعام کی حرکتوں کی خبر ملی تو انہوں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ ان کے نزدیک انعام اچھا خاصا سمجھ دار بچہ تھا جو اپنا اچھا بُرا خود سمجھ سکتا ہے۔ ان ہی تجربات نے انعام کو اس حد تک شیر کردیا کہ اس نے اپنی ایک یونیورسٹی فیلو جس کے والد اسی یونیورسٹی میں پروفیسر تھے سے راہ و رسم بڑھانے کے لیے غلط ذرائع کا استعمال کیا' نتیجتاً وہ جیل میں تھا۔ ماموں ممانی نے معاملے کو رفع دفع کروانا چاہا تو انعام پر پچاس لاکھ روپے جرمانہ عائد کیا گیا۔ شمشیر اور گل شیر صاحب کا کاروبار متوسط درجے کا تھا' جس میں سے اگر ایک دم پچاس لاکھ نکالے جاتے تو کاروبار کو دھچکا لگتا۔ مگر بیٹے کی خاطر شمشیر صاحب یہ خطرہ مول لینے کو تیار ہوگئے۔ بیٹا تو بازیاب ہوگیا مگر بھائی جان سے چلا گیا۔ اس کے بعد ان کی پوری کوشش تھی کہ انعام پاکستان واپس آجائے مگر وہ اس کے لیے قطعاً راضی نہیں تھا اور جب وہ واپس لایا گیا تو یہاں بھی اس کی وہی حرکتیں تھیں۔ آئے دن پیسوں کا مطالبہ اور دیگر جرائم۔ تائی جان و تایا جان پر زندگی کا دائرہ تنگ ہونے لگا۔ ایک طرف رانیہ تھی جو سکھ کا سانس نہیں لینے دے رہی تھی اور دوسری طرف انعام' جس نے ماں باپ کے خوب کس بل نکالے تھے۔

بُری تربیت صرف اس ایک انسان کی زندگی کو نقصان نہیں پہنچاتی جو زیر تربیت ہو بلکہ آس پاس کے لوگ بلاواسطہ یا بالواسطہ دونوں طرح سے اس سے متاثر ہوتے

ہیں۔ اولاد کی تربیت اللہ نے والدین پر لازم قرار دی ہے' خود اللہ رب العزت نے اپنے سچے اور محفوظ کلام میں اپنے بندوں کو مخاطب کر کے انہیں اولاد کی اچھی تربیت کا حکم دیا ہے۔ اب بُری تربیت کا نتیجہ سامنے تھا۔ شمشیر صاحب کو بیٹے کے کرتوت کا پتا تھا مگر وہ ہر بار کی طرح اس بار اپنے بیٹے کو اس لیے نہ بچا سکے کہ ان کے پاس وسائل نہ تھے۔ بھائی کی موت کے بعد ان کا کاروبار مسلسل خسارے میں جارہا تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپنا گھر تک گروی رکھ دیا۔ اب کہاں سے روپیہ لگا کر راتوں رات انعام کو جیل سے نکلواتے اور معاملہ دباتے۔ بیٹی کی حرام موت نے انہیں بہت دکھ دیا تھا مگر بیٹے کے کرتوت ان کی بچی کچھی سانسیں بھی چھین کے لے گئے اور ان کو ہونے والا پہلا ہارٹ اٹیک ہی جان لیوا ثابت ہوا۔

❁......○......❁

رانیہ کے بعد تایا جان کا بھی چالیسواں گزر گیا۔ تائی جان اتنے صدمے برداشت نہ کر پائیں اور اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھیں۔ احمر انکل اور روشان انعام کے مسئلے کو سلجھانا چاہتے تھے مگر اب کی بار مچھلی بہت مضبوط جال میں پھنسی تھی۔ انعام کے لیے اگلے بیس سال بعد بھی جیل سے باہر آنا ممکن نہیں تھا۔ اس لیے انکل اور روشان پیچھے ہٹ گئے۔ روشاف باہر چلی گئی۔ تانیہ اپنے پاپا کے چالیسویں کے بعد واپس کراچی چلی گئی۔ مشکوٰۃ بیگم نے اس سے کہا تھا۔

"یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔ تمہارا جب دل چاہے تم یہاں آسکتی ہو۔ جو گزر گیا سو گزر گیا۔" تانیہ نم آنکھوں سے مسکراتی ہوئی واپس چلی گئی۔

❁......○......❁

عفاف اور روشان ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ایک بہت خوب صورت گلستان میں ندی کے کنارے ایک دوسرے کے ہم قدم چل رہے تھے۔ ٹھنڈی ہوا چلتی تو عفاف کا پیلا آنچل اڑتا ہوا روشان کے چہرے پر آجاتا تو وہ زور سے ہنس پڑتا۔

کسی غیر معمولی احساس کے تحت عفاف کی آنکھ کھل گئی۔ رانیہ اور تایا جان کی خلاف توقع موت نے عفاف کو سُن کر دیا تھا۔ وہ ایک ماہ گزرنے کے بعد بھی اپنے اندر اتنی ہمت پیدا نہ کر پائی کہ کالج جا سکے۔ مگر بھلا ہو امتحانات کا ڈیٹ شیٹ آتے ہی پرنسپل نے فون کر کے عفاف اور مشکوٰۃ کا سر کھا لیا بلکہ پرنسپل صاحبہ نے تو باقاعدہ گھر کے چکر بھی کاٹے تو عفاف کو کالج جانا ہی پڑا آج وہ تھکی ہوئی کالج سے لوٹی تھی۔ لنچ اس نے کالج ہی میں کیا تھا گھر واپس آ کر جب ظہر کی نماز پڑھی تو جائے نماز پر ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔ عفاف نے بہت اچھا خواب دیکھا تھا مگر پھر اچانک ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ جانے کس غیر معمولی احساس کو آنکھ کھولنے پر مجبور کیا تھا وہ احساس آنکھیں کھولتے ہی اس کی سمجھ میں آ گیا۔ روشان عفاف کے قریب ہی کارپٹ پر بیٹھا اور اس کی نظریں عفاف کے روشن چہرے پر جمی تھیں مگر یہ نظریں ستائش یا اپنائیت کا احساس لیے ہوئے نہیں تھیں بلکہ ان میں کچھ اور تھا۔ کوئی دکھ کوئی ملال۔

اس کی محبتوں کا طریقہ کچھ اور ہے
کہتا وہ مجھ سے کچھ ہے' کرتا کچھ اور ہے
جو اس پہ بیتتی ہے' وہ معلوم ہے مجھے
جب اس سے پوچھتا ہوں' بتاتا کچھ اور ہے

عفاف جھجکتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دونوں طرف خاموشی تھی۔ نجانے کتنے لمحے ایسے ہی گزر گئے اور جب وہ بولا تو بولا بھی کیا۔

"عفاف! پتا نہیں مجھ میں کوئی کمی ہے یا معلوم نہیں کہ تمہارا ہی معیار اتنا اونچا ہے کہ میں نے جب بھی تمہیں پانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تم نے میرا ہاتھ جھٹک دیا۔ جب بھی میں نے تمہاری طرف پیش قدمی کی تم پیچھے ہٹ گئیں۔ ماما اب پھر سے ممانی جان کے پاس آنا چاہ رہی ہیں تمہارے لیے' مگر میرا خیال ہے کہ تم ابھی بھی خوش نہیں ہو۔ اس لیے میں واپس جارہا ہوں۔ اپنے فیصلے سے مجھے آگاہ کر دینا' میں تمہیں پیپرز بھجوا دوں گا۔" روشان اپنی

بات مکمل کرنے کے بعد اٹھنے لگا تو عفاف نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھاما۔ آنکھوں سے برسات شروع ہوگئی تھی روشان کے فیصلے نے اس کا رنگ اڑا دیا تھا۔

"روشان! مجھے معاف کردو۔ میں واقعی بہت بُری ہوں‘ میں نے تمہیں دھتکارا ہے‘ میں اپنی غلطی تسلیم کرتی ہوں مگر میں نے یہ سب اپنے اونچے معیار کے تحت نہیں کیا بلکہ تمہاری سلامتی اور بھلائی کے لیے کیا تھا۔ تم میری زندگی میں جائز اور شرعی طریقے سے آنے والے پہلے اور آخری مرد ہو مگر میں تم سے اس لیے کنارا کش ہوئی تھی کہ تم رانیہ کی ضد بن گئے تھے اور یہ میں جانتی ہوں کہ جو چیز رانیہ کی ضد بن جائے اور وہ اسے نہ ملے تو وہ اس چیز کو کسی دوسرے کے قابل نہیں چھوڑتی تھی۔ میں بے بس تھی روشان! میں کیا کرتی؟" روتے روتے عفاف کی ہچکی بندھ گئی مگر اس نے ابھی بھی روشان کا ہاتھ مضبوطی سے اپنے ہاتھوں میں جکڑ رکھا تھا جیسے اگر اس نے آج یہ ہاتھ چھوڑ دیا تو پھر شاید ہمیشہ کے لیے وہ کھو جائے گا۔ روشان نے دھیرے سے اسے اپنے ساتھ لگالیا اور اس کا سر تھپکنے لگا۔ درحقیقت وہ بہت مایوس عفاف کے پاس آیا تھا۔ رانیہ کی وفات کے بعد سے عفاف نے روشان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا مگر عفاف کے اس اعتراف نے اسے بہت ہلکا پھلکا کردیا۔

"تم یہ سب مجھے پہلے نہیں بتاسکتی تھیں؟ مجھ پہ اعتبار تو کرتیں مگر تم نے تو مجھے تھال میں سجا کر رانیہ کو پیش کردیا۔" روشان نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے شکوہ کیا۔

"مجھ سے غلطی ہوئی‘ اب بھی معاف نہیں کرو گے روشان!" عفاف نے روشان کے سینے سے سر اٹھاتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ باندھ دیے۔

"اتنی جلدی معاف کردوں؟ تم نے جو مجھے اتنا تڑپایا‘ ترسایا ہے اس کا حساب کون دے گا۔" روشان کا ایک دم سے مزاج بدلا مگر عفاف کے پاس اس کا حل تھا۔ وہ بولی تو لہجہ گنگناتا ہوا تھا۔

"دے دیں ایک معافی‘ ہماری توبہ‘ کبھی جو اب ہم ستائیں تم کو
لو ہاتھ جوڑے لو کان پکڑے اب اور کیسے منائیں تم کو"

عفاف نے ہاتھ جوڑ کر روشان ہی کے کان پکڑ لیے۔

"جو سچ کہیں تو تمہیں غصے نے اور دلکش بنادیا ہے
ہمارے من کو تو سوجھتی ہے کہ اور غصہ دلائیں تم کو"

روشان کا منہ پھولا ہی رہا۔

"تو کیا ہوا جو ہم اب تک تمہاری نظروں کے سب تقاضوں سے بے خبر ہیں
ہمیں محبت ہے تم سے جاناں اور اب کیسے بتائیں تم کو"

آخری شعر میں اپنی مرضی سے تبدیلیاں کرتے ہوئے عفاف نے روشان کے کندھے پر سر رکھ دیا۔ روشان کو عفاف سے یہ توقع نہ تھی وہ حیران رہ گیا۔ اسی پل دروازے پر دستک ہوئی۔ عفاف فوراً پیچھے ہٹی‘ روشان کی تیوری چڑھی تھی۔ عفاف ہنسنے لگی۔

"میں آج ہی رخصتی کرواتا ہوں۔" اسے عفاف کے ہنسنے پر غصہ آیا۔ دروازہ کھلا تو سامنے مشکوٰۃ بیگم تھیں۔ عفاف کے ہنستے چہرے نے بتادیا تھا کہ معاملہ صاف ہوچکا ہے۔ وہ مصنوعی غصے سے روشان سے مخاطب ہوئیں۔

"نکلو یہاں سے اور اب دوبارہ دلہا بن کر ادھر کا رخ کرنا۔"

"ممانی جان! بے عزتی نہ کریں‘ ورنہ میں ابھی اپنی بیوی کو یہاں سے لے جاؤں گا۔"

"جی نہیں‘ میں تو ایسے تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" وہ روشان کو چڑاتے ہوئے بولی۔

"تمہاری تو ایسی کی تیسی!" روشان غصے سے پیچھے بھاگا اور عفاف روشان کو اپنے پیچھے آتے دیکھ کر باہر بھاگ گئی۔ دونوں کی مسکراہٹوں نے پورے گھر کی فضا کو خوش گوار بنادیا۔

مشکوٰۃ بیگم ہنستی ہوئی باہر آگئیں۔ ان کے دل نے اپنے بچوں کی خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعا مانگی تھی۔

اسکینڈل

نادیہ احمد

"حوریہ! میں آپ سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔" ڈاکٹر فروا بہت تحمل سے اس کے جواب کا انتظار کر رہی تھی جو سر جھکائے میز پہ انگلی سے نہ دکھائی دینے والی لکیریں بناتی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شاید وہ اس کشمکش میں تھی کہ آیا اسے فروا کو اپنا ہمراز بنانا ہے یا نہیں۔ کیا اسے اس پر اعتبار کرنا چاہیے یا نہیں۔ ڈاکٹر فروا کی بات سن کر اس نے سر اٹھا کر اپنے سامنے بیٹھی اس پیاری سی لڑکی کو دیکھا جو بہت خلوص سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں یہ یقین دہانی تھی کہ حوریہ اس پہ اعتبار کر سکتی ہے۔

حوریہ فاروق کو چند گھنٹے پہلے ڈاکٹر فروا کے پرائیوٹ کلینک میں بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا تھا۔ اس نے خواب آور گولیاں کھا کر خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی۔ ویسے تو اس نے بہت زیادہ گولیاں نہیں کھائی تھیں اور کچھ اس کے والدین اسے جلدی ڈاکٹر کے پاس لے آئے تھے اور اس طرح بروقت طبی امداد ملنے سے اس کی جان بچالی گئی تھی۔ اس کے والدین حوریہ کی اس حرکت پہ شدید پریشان تھے۔ وہ مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھتے تھے۔ حوریہ خود ایک پڑھی لکھی لڑکی تھی۔ چوبیس پچیس سال کی ایک خوش شکل لڑکی جو ایک بڑی کمپنی میں اچھی ملازمت کرتی تھی۔ ڈاکٹر فروا کے لیے بھی یہ ایک معمہ تھا۔ اس کے والدین کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں ایک بار پھر حوریہ ایسا کوئی خطرناک قدم نہ اٹھالے۔ وہ اس سے کئی بار اس کے اس فعل کی وجہ دریافت کر چکے تھے لیکن حوریہ ٹس سے مس نہ ہوئی تھی۔ بالآخر ڈاکٹر فروا نے اسے اعتماد میں لینے کی کوشش کی اور دوستانہ انداز میں اس سے پوچھا کہ آخر اس کی زندگی میں ایسا کیا ہوا جو اسے خودکشی کا خیال آیا۔ حوریہ نے ہچکچاتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ڈاکٹر فروا بہت غور سے اس کی بات سن رہی تھی۔

"میرے والد ایک پرائیوٹ فرم میں ملازم تھے۔ دو سال پہلے اچانک انہیں فالج کا اٹیک ہوا اور اس دوران ان کی ملازمت ختم ہوگئی۔ جو کچھ جمع پونجی تھی وہ ان کے علاج پہ خرچ ہوگئی اور گھر کے اخراجات کے لیے مجھے نوکری کرنا پڑی۔ میں نے ان دنوں اپنا کمپیوٹر سائنس میں ماسٹر مکمل کیا تھا، جلد ہی مجھے ایک اچھی ملازمت مل گئی جس سے بآسانی ہماری ضروریات پوری ہو رہی تھیں۔ شکر ہے ابو کی بیماری کوئی معذوری چھوڑ کر نہیں گئی تھی لیکن پھر بھی وہ ذہنی اور جسمانی مشقت کے قابل نہیں رہے تھے۔ میری دو چھوٹی بہنوں کے تعلیمی اخراجات بھی میرے ہی سر پہ تھے۔ یہ بھی شکر تھا کہ مجھے ایک اچھی نوکری مل گئی اور رشتے داروں کے سامنے ہماری سفید پوشی کا بھرم بھی قائم رہا۔ شیراز چوہدری صاحب ایک نہایت شفیق اور درددل رکھنے والے انسان تھے۔ انہوں نے میرا بہت خیال رکھا اور مجھے اپنی ملازمت پہ سیٹل ہونے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ میں کمپیوٹر سیکشن میں ایڈمنسٹریٹر تھی۔ وہاں میرے ساتھ ایک لڑکا آغا حیدر تھا۔ پچیس چھبیس سال کا لاابالی سا بندہ جو کام کے ساتھ ساتھ ہنسی مذاق اور لطیفہ گوئی بھی کرتا رہتا تھا۔ اس کا تعلق گجرات سے تھا اور وہ یہاں ایک فلیٹ کرائے پر لے کے رہ رہا تھا۔ ایک ہی ڈیپارٹمنٹ اور ایک کمرے میں ہونے کی وجہ سے ہماری جلد دوستی ہوگئی۔ حالانکہ میں کافی محتاط لڑکی ہوں اور کام کے علاوہ شروع میں اس سے بالکل بات چیت نہیں کرتی تھی لیکن وہ اکثر مجھے اپنی بہن اور والدہ کے قصے سناتا رہتا تھا جنہیں وہ بہت مس کرتا تھا وہ مجھے یہ بھی کہتا کہ اس کی بہن بالکل میرے جیسی ہے۔ اسے آفس میں دوسرے

ہم عمر کو لیگ آغا بھائی کہتے تھے تو میں نے بھی اسے آغا بھائی ہی کہنا شروع کردیا۔ ایک دن وہ بہت پریشان تھا اور کام میں بھی اس کا دھیان نہیں لگ رہا تھا میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ اس کی والدہ بہت بیمار ہیں اور انہیں علاج کے لیے پیسے بھجوانے ہیں۔ میرے پاس ان دنوں کچھ رقم موجود تھی جو میں ہر ماہ اپنی تنخواہ سے بچا کر الگ رکھتی تھی۔ میں نے اسے تسلی دی کہ اگر وہ چاہے تو میں اسے وہ پیسے دے سکتی ہوں اور جب اس کے پاس ہوں تو وہ مجھے واپس کردے۔ وہ میرا بے حد شکر گزار تھا، اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ اگلے ماہ مجھے میرے پیسے لوٹا دے گا۔ انہی دنوں شیراز صاحب کا بیٹا فراز چوہدری اپنی تعلیم مکمل کرکے باقاعدگی سے دفتر آنے لگا۔ کمپیوٹر ایڈمن ہونے کی حیثیت سے میری اس سے سرسری سی ملاقات ہوئی۔ شروع شروع میں بھی میں اور کبھی آغا دونوں کو اس کے کمرے میں کئی بار چکر لگانے پڑتے۔ نیٹ ورک کے مسائل اور مختلف ڈیٹا اس کے کمپیوٹر تک منتقل کرنے کے لیے ہمارا کافی وقت اس کے ساتھ گزرتا۔ شیراز صاحب کے برعکس وہ کافی ریزرو طبیعت رکھتا تھا۔ حالانکہ وہ بہت سوفٹ اسپوکن اور ویل مینرڈ تھا لیکن اس کے باوجود کام کے علاوہ دفتر کے کسی بندے کے ساتھ اس کی بے تکلفی نہیں تھی۔ ہم سب کا اس کے بارے میں یہی خیال تھا کہ وہ اچھا خاصا مغرور انسان ہے۔ ابو کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی اور میں دو دن کی چھٹی لے کر چلی گئی۔ ان کے علاج کے لیے مجھے پیسے چاہیے تھے تو میں نے آغا کو کال کرکے اپنی رقم کا مطالبہ کیا۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ آج شام تک لازمی میرے پیسے واپس کردے گا۔ شام سات بجے آغا نے مجھے کال کی کہ میں اس کے فلیٹ پہ آکر اپنے پیسے لے

جاؤں۔ مجھے اس کی بات سے اختلاف تھا۔

"آپ کا فلیٹ ہسپتال سے محض بیس منٹ کی دوری پہ ہے آپ خود آکر مجھے پیسے کیوں نہیں دے جاتے آغا بھائی۔ میں نے خفگی سے کہا تھا۔"

"میں آجاتا لیکن کچھ دیر پہلے میرا بائیک سے گر کر ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور میں اس وقت اس حالت میں نہیں ہوں کہ آپ کو پیسے دینے آؤں۔" آغا کے پاس جواز تھا۔

"میری ضرورت سر پہ تھی مجھے ہسپتال کا بل ادا کرنا تھا اس لیے مجبوراً میں اس کے گھر گئی اور دروازے سے ہی پیسے لے کر پلٹ آئی۔ اس نے لاکھ منت کی میں پہلی بار اس کے گھر آئی ہوں اور ایک کپ چائے تو پیتی جاؤں لیکن مجھے یہ بات مناسب نہیں لگی تھی۔ اللہ کا شکر ہے ابو کی طبیعت ٹھیک ہوگئی تھی۔ میں نے دفتر جوائن کیا تو آغا غائب تھا۔ اس کے پٹیوں میں جکڑے ہاتھ اور پاؤں تو میں خود بھی دیکھ کر آئی تھی۔ اس دوران کمپیوٹر سیکشن کا سارا کام میرے سر پہ آن پڑا تھا۔ شیراز صاحب امریکہ میں تھے اور آفس کا انچارج اب فراز چوہدری تھا جو سارے اسٹاف کو ایک ٹانگ پہ نچا رہا تھا۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہوتا اور وہ معمولی باتوں پر ان کی اچھی خاصی کلاس لگا دیتا تھا۔ باقی اسٹاف کی طرح اس کا میرے ساتھ رابطہ بھی بڑھ گیا تھا۔ اس کا رویہ ویسا ہی لگا بندھا تھا جو باقی لوگوں کے ساتھ تھا لیکن آج کل وہ ہر چھوٹی بڑی بات کے لیے مجھے اپنے آفس میں کال کر لیتا تھا۔ وہ کام جن کا تعلق میرے ڈیپارٹمنٹ سے تھا وہ تو خیر مجھے ہی کرنے تھے لیکن اس کے علاوہ بھی ایسے کئی کام جو اس کی سیکرٹری یا اکاؤنٹس کی ذمہ داری تھی وہ انہیں مجھ پہ لاد رہا تھا۔ وہ باس تھا اور مجھے اس کا حکم ماننا تھا۔ کام سے گھبرا کر میں یہ ملازمت تو ہرگز گنوا نہیں سکتی تھی وہ بھی ان حالات میں جبکہ مجھے اس ملازمت کی اشد ضرورت تھی۔ آج کل میرا زیادہ وقت اس کے کیبن میں گزر رہا تھا۔ یہ بات باقی لوگوں کے لیے بھی عجیب ہوگی لیکن آغا نے اس بات کو مجھے جتا بھی دیا تھا کہ آج کل میں باس کی گڈ بکس میں ہوں۔ مجھے یہ بات بری لگی اور میں نے اس سے کہا بھی کہ اگر فراز اسے اوور برڈن کرے تو کیا اسے گڈ بکس میں آنا کہتے ہیں۔ اس نے مجھ سے معذرت کی تھی۔ ایک دن فراز کا کمپیوٹر نیٹ ورک پہ نہیں آرہا تھا، سارا دن میں اور آغا ہلکان ہوتے رہے تھے۔ ہیڈ آفس اور فیکٹری کا تمام ریکارڈ جو ہر لمحہ اس کی دسترس میں ہوتا تھا وہ اس ڈیٹا بیس تک رسائی حاصل نہیں کر پا رہا تھا۔ پورا دن میں کبھی اپنے اور کبھی فراز کے دفتر میں شٹل کاک بنی رہی۔ اس دوران دفتر کا وقت بھی ختم ہوگیا لیکن وہ تو جیسے اس بات سے بے پروا تھا۔ شام چھ بجے مختلف تاریں اور کنیکٹر بدلنے کے بعد اس کا کمپیوٹر نیٹ ورک پہ آیا اور میں نے سکون کا سانس لیا۔ پورا آفس خالی ہو چکا تھا سوائے میرے اور آغا کے۔ فراز تو خیر اکثر ہی لیٹ جاتا تھا۔ میں دفتر سے نکلی تو اچھا خاصا اندھیرا ہو چکا تھا۔ گیٹ تک پہنچی تو فراز اپنی گاڑی نکال رہا تھا چوکیدار بھی دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ اس نے مجھے آفر کی کہ وہ مجھے گھر ڈراپ کردے گا۔ میرے لیے یہ بات قابل قبول نہیں تھی سو میں نے سہولت سے انکار کردیا لیکن وہ تو بضد تھا کہ اسے ہر حال میں مجھے ڈراپ کرنا ہے۔ اس نے مجھ سے معذرت بھی کی کہ آج اس کی وجہ سے مجھے دفتر میں اتنی دیر ہوگئی۔ چاروناچار مجھے اس کے ساتھ جانا پڑا۔ تمام راستہ ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی سوائے چند ذاتی سوالات کے جو میری فیملی اور میرے اسٹیٹس کے متعلق تھے اور کافی سنجیدگی سے پوچھے گئے تھے۔ اس نے مجھے گھر ڈراپ کیا جس کے لیے میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اس واقعے کے چند روز بعد میں اپنی روٹین کے حساب سے دفتر سے نکلی ہی تھی کہ فراز نے مجھے ایک بار پھر لفٹ آفر کی۔

"شکریہ سر میں خود چلی جاؤں گی۔" میں نے سنجیدگی سے منع کردیا تھا۔

"مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے اور وہ

بات آفس میں نہیں ہوسکتی تھی اس لیے کیا ہم تھوڑی دیر کہیں باہر مل سکتے ہیں۔" میں اس بار بھی اس کے ساتھ چلی گئی۔ وہ مجھے ایک ریسٹورنٹ میں لے آیا تھا۔

"حوریہ! میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" وہ مجھے پرپوز کررہا تھا اور یہ بات میرے لیے حیران کن تھی۔ فراز کا رویہ میرے ساتھ باقی اسٹاف جیسا فارمل ہی تھا۔ کام کے سلسلے میں اس کا مجھے دن میں کئی بار کال کرنا ویسا ہی تھا جس طرح وہ سارا دن باقی لوگوں کو تھکاتا رہتا تھا۔ وہ ایک خوبرو، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اتنا بڑا بزنس پرسن...... میرے جیسی لڑکی کا اسے انکار کرنا بنتا ہی نہیں تھا۔

"اپنی شادی کا فیصلہ میں خود نہیں کرسکتی فراز صاحب اس لیے بہتر ہے یہ بات میرے والدین سے کی جائے۔"

"میں خود بھی اس بات کو پیرنٹس کے ذریعے ہی آگے بڑھانا چاہتا ہوں اور اپنے والد کی امریکہ سے واپسی کا انتظار کررہا ہوں۔" اس نے بغیر کسی حیل و حجت کے کہا تھا۔

آفس میں میرا اگلا دن پہلے سے مختلف تھا۔ دن میں کام کے سلسلے میں ہونے والی دو تین بار کی ملاقات میں اب وہ میرے لیے ایک سخت گیر باس نہیں تھا۔ میں تو پہلے کی طرح ریزرو ہی تھی لیکن اس کی معنی خیز مسکراہٹ اور بے تکلف جملے سن کر میں اچھی خاصی بلش ہوجاتی تھی۔ اس کے ساتھ کوئی جذباتی وابستگی نہ ہونے کے باوجود بھی مجھے وہ سب کچھ اچھا لگ رہا تھا۔ چوبیس سال کی عمر میں وہ میری زندگی میں آنے والا پہلا مرد تھا۔ اس کے اور میرے درمیان بے تکلفی بڑھتی جارہی تھی اور ہم ایک دوسرے سے اب کافی ریلیکس ہوکر بات چیت کرلیتے تھے۔ وہ میری تعریف کرتا یا مجھ سے اظہار محبت کرتا تو میں وہ سب سن کر خوش ہوتی اور اس کے لیے کوئی خاص موقع یا الگ وقت نہیں ہوتا تھا بلکہ کام کے دوران کبھی انٹرکام پہ یا اس کے آفس میں کسی ضروری کام سے بلانے پر وہ مجھ سے اپنی فیلنگ شیئر کرلیتا تھا۔ میں اس کی باتوں کی عادی ہوتی جارہی تھی۔ اس کی طرف سے ملنے والی امپورٹنس اچھی لگنے لگی تھی۔ دو دن پہلے میں اس کے کیبن میں گئی تو مجھے لگا اس کا رویہ پہلے سے مختلف ہے۔

وہ کافی بدلہ ہوا لگا ویسا ہی جیسا ان دنوں میں تھا جب اس نے نیا نیا آفس جوائن کیا تھا یا شاید اس سے بھی زیادہ اجنبی اور روڈ۔ میرے لیے یہ سب حیرت اور تکلیف کا باعث تھا۔ اس کا انداز مجھے اگنور کرنے والا تھا اور مجھے اس پہ غصہ بھی آیا۔ کیا وہ میری فیلنگز سے کھیل رہا تھا اور چند دن ہنسی مذاق کرکے اب اپنی مردانہ انا کو تسکین پہنچا رہا تھا۔ یہ بات آفس ٹائم ختم ہونے کے بعد اس سے پوچھنے کے لیے میں اس دن دیر تک رکی۔ پہلے ہی میرا پورا دن ڈسٹرب گزرا تھا اور میں چاہتی تھی کہ میں فراز سے آج اس بات کو کلیئر کرکے ہی جاؤں۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں کیا۔ آج سارا دن آپ نے مجھے مسلسل اگنور کیا ڈھنگ سے بات کرنا تو دور آپ نے تو میری طرف دیکھا بھی نہیں کیا اس رویے کی وجہ جان سکتی ہوں۔" میرے سوال پر جو کچھ فراز نے کہا وہ سن کر میرے پاؤں سے صحیح معنوں میں زمین نکل گئی تھی۔

"میں نے تم سے شادی کا فیصلہ اس لیے کیا کیونکہ تم مجھے اچھی لگتی تھی مجھے لگا تھا کہ تم ایک مضبوط کردار کی لڑکی ہو لیکن آغا نے مجھے تمہاری اصلیت بتادی ہے۔" وہ مجھ پر بدچلن ہونے کا الزام لگارہا تھا اور میں سن کھڑی اس کی باتیں سن رہی تھی۔ آغا اسے میرے بارے میں کیا کہہ سکتا تھا مجھے لگا کوئی غلط فہمی ہوئی ہے وہ تو مجھے اپنی بہن سمجھتا تھا۔

"میں پوچھ سکتی ہوں ایسا کیا کہا ہے اس نے جو آپ میرے کردار پہ انگلی اٹھارہے ہیں۔" میں اس کی بات سن کر شاک تھی۔

"آغا نے کہا ہے اس کا اور تمہارا افیئر پچھلے ڈیڑھ سال سے چل رہا ہے۔ اس آفس میں سب سے زیادہ تمہاری آغا سے ہی تو بات چیت ہے اور اس نے کہا ہے کہ وہ اکثر اپنے فلیٹ پر تم سے ملتا رہا ہے اچانک میرے

تم دونوں کے درمیان آجانے کی وجہ سے تم اب اسے وقت نہیں دے رہی ہو اور دولت اور پیسے کے لالچ میں آج کل تمہارا انٹرسٹ آغا سے بدل کر اب میری طرف ہو گیا ہے۔" فراز غصے میں بول رہا تھا۔

"وہ جھوٹ کہہ رہا ہے، بکواس کررہا ہے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے میں نے تو ہمیشہ اسے اپنا بھائی سمجھا ہے۔" میں غصے سے چلائی تھی۔

"حوریہ تم صرف مجھے یہ بتاؤ کیا اٹھارہ تاریخ کو رات آٹھ بجے تم آغا کے فلیٹ پہ گئی تھی؟" وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں...... لیکن...... وہ تو میں......" اس نے میری بات مکمل نہیں ہونے دی تھی۔ اس کی آنکھوں میں میرے لیے نفرت تھی۔

"بس...... میں اس سے آگے ایک لفظ نہیں سنوں گا اور آج کے بعد میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ تم جیسی دھوکے باز اور بدکردار لڑکی کو میں اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کرچکا تھا اور یہ میری زندگی کا غلط فیصلہ تھا۔ تم ابھی اسی وقت یہاں سے چلی جاؤ۔" اس کی باتوں میں اتنی حقارت تھی کہ میں خود وہاں مزید رکتی تو مر جاتی۔ دل تو کررہا تھا کہ یہ زمین پھٹے اور میں اس میں سما جاؤں، وہ مجھ سے محبت کا دعویٰ کررہا تھا لیکن اسے مجھ سے زیادہ کسی اور پہ اعتبار تھا اسے میرے بدکردار ہونے پہ پورا یقین تھا کیونکہ اسے آغا نے کہا تھا۔ لیکن آغا نے یہ سب کیوں کہا تھا اور اس نے آخر میرے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ مجھ پر اتنا بڑا بہتان لگا کر اسے کیا مل گیا یہ بات میں اس سے پوچھنا چاہتی تھی۔ اس کو کال کرکے میں نے جب یہ بات اس سے پوچھی تو وہ طنزیہ ہنسی ہنسا تھا۔

"میں تو اس دن سے تمہیں پسند کرتا تھا جب تم اس دفتر میں آئی تھیں۔ تمہاری قربت حاصل کرنے کے لیے اور تمہارے ساتھ دوستی کرنے کے لیے میں نے تمہیں یہ کہا کہ تم میری بہن جیسی لگتی ہو یہ بہت آزمودہ نسخہ ہے لڑکیاں ان لڑکوں سے بہت جلدی گھل مل جاتی ہیں جنہیں وہ اپنی بہن کہہ دیتے ہیں اب بھلا بہن کہنے سے تم میری بہن اور میں تمہارا بھائی تھوڑی ہو گیا ہوں۔ میں تو تم سے اظہار محبت کرنے والا تھا لیکن تم نے میرے بجائے اس رئیس زادے کا انتخاب کرکے میری محبت کی تذلیل کی تو مجھے بھی وہ سب کرنا پڑا۔ ایک کریکٹرلیس لڑکی سے بھلا کوئی کیونکر شادی کرے گا دیکھ لو آخر اس نے تمہیں ٹھکرا ہی دیا نہ۔ تم لاکھ اس کے سامنے جواز پیش کرو حوریہ لیکن مجھے پتا ہے وہ تم سے کبھی شادی نہیں کرے گا۔" آغا اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا لیکن میں سن نہیں پائی تھی۔ میرا ذہن تو بس اس کی اس بات میں الجھا ہوا تھا کہ بہن کہنے سے میں اس کی بہن نہیں بن گئی تھی۔ میرا کوئی بھائی نہیں ہے ڈاکٹر۔ بھائی ہوتا تو آج میں اتنی غیر محفوظ نہ ہوتی۔ مجھے گھر سے ملازمت کے لیے باہر نہ نکلنا پڑتا۔ میری زندگی میں یہ کمی تھی اور اسی لیے جب اس نے مجھے کہا کہ اس کی بہن بالکل میرے جیسی ہے تو میں نے بھی اس میں اپنا بھائی تلاش کیا۔ مجھے لگا اس کی باتیں، اس کا میرا خیال رکھنا یا میری خیریت پوچھنا ایک بھائی کی طرح ہے۔ فراز نے جو کچھ میرے ساتھ کیا وہ میرے لیے کم تکلیف دہ تھا۔ وہ میری زندگی میں کچھ دن پہلے آیا تھا۔ یہ سچ ہے وہ مجھے اچھا لگتا تھا لیکن مجھے اس سے محبت نہیں تھی وہ مجھے چھوڑ گیا تو مجھے اتنا دکھ نہیں ہوا لیکن ہاں جو کچھ آغا نے میرے ساتھ کیا وہ مجھے خود میری ہی نظروں میں گرا گیا تھا۔ ہم لڑکیاں جو ضرورت کے باعث اپنے گھر کی محفوظ چار دیواری سے نکلتی ہیں ان کی زندگی میں آغا جیسے لوگ کس قدر مسائل کا باعث بنتے ہیں۔ ہماری کردار کشی کرتے ہوئے وہ ایک بار بھی یہ نہیں سوچتے کہ ان کے لگائے ہوئے بہتان ہماری زندگی میں کیا طوفان لاسکتے ہیں۔ عزت کی چادر پہ لگا ایک بدنامی کا داغ تمام عمر مٹایا نہیں جاسکتا۔ یہ سب اگر میرے والدین کو پتا چل جاتا تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے مجھ میں تو ان کا سامنا کرنے کا حوصلہ بھی نہیں تھا بس اسی دکھ اور ذلت سے دل برداشتہ ہو کر میں نے خودکشی کرنے کی

کوشش کی۔" وہ بہت شکستہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ اس کے چہرے پہ درد تھا اور آنکھوں میں ویرانی۔ ڈاکٹر فروا خود بھی کافی اپ سیٹ ہوگئی تھی۔

"حوریہ...... میں مانتی ہوں جو کچھ ہوا بہت برا ہوا لیکن یہ دنیا ہے یہاں قدم قدم پہ آپ کو ایسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے جو آپ کے اعتبار کا خون کرتے ہیں آپ کو نقصان پہنچاتے ہیں کبھی مالی، کبھی ذہنی تو کبھی جذباتی۔ تم کیونکہ گھر کے محفوظ ماحول سے نکل کر پہلی بار پریکٹیکل لائف میں آئی تھی اور تمہارے لیے یہ سب کچھ ایک نیا تجربہ تھا اسی لیے تمھیں تکلیف بھی زیادہ ہو رہی ہے لیکن پھر بھی تمھیں یہ سب کرنے سے پہلے ایک بار صرف ایک بار اپنے والدین اور چھوٹی بہنوں کا سوچنا چاہیے تھا۔ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو آغا یا فراز جیسے لوگوں کا تو کچھ نہ جاتا لیکن تمہارے والدین دنیا کو کیسے فیس کرتے۔ کیا کہتے وہ لوگوں سے کہ ان کی جوان بیٹی نے کیوں خودکشی کی۔ آج تم ان کی کفیل ہو تمہاری موت کے بعد وہ کس معاشی بحران کا شکار ہوتے، تمہاری بہنوں کا کیا ہوتا۔ تم نے آغا کی وجہ سے مرنا چاہا' دیکھا جائے تو وہ تمہاری زندگی میں کوئی معنی ہی نہیں رکھتا لیکن تم نے ان لوگوں کا نہیں سوچا جو تمہارے اپنے ہیں جو تمہارے لیے سب سے اہم ہیں اور تم ان کا سب کچھ ہو۔" ڈاکٹر فروا اسے بہت اچھے طریقے سے سمجھا رہی تھی اور اس کے اندر مثبت سوچ منتقل کر رہی تھی۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں ڈاکٹر مجھ سے واقعی بڑی غلطی ہوئی۔" وہ شرمندگی سے بولی۔

"خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب اس بارے میں مزید کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے تم بہت اچھی لڑکی ہو اور مجھے امید ہے تمہارے ساتھ آگے سب کچھ اچھا ہی ہوگا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

حوریہ نے شکر گزار نظروں سے اس کی طرف دیکھا جو اسے اس کا کھویا ہوا اعتماد لوٹا رہی تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ اب آگے کیا کرو گی۔" ڈاکٹر فروا کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بولی۔

"ظاہر ہے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ میں اب وہ ملازمت تو جاری نہیں رکھ پاؤں گی کوئی نئی ملازمت تلاش کرنی پڑے گی پتا نہیں اب اس میں کتنا وقت لگ جائے۔" حوریہ سوچتے ہوئے بولی۔

"تم فکر مت کرو میں کوشش کرتی ہوں کہ تمھیں اپنے ریفرنس سے کوئی اچھی نوکری دلوا دوں۔ تم مجھے اپنا کانٹیکٹ نمبر دے دو میں جلد ہی تم سے رابطہ کروں گی۔" بہت ہی دوستانہ انداز میں فروا نے حوریہ سے کہا۔ حوریہ کو لگا دنیا میں اگر برے لوگوں کی کثرت ہے تو بہر حال اچھے لوگوں کی کمی بھی نہیں ہے۔

"میں لیٹ تو نہیں ہو گیا ڈاکٹر صاحبہ!" اسی لمحے کوئی بے تکلفی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور پھر کمرے میں فروا کے ساتھ حوریہ کو بیٹھے دیکھ کر چونکا۔

"سوری میں سمجھا تم اکیلی ہو۔" وہ معذرت بھرے لہجے میں بولا تھا۔ فروا کے ساتھ ساتھ حوریہ نے بھی اس کی طرف دیکھا۔ چھ فٹ قد، صاف رنگت، بکھرے بال اور چمک دار آنکھیں۔ گرے پینٹ پہ لائٹ بلیو ڈریس شرٹ پہنے وہ بہت پرکشش لگ رہا تھا۔

"ارے نہیں نہیں نوفل آپ بالکل ٹھیک وقت پر آئے ہیں مجھے ہی وقت کا اندازہ نہیں ہوا آپ آئیں پلیز۔" ڈاکٹر فروا کی بات سن کر وہ اندر آ گیا اور مسکراتے ہوئے حوریہ کے برابر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"یہ میری فرینڈ ہے حوریہ...... حوریہ یہ میرے کزن ہیں نوفل شوکت، دراصل آج میری گاڑی ورکشاپ میں تھی تو میں نے نوفل سے ریکوئیسٹ کی کہ یہ مجھے پک کرلیں۔" فروا نے حوریہ کا تعارف کروایا۔ اسے حیرت تھی کہ فروا نے اپنے کزن کو یہ نہیں بتایا کہ وہ اس کی پیشنٹ ہے بلکہ اس سے جھوٹ بولا کہ حوریہ اس کی دوست ہے۔ وہ ڈاکٹر فروا کی شکر گزار تھی جس نے اس کا پردہ رکھا ورنہ آج کے دور میں کون اس بات کی پروا کرتا

ہے کہ ایک لڑکی کے اقدام خودکشی کو اپنے ملنے والوں سے پوشیدہ رکھا جائے۔ چونکہ نوفل فروا کو لینے آیا تھا اسی لیے حوریہ نے بھی اس سے جانے کی اجازت لی۔

❁......❁......❁

اگلے چند دن حوریہ نے مختلف اخبارات میں آئے نوکریوں کے اشتہارات کو شارٹ لسٹ کیا اور ان جگہوں پر ملازمت کے لیے درخواستیں بھیجیں۔ اسے امید تھی کہ جلد ہی اسے کوئی مناسب نوکری مل جائے گی۔ اس کے گھر والے اس کی خودکشی کی وجہ اس کے اچانک نوکری چلے جانے کو سمجھ رہے تھے۔

❁......❁......❁

نوفل شوکت، ڈاکٹر فروا کا تایا زاد تھا۔ وہ لوگ جوائنٹ فیملی میں رہتے تھے۔ نوفل کی اپنی ایڈورٹائزنگ کمپنی تھی۔ نوفل اس دن آفس سے آیا تو فروا لاؤنج میں ہی بیٹھی تھی۔

"آج جلدی آ گئی تم؟" نوفل ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے صوفے پہ بیٹھ گیا۔

"ہاں بس آج کچھ تھکاوٹ محسوس ہو رہی تھی اس لیے کلینک سے جلدی نکل آئی۔" فروا ریموٹ سے ٹی وی پہ چینل بدل رہی تھی نوفل کو دیکھ کر اس نے اپنا دھیان ٹی وی سے ہٹا کر ریموٹ کنٹرول سامنے پڑی ٹیبل پہ رکھا۔

"نوفل! آپ سے مجھے ایک ضروری بات کرنی تھی۔ چند دن پہلے جب آپ مجھے کلینک سے پک کرنے آئے تو وہاں میں نے آپ کو ایک لڑکی سے ملوایا تھا۔ آپ کو یاد آیا" فروا نے یاد دلانے کی کوشش کی۔ اس نے بغیر کچھ کہے سر ہلایا۔ اس بھوری آنکھوں والی نازک سی لڑکی کو کوئی پاگل ہی فراموش کر سکتا تھا اور نوفل ایک ہوش مند اور سینے میں حساس دل رکھنے والا بندہ تھا۔

"دراصل وہ آج کل جاب لیس ہے۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میں اس کی جاب کے سلسلے میں مدد کروں گی۔ کافی کوالیفائڈ لڑکی ہے۔ ایم سی ایس کیا ہوا ہے اور کچھ عرصہ ایک اچھی کمپنی میں کمپوٹر ایڈمن کی جاب کرتی رہی ہے۔ بس اچانک اس کی جاب چلی گئی اور اس کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے گھر کی واحد کفیل ہے۔ اگر آپ اسے اپنی کمپنی یا پھر اپنے ریفرنس سے کہیں جاب پر رکھوا سکیں تو آپ کا مجھ پر احسان ہوگا۔" فروا کو سچ میں حوریہ کی فکر تھی۔

"ارے اتنے پر تکلف جملے بولنے کی ضرورت نہیں ہے فروا، میں دیکھتا ہوں اگر ہمارے پاس گنجائش ہوئی تو ورنہ اسے کسی اور جگہ سیٹ کروانے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم پریشان مت ہو اسے کہنا مجھ سے کل میرے آفس میں آ کر مل لے پھر دیکھتے ہیں اس کے لیے کیا ہو سکتا ہے۔" اسے نوفل کی بات سن کر تسلی ہوئی اور پھر اسی وقت اس نے حوریہ کو کال کر کے نوفل کے دفتر جا کر ملنے کا کہہ دیا تھا۔

"اس دن تم میرے کزن سے ملی تھی نا میرے کلینک میں۔" حوریہ کو فروا کی بات سن کر وہ ہینڈسم سا بندہ یاد آیا جو اسے جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھتا اندر داخل ہوا تھا۔

"میں نے نوفل سے تمہاری جاب کی بات کی ہے، تم ایسا کرو کل صبح ان کے آفس چلی جاؤ تمہاری جاب کا کچھ نہ کچھ بندوبست ہو جائے گا۔"

❁......❁......❁

وہ مقررہ وقت پہ نوفل کے دفتر پہنچ گئی تھی لیکن وہ اب تک آفس نہیں آیا تھا۔ اس کی سیکرٹری نے چند بار اسے کال کی لیکن اس کا فون بند تھا۔ حوریہ آدھا گھنٹہ ریسیپشن پہ بیٹھی رہی اور پھر جب انتظار کر کے تھک گئی تو وہاں سے جانے لگی تھی کہ اسے سامنے سے نوفل آتا دکھائی دیا۔ براؤن کلر کے ٹو پیس سوٹ میں وہ آج بھی اتنا ہی سوبر لگ رہا تھا۔ "یہ خود ماڈلنگ کیوں نہیں شروع کر دیتا۔" حوریہ نے سوچا تھا۔

وہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی جب نوفل مسکراتا ہوا اس سے معذرت کر رہا تھا۔

"مجھے یاد ہی نہیں تھا کہ آج مجھے ایک میٹنگ میں جانا

ہے اور میرا خیال تھا شاید آپ بھی دس پندرہ منٹ لیٹ ہو جائیں۔" اسے اپنے ساتھ اپنے دفتر میں لانے کے بعد وہ بتا رہا تھا۔

"میں پورے ٹائم پہ آ گئی تھی۔"

"اس کا مطلب وقت کی پابند ہیں آپ۔"

"کوشش کرتی ہوں۔"

"فروا بتا رہی تھی آپ نے کمپیوٹر سائنس میں ماسٹر کیا ہے۔"

"جی۔ دو سال کا تجربہ بھی ہے کمپیوٹر ڈیپارٹمنٹ کو ہیڈ کرنے کا۔" حوریہ نے اپنے ڈاکومنٹس کی فائل اس کے سامنے رکھی۔

"پہلی ملازمت کیوں چھوڑ دی؟"

"وہاں ڈاؤن سائزنگ ہو رہی تھی۔" اس نے جھٹ سے وہ جملہ بولا جو فروا نے اسے کہا تھا اور یہ بات کہتے ہوئے حوریہ نے نظریں چرا لیں۔ نوفل کا دھیان اس کے ڈاکومنٹس کی طرف تھا۔

"جیسا کہ آپ جانتی ہیں مس حوریہ، یہ ایک ایڈ ایجنسی ہے۔ کریئیٹو ڈیپارٹمنٹ یا انٹرا ایکٹیو ڈیپارٹمنٹ میں تو آپ کے مزاج کی جاب نہیں ہو گی، آپ کے پاس ڈگری تو ہے لیکن ایڈ میکنگ اور ڈیزائننگ ایک الگ فیلڈ ہے۔ انٹرنیٹ مارکیٹنگ اور بینرز بھی آپ کر سکتی ہیں لیکن اس میں آپ کو ٹریننگ کی ضرورت ہو گی۔ میرے خیال میں آپ کے لیے سب سے مناسب ڈیپارٹمنٹ ایڈمنسٹریشن ہے۔ آپ کے لیے ایچ آر مناسب ہے اور پھر وقت کے ساتھ آپ کو جب اس فیلڈ کی سمجھ آ جائے تو چند ٹریننگ کورس کر کے آپ ڈیزائننگ بھی شروع کر سکتی ہیں۔ آپ کی کوالیفیکیشن دیکھتے ہوئے میں نے یہی سوچا کہ ایک لائق فائق بندی کو کسی دوسری جگہ ریفر کرنے کی بجائے اپنے آفس میں گنجائش نکالنی چاہیے۔" اس کی فائل اسے واپس کرتے ہوئے وہ اب سر کرسی کی پشت سے ٹکائے مسکراتے ہوئے اسے کہہ رہا تھا۔

حوریہ اس کی بات سن کر خوش ہوگئی تھی۔ دس جگہ دھکے کھانے کی بجائے فروا کی مہربانی سے ایک ہی جگہ اچھی خاصی نوکری مل گئی تھی۔ نوفل نے اسے ایچ آر مینیجر کے پاس بھیج دیا تھا جہاں اس کے ساتھ سیلری اور دیگر مراعات پہ تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد اسے اپائنٹمنٹ لیٹر دے دیا گیا تھا۔ اگلے ہی دن سے حوریہ نے آفس جوائن کرلیا تھا اور آنے سے پہلے اس نے فروا کا شکریہ ادا کیا تھا۔

اس کی یہ ملازمت پچھلی ملازمت کی نسبت کافی آسان تھی۔ زیادہ کام کلیریکل تھا جو حوریہ جلد ہی سمجھ گئی تھی۔ اپنے کام کے علاوہ آج کل اس کے پاس جو وقت بچتا وہ اسے ڈیزائننگ اور مارکیٹنگ کو سیکھنے اور سمجھنے میں گزار رہی تھی۔ اسٹاف کی کے لیے بہت سی ورکشاپس کا انعقاد ہوتا رہتا تھا اور حوریہ بھی ان ورکشاپوں میں وقت ملنے پہ چلی جاتی تھی۔ یہ سب کچھ اس کی فیلڈ کا ہی ایک حصہ تھا تو اس کے لیے اس میں کچھ نیا نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ وہ کریٹیو ٹیم کا حصہ بنتی جارہی تھی۔ نوفل اس کے کام میں اس کی دلچسپی اور لگن سے کافی خوش تھا۔ حوریہ یہاں بہت محتاط تھی۔ اپنی پہلی ملازمت کی نسبت یہاں بڑی تعداد میں لڑکے اور لڑکیاں ساتھ کام کرتے تھے۔ ماحول کافی دوستانہ تھا لیکن حوریہ ان سب سے کام کے علاوہ غیر ضروری بات نہیں کرتی تھی۔ جہاں وہ اپنے کام میں بیحد سنجیدہ تھی وہیں وہ اپنے کولیگز کے ساتھ صرف کام کی حد تک تعلق رکھتی تھی۔ پہلی ملازمت کا تلخ تجربہ وہ کبھی نہیں بھول سکتی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی بھی اس کی کسی بات سے غلط مطلب اخذ کرے۔

"کیا میں اندر آسکتی ہوں سر!" حوریہ دروازے پہ کھڑی تھی۔

"پلیز کم ان۔ ناصر صاحب میرے پاس یہ کچھ پرپوزل لائے تھے انہوں نے بتایا کہ اس پروڈکٹ کی ایڈ کے لیے آپ نے ان کو کچھ آئیڈیاز دیئے ہیں۔ آپ کی ورکنگ مجھے دکھائی ہے انہوں نے بہت امپریسو کام ہے آپ کا۔ ہماری کمپنی کو آپ جیسے ذہین اور فریش مائنڈ کی بہت ضرورت ہے۔" حوریہ کو بیٹھنے کا کہہ کر وہ اب اس سے اس پرپوزل کے بارے میں بات کررہا تھا جو ابھی کچھ دیر پہلے اس کی کمپنی کے کریٹیو ہیڈ نے اسے حوریہ کا نام لے دکھائے تھے۔ وہ سچ میں اس کے کام سے متاثر تھا اور اسی سلسلے میں اسے اپنے دفتر میں بلایا تھا۔

"آپ کی حوصلہ افزائی کا شکریہ سر!" حوریہ مطمئن ہوکر مسکرائی تھی۔ پچھلے دس ماہ میں اس نے یہاں بہت کچھ سیکھا تھا اور اب وہ کریٹیو لائن میں آنا چاہ رہی تھی۔

"یہ کریڈٹ تو آپ کو جاتا ہے کیونکہ آپ نے سچ میں بہت محنت کی ہے۔ میں نے ناصر سے کہہ دیا ہے کہ اس پراڈکٹ کے لیے ہم اسی کانسپٹ پہ ایڈ بنائیں گے۔"

"تھینک یو ویری مچ سر! آپ نہیں جانتے آپ نے میرا پرپوزل ایکسیپٹ کرکے مجھے کتنا کانفیڈنس دیا ہے۔ میں کوشش کروں گی کہ آگے اس سے بھی بہتر آئیڈیاز پہ کام کروں۔" حوریہ کی خوشی دیدنی تھی۔

"یہ بتائیں آپ یہاں خوش ہیں۔" نوفل اس کی خوشی سے خوش تھا۔

"جی بہت...... یہاں سب بہت اچھے ہیں اور میرے ساتھ بہت تعاون کرتے ہیں۔" وہ وہی کہہ رہی تھی جو اتنے مہینوں سے محسوس کررہی تھی۔

"کوئی پرابلم ہو تو مجھ سے کہیئے گا۔" حوریہ نے اثبات میں سر ہلایا اور جانے کی اجازت مانگی۔

❋......❋......❋

اس کا آئیڈیا صرف نوفل کو ہی نہیں پسند آیا تھا بلکہ کلائنٹ کو بھی وہ ایڈ بہت اچھا لگا تھا۔ اپنے پہلے ہی پرپوزل کی کامیابی کے بعد جہاں حوریہ بہت خوش تھی وہیں اس کا مقام بھی بڑھا تھا اب وہ ایچ آر کی بجائے کریٹیو ڈیپارٹمنٹ کا اہم حصہ تھی۔ اس کے ساتھ مختلف ایڈ ڈیزائنز اور آئیڈیاز کو ڈسکس کیا جاتا تھا اور اس کی رائے کو اہمیت دی جاتی تھی۔ وہ لوگ آج کل ایک

پراڈکٹ کی ویب سائٹ پہ کام کررہے تھے۔ اس کی تقریباً ڈیزائننگ حوریہ نے کی تھی۔ وہ بہت محنت اور لگن کے ساتھ ناصر سلیم کو اسسٹ کررہی تھی۔ اس ویب سائٹ کی بریفنگ کے حوالے سے ایک اہم میٹنگ تھی جس میں نوفل اور ناصر کو جانا تھا اچانک ناصر کو کسی دوسرے کام سے جانا پڑا تو نوفل نے حوریہ کو ساتھ چلنے کے لیے کہا۔

"سر......! میں وہاں جا کر کیا کروں گی۔" وہ پریشان ہوگئی تھی۔

"وہی جو یہاں کرتی ہیں۔ جب سارا کام آپ کا کیا ہوا ہے تو وہاں جا کر پریزینٹیشن دینے میں کیسی ہچکچاہٹ۔" نوفل کی بات سن کر وہ قدرے شرمندہ ہوئی۔

"لیکن سر! میری تو کوئی تیاری بھی نہیں ہے اور پھر آفس میں بیٹھ کر کمپیوٹر پر کام کرنا، اپنے باس کو ہینڈ اوور کرنا ایک بات ہے اور کلائنٹ کے سامنے پریزینٹیشن دینا الگ بات ہے۔" نوفل کو اس کی بات سن کر ہنسی آگئی۔

"کمال ہے مس میں تو سمجھتا تھا آپ اچھی خاصی کانفیڈنٹ خاتون ہیں لیکن افسوس آپ نے مجھے غلط ثابت کردیا۔ اب چھوڑیں یہ گھبرانا اور پریشان ہونا آپ میرے ساتھ جارہی ہیں اور آج کی پریزینٹیشن آپ ہی دیں گی۔ پانچ منٹ میں مجھے پارکنگ میں ملیں۔" نوفل کا لہجہ دوٹوک تھا۔ حوریہ نے اپنا ڈیٹا یو ایس بی پہ کنورٹ کیا اور پریزینٹیشن فائل کو لے کر ساتھ چل پڑی۔ نوفل کی حوصلہ افزائی اور اپنے کام سے متعلق اس کی مکمل انفارمیشن بہرحال یہ وہ دو ہتھیار تھے جن کی بدولت اس کا پرپوزل نہ صرف ایکسیپٹ ہوا بلکہ کلائنٹ نے اس غیر معمولی کام کی تعریف بھی کی تھی۔

"کیا محسوس کررہی ہو؟" وہ گاڑی میں آکر بیٹھی تو نوفل نے پوچھا۔

"بہت اچھا لگ رہا ہے، شروع میں مجھے ہچکچاہٹ تھی، ایک خوف سا تھا کہ سب کے سامنے کچھ غلطی ہوگئی تو میری انسلٹ ہوجائے گی لیکن پھر جب میں نے پریزینٹیشن شروع کی تو سب کچھ ٹھیک ہوگیا اور اب میں بہت مطمئن ہوں۔" اس کی مسکراہٹ کو نظروں میں رکھتا نوفل گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

"پھر تو اس خوشی کو سیلیبریٹ کرنا چاہیے، کیا خیال ہے ایک کپ کافی ہوجائے۔" وہ نوفل کی اس آفر پہ بوکھلا گئی تھی۔

"مجھے گھر جلدی پہنچنا ہے۔" نوفل جانتا تھا یہ ایک بہانہ ہے۔

"میں ڈراپ کردوں گا۔ زیادہ دیر نہیں ہوگی۔" اس کا حتمی لہجہ حوریہ کو بے بس کرگیا تھا۔

وہ دونوں ایک کافی شاپ میں بیٹھے تھے۔ نوفل اس کے ساتھ بے تکلفی سے بات کرتا تھا اور یہ کوئی خصوصی رویہ نہیں تھا۔ اس کے ساتھ بہت سی لڑکیاں کام کرتی تھیں اور دفتر کا ماحول بہت لبرل تھا۔ حوریہ خود تو کسی سے اتنی بے تکلف نہیں تھی لیکن وہ نوفل کے مزاج سے واقف تھی پھر بھی وہ اس طرح دفتر کے علاوہ میل جول کو پسند نہیں کرتی تھی۔

"کچھ اپنے بارے میں بتاؤ، آفس کے علاوہ کیا ایکٹیوٹیز ہیں، اپنی پسند ناپسند کے بارے میں بتاؤ۔" کیک کا ایک پیس کاٹ کر اس کی پلیٹ میں رکھتے ہوئے نوفل نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"اب تو جاب کی وجہ سے اتنا وقت نہیں ملتا کسی خاص مشغلے کے لیے لیکن ہاں اگر کچھ وقت ملے تو کتابیں پڑھنا پسند ہے۔ جب کالج میں تھی اور گھر کے حالات اچھے تھے اس وقت کچھ کورسز کیے تھے فلورل ڈیکوریشن اور کوکنگ وغیرہ کے اب بھی جب بھی وقت ملے تو ویک اینڈ پہ کچھ مختلف کھانے پکا کر اپنے شوق کی تسکین کرتی ہوں۔" وہ بھی اچھے موڈ میں تھی۔

"تم تو بڑی ملٹی ٹیلنٹڈ لڑکی ہو ایک طرف کمپیوٹر اور گرافک ڈیزائننگ کے ساتھ ایڈ میکنگ میں نام کمایا جارہا ہے تو دوسری طرف گھرداری بھی آتی ہے۔ تم بہت

مختلف ہو، بہت کم لڑکیاں ہوتی ہیں تمہارے جیسی۔ آج کل کی لڑکیاں تو چار جماعتیں پڑھ لیں تو کچن کا راستہ بھی بھول جاتی ہیں۔ کسی کو ہاتھوں کے خراب ہونے اور ناخن ٹوٹنے کا ایشو ہوتا ہے اور کوئی اپنی اسکن خراب ہونے سے پریشان۔" وہ بول رہا تھا اور حوریہ بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنسی۔

"آپ کو بہت پتا ہے لڑکیاں کون کون سے بہانے بناتی ہیں گھر کے کاموں سے بچنے کے لیے لگتا ہے آپ کا کافی تجربہ ہے ایسی لڑکیوں کی صحبت کا۔" وہ بول تو پڑی لیکن پھر اچانک ہی اسے اپنی بے تکلفی اور غیر مناسب بات کا احساس ہوا تو اس نے معذرت کی۔

"میں نے اکثر نوٹ کیا ہے تم ضرورت سے زیادہ ریزرو رہتی ہو، آفس میں بھی سب سے بات کرتے ہوئے حد درجہ محتاط رہتی ہو۔ کتنی ہی پارٹیاں اور فنکشن آتے ہیں سارا اسٹاف وہاں موجود ہوتا ہے لیکن تم نے آج تک کبھی کسی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا اتنی سنجیدگی تم کیسے مینٹین رکھتی ہو۔ دفتر میں بھی میں نے تمہیں کسی سے کام کے علاوہ بات کرتے نہیں دیکھا۔ مجھے بہت عجیب لگتا ہے۔"

"یہ سب آپ کو اس لیے عجیب لگتا ہے سر! کیونکہ آپ کی اور میری کلاس میں بہت فرق ہے۔ یہ تو میں اپنے گھر کے معاشی حالات اور والد کی بیماری کی وجہ سے گھر سے نکلنے پہ مجبور ہوئی ورنہ ہمارے یہاں لڑکیوں کا ملازمت کرنا یا اس طرح مردوں کے ساتھ کام کرنا مناسب نہیں سمجھا جاتا۔ میں نے ایک پروفیشنل ڈگری صرف اپنے شوق کی بنا پر لی تھی ورنہ اتنا تو مجھے یقین تھا کہ ابا مجھے کسی صورت ملازمت نہیں کرنے دیں گے۔"

اس کے چہرے پہ اچانک سنجیدگی در آئی تھی اور آنکھوں میں درد تھا۔ نوفل کو لگا شاید یہ بات کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نمی ہے۔ اسے لگا وہ اپنے والد کی بیماری اور گھریلو حالات سے ڈسٹرب ہے لیکن وہ حوریہ کی تکلیف نہیں جانتا تھا۔ جو کچھ اس نے اپنی ملازمت کے دوران سہا تھا وہ سب بھولنا اتنا آسان نہیں تھا۔ اس دن اسے گھر ڈراپ کرنے کے بعد نوفل اس کے متعلق سنجیدگی سے سوچتا رہا تھا۔ وہ اسے اچھی لگتی تھی اس دن سے جب اس نے پہلی بار اسے دیکھا تھا لیکن اسے تو اکثر لڑکیاں اچھی لگتی تھیں، بہت سی لڑکیوں سے اس کی دوستی تھی، بہت سی لڑکیاں اس کے آگے پیچھے پھرتی تھیں جن میں سے کچھ اس کے پروفیشن اور کچھ اس کی پرسنیلٹی سے متاثر تھیں۔ وہ سب بھی خوب صورت تھیں لیکن حوریہ ان سب میں سے مختلف تھی۔ وہ سادہ و معصوم تھی۔ بہت ٹیلینٹڈ لیکن اپنی اس خوبی پہ مغرور نہیں تھی۔ اپنے کام سے کام رکھنے والی اور محتاط طبیعت والی یہ لڑکی نوفل کے دل میں گھر کر گئی تھی۔ اس پر آج کل گھر والوں کی طرف سے شادی کا دباؤ تھا اور وہ حوریہ کے لیے سیریس تھا۔

⊛ ⊛ ⊛

وہ نوفل کے کیبن میں ناصر سلیم کے ساتھ بیٹھی تھی۔ ایک ویب سائٹ پہ چند پوائنٹس کلیئر کرنے تھے اسی سلسلے میں اسے نوفل اور ناصر نے بلوایا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹہ وہ لوگ آپس میں ڈسکشن کرتے رہے۔ کام کی بات ختم ہوگئی تو وہ جانے کے لیے پر تول رہی تھی کہ ناصر کے فون پہ اچانک کال آئی اور وہ معذرت کرتا ہوا کمرے سے نکل گیا وہ بھی وہاں سے اٹھنے لگی کہ نوفل نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔

"شادی کے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟" وہ بہت ہلکے پھلکے انداز میں بات کر رہا تھا۔ حوریہ جتنا اس بندے سے پرسنل ایشو پہ بات کرنے سے بچتی تھی وہ گھوم پھر کر کوئی نہ کوئی موقع نکال ہی لیتا تھا۔

"شادی سب ہی کرتے ہیں میں بھی کروں گی لیکن ابھی تو مجھ پہ اپنی بہنوں کی تعلیم اور والدین کی ذمہ داری ہے اور میں نے ابھی اس بارے میں سوچا بھی نہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"آپ اپنی ذمہ داریاں شادی کے بعد بھی پوری کر سکتی ہیں۔"

''یہ سب اتنا آسان نہیں ہوتا سر! کوئی بھی شخص جو کسی لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کرتا ہے تو وہ یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ وہ اس کے مسائل کی گٹھری اپنے سر پہ لاد لے وہ تو یہی چاہے گا کہ شادی کے بعد میرا وقت اور کمائی اس کے گھر میں صرف ہو۔''

''خیر یہ اتنا بھی ناممکن نہیں ہے حوریہ! اگر کوئی آپ سے سچی محبت کرتا ہوگا تو وہ ضرور آپ کے مسائل شیئر کرے گا۔''

''محبت کرنے والوں کے دعوے ابتدائی مراحل میں ہی دم توڑ جاتے ہیں نوفل صاحب!''

''مگر میں کہوں سب ایک جیسے نہیں ہوتے کچھ لوگ محبت میں مرتے دم تک ساتھ نبھاتے ہیں۔''

''ہوں گے ایسے نایاب لوگ لیکن کتابوں میں، ایسے فرضی کردار وہیں ملتے ہیں کہ محبوبہ کے لیے دودھ کی نہر نکال لائے یا جوگ لے لیا حقیقت میں ان باتوں کا کوئی وجود نہیں۔''

''دودھ کی نہر نکالنے یا جوگ لینے کا دعویٰ تو نہیں کرتا لیکن ہاں ساتھ مرتے دم تک نبھاؤں گا، کیا یقین کرو گی میری بات کا؟''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''حوریہ! تم مجھے اچھی لگتی ہو اور میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ کیا میری زندگی کا حصہ بنو گی؟''

''یہ ناممکن ہے آپ کے اور میرے اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہے اور آپ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔''

''میں کلاس ڈفرنس کو نہیں مانتا میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ میں تم سے بہت محبت کرنے لگا ہوں، میرے دل میں تمہارے لیے بہت اسپیشل جگہ بنتی جارہی ہے۔ اچھی تو تم مجھے پہلی نظر میں ہی لگی تھی لیکن اس وقت میں ان جذبوں کو کوئی نام نہیں دے پایا تھا لیکن آج میں یہ بات جانتا ہوں حوریہ کہ یہ محبت ہے۔ مجھ سے شادی کروگی؟''

وہ بولا تو اس کے جذبوں کی سچائی نے حوریہ کے دل کی دھڑکنوں میں ایک بار پھر ارتعاش پیدا کردیا تھا، اپنے وجود سے اٹھتی بھینی سی محبت کی مہک سے اس نے اپنے دل و دماغ کو مہکتے ہوئے محسوس کیا۔ دل ہاتھوں سے پھسلتا محسوس ہورہا تھا۔ وہ آنکھوں کے رستے دل میں اترا اور حکمران بن بیٹھا۔ حوریہ نے اس سے پہلے کسی بھی شخص کے لیے ایسے جذبات محسوس نہیں کیے تھے آغا کے لیے بھی نہیں۔

❁......❁......❁

نوفل اپنے پیرنٹس سے اس سلسلے میں بات کرچکا تھا انہیں حوریہ اور نوفل کے سوشل اسٹیٹس پہ کافی اعتراض تھا اس کے ساتھ ساتھ وہ اسے یہ بھی احساس دلا رہے تھے ان کے ذہن میں اس کی شادی کے حوالے سے فروا کا نام تھا۔ وہ ان کے گھر کی لڑکی تھی اور دیکھی بھالی تھی لیکن نوفل نے انہیں دوٹوک انداز میں منع کردیا تھا۔ حوریہ کی سال گرہ تھی اس لیے نوفل کے بہت زیادہ اصرار پر وہ اس کے ساتھ لنچ پہ آئی تھی۔ پہلے والی جھجک تو نہیں رہی تھی پھر بھی اسے اس طرح ملنے جلنے سے ڈر لگتا تھا لیکن آج چونکہ اس کی سال گرہ تھی اس لیے اسے آنا ہی پڑا۔

''کیسی لگی؟'' ایک بہت خوب صورت انگوٹھی مخمل کی ڈبیہ میں نوفل نے اس کی طرف بڑھائی۔

''کیا یہ میرے لیے ہی......؟'' وہ بے یقینی سے بولی۔ ''بہت خوب صورت ہے۔''

''میں پہنا دوں؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

''یہ انگوٹھی دینے کا مطلب جانتے ہیں؟ یہ ایک رسم ہوتی ہے جناب اور اس کو ایسے نہیں سب کے سامنے اپنی منگیتر کی انگلی میں پہنایا جاتا ہے۔'' اس کی مسکراہٹ اور بات سے محظوظ ہوتا ہوا وہ خود بھی مسکرا رہا تھا۔

''یہ انگوٹھی تو مجھے آج ہی پہنانی ہے، سب کے سامنے انگوٹھی نہیں پہناؤں گا بلکہ تمہیں اپنے گھر لے جاؤں گا۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی نازک انگلی میں بہت

پیار سے انگوٹھی پہناتے ہوئے وہ بہت مطمئن تھا۔ وہاں بیٹھ کر دونوں نے بے تحاشہ باتیں کی تھیں اور اس دوران وہ دونوں اپنے اردگرد سے اتنے بے نیاز تھے کہ انہیں ریسٹورنٹ میں بیٹھی ڈاکٹر فروا کا پتا ہی نہیں چلا۔

❁......❁......❁

"میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟" فروا کو اسٹڈی کے دروازے پہ کھڑا دیکھ کر نوفل اپنی فائلز سمیٹنے لگا۔

"آیئے ڈاکٹر صاحبہ! ہماری یاد کیسے آئی؟" وہ بے تکلفی سے بولا فروا اس کے سامنے رکھی کرسی پہ بیٹھ گئی تھی۔ وہ دونوں کزن ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے دوست بھی تھے ان میں کافی بے تکلفی تھی۔

"ممی مجھے آپ کی شادی کے بارے میں بتا رہی تھیں۔ میرا خیال ہے انہیں تائی امی نے ہی بتایا ہوگا۔" فروا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں نے ممی سے کہا تھا کہ میں ایک لڑکی کو پسند کرتا ہوں، بلکہ تم تو جانتی ہو اسے تمہاری ہی تو دوست ہے۔ یاد ہے پہلی بار تم نے ہی تو ملوایا تھا مجھے حوریہ سے۔" اس کے لہجے میں حوریہ کے لیے محبت تھی۔ فروا کے چہرے کی مسکراہٹ یک دم سنجیدگی میں بدل گئی۔

"کیا آپ سچ میں حوریہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں نوفل؟" فروا نے تعجب سے پوچھا۔

"آف کورس فروا۔ میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں بلکہ پلیز تم میری اس معاملے میں مدد کرو اور ممی کو اس کے لیے کنوینس کرو۔ ویسے تو وہ تقریباً راضی ہیں لیکن اگر انہیں یہ معلوم ہوگا کہ تم اور حوریہ دوست ہو تو وہ اس کے گھر خوشدلی سے جائیں گی۔"

"سوری نوفل! میں اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکوں گی۔"

"تم ایسے کیوں کہہ رہی ہو فروا کیا برائی ہے اس میں۔ وہ بہت اچھی اور سمجھدار لڑکی ہے اور میں نے بہت سوچ سمجھ کر اس کا انتخاب کیا ہے۔ یوں بھی وہ تو تمہاری دوست ہے تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔" فروا متذبذب نظر آرہی تھی۔

"نوفل! دراصل حوریہ میری دوست نہیں ہے وہ تو میری پیشنٹ تھی اور یہ بات میں نے آپ سے صرف اس کی بدنامی کے ڈر سے چھپائی۔ اس دن جب وہ میرے کلینک میں آئی تو اس نے نیند کی گولیاں کھا کر خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی، اس کے بوڑھے والدین بہت پریشان تھے اسی لیے میں نے اس سے ہمدردی کرنے کی کوشش کی اور اس نے مجھے بتایا کہ اس کا اپنے باس کے ساتھ افیئر تھا دونوں شادی کرنا چاہتے تھے لیکن اس کے پرانے بوائے فرینڈ نے اس کے باس کو اپنے اور اس کے بارے میں کچھ ایسے انکشافات کیے جن کی بنا پر اس نے حوریہ سے شادی سے انکار کردیا۔ حوریہ تو یہی کہہ رہی تھی کہ اس کا اس شخص سے کوئی تعلق نہیں تھا بس وہ دوست تھے لیکن آخر کوئی اتنی بڑی بات ایسے ہی تھوڑی کرویتا ہے۔ اب اگر اس نے حوریہ کے ساتھ اپنے جسمانی تعلقات کی بات کہی تھی تو اس میں کوئی تو سچائی ہوگی۔ میں تو بس اس کے والدین کی وجہ سے اس کی مدد کرنا چاہتی تھی۔ لڑکیاں اپنی نادانی میں ایسی غلطیاں کردیتی ہیں لیکن اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ ان کے کیے کی سزا ان کے گھر والے بھگتیں اسی لیے میں نے آپ سے اس کی ملازمت کی سفارش کی تھی۔ آپ کو یہ سب اس وقت اس لیے نہیں بتایا کہ آپ اس طرح اس کے بارے میں پہلے ہی بری رائے قائم کرلیتے۔" فروا روانی میں بول رہی تھی اور نوفل لب بھینچے شاک کے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں یہ سب آپ کو کبھی نہ بتاتی لیکن یہاں بات ہمارے خاندان کی ہے۔ آپ کی بیوی بن کر وہ ہماری فیملی کا اہم حصہ بن جائے گی اور اگر وہ سب جو مجھے معلوم ہے جھوٹ بھی ہوتا ہے پھر بھی کیا آپ ایسی لڑکی سے شادی کریں گے جس کا اسکینڈل اسے خودکشی کرنے پہ مجبور کرچکا ہے۔ اس لیے مجھے یہ ضروری لگا

کہ میں آپ کو وہ سب بتا دوں جو کچھ مجھے حوریہ کے متعلق معلوم ہے اب اگر یہ بات جاننے کے بعد بھی آپ کا دل اتنا بڑا ہے کہ ایک اسکینڈلائز لڑکی کو اپنی بیوی کا درجہ دینا چاہتے ہیں تو میں سمجھوں گی آپ بہت اعلیٰ ظرف انسان ہیں۔" بہت عام سے انداز میں اپنی بات کہہ کر وہ اب جانچتی نظروں سے نوفل کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شاید وہ اس کے چہرے سے اس کے اندر کی کیفیت کا اندازہ لگانا چاہتی تھی۔

"فروا! کیا تم مجھے اکیلا چھوڑ سکتی ہو۔" بے تاثر چہرے کے ساتھ نوفل نے اسے سرد لہجے میں کہا تھا۔

"شیور۔" کچھ خجالت کے ساتھ وہ اس کے کمرے سے نکل آئی تھی اور پھر چند منٹ وہ وہیں کھڑی یہ سوچتی رہی کہ آخر نوفل کے اندر چل کیا رہا ہے۔ نوفل کی خاموشی سے وہ اس وقت کوئی معنی اخذ نہیں کر پائی تھی لیکن اتنا تو بہرحال فروا کو یقین تھا کہ نوفل اس بات کے جان لینے کے بعد ہرگز ہرگز حوریہ کو نہیں اپنائے گا۔ شکل سے معصوم دکھائی دینے والی سادہ سی لڑکی کے ماضی کا ایک گھناؤنا باب اس نے نوفل کے سامنے کھولا تھا اور اتنا تو وہ جانتی تھی مرد خود جیسا بھی ہو بیوی تو اسے باکردار ہی چاہیے ہوتی ہے پھر بھلے وہ اس سے کتنی ہی محبت کیوں نہ کرتا ہو اور یہاں تو ایک نہیں اس کے دو افیئر کا بھید کھلا تھا وہ اس سے شادی کر کے آنکھوں دیکھی مکھی کیسے نگل سکتا تھا۔ بہت مطمئن سے انداز میں وہ اپنے کمرے میں واپس چلی آئی تھی۔

❀......❀......❀

چند دن، چند ماہ نہیں، نوفل کو اس نے اپنے دل میں برسوں سے بسا رکھا تھا۔ فروا کو تو یاد بھی نہیں تھا کب پہلی بار نوفل کی محبت اس کے دل کی دیواروں سے ٹکرائی اور فروا اسے اپنا سب کچھ مان بیٹھی۔ گوکہ نوفل نے کبھی اس سے اظہار محبت نہیں کیا تھا لیکن اس کا رویہ فروا کے ساتھ اتنا اپنائیت بھرا اور دوستانہ تھا کہ وہ سوچ ہی نہیں سکتی تھی نوفل اس کے سوا کسی اور لڑکی سے شادی کرنا چاہے گا مگر اچانک اس کے خوابوں کا گھروندا زمیں بوس ہو گیا جب پہلی بار اس نے حوریہ اور نوفل کو ایک ریسٹورنٹ میں دیکھا اور پھر اس کے تمام خدشوں کی تصدیق اسے اپنے گھر سے ہو چکی تھی۔ غصے اور حسد کی آگ میں جلتی فروا آج اپنے پیشے کی اخلاقیات کو فراموش کر کے محض اپنی خواہشات کی جنگ لڑ رہی تھی۔ حوریہ نے اسے مسیحا سمجھ کر اپنا غم اس کے سامنے کھولا تھا مگر فروا نے وہ بے رحم سچائی نوفل کو بتا کر خود کو انسانیت کے درجے سے بھی نیچے گرا دیا تھا۔

❀......❀......❀

"آہم...... آہم۔ کن سوچوں میں گم ہیں؟" کرسی پہ بیٹھتے ہوئے حوریہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے ہاتھ میں پکڑی فائل نوفل کے سامنے رکھی۔

"تم کب آئی؟" وہ ایک دم چونکا۔ پچھلے کئی دن سے وہ بےحد ڈسٹرب تھا۔ فروا کی باتوں نے اس کا ذہنی سکون برباد کر دیا تھا۔ راتوں کو جاگ جاگ کر اس کی آنکھیں دکھنے لگی تھیں اور دو دن سے تو وہ آفس بھی نہیں آ پایا تھا ایسے میں آفس کا سارا نظام بھی درہم برہم ہو گیا تھا۔ اتنے دن سے وہ صرف ایک ہی نہج پہ سوچ رہا تھا اور آج بھی وہ کسی نتیجے پہ نہیں پہنچ پایا تھا۔

کیا یہ لڑکی ویسی ہے جو کچھ فروا نے مجھے اس کے بارے میں بتایا ہے؟ سادہ سے حلیے اپنے سامنے بیٹھی مسکراتی ہوئی حوریہ کو ایک ٹک دیکھتے ہوئے اس کے دل نے اس سے سوال کیا تھا۔ اور اگر وہ سب ٹھیک ہے جو فروا جانتی ہے تو ایک بدکردار لڑکی کو خود پہ لگے الزامات کے بعد خودکشی کی کوشش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگلا سوال اس کے اندر طوفان مچا رہا تھا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نوفل؟" کچھ پریشان سے لہجے میں حوریہ نے پوچھا۔ نوفل کو اپنی طرف سنجیدہ نظروں سے دیکھتا پا کر وہ خاصی پریشان نظر آ رہی تھی۔ اس کے لبوں کی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی اور اچانک نوفل کو لگا دنیا ویران ہو گئی ہو۔ کتنی اہم تھی اس کی

مسکراہٹ اس کے لیے۔
"ہاں...... آں...... میں ٹھیک ہوں۔" وہ اچانک ہوش میں آیا تھا۔
"آپ اتنے دن سے آفس نہیں آرہے تھے اور آج بھی کچھ اپ سیٹ لگ رہے ہیں، میں نے سوچا شاید آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" حوریہ نے فکرمند لہجے میں کہا۔ اس کی بات سن کر نوفل ہلکا سا مسکرایا۔
کیا مجھے حوریہ سے پوچھنا چاہیے۔ فروا نے اس پر اتنا بڑا الزام لگایا ہے، اگر وہ سب سچ ہے پھر بھی مجھے حوریہ پہ فرد جرم عائد کرنے سے پہلے اسے صفائی کا موقع دینا چاہیے۔
"مجھے کیوں لگ رہا ہے نوفل! آپ مجھ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں......" حوریہ اچانک سنجیدہ ہوئی۔
"تم نے ٹھیک اندازہ لگایا ہے میں سچ میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔" بالآخر نوفل نے اس سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس بات میں کتنا سچ ہے اور کتنا جھوٹ وہ اس معاملے کی تہہ تک پہنچ کر رہے گا لیکن حوریہ سے بات کیے بغیر وہ کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا تھا۔
"کیا ہوا کیا آپ کے والدین نے شادی سے انکار کردیا؟" نوفل کی خاموشی سے وہ اپنی سمجھ کے مطابق کچھ اور ہی نتیجہ اخذ کررہی تھی۔
"ایسا نہیں ہے میں انہیں تم سے شادی کے لیے رضامند کرچکا ہوں۔ ایک بات بتاؤ حوریہ میری تمھاری زندگی میں کیا اہمیت ہے؟" سنجیدہ چہرے کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ اس لمحے اپنے سامنے بیٹھی اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جس سے وہ بے تحاشہ محبت کرتا تھا اور جس کی بدکرداری کے قصے فروا کی زبانی سن کر بھی اس کے دل نے یہ بات ماننے سے انکار کردیا تھا۔ دماغ بیوقوف کی گردان کررہا تھا تو دل سب ماننے سے انکاری تھا۔
"یہ بات اچانک یوں اس طرح...... میرا مطلب ہے یہ سوال آپ کے ذہن میں کیوں آیا؟" کچھ عرصے میں وہ نوفل کے مزاج سے اس حد تک تو آشنا ہوچکی تھی کہ وہ ہر طرح کی بات بہت ہلکے پھلکے موڈ میں کہنے کا عادی تھا لیکن آج اس کا موڈ یکسر مختلف تھا۔ وہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ حوریہ کی گھبراہٹ فطری عمل تھی۔
"کیا یہ اتنا مشکل سوال ہے کہ تم اس کا جواب نہیں دے پارہی؟" اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔
"نہیں...... یہ ہرگز مشکل سوال نہیں ہے نوفل! لیکن ہاں آپ کا انداز اور لہجہ مجھے پریشان کررہا ہے۔ آپ جاننا چاہتے ہیں کہ میری زندگی میں آپ کی کیا اہمیت ہے؟" وہ اس بار بہت مضبوط اور پراعتماد لہجے میں بولی۔ نوفل اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا لیکن اس نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔
"میں آج تک آپ سے پہلی ملاقات کا وہ لمحہ فراموش نہیں کرپائی۔ میں نہیں جانتی تھی زندگی میں میرا آپ سے دوبارہ کبھی سامنا ہوگا لیکن دل اس ایک لمحے میں آپ کا اسیر ہوگیا تھا۔ حالانکہ یہ بات میں نے آپ سے پہلے کبھی نہیں کہی لیکن یہ سچ ہے اس آفس میں آپ کے ساتھ کام کرتے ہوئے آپ کو نظر انداز کرنا میرے لیے کسی امتحان سے کم نہیں تھا۔ وہ کٹھن مرحلہ میں نے خود پہ جبر کرکے گزارا تھا۔ میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھوں یا قدرت کا انعام جو اس نے آپ کا دل میری طرف مائل کیا۔ میں آپ سے بے پناہ محبت کرتی ہوں اور جس طرح کائنات کی ہر شے اپنے محور اپنے مرکز سے جڑی ہے میری زندگی، میرا دل آپ سے جڑا ہے۔ میری زندگی کا محور میری چاہت، میری محبت میرا مان آپ کی محبت ہے۔ آپ کے بغیر تو زندگی کا تصور بھی جان لیوا ہے۔" اس کے چہرے پہ لکھا سچ نوفل بآسانی پڑھ سکتا تھا۔ اس کے ہر لفظ پہ اسے یقین تھا۔ یہ احساس کہ آپ جسے اپنی زندگی سمجھتے ہیں وہ بھی اسی شدت سے آپ سے محبت کرتا ہے، آپ کو اپنی ذات کا حصہ مانتا ہے کتنا تسکین دیتا ہے۔ نوفل کا دل کیا کہ وہ اس وقت حوریہ کو اپنے سینے میں چھپالے، اسی پل اسے اپنی زندگی کا حصہ

بنالے، اسے سب سے اتنی دور لے جائے کہ کوئی بھی ان کے درمیان نہ آپائے۔

"کیا عجیب اتفاق ہے کہ اب تک تو آپ مجھے اپنی محبت کا یقین دلاتے آئے اور جہاں تک میں سمجھتی ہوں آپ خود بھی اس بات سے واقف تھے کہ میں آپ سے بے پناہ محبت کرتی ہوں۔ پھر یہ بدلا ہوا انداز، یہ خاموشی اورآپ کا یوں اچانک اجنبی رویہ...... میں جاننا چاہتی ہوں کہ آپ نے مجھ سے یہ سوال کیوں پوچھا؟" نوفل جو دل ہی دل میں اپنی خوابوں سے حسین زندگی کے تصور میں گم تھا حوریہ کی بات سن کر ہوش میں آیا۔ فروا کی باتوں سے جو اس کا یقین حوریہ پہ متزلزل ہوا تھا، وہ وقت اب کہیں پیچھے رہ گیا تھا۔ پہلے ہی اپنے رویے سے وہ حوریہ کی دل آزاری کر چکا تھا اب فروا کے الزامات دہرا کر وہ اسے مزید تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔ لیکن حوریہ کی ضد کے سامنے اسے بہرحال ہتھیار ڈالنے ہی پڑے۔ نوفل نے تمام بات اسے بتادی۔ یہ بھی کہ اس کے دل میں فروا کی باتوں سے بدگمانی کے سانپ نے پھن اٹھایا تھا۔

وہ اس کی بات سن کر گنگ رہ گئی تھی۔ دکھ تو بہت معمولی بات تھی جو وہ محسوس کررہی تھی اس اذیت کو بیان کرنا لفظوں میں ممکن نہ تھا۔ وہ ایک بار پھر ملزم کی طرح ایک اور شخص کے سامنے بیٹھی تھی جو اس سے بے تحاشہ محبت کا دعویٰ کرتا تھا لیکن اس پر اعتبار نہیں کرتا تھا۔ ایک بار پھر اس کے کردار کی دھجیاں اڑائی گئی تھیں۔

پہلی بار غصہ آیا تھا دوسری بار...... دوسری بار کسی نے اسے آسمان سے زمین پہ پٹخ دیا تھا کیونکہ جس کے سامنے کٹہرے میں کھڑی تھی وہ اس شخص سے بہت محبت کرتی تھی۔ وہ وہاں مزید بیٹھتی تو اپنے آنسوؤں پہ قابو نہیں پاسکتی تھی اس لیے وہاں سے چلی آئی لیکن جانے سے پہلے وہ صرف اتنا بولی تھی۔

"میں آپ کو کوئی صفائی نہیں دوں گی، میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میری ضرورت مجھے گھر کی چار دیواری کے تحفظ سے نکال کر مردوں کی اس دنیا میں لے آئی

شکوہ

پیار کرنے والے جب
یوں روٹھ جاتے ہیں
دل توڑ جاتے ہیں
سانس میں رہنے والے جب
ساتھ چھوڑ جاتے ہیں
پھر یاد کیوں آتے ہیں
پھر یوں رنجور کرتے ہیں
بے حد اداس شاموں میں
جینا محال کرتے ہیں
پیار کرنے والے جب
یوں چھوڑ جاتے ہیں
سردیوں کی شاموں میں
شام کی اوس کے ساتھ
دل پر چھا جاتے ہیں
آنسوؤں کی رم جھم میں
شبنم کے موتی کی طرح
پلکوں پر ہی رہتے ہیں
صاف شفاف آنکھوں میں
دھندلا جاتے ہیں
پیار کرنے والے جب
یوں چھوڑ جاتے ہیں
کیوں روٹھ جاتے ہیں
آنسوؤں کی لڑیوں میں
نام ان کا رہتا ہے
سانسوں کی لہروں میں
نام ان کا بہتا ہے
ہر نظم کے مصرعے میں
ذکر ان کا چلتا ہے
پیار کرنے والے جب
یوں روٹھ جاتے ہیں
دل توڑ جاتے ہیں
یوں چھوڑ جاتے ہیں
پھر کیوں یاد آتے ہیں

(کومل کی پسند...... تلہ گنگ سے)

ہے جہاں بآسانی کسی بھی لڑکی کو بہتان لگا کر بازار میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ ایک الزام لگا دو اس کے کردار پر اور پھر دیکھو کتنے آرام سے اس کی ذات کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ سے کوئی گلہ نہیں نوفل یاد ہے میں نے آپ سے کہا تھا محبت کرنے والوں کے دعوے ساری عمر ساتھ نبھانے کے معاہدے بہت ابتدائی مراحل پہ ہی دم توڑ دیتے ہیں۔" وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا جہاں اس وقت کوئی تاثر نہیں تھا اور پھر حوریہ نے اپنی انگلی سے انگوٹھی اتار کر نوفل کے سامنے میز پہ رکھی وہ پتھر بنا اس کی باتیں سنتا رہا وہ وہاں سے چلی گئی پر نوفل اسے روک نہیں پایا۔

❀......❀......❀

وہ رات حوریہ نے اپنے کمرے میں بند رو رو کر گزاری تھی۔ نوفل سے گلہ تھا تو بس اتنا کہ اس نے محبت تو کی پر اعتبار نہیں کیا لیکن فروا...... سے فروا سے نفرت ہو رہی تھی۔ وہ اس کی ہمراز تھی۔ ٹھیک ہے وہ اپنے کزن کو ایک اسکینڈلائز لڑکی سے بچانا چاہتی ہے لیکن اسے یہ سب نوفل سے نہیں حوریہ سے کہنا چاہیے تھا۔ وہ خود فروا کے کہنے پہ نوفل کی زندگی سے دور چلی جاتی۔ اسے فروا سے شکایت تھی۔ کیا دنیا میں صرف آغا جیسے لوگ ہی ہوتے ہیں؟ فروا بھی تو ویسی ہی تھی۔ خود غرض اور بے رحم، کیا فرق تھا اس میں اور آغا میں، دونوں نے حوریہ کے ساتھ اپنی خود غرضی کے لیے ایک جیسا سلوک کیا۔ آغا کا ایک الزام اس کی زندگی برباد کر گیا تھا۔ فروا جانتی تھی وہ جھوٹ تھا لیکن اپنی خود غرضی میں اس نے اس پہ سچ کی مہر ثبت کردی تھی۔ حوریہ کو آغا کی حرکت سے تکلیف پہنچی تھی، غصہ آیا تھا، شرمندگی ہوئی تھی لیکن فروا نے جو اس کے ساتھ کیا اس نے حوریہ کے اعتبار کا خون کر ڈالا تھا۔ وہ مسیحا تھی اس نے اسے بہت اونچے درجے پہ رکھا تھا، اسے انسان نہیں بننا چاہئے تھا۔

ہمارے اردگرد حوریہ جیسی کتنی ہی معصوم اور بے بس لڑکیاں موجود ہیں جو اپنے گھر سے عزت کی چادر اوڑھے نکلتی ہیں اور معاشرے کی خود غرضی کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں لوگوں کی زبان سے نکلا ایک لفظ، ایک الزام ان کی زندگی برباد کر دیتا ہے، آئے دن کسی حوریہ کی کردار کشی ہوتی ہے اور بے رحم سفاک معاشرہ اسے جیتے جی مار دیتا ہے۔ کتنی آسانی سے وہ ان کے احساسات اور اعتبار کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔

❀......❀......❀

رات دیر تک جاگتی رہی تو آنکھ بھی دیر سے ہی کھلی تھی۔ پچھلی رات گھنٹوں رونے پہ اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا اور آنکھوں میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ گھڑی میں وقت دیکھا تو دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ حیرت ہے میں اتنی دیر تک سوتی رہی اور کسی نے مجھے جگایا بھی نہیں۔ ایک تو بستر سے اٹھنے کا دل نہیں کر رہا تھا دوسرے باہر جا کر امی اور ابو کا سامنا کرنے کی ہمت بھی نہیں ہو رہی تھی۔ ظاہر ہے سب سے پہلا سوال اس کے دفتر نہ جانے پہ ہوگا پھر اس کی اتری ہوئی صورت پہ تشویش۔ دونوں باتوں کا اس کے پاس اس وقت کوئی جواب نہیں تھا لہذا یونہی گھٹنوں میں سر دیے بیڈ پہ بیٹھی رہی۔ گزرے ہوئے لمحے کسی فلم کی طرح یادوں کی چلمن پہ ابھرتے اور پھر غائب ہو جاتے۔ کیا وہ نوفل کو بھول پائے گی؟ وہ ایک لمحے میں اسے چھوڑنے کا فیصلہ صرف اپنی عزت نفس کی خاطر کر آئی تھی پر اس دل کا کیا کرے جو کل سے دھڑکنا بھول گیا ہے۔ لیکن نوفل...... اس نے تو ایک بار بھی اسے نہیں روکا۔ وہ جو محبت کا دعویدار تھا اس نے کیوں نا آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ایک بار بھی نہیں کہا کہ اسے کسی کی بات پہ اعتبار نہیں۔ وہ محبت کرتا ہے مجھ سے یہ تو میں جانتی ہوں، پر محبت کرتا ہے تو اعتبار کیوں نہیں کرتا۔ آنسوؤں کی لڑی ایک بار پھر آنکھوں کے بند توڑ کر گالوں پہ بہنے لگی تھی۔

تم نے آج آفس نہیں جانا تھا یہ بات بھلے نہ بتاتی لیکن آج گھر پہ مہمان آنے والے ہیں اتنا تو بتا سکتی تھی۔ کم سے کم میں گھر کا حلیہ ہی درست کر لیتی اور یہ کیا

اب تک بیڈ پہ بیٹھی ہو۔ نہ منہ دھویا نہ کپڑے بدلے۔ وہ اپنی سوچوں میں مگن بیٹھی تھی جب خدیجہ نے کمرے میں آتے ہی بولنا شروع کردیا۔ وہ ماں کے اس طرح اچانک کمرے میں آنے سے بوکھلائی تو ان کی باتوں کے سیاق وسباق کو نہ سمجھتے ہوئے حیرت سے ان کی شکل دیکھنے لگی۔

"حوریہ! ایسے میری صورت کیا دیکھ رہی ہو۔ پہلے ہی میں اور تمہارے ابو اتنے بڑے خاندان سے تمہارا رشتہ آنے پہ حیران پریشان ہیں، تم سے بھی توفیق نہیں ہوئی اگر نوفل نے تمہیں پرپوز کیا تھا تو مجھ سے کہہ دیتی۔" وہ الماری سے اس کا سوٹ نکال کر اس کے پاس بیڈ پہ رکھ رہی تھیں۔ خوشی اور بے یقینی ان کے انداز سے جھلک رہی تھی۔

"نوفل کا پرپوزل...... باہر نوفل آیا ہے؟" وہ بیڈ سے چھلانگ لگا کر اتری اور آنکھوں میں بے تحاشہ حیرت لیے خدیجہ سے پوچھنے لگی۔

"تم تو ایسے حیران ہو رہی ہو جیسے تمہیں کچھ معلوم ہی نہیں۔ اب خوامخواہ وقت ضائع مت کرو اور جلدی سے کپڑے بدل کر باہر آجاؤ۔ وہ لوگ کب سے آئے بیٹھے ہیں۔" خدیجہ اتنی ایکسائیٹڈ تھی کہ نہ تو اس نے حوریہ کی باتوں پہ دھیان دیا نہ اس کی بھیگی آنکھوں پہ توجہ دی۔ وہ آندھی طوفان کی طرح کمرے میں آئی اور اسے باہر آنے کا کہہ کر چلی گئی۔

حوریہ کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے۔ جو کچھ بھی تھا اسے باہر جا کر ہی پتا چلنا تھا اس لیے جلدی جلدی تیار ہو کر وہ کمرے سے باہر آئی۔ ڈرائنگ روم میں نوفل کے ساتھ اس کے والد اور والدہ بیٹھے تھے۔ حوریہ کے والدین بھی وہاں موجود تھے۔ نوفل کے چہرے پہ اس کو دیکھ کر ایک شریر سی مسکراہٹ ابھری۔ وہاں سب کے چہروں پہ اطمینان تھا۔ حوریہ کمرے میں آئی تو سب نے اس کی طرف محبت سے دیکھا۔

✿......✿......✿

"حوریہ! ہمارے نوفل کی پسند ہے اور ہمیں اپنے بیٹے کی پسند دل وجان سے قبول ہے۔ ہمیں آپ سے آپ کی بیٹی کے سوا اور کچھ نہیں چاہیے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم آج ہی حوریہ کو انگوٹھی پہنا کر منگنی کی رسم ادا کرنے چاہتے ہیں۔"

"تم نے ٹھیک کہا تھا، یہ رسم سب کے سامنے نبھائی جاتی ہے۔ اب میں سمجھا تم یہ انگوٹھی کل میری ٹیبل پہ کیوں چھوڑ آئی تھی۔" اس کا نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامے نوفل نے ہولے سے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ حوریہ نے منہ اٹھا کر نوفل کی طرف دیکھا۔ حیا کی لالی سے اس کا چہرہ اور بھی حسین لگ رہا تھا۔

"بہت بیوقوف ہو تم، اگر مجھے تم پر اعتبار نہ ہوتا تو کیا میں سب کچھ تمہیں بتاتا۔ میں نے کہا تھا نہ دودھ کی نہر نکالنے یا جوگ لینے کا دعویٰ تو نہیں کرتا لیکن ہاں ساتھ مرتے دم تک نبھاؤں گا۔ کل تم روتی دھوتی چلی گئیں میں نے بھی سوچا اب تمہیں کچھ بھی کہنے کا کوئی فائدہ نہیں یوں بھی کہنے کا وقت گزر چکا ہے۔ اب تو میں تمہیں فائنلی اپنے گھر لانے کا بندوبست کروں گا وہ بھی بینڈ باجے کے ساتھ۔" مسکراتے ہوئے نوفل نے شرارت سے اپنے پہلو میں بیٹھی حوریہ کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں کی چمک ستاروں کو ماند کر رہی تھی۔

✿

سیما بنت عاصم

وہ آوارہ ہوا کی طرح سر پٹختی میری سرکش محبت کے عروج کا دور تھا جب وصل کے کسی خمار آلود لمحے میں میرے دل میں تمنا جاگی تھی۔ کاش کہ میری محبت سدا میرے لیے سکھ بنی رہے۔ محبت کا دکھ فنا کردیتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ دنیا سنگ اٹھالیتی ہے۔ مجھے اس دکھ سے سہم جاتی کہ مجھے ثقلین شاہ کو کھونے سے ڈر لگتا تھا۔

ثقلین شاہ جو کچھ دنوں میں میری حیات بن گیا تھا۔ مجھے یاد نہیں اس محبت کی کونپل کب میرے اندر پھوٹی۔ مگر ادراک تب ہوا' جب جسم وجاں کو گرماتی یہ محبت سینوں میں اتر کر میری روح میں سرائیت کرگئی تھی۔

بس واجبی سی باتیں' ملاقاتیں تھیں۔

پہلی بار میں کسی آفیشل کام کے لیے ان کی ایڈورٹائزنگ ایجنسی گئی تھی پھر اسی کام کے طفیل ربط بڑھا' تکلفات سے بات ذاتیات پر اتر آئی۔ اولاً تو صرف ستائش میرا نصیب ٹھہری! یہ وہ وقت تھا جب میں اپنے کام کے لیے آئے روز انہیں آفس سے فون کھڑکاتی اور وہ میری آواز پاکے کھل اٹھتے۔

"اوہو! مس روبینہ بخش!"

"ارے آپ نے پہچان لیا؟" مجھے خوش گوار سی حیرت ہوتی اور پھر ایک فارمل سا جملہ۔ "میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟"

"ارے نہیں...... نہیں...... آپ کے فون سے میں کہاں ڈسٹرب ہوتا ہوں۔ بلکہ مجھے تو بہت خوشی ہوتی ہے۔" وہی ٹھہراؤ لیے ٹھنڈا میٹھا مدھم سا لہجہ۔

اور میں سمجھتی یہ تبسم وتکلم ان کی عادت ہے۔ اس وقت کوسوں دور بھی کہیں یہ احساس نہ جاگا تھا کہ میرا دلکش چہرہ ان کی توجہ کا مرکز ہے۔ گوکہ جانتی تھی ہر نظر کو اچھی دکھتی لڑکی ان کی توجہ کھینچتی ہے مگر میں کسی اور ہی دنیا کی باسی تھی' خود کو بہت سینت سنبھال کے رکھتی۔ ہر قدم سوچ کر اٹھاتی۔ پھر یہی نکتہ ان کے نزدیک لائق ستائش ٹھہرا۔ پہلے مزاج' عہدے کی تعریف پھر شخصیت اور چہرے کی اور یہیں آ کر ایک عورت مات کھا جاتی ہے' سامنے والا چاہے عام سا فرد کیوں نہ ہو اور ایک نئے جذبے کی داغ بیل پڑگئی۔

اب بھی وہ سراہتے...... اڑتے پڑتے لفظوں میں انتظار کی گھڑیاں گنواتے' تو میں الہڑ دوشیزاؤں کی طرح ناز دکھانے لگی۔

"ارے نہیں میں تو بہت عام سی لڑکی ہوں۔"

"ہائے کوئی میرے دل سے پوچھے۔" اچھا بھلا معزز آدمی ساٹھ کی دہائی کا فلمی ہیرو بن جاتا تو میں سرتاپا ناز میں ڈوب جاتی۔ مجھے بھلا کسی نے کب سراہا تھا۔ میں اپنی دنیا میں مگن رہتی۔ میل جول کم رکھتی' سچ تو یہ تھا کہ وقت نایاب تھا۔ آئینہ گواہی دیتا کہ میں واقعی ایک عام سی لڑکی ہوں۔

سچ تو یہ تھا کہ اپنی ہی زندگی میں خود اپنے لیے کوئی گنجائش نہ بنتی تھی۔ جانے کب سے زندگی خون' تیل' لکڑی کی چک پھیریوں میں الجھی تھی۔ اب تو وقت کی دھوپ سر پہ آٹھہری تھی۔ اماں اٹھتے بیٹھتے مجھے گزرتے وقت کے تلخ حقائق باور کراتی رہتیں۔ میں اکتاجاتی' جانے وہ ہمیشہ منفی ہی کیوں دیکھتی اور سوچتی تھیں۔ میں اب تک طرح دیتی چلی آئی تھی تو میرے ٹارگٹس کچھ اور تھے' پہلے تعلیم' پھر عہدہ اور ابا اماں!

کسی صحرا کی مانند خشک بے آب وگیاہ سی زندگی تھی۔ مگر ایک احساس' اب اندھیرے میں راستہ دکھاتے کسی جگنو کی طرح پل پل میرے ساتھ چلنے لگا تھا۔ محبت کا ایک میٹھا مہکتا' لودیتا احساس' جو بس ایک جز تھا' مگر کل پہ حاوی ہوکر میری اپنی ذات کو نگل گیا تھا۔

کبھی جو اپنے دراز بال سمیٹتی' وہ محو سے ہوجاتے۔

”تم کتنی مکمل لڑکی ہو۔“ پھر ایک بار کہا۔ ”وہ شخص بہت خوش قسمت ہوگا جو تم جیسی لڑکی کا ساتھ پائے گا۔“ اور شاید یہیں آ کر عورت مات کھاتی ہے۔ اوقات سے زیادہ اہمیت وستائش...... میں خاص الخاص تھی نہیں بن گئی تھی۔

اور ایک بار پھر ایک عورت مات کھا گئی! ایسا ازل سے ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ ہر دور کی کہانی ہے مگر خود پر لاگو ہو تو اچھوتی بن جاتی ہے مگر اس ہار میں محبت کی فتح تھی۔ میں نے کبھی آئیڈیل نہیں تراشا تھا۔ ہاں مگر میں خواب پرست لڑکی تھی۔ خواب دیکھتی' بلکہ خوابوں میں زندہ رہتی تھی۔

جس طرح انسان کے باہر ایک دنیا ہوتی ہے اسی طرح اس کے اندر ایک دنیا آباد ہوتی ہے۔ باہر کی دنیا میں مسائل' مصائب' کبھا کبھی بھاگ دوڑ اور اندر کی دنیا میں وہ خود ہوتا ہے اس کی خواہشیں اس کے خواب اور اس کا محبوب۔

میرے اندر کی دنیا باہر کی دنیا سے بہت مختلف تھی۔ باہر کی دنیا میں میرا اپنا کچھ نہ تھا اور اندر کی دنیا میں سب کچھ میرا تھا۔ میرے خواب' خواہشیں اور محبوب۔ اب سوچا اگر آئیڈیل تراشتی تو ایسا ہی ہوتا۔ نرم مزاج' خوش لباس' تعلیم یافتہ باحیثیت' اس کا نرم میٹھا لہجہ اور شفاف ہاتھ۔ ان کی شخصیت جیسے مقناطیسی' سفید نرم روئی کے گالے جیسے' میں جنہیں دیکھ کے سوچتی' جانے ان ہاتھوں کا لمس کیسا ہوگا؟ اور کتنی خوش قسمت ہے وہ عورت جو انہیں چھو سکتی ہے۔ مگر وہ اپنی ذات میں تنہا و تشنہ تھے اور یہ بات بہت بعد میں جا کر پتا چلی۔

ان کے آفس میں چہل پہل رہتی' آنا جانا' حسین وجمیل نت نئی رنگین تتلیاں' مگر ان کے اپنے سلسلے تھے' یہ سلسلے ہر جگہ دراز پڑتے' پھر جہاں غرض ہوتی' مڑ جاتے انہیں محبت کی تلاش تھی' جو صرف میرے طفیل نصیب ہوئی۔ میں نے انہیں بہت شدت سے چاہا تھا' پھر کہاں ممکن تھا کہ اس چاہت کی خوش بو ان تک نہ پہنچے۔ وہ جانچ گئے تو کھل گئے۔ ان کا وقت نایاب تھا۔ فون بزی' خود گم رہتے' میں بارہا تنگی وقت کا شکوہ کیا کرتی' ایک بار کہا۔

”مجھے خود اچھا نہیں لگتا کہ جو لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں' میں انہیں پریشان کروں۔“ میں نے زبان دانتوں تلے داب لی۔ ”مارے گئے۔“

مگر محبت کھل گئی تھی۔ وہ اس محبت کے نشان پاکر سرشار تھے' تو میں کیوں خود کو سمیٹتی۔ پھر ہوا یوں کہ میں سولہ سالہ الہڑ دوشیزہ کی طرح ادائیں دکھانے اٹھلانے لگی۔

”آپ کے پاس وقت نہیں تو ہم فالتو ہیں؟“

کبھی زیادہ چڑتی تو موبائل آف کر دیتی۔ پھر کئی دن سناٹا رہتا اور میری وہ کیفیت جان لیوا ہاں اور ناں کے درمیان...... کوئی سوئی جاگی سی کیفیت...... کچھ وقت گزرتا' پھر دل کو گرماتا ان کا کوئی پیغام! مجھے انکار نہیں تھا مگر خود پر میرا ناز دگنا ہو جاتا۔ دل تو بچہ ہے نا جی! میں رفتہ رفتہ اپنا آپ کم کرتی جا رہی تھی۔ خود سے خود کو کھوتی جا رہی تھی اور یہ اعزاز محبت کے اسی لودیتے جذبے کو حاصل تھا۔ میرے اندر یہاں سے وہاں تک جگر جگر کرتا اجالا بکھرا تھا' محبت کا

ایک مہکتا دل خوش کن احساس جسے کھو دیتی تو شاید اپنا کچھ نہ رہتا۔ میرا عشق سچا تھا اور مجھے اس سے سوا کچھ درکار بھی نہ تھا۔ باقی سب تو دنیاداری تھی۔ زندگی جیسے ان سونے جیسے چمکتے دمکتے ہاتھوں کی مٹھی میں مقید تھی اور پھر سچ مچ میں نے ان سونے جیسے گداز ہاتھوں کا لمس پالیا۔

وہ ان ہی سوئے جاگے خمار آلود دنوں میں سے ایک تھا جب میں نے ملاقات کا عندیہ لینے کے لیے ان کے آفس فون کھڑکایا تھا۔

"اوہ..... آج تو بزی ہوں۔ ایک چیک لینے جانا ہے' یا تم آجاؤ تو ساتھ چلیں؟" پل بھر میں ان کے لہجے کی ڈگر بدلی تھی۔ مانو ایک مشکل بات آسانی سے کہہ دی اور جانے کیسے میں مان گئی اور ایسے ہی وقتوں میں ثقلین شاہ نے کہا تھا۔ "تم کتنی مکمل لڑکی ہو۔ سچ تم سے مل کر ہی احساس ہوا کہ تم جیسی عورت کسی مرد کی زندگی کو مکمل کرتی ہے۔ لگتا ہے کہ اب تک میں ادھورا تھا۔" اور مجھے لگا کہ پل بھر میں جیسے ساری کائنات میری مٹھی میں سمٹ آئی ہو۔ کیا انسان یوں بھی خود پر سے اختیار کھو دیتا ہے۔ میں حیران رہ گئی تھی۔

"دلوں کے معاملے تو ایسے ہی ہوتے ہیں مس روبینہ بنگش!" وہ میری طرف جھکے تو اسٹیئرنگ الٹا گھوم گیا۔ بے ساختہ میرا ہاتھ گیئر پر رکھے ان کے ہاتھ پر پڑا' مانو میری مٹھی میں نرم روئی کا گولا آ گیا۔ ساری کائنات جیسے اس لمس میں سمٹ آئی تھی۔ وہ لمس جیسے کل پر حاوی ہو کر رفتہ رفتہ میرے وجود کو نگلنے لگا تھا' کیا میں اتنی خوش بخت تھی۔

میں جانتی تھی ان کی زندگی میں محبت کی کمی تھی' وہ احساس تنہائی کا شکار تھے اور یہ ہوتا ہے' جب اولاد منہ پر آ جائے تو مرد کمزور پڑ جاتا ہے' کتنی عجیب بات تھی نا' ہم دونوں کی زندگی میں ایک دوسرے کی کمی تھی اور ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو نہیں اپنا سکتے تھے۔

اماں اٹھتے بیٹھتے مجھے گزرتے وقت کا احساس دلاتیں' میں پہلے چپ رہتی تھی مگر اب میری زبان پر ایک نیا کلمہ تھا۔

"جن کی شادیاں نہیں ہوتیں' وہ بھی تو زندہ رہتے ہی ہیں۔"

اماں خیر کا کلمہ پڑھتی رہ جاتیں۔ یہ ایک عذر تھا۔ مگر اماں نہ جانتی تھیں' سچے موتی جیسی میری محبت من کے سیپ میں مقید تھی۔ اس سیپ کا منہ کھل جاتا تو یہ ساری چیخم پکار اٹھا بیچ دم توڑ جاتی۔ مانو چپکے چپکے کوئی سرنگ کھود ڈالی تھی۔ حالات کی چک پھیریوں میں الجھی زندگی کو ایک نیا احساس میسر آ جائے' اب میرے اندر کسی اور کے لیے جگہ ہی نہ بنتی تھی۔ کھٹا کھٹ سب دروازے بند ہو گئے تھے۔ کسی کو اپنا لینے یا اپنا بن جانے کی خواہش کہیں دور جا سوئی تھی۔ انسانی زندگی میں اس کا اپنا کیا ہوتا ہے؟ شاید کچھ بھی نہیں۔

وہ رشتوں کی زنجیروں سے بندھے تھے مجھے اپنا نہیں سکتے تھے' مگر اپنے تو بن سکتے تھے۔ اور دوسروں کو اپنا لینے کا ہنر' خود اپنے ہاتھ ہوتا ہے' یہ میں نے اب جانا جب رفتہ رفتہ مجھ سے میرا آپ دور ہوتا چلا گیا' میں خود سے خود بخود گم ہو گئی۔

ہم دونوں ملتے چائے کافی پیتے یا وہ میرے آفس کی بلڈنگ تلے آکے مس بیل دیتے۔ میں اپنی گاڑی لاک کرتی اور ہم لمبی ڈرائیو پر نکل جاتے۔ راستے میں وہ کہتے۔

"لاؤ اپنا ہاتھ دو۔" اور مانو زندگی میرے آس پاس مسکرانے لگتی۔ یہ وہ وقت ہوتا جو میرا اپنا ہوتا' بلکہ زندگی کا حاصل' جب ثقلین شاہ میرے ہمراہ ہوتے اور یہی وہ لمحات ہوتے' جب میرے اندر پنپتی دھیرے دھیرے سانس لیتی محبت زور آور ہو جاتی۔ ان ہی لمحات میں میرے اندر کہیں خواہش ہمکتی۔

"کاش کہ یہ لمحے جاوداں ہو جائیں۔ میری محبت میرے لیے ہمیشہ سکھ ہی بنی رہے۔" اور اب تک تو یہ سکھ ہی تھی۔ ہم کچھ دن نہ ملتے تو جیسے اندر پڑا کوئی خلا گہرا ہوتا چلا جاتا۔ ان کے پاس کاموں کا انبار تھا' گھر' جاب' بچے یہ وہ۔

میں خفگی بھرا کوئی ایس ایم ایس کر کے گم ہو جاتے۔ وہ مناتے اور میں سچ مچ روٹھی محبوبہ بن جاتی۔ گو کہ اپنے دل پر

قیامتیں گزر جاتیں' لگتا کہ جیسے خود کو سزا دی ہو۔ وہ کچھ دن مزا لیتے' پھر کچے دھاگے سے بندھے چلے آتے' سفید کرولا میرے آفس کی بلڈنگ تلے ٹھہرتی اور موبائل پر ان کے نمبر سے بپ ابھرتی' خدا خدا کر کے کفر ٹوٹ ہی جاتا۔ میں کھنچی چلی جاتی۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر شا کی غصیلی نظروں سے انہیں تکتی۔

"آپ برے ہیں' سچ مچ بہت برے۔"

"وہ تو میں ہوں' جب تم کہہ رہی ہو تو ٹھیک ہی ہوگا۔" صاف وشفاف چہرے پر مدھم سی مسکراہٹ لیے وہی ان کے لہجے کا مدھم انداز اور ٹھہراؤ اور کرولا کسی مخصوص اسپاٹ پر جا کر ٹھہر جاتی۔

"مان لیجیے کہ کسی دن یوں ہی آپ سے روٹھ جاؤں گی' پھر کبھی نہ مانوں گی۔" اور وہ اٹھلاتے۔

"واہ کسی کی جان گئی اور آپ کی ادا ٹھہری۔" اور ایسی باتیں سننے کو تو ایک پکار میں اڑ کر پہنچتی تھی۔

"کبھی کبھی دل چاہتا ہے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آپ سے کہیں دور چلی جاؤں۔"

"اچھا! دیکھتے ہیں۔" اتنا تو وہ بھی جانچ گئے تھے کہ میرا ان کے بغیر گزارا نہیں ہے۔ مجھے اعتراف ہے ثقلین شاہ کی محبت نے میری زندگی بدل دی تھی۔ وگرنہ میری زندگی میں میرا اپنا کیا تھا۔ چیخ پکار' بھاگ دوڑ' اٹھا پٹخ اور اس سب میں...... میں خود کہاں تھی' شاید کہیں نہیں اور یہ مصائب' اگر میرے اندر پلتی پنپتی محبت کو نگل پاتے تو شاید یہ ساری اٹھا پٹخ ہی دم توڑ جاتی۔ خود کو فنا کرتی اس محبت کی جڑیں اپنے اندر سے اکھاڑ پھینکتی تو کھوکھلی نہ پڑ جاتی۔ یہیں آ کے وہ کہتے۔

"جو زندگی کو اس کی تمام جزئیات کے ساتھ منظور کر لیتے ہیں' قرار پا جاتے ہیں جو قسمت سے سر پٹختے ہیں' آوارہ ہوا کی طرح سر گرداں رہتے ہیں۔" اور میں ان کا ہاتھ تھام کے سسک اٹھی۔

"یہ تقدیر کا کتنا بڑا مذاق ہے کہ آپ تب مجھے ملے ہیں جب آپ کو میری ضرورت نہیں۔" اور انہوں نے وہ تمام آبی قطرے اپنی پوروں پر سنبھال لیے۔

"زندگی میں محبت کے سوا بھی بہت کچھ ہے' کسی ہم سفر کا ساتھ زندگی کی ضرورت سمجھ کر منظور کر لو۔"

"میں کیسے کہتی' میرا دل ہی آمادہ نہیں ہوتا۔ اماں درست کہتیں' عورت کے لیے سہارا لازمی ہے مگر کبھی کوئی اچھا ہی نہ لگا۔ وہ اچھے لگے مگر اپنانے سے قاصر تھے۔ اور ان تک آ کر کھٹا کھٹ سارے دروازے بند ہو گئے تھے۔ یہ وہ بھی جانتے تھے۔ اور ایسے ہی وقتوں میں ثقلین شاہ نے کہا تھا۔

"شادی کرلو' شادی تو کرنی پڑتی ہے' اپنے لیے نہیں تو دوسروں کے لیے سہی۔" میں اگر کہہ سکتی تو ضرور کہتی۔

"تم نہیں تو کوئی نہیں' کوئی تم سا ہو تو سہی۔"

گزرتے وقت کی طنابوں کو کون تھام سکا ہے۔ وقت تو نکل گیا تھا' اب تو بس گزارا تھا۔ مگر میں سوچتی تب بھلی لگتی جب روح کو چھید ڈالنے والا یہ احساس' ہم قدم نہ ہوتا۔ اور گزارا تو مجھ جیسی خواب پرست لڑکی کے لیے پہلے بھی آسان نہ تھا۔ اب تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ میں خود کو دیکھتی تو اپنا آپ گم پاتی' بس وہی وہ نظر آتے۔ جیسے خلاء میں زمین اور پردہ کینوس پر نظر آتی ہے۔

کتنی عجیب بات تھی نا! وہ آسمانوں کے مکین تھے اور میں زمین پر سفر کرتی تھی۔ میرے جذبوں نے انہیں تسخیر کیا تھا' مگر وہ خواہش تو رکھتے' خواہش پر دسترس نہ رکھتے تھے۔ ایسے میں میرا فطری کمپلیکس عود کر آتا' سچ تو یہ تھا کہ ان کی ہمراہی کی اہل ہی نہ تھا۔

"آپ تو شاہ ہیں نا!" میں روئی کے گالے جیسے گداز مردانہ وجاہت کا شاہکار ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیتی۔ اور وہ اترا جاتے۔

"واہ شاہ کو شاہ مل گئے۔"

میں اگر کہہ سکتی تو ضرور کہتی مجھے ان کے قدموں کی داسی بن کر رہنا بھی منظور تھا مگر زندگی اور زندگی سے جڑے آزار ہم دونوں کو اپنی جانب کھینچ لیتے۔ مانو چاند نظر کے سامنے مگر دسترس سے دور ہو۔

چاند کسی کا ہو نہیں سکتا
چاند کسی کا ہوتا ہے!!

اسی دن انہوں نے مجھے ڈراپ کر دینے کے دوران ایک ماضی کی داستان سنائی تھی۔ انسان ایک وقت میں کئی جذبے بھگتا تا ہے نئے رشتے سے پرانے رشتے فنا نہیں ہوجاتے' ان کی بات میرے دل میں کھب گئی۔ محبت شدت و گہرائی لیے ہو تو کسی حیلے فنا نہیں پاتی محبت احتیاجات سے ماورا ہے ضرورت زندگی پر غالب آ جائے تو محبت کا ہر احساس کسی کونے کھانچے میں پڑا رہ جاتا ہے۔ مجھے اسے زندہ و جاوید رکھنا تھا۔

"میں نے بھی نوعمری میں شدت کے ساتھ کسی سے محبت کی تھی۔ مگر جب میری شادی ہوگئی تو وہ بات نہ رہی' شدت و گہرائی لیے محبت رفتہ رفتہ فنا ہوتی چلی گئی' ازدواجی تعلق کی بھی کچھ احتیاجات ہوتی ہیں' زندگی حالات کی چک پھیریوں میں الجھی تو جیسے اپنا آپ بھی گم ہوگیا۔ محبت سے بڑھ کر بھی ایک چیز ہوتی ہے نفس۔"

مجھے پتا تھا' ایسا نہیں ہوگا' ان کی محبت میرے اندر دور دور تک جڑیں پھیلا چکی ہے' ہر گزرتے پل' میری سانس کے ساتھ ساتھ چلتی' رفتہ رفتہ مجھے فنا کرتی جارہی تھی۔ زندگی احتیاجات سے ماورا ہوگئی تھی میں خود کو ٹٹولتی تو اپنا سراغ نہ پاتی۔ ان کی جگہ کوئی اور لے ہی نہ سکتا تھا۔ شادی میری حیات کا ایک تقاضا تھی اور بس! میں نفس پر قابو نہ رکھتی تو جانے کتنی بار بھٹکتی۔ جب محبت پر قابو نہ رکھتی تو جانے کتنی بار بھٹکتی۔ مجھے ان سے اختلاف تھا۔ جب محبت پر وجود غالب آ جائے تو محبت فنا ہو جاتی ہے۔ محبت کا انت اگر ملاپ ہوتا تو بعد ازاں لوگ کاہے کو ایک دوسرے کے سر پھوڑتے نظر آتے۔ وہ نفس کی تسکین پر محبت کھو بیٹھے تھے شاید یہ اسی بے ایمانی کا انعام تھا کہ تشنہ تھے۔ انہیں سب کچھ میسر تھا' گھر' عہدہ' بیوی بچے مگر محبت ہنوز لاحاصل تھی۔ مگر یہ ایک عورت کی محبت تھی' میں نے کبھی ان کا قرب چاہا' نہ ملاپ کو ٹارگٹ بنایا۔ محبت کی انتہا ملاپ پر جا کر دم توڑ جاتی ہے۔ محبت سنجوگ پر تمام ہوتی تو محبت کے دعوے دار کبھی کٹہرے تک نہ پہنچتے۔ میری محبت ان سطحی باتوں سے ماورا' شفاف جھیل کی تہہ میں پڑے کسی انمول پتھر کی طرح' ان چھوئی اور نایاب تھی۔

اور میں نے شادی کرلی۔ اپنے لیے نہ سہی' دوسروں کے لیے سہی۔ ثقلین شاہ نے کہا تھا۔

"جو زندگی کو اس کی تمام جزئیات کے ساتھ منظور کرلیتے ہیں' قرار پاجاتے ہیں جو وقت سے سر پٹختے ہیں' آوارہ ہوا کی طرح سرگرداں رہتے ہیں۔" مگر مجھے اس جذبے کی بقا عزیز تھی جس نے میرے اندر کی دنیا کو آباد کر رکھا تھا۔

میں نے اخبار سے قصداً ایک ایسا اشتہار سلیکٹ کیا تھا جو عورت کے سہارے کا خواہاں تھا۔ مالی سپورٹ' ٹھکانہ اور کماؤ بیوی' وہ ایک ناکام آدمی تھا' جس کے آگے پیچھے اگر کوئی تھا تو اس پر ہاتھ نہ دھرتا تھا۔ ورنہ یہ بے سروسامانی کیوں ہوتی۔ میں نے جانچ لیا' اسے قدم اٹھانے کے لیے بیساکھیاں درکار تھیں۔ محبت اس کا ٹارگٹ نہ تھی۔ وہ دوسروں میں سہارے تلاشتا' اسٹیٹس پر نظر رکھتا' عورت کی مدد چاہتا' یہی وجہ اس کی بربادی کا سبب تھی۔ میں نے ساری سپورٹ فراہم کردی۔ مانو ایک دوسرے پر ٹھپہ لگادیا۔ گویا کچھ دو اور کچھ لو والا معاملہ...... روز روز کی چخ چخ کو تو قرار نصیب ہو' مجھے اور اماں کو ایک دوسرے کی ضرورت تھی' جاسم منصور کو مالی سپورٹ کی...... کیونکہ اپنی کمزور حیثیت کے سبب وہ سر اٹھا کر نہ چل سکتا تھا' اب چلنے لگا مگر ہزار خسارے جھیل کر اب بھی دوسروں میں سہارا تلاش کرتا تھا۔

سو اپنے پیروں پر نہ کھڑا ہوسکا۔ اماں نے اسے گھر داماد رکھ لیا۔ اسے خود کے لیے سہارا درکار تھا' سو مل گیا' مجھے ہم سفر کے نام کی مہر لگانی تھی سو لگ گئی۔ مانو ایک خاموش کمٹ منٹ۔ دونوں ہی دنیا کے لیے اپنی اپنی جگہ سرخرو ٹھہرے۔ دنیا تو بس ظاہر کی آنکھ سے دیکھتی ہے' اسے اور کیا درکار تھا۔ مگر بہت جلد وہ اپنی اوقات بھولنے لگا' اسے اپنے حقوق از بر رہتے' ازدواجی زندگی کے تقاضے' بیوی کی

تابع داری' خدمت و محبت اور فرائض تو جیسے اس کے لیے بنے ہی نہ تھے۔ ورنہ اب تک کی زندگی میں ناکام کیوں رہتا۔ خیر مجھے اس سے کوئی رغبت یا امید تھی بھی نہیں۔ اس نے ماضی میں افلاس جھیلی تھی' لگژری فلیٹ میں رہائش' بیٹھے بٹھائے کھانے کے مزے' اب اسے سب کچھ میسر تھا' باقی کے دروازے بند تھے اگر دیکھا جائے تو...... کچھ لو اور کچھ دو کے معاملے میں میرے ہاتھ خسارہ تھا۔

میرا کیا کھویا اور میں نے کیا پایا تھا' یہ صرف میں جانتی تھی۔ اسے سب کچھ میسر تھا اور مجھے بس ایک نام جو کم از کم میرے لیے بے نام تھا مگر وہ سمجھتا ہی نہ تھا' شوہر ہونے کی توجہ و اہمیت بھی مانگتا' دن بھر بیوی فکر معاش میں گم رہے لوٹے تو اسے شوہریت کا مان چائے کی پیالی کے ساتھ پیش کرے۔ رات میں محبت کی میٹھی لوری سنائے۔ اب یہ کہاں ہوتا ہے کہ ایک ہی جھٹکے میں انسان کو سب کچھ میسر آجائے۔ کبھی کسی کو مکمل جہاں نہیں ملتا۔ مگر اسے کون بتاتا' مجھے خود سے باندھ کے وہ سمجھتا کہ سب کچھ اسی کا ہے مگر درحقیقت خسارے میں تھا۔

کسی کو اپنا لینا محبت نہیں' کسی کا اپنا بن جانا محبت ہے اور اپنائیت کی کھڑکی بند ہو چکی تھی۔ مگر جاسم منصور جیسے لوگ کیا جانیں؟

بستر پر میرے اور اس کے مابین فاصلہ پر وہ کھٹکتا' مگر فاصلوں کی گہرائی تک نہ پہنچ پاتا۔ بشری تقاضے اگر تکمیل پا بھی جائیں تو رشتے وہ شدت و گہرائی نہ سہی انوالومنٹ تو چاہتے ہیں نا۔ وہ بس چند لمحوں کا کھیل ہوتا جب احتیاج احساس بھی مانگتی مگر احساس زور آور ہو تو احتیاج ثانوی شے بن جاتی ہے اور مجھے اس احساس کی شکست منظور نہ تھی۔ ثقلین شاہ کی محبت میری نس نس میں اتری تھی اور یہ محبت تب فتح کا جشن مناتی جب وہ مجھ سے مجھ کو کھینچ نکالنے کے لیے سر پٹختا اور ناکام رہتا' اس کی مردانگی تملاتی' مگر تکمیل نہ پاتی! اپنے اور میرے رشتے کے مابین خالی پن کا احساس اسے بہت جلد ہو گیا۔ کتنی عجیب بات ہے نا' آسودگی میں خالی پن اور اس خالی پن کا اسرار بس میں جانتی تھی۔

اب بھی ہر رات محبت میری سینے پر سر رکھے' محو خواب رہتی' میری خواہشیں' میرے خواب' میرا محبوب...... جنہوں نے مجھے کسی اور کا ہونے ہی نہ دیا تھا۔ جاسم منصور اس محبت کی شدت و گہرائی کو پا جاتا تو شاید اپنے لیے کچھ طلب نہ کرتا جو وہ چاہتا تھا' مل ہی نہ سکتا تھا کہ سارے دروازے بند تھے مگر وہ ان بند دروازوں سے سر پٹختا' جن پر نو انٹری کا بورڈ تھا۔ میں اسے بتا سکتی تو ضرور بتاتی۔

اٹس جسٹ اے کمٹ منٹ' ایک خاموش معاہدہ اور بن کہے وہ کیسے سمجھتا اور مجھے بھی کیا پڑی تھی کہ جتاتی پھروں۔ بیلے کی منہ بند کلیوں کا اسرار کھلتا تو مہک پرائی ہو جاتی۔ دلوں کے دربار بار بار نہیں سجائے جاتے۔ مگر یہ جاسم منصور جیسے لوگ کیا جانیں۔

عرصہ ہوا میں نے خود سے خود کو پرایا کر دیا تھا اور یہ ثقلین شاہ بھی جانتے تھے۔ میری محبت کی شدت و گہرائی سے واقف جو تھے سو ہم ملتے رہے ہمیشہ کی طرح مختلف مقامات پر باتیں کرتے' ہنستے' بولتے' اس سے زندگی مسکراتی' وہ وقت اب بھی میرا اپنا ہوتا' جب محبت پاؤں میں گھنگرو باندھ کے چھما چھم رقص کرتی۔ اور ان ہی لمحات میں دل سے بار بار صدا اٹھتی۔ ”کاش میری محبت سدا میرے لیے سکھ بنی رہے۔“

گویا ہمارے درمیان تیسرا کوئی آیا ہی نہیں تھا' پرائے پن کی خوش بو میرے وجود سے تب اٹھتی جب میں نے اس نام نہاد اور پری رشتے کو نبھایا ہوتا۔ خود میں نے اب تک کی رفاقت میں ثقلین شاہ کے پرسنلز کبھی نہ کھنگالے تھے۔ سو انہوں نے بھی کبھی کوئی سوال نہ کیا۔ میری پرواز بلند تھی' جاسم منصور کی رسائی اس تک ممکن نہ تھی۔ میرے جذبے کسی اور کے نام تھے اور اس سب میں وہ کہیں نہ تھا۔ وہ خود سے کیسے جانتا' بس وہ تو مجھے حاصل کرنے کے لیے سر پٹختا پھرتا' بھول جاتا کہ اسے میری محبت' میرا اپنا پن یا میرا وجود نہیں' سپورٹ درکار تھی۔ جو اب اسے حاصل تھی' اب مجھ پر کیسا تسلط..... محبت کا تو دور دور تک کہیں ذکر ہی نہ تھا۔ جو

ایسے رشتے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے وہ تو کسی اور کے نام تھی نا۔

مگر جاسم منصور مردانگی کے کمپلیکس کا شکار ایک عام سا مرد تھا' اسے اپنی مردانہ انا پر میری جی حضوری کا ٹھپہ درکار تھا۔ میں اسے کیسے سمجھاتی' میری زندگی میں اس کے لیے کوئی جگہ نہ تھی اور نہ ہے' اس کی حیثیت تو بس ایک فالتو پرزے کی سی ہے جو بظاہر اپنی جگہ فٹ نظر آتا ہے۔ مگر درحقیقت ناکارہ' وہ اپنی پوزیشن جان لیتا تو شاید کبھی اپنے قد سے زیادہ نہ اچھلتا' مگر اس نے پل پل میرے معمولات کا حساب کتاب شروع کردیا۔ میں لیٹ ہوتی تو اس کے سوال جواب کا سلسلہ شروع ہوجاتا۔ ثقلین شاہ کے ساتھ ہوتی تو مجھے میٹنگ کا بہانہ کرکے موبائل آف رکھنا پڑتا اور اس کے دماغ کا ٹیڑھا پن عود کرآتا۔ رفتہ رفتہ وہ میرے لیے ایک جیتی جاگتی فرسٹریشن بن گیا اور یہ فرسٹریشن میرے لیے بوجھ بن گئی۔ جن مصلحتوں کے بل بوتے پر اسے اپنایا وہ سمجھوتا کرجاتا تو کوئی فساد ہی نہ اٹھتا۔ فالتو آدمی کا دماغ شیطان کا کارخانہ ہوتا ہے' وہ میرے لیے زیادہ دردسر بننے لگا تو میں نے اسے دھندے سے لگادیا۔

گو کہ اماں اسے کام سے لگا کے رکھتیں' بینک جانا' ڈاکٹر کا وزٹ اور گھر کے سیکڑوں کام' مگر وہ مصروف ہوکے بھی مغلوب نہ ہوتا۔ میں نے اسے ایک شاپ کھلوادی' ایک مناسب قیمت کی گاڑی باقی تعیشات تو اسے حاصل تھیں۔ میرا خیال تھا وہ مگن ہوجائے گا مگر کھلونوں سے بچے بہلتے ہیں' مرد نہیں......! اس کی سوچ منفی رخ پر جانکلتی تو میری بلا سے......!

رشتوں کو دردسر بنالیا جائے تو رشتے سلامت رہتے ہیں یا سر......! ہمارے درمیان بھی سر پھٹول کا آغاز ہوگیا۔ اور وہ جو ہوتی ہے عورت ذات کی تڑپاہٹ چنڈال پن' جانے کہاں سے سرتاپا مجھ میں آسمائی تھی۔ مجھے ہر معاملے میں ہٹ دھرمی' دسرکشی' دکھانے لگی۔ مرد کو سمیٹنے والی عورت پاور فل ہوتی ہے۔ وہ میرے ٹکڑوں پر پل رہا تھا' میں بھلا کیوں دبتی...... پھر یوں ہوا کہ مجھے اس کی شکل سے بھی خار چڑھنے لگی۔ اب کبھی جو وہ ابھرتا' میری فرسٹریشن عود کرآتی' میں چیختی چلاتی' اودھم مچاتی' توڑ پھوڑ کرتی' وہ دب جاتا۔ ہونہہ' عورت کی کمائی پر پلنے والا دیو مرد۔ اماں اس دن کو روتیں جب سمجھا بجھا کے مجھے نکاح پر آمادہ کرنے کو سر پھوڑتی تھیں کہ اس سے تو کنواری بھلی تھی۔ اچھی بھلی لڑکی پر ذہنی مریضہ کا گمان ہوتا تھا مگر یہ خرابی' دماغ کی نہیں دل کی تھی۔ وہ نہ جانتی تھیں۔

☆......☆......☆

کہتے ہیں کہ انسان کو زندگی میں سب ہی کچھ نہیں مل جاتا۔ انسانی زندگی میں بہت کچھ ایسا ہے' جو طے شدہ ہے' یہی قسمت ہے اور بہت کچھ ایسا بھی ہے جو اس کے اپنے ہاتھ کی کمائی ہے' زندگی میں بہت کچھ اچانک' غیر متوقع اور خودبخود بھی ہوتا ہے' کبھی رنجشیں' کبھی نفرتیں' ایسی ہی ایک لغزش بہانہ بن گئی تھی۔ ایک ان چاہی غیر متوقع سی لغزش!!

میں اس دن آفس پہنچی تو اتفاقی چھٹی ہوگئی۔ دل سے دل کو راہ ہوتی ہی ثقلین شاہ کو کال کا سوچ ہی رہی تھی کہ انہوں نے خود بلڈنگ تلے آکے کال کی۔

"مجھے آؤٹ آف سٹی کچھ کام ہے' شام تک لوٹ آئیں گے۔" اور ان کی قربت انمول تھی۔ میں ایک ہی پکار پر تیار ہوگئی۔

گھڑیالی بلڈنگ کی گھڑی وقت گزرنے کا پتا تو دیتی تھی مگر برے وقت کی آہٹ سے بے نیاز تھی مگر جانے وہ وقت اچھا تھا کہ برا...... سفید کرولا شہری حدود میں تھی کہ ان کا وہی پرانا انداز۔

"لاؤ' اپنا ہاتھ دو۔" اگلے ہی پل نرم وگداز روئی کا گالہ میری مٹھی میں تھا۔ موسم گرما کی دوپہر میں شہر سے باہر کو جاتی طویل سنسان سڑکیں۔ انہوں نے اے سی چلادیا۔ ہم دونوں کا ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھ میں تھا۔

تیرا ہاتھ ہاتھ میں ہو اگر
تو سفر ہی اصل حیات ہے
میرے ساتھ ساتھ ہیں منزلیں
تیرا پیار گر میرے ساتھ ہے!!

وہ سفر بہت خواب ناک تھا مگر موسم دغا دینے پر اتر آیا۔ کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ ڈھیر ساری دھول مٹی اڑی' فضا زرد ہوگئی' انہوں نے ایک جگہ پر کار روک دی۔

"آندھی کے آثار ہیں۔ کچھ دیر رکنا پڑے گا۔"

"کب تک......؟" میری ایک ہارٹ بیٹ مس ہوئی۔ اور یہ بھلا وہ کیسے بتا سکتے تھے۔ پھر بھی تسلی دی۔

"جب تک آندھی نہ رکے۔" اور آندھی بھی کوئی چھٹی کی گھنٹی ہے جو وقت پر ہوتی اور رک جاتی۔

ہمیں ایک جگہ پڑاؤ ڈالنا پڑا وہ کوئی درمیانے درجے کی سرائے تھی مگر غنیمت تھی۔ ثقلین نے ریلیکس ہونے کو کمر ٹکائی اور تھکن سے غافل ہوگئے۔ میں نے شوز اتارے' گھڑی اتار کے ایک جانب رکھی' بیگ سے برش نکال کے بالوں میں پھیرا' خراب موسم کے تحت نیٹ ورک بزی تھا' گھر پر رابطہ نہ ہوسکا' کچھ وقت کی تو بات تھی۔ میں نے موبائل ایک طرف ڈال دیا۔ مگر بات کچھ دیر پر نہ ٹلی۔ آندھی زور پکڑ گئی' بجلی کڑکنے لگی اور پھر دھواں دھار بارش کا آغاز' میں کوئی سولہ سالہ الھڑ دوشیزہ تو نہ تھی کہ لرزتی' کانپتی' سٹپٹاتی' تکیہ اٹھا کر سیٹ پر پڑ گئی۔ جانے رات کا کون سا پہر تھا۔ مجھے بستر پر اپنے قریب سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ میں نیم غنودگی میں تھی۔ ان پر بھروسا تھا مگر وہ بشر تھا' بھٹکا ہوا جس کی گھٹی میں پڑا ہے۔ وہی نرم و گداز روئی کے گالے جیسا ہاتھ میرے سر پر ٹھہرا تھا میری زلفوں کو سہلاتے ہوئے بازو پر آن ٹھہرا۔

ثقلین کی شخصیت میں ٹھہراؤ اور مضبوطی تھی مگر قربت نے نفس کو جگا دیا تھا۔ خطا' خاک کے پتلے کی مٹی میں گندھی ہے۔ سو خطا ہو ہی گئی۔ پھر کیا دنیا اور کیا دنیا داری کے تقاضے۔ مرد و عورت یکساں نفس کے غلام نہ ہوں تو "گناہ" صرف زیادتی بن کر رہ جائے۔ پھر ایک دن پر بس نہ رہی' ہم کئی دن گزار کر لوٹے۔ پروا کس کی تھی۔ وجود تو بس جنوں کی منزلیں کھوجنے' ساتوں آسمان کھنگالتا پھرا تھا۔

اماں سے جتنے بہانے کر سکتی تھی کر دیئے تھے وہ مطمئن تھیں کہ نہیں مگر جاسم منصور جان کو آ گیا۔ اس کی سوچ منفی رخ پر سفر کر رہی تھی تو کیا کرے۔ ادھر انکار کس کو تھا' یوں ہے تو یوں ہی سہی۔ ذہن و دل پر ان لمحات کا خمار تھا جو کسی خوش رنگ تتلی کی طرح اپنے پروں کے رنگ میری پوروں پر چھوڑ گئے تھے۔ اور وہ خطا جیسے کوئی چھٹکارہ بن گئی تھی۔

اسی رات آزادی کا پروانہ میرے ہاتھ آ گیا۔ خس کم جہاں پاک۔ میرا آپ ہلکا پھلکا ہوگیا تھا۔ جیسے جھاڑن سے کوئی دھول مٹی جھاڑ دے تو سب کچھ نکھرا ستھرا نظر آتا ہے۔ شاید جاسم منصور بھی سانپ سیڑھی کے اس کھیل سے اکتا گیا تھا' یوں بھی اسے اوقات سے بڑھ کر حاصل ہوچکا تھا۔ مجھے اور کیا درکار تھا۔ مانو کوئی دکھتا رستا ناسور نجات دے گیا تھا۔ جاسم منصور جیسے لوگ کیا جانیں' کسی کو خود سے باندھ کر رکھنا محبت نہیں' محبت ہم سفری ہے نا ہی کمٹمنٹ' محبت تو جذبے کی شدت و گہرائی کا نام ہے۔ جو لوگ اسے اسی شدت و گہرائی کے ساتھ نباہتے ہیں' محبت ان کے لیے سکھ ہی ہے۔ ہم نے بھی اس لغزش کو دہرایا' نہ ملاپ یا حصول کو ٹارگٹ بنایا' نہ خود کو ارزاں کیا اور نہ ہی اپنی محبت کو بوجھ بننے دیا۔ سو محبت رعونت سے کسی شاہی تخت پر براجمان راج کماری کی مانند میرے عقب میں کھڑی مجھے پنکھا جھلتی رہی۔ محبت کے اسی لو دیتے جذبے کے طفیل' میرے اندر کی دنیا آج بھی آباد ہے' میرے خواب' میری خواہشیں' میرا محبوب۔

ہم آج بھی ملتے ہیں' محبت اب بھی ہمارے درمیان سانس لیتی ہے اور میری محبت' میرے لیے سکھ ہی ہے۔ رہی دنیا' تو دنیا میں کیا رکھا ہے؟ مسائل' مصائب' مشکلات!!!

تیرے لوٹ آنے تک

سلمیٰ فہیم گل

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ذری اور تورع ازدواجی رشتے میں بندھ جاتے ہیں لیکن کچھ غلط فہمی کے باعث وہ دونوں ایک ساتھ نہیں رہتے لیکن تورع کا دوست سالار اب دونوں کو ملانے کی کوششوں میں ہوتا ہے۔ ظعینہ ایئرپورٹ پہ ہوتی ہے جب ارقام اسے سی آف کرنے آتا ہے اور ساتھ ہی ڈھکے چھپے الفاظ میں اپنی محبت کا اظہار بھی کرتا ہے وہیں ظعینہ ارقام کی ملاقات اپنے بھائی تورع سے کراتی ہے آغا مینا کا معمولی سا ایکسیڈنٹ زادیار کی گاڑی سے ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ سے خون بہنے لگتا ہے جس پر زادیار پہلی بار پریشان ہوکر اور بغیر کوئی جھگڑا کیے آغا مینا کی بینڈیج کرتا ہے ملک میں سیلاب کی صورت آفت آئی ہوئی ہوتی ہے جس کے لیے آغا مینا یونیورسٹی فیلوز کے ساتھ مل کر وہاں امداد کے لیے اشیا لے کر جاتی ہے وہیں اس کی طبیعت خراب ہوجاتی ہے۔ ذری تورع سے چھپنا شروع کردیتی ہے جبکہ شگفتہ آنٹی اسے اپنے ساتھ شاپنگ پر لے جانا چاہتی ہیں لیکن وہ انکار کردیتی ہے جبکہ دوسری طرف تاباں اسے سمجھانے کی کوشش کرتی ہے۔ اشیا کی کمی کے باعث زادیار سامان لینے کے لیے واپس آتا ہے لیکن اپنے خیمے میں آغا مینا کو سوتا دیکھ کر چونک جاتا ہے جبکہ دیبا زادیار کو آغا مینا کی خراب طبیعت کا بتادیتی ہے اس لیے ایک بار پھر وہ خاموش ہوجاتا ہے۔ حسن احمد بخاری (ظعینہ کے والد) کی طبیعت اچانک خراب ہوجاتی ہے ظعینہ فون پر تورع کو بتاتی ہے لیکن وہ کوئی اہمیت نہیں دیتا جس پر ظعینہ پریشان ہوکر شیرازی انکل (حسن احمد بخاری کے دوست) کے ساتھ مل کر حسن احمد کو اسپتال لے آتی ہے۔

اب آگے پڑھیں

"آج جانے کیوں تمہاری بے تحاشہ یاد آئی اور میں مضطرب سی ہو اٹھی حالانکہ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا کہ مجھے تمہاری یاد آئی ہو اور میں اس طرح مضطرب سی ہو جاؤں میں تمہیں کبھی بھول ہی نہیں پائی' تمہاری یاد تو میری ہر ہر سانس کے ساتھ سفر کرتی ہے۔ مگر مجھے ڈسٹرب نہیں کرتی' یوں بے چین نہیں کرتی کہ تمہاری تلاش میں بے ساختہ نظریں بھٹک جائیں اور تمہیں ایک نظر دیکھنے کو میرا دل مچلے ایسا تو پہلے کبھی بھی نہیں ہوا تو پھر آج ایسا کیوں؟ شاید میں خود کو بہت تنہا محسوس کرنے لگی ہوں...... یا شاید وقت کی بے لگام رفتار مجھے بے چین کردیتی ہے...... کہ کہیں یہ وقت بیت جائے اور میں ہمیشہ کے لیے......

تمہیں یاد ہے! جب یونیورسٹی کے گراؤنڈ میں سب سے آخر میں الگ تھلگ سے درخت کے نیچے ہم بیٹھتے تھے حالانکہ وہاں کوئی نہیں جاتا تھا مگر ہم دونوں جاتے تھے کیونکہ تمہیں وہ الگ تھلگ سی جگہ بہت پسند تھی' بقول تمہارے وہاں ہمیں کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔ اسی لیے تم مجھے وہاں لے جاتے اور دیر تک بیٹھے رہتے تھے۔ ایک کوئل میٹھی سی آواز میں گنگناتے ہوئے ہمارا ساتھ دیتی اور جب وہ گنگناتی تھی تو ہماری باتیں بیچ میں ہی رہ جاتیں تھیں اور ہم ہمیشہ اس کی آواز کے تعاقب میں پیڑ کے گھنے پتوں میں اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن وہ جانے کہاں چھپی ہماری متلاشی نگاہوں کو انجوائے کرتی رہتی تھی۔ ہمارا سارا وقت اسے کھوجنے میں لگ جاتا مگر وہ کہیں دکھائی نہ دیتی تھی۔ ہماری اپنی باتیں دھری کی دھری رہ جاتی تھیں۔ اور ہم دوسرے دن

اسی جگہ پر بیٹھ کر باتیں کرنے کا عہد لیے اٹھ جاتے تھے۔ کتنے خوب صورت سہانے دن ہوا کرتے تھے ناں وہ...... خیر...... جانتے ہو آج صبح جب میں اپنی بالکنی میں کھڑی تھی تو مجھے کوئل کی آواز سنائی دی۔ میں کتنی ہی دیر حواس باختہ سی اپنے چاروں اور نظریں دوڑاتی رہی۔ مگر...... آج بھی ہمیشہ کی طرح وہ مجھے نظر نہیں آئی' میری متلاشی نگاہیں ہمیشہ کی طرح بنا اسے کھوجے واپس لوٹ آئیں۔ ویسے ہی جیسے کبھی کبھی تمہاری تلاش میں میری نظریں یونہی بنا تمہیں کھوجے یونہی پلٹ آتی ہیں۔ کیا کبھی ایسا ہوگا؟ کیا میں کبھی کوئل کی آواز کا تعاقب کرتے ہوئے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ پاؤں گی؟ دیکھ پاؤں گی کہ وہ گنگناتی ہوئی کتنی خوب صورت لگتی ہے؟ کیا وہ ویسی ہی دلکش لگتی ہوگی گنگناتے ہوئے بھی جیسی اس کی آواز ہے؟ اور کیا میں تم کو تلاش کر پاؤں گی؟ کیا کبھی میری متلاشی نگاہیں سیراب ہو پائیں گی؟ کیا کبھی ایسا ممکن ہو پائے گا؟ یا پھر یونہی......؟'' انہوں نے کرب سے اپنی آنکھیں موندھ لی تھیں۔ دائیں آنکھ سے بہتا ہوا موتی ان کے بالوں میں جذب ہوگیا تھا ایسے کہ انہیں خبر تک نہ ہوسکی۔

❁ ...... ○ ...... ❁

طعینہ اس سے ناراض تھی اور صحیح بھی تھا' اس کا ناراض ہونا بالکل بجا تھا۔ جس طرح اس نے اس کی کال آنے پر ری ایکٹ کیا تھا' اسے اس سے زیادہ ناراض ہونا بھی چاہیے تھا۔ وہ حسن بخاری کے لیے کہے گئے اپنے الفاظ پر نادم ہرگز نہیں تھا۔ اسے جو صحیح لگا وہ اس نے کیا مگر طعینہ کو وہ ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ طعینہ ہی تو تھی جس کی ہر بات وہ مانتا تھا' اس کی کیئر کرتا تھا' اس کی فکر تھی اسے۔ وہ کبھی اسے ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا مگر نا چاہتے ہوئے بھی کر گیا تھا۔ اور یہی بات اسے کھل رہی تھی' وہ اپنے آپ سے ناراض ہوگیا تھا' طعینہ سے از حد شرمندہ تھا۔ تین روز سے وہ اس سے بات نہیں کر رہی تھی اور اس کو منانے کے لیے ہی وہ مسلسل ہاسپٹل آ رہا تھا۔

آج بھی وہ اس ارادے سے ہاسپٹل آیا تھا مگر وہ اسے کہیں دکھائی نہیں دی تھی۔ اسے ڈھونڈتے ہوئے وہ کوریڈور سے گزر رہا تھا تبھی ٹھٹک کر رکا سامنے سے ذری آ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر جانے کیوں وہ طنزاً مسکرایا۔ اسی پل ذری کی نظر بھی اس پر پڑی تھی وہ ٹھٹک کر رک گئی۔

''مسز تورع حسن بخاری صاحبہ! کہیے کیسے مزاج ہیں آپ کے؟'' اس کے قریب آتے ہوئے گہرے طنزیہ انداز میں استفسار کیا۔ ذری نے سختی سے اپنے ہونٹ بھینچے' بولنے کی غلطی ہرگز نہیں کی اور اسے نظرانداز کرتے ہوئے سائیڈ سے ہو کر گزرنے لگی۔

''گویا ہم اتنے غیر اہم ہوگئے ہیں کہ جواب تک دینا گوارا نہیں کیا جا رہا؟'' اس نے ایک اور طنز کا تیر پھینکا۔ اس نے پھر سے نظرانداز کر دیا اور آگے بڑھنے لگی۔

''کیوں...... پہرے بہت سخت ہیں کیا؟ جو جواب دینے سے گریز کر رہی ہو؟'' ایک اور طنز نے اس کے قدم روکا۔

اب کہ وہ نظرانداز نہ کر پائی۔ پلٹ کر اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پورے اعتماد سے سر اٹھا کر گویا ہوئی۔

''پہرے بھلے ہی اتنے سخت کیوں نہ ہوں' نظریں کتنا ہی تعاقب کیوں نہ کریں' کبھی کبھی پہرے رکاوٹ نہیں بنتے' خود انسان اتنا گر جاتا ہے کہ اس سے بات کرنا ناگوار لگنے لگتا ہے' اس کی کسی بات کا جواب دینا' انتہائی گھٹیا فعل لگتا ہے۔'' اس کے انداز میں اس کے لہجے میں گہری کاٹ تھی۔ وہ کتنی ہی دیر بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا۔ اسے قطعاً امید نہ تھی کہ وہ اسے اس طرح کا جواب دے سکتی ہے' بلکہ اس انداز میں وہ بھی تورع حسن بخاری سے بات بھی کر سکتی ہے۔ اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔ آنکھیں غصے سے لال ہونے لگی تھیں' اس نے ضبط کرتے ہوئے سختی سے اپنے لب بھینچے۔

”میں...... میں اتنا گر گیا ہوں کہ تمہیں مجھ سے بات کرنا ناگوار لگنے لگا ہے؟ میری بات کا جواب دینا تمہارے نزدیک گھٹیا فعل ہے' یہ الفاظ تم نے میرے لیے' یعنی تورع حسن بخاری کے لیے کہے؟ کیوں مسز تورع حسن بخاری ایسا میں نے کیا کردیا' جس کے لیے آپ کو ایسے الفاظ استعمال کرنا پڑے جو تم خواب میں بھی کہنا پسند نہیں کرتی۔“ سرد اور کھردرے لہجے میں اس کے بہت پہلے کہے ہوئے الفاظ یاد دلائے تھے۔ ذری نے بے ساختہ آنکھیں موندھتے ہوئے خود پر ضبط کیا۔

”ہاں...... میں کبھی پسند نہیں کرتی' اگر وہ تورع ہوتا تو' جبکہ آپ تو تورع نہیں ہیں بلکہ تورع حسن بخاری ہیں۔ میرے احساسات اور جذبات اس تورع کے لیے تھے جسے دوسروں کی فکر تھی' میں اس تورع کی قدر کرتی تھی اور کرتی ہوں جو اپنے سے ریلیٹڈ لوگوں کا خیال رکھتا تھا۔ میں اس تورع کو خواب میں بھی ایسے الفاظ سے مخاطب نہیں کرسکتی جو دوسروں کی دل آزاری کے خیال سے اپنی زبان سے سخت الفاظ نکالنے سے قبل سو بار سوچتا تھا نا کہ اس تورع حسن بخاری کے لیے جسے دوسروں کی کوئی پروا نہیں۔ جو اپنے مفاد کے لیے اپنے رشتوں کو بھی داؤ پر لگا سکتا ہے۔ جس کے لیے اپنی ذات ہی سب کچھ ہے اور اپنی ذات سے منسلک رشتے کچھ بھی نہیں' سنا آپ نے؟ میرے نزدیک آپ کی کوئی وقعت' کوئی حیثیت نہیں ہے مجھے آپ کی کوئی پروا نہیں ہے مسٹر تورع حسن بخاری۔ مجھے آپ کی بالکل پروا نہیں ہے۔ سنا آپ نے بالکل نہیں۔“ اس کے لہجے میں بے پناہ ناراضگی' غصہ' بے یقینی تھی' اس کے انداز میں اس کے لیے بے پناہ خفگی تھی۔ شاید وہ اس کی کسی بات و حرکت سے بہت ہرٹ ہوئی تھی۔ تبھی تو اس انسان کو اتنا کچھ کہہ گئی تھی' جس کا وہ کبھی تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ وہ کتنے ہی پل خاموشی سے اس کے چہرے پر نظریں گاڑے دیکھتا رہا۔

اس کی نظروں کے ارتکاز سے وہ بے چین ہو رہی تھی' اسے اس کی نگاہوں سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ مگر صبر

کیے کھڑی رہی۔ اس کا اعتماد ڈگمگا رہا تھا‘ مگر وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی‘ اسی لیے اس کے سامنے ڈٹی رہی۔ تبھی وہ لہجے میں بے پناہ ناگواریت لیے گویا ہوا۔

”آئی ڈونٹ کیئر مسز تورع حسن بخاری‘ مجھے پروا نہیں ہے کہ تم میری فکر کرتی ہو یا نہیں۔ مجھے کوئی پروا نہیں ہے کہ تم میرے لیے کیا سوچتی ہو اور کیا کہتی ہو‘ مجھے کوئی پروا نہیں ہے سنا تم نے‘ مجھے کوئی پروا نہیں اور کیوں کروں میں پروا‘ جب کسی نے میرے بارے میں نہیں سوچا‘ کسی نے میری پروا نہیں کی‘ کسی نے میرا خیال نہیں کیا‘ کسی نے میرے احساسات اور جذبات کی پروا و قدر نہیں کی‘ تو پھر میں پروا کیوں کروں‘ ہاں ہ..... کس لیے؟“ ذری کی باتوں نے اسے از حد بے چین کردیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس کے لیے ایسا کچھ کہے گی‘ اسی لیے تو وہ ایک دم سے بھڑک اٹھا اور جو منہ میں آیا کہتا چلا‘ اپنے دل کا غبار نکال کر وہ رکا نہیں وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ ذری یک ٹک اسے غصے میں بولتے ہوئے دیکھتی رہی تھی‘ دل ہی دل میں وہ ڈر بھی رہی تھی جس طرح وہ ان دنوں ری ایکٹ کررہا تھا۔ اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ بڑے سے بڑا قدم اٹھالے‘ کوئی بھی تو اب اس کے غصے سے ناواقف نہیں رہا تھا‘ کوئی بھی تو اس کے سرد اور کٹھور انداز و لہجے سے ناواقف نہیں تھا‘ تبھی تو کوئی اس کے سامنے کچھ نہیں بولتا تھا‘ خود حسن احمد بخاری اور ظعینہ بھی خاموش ہوجاتے تھے اور یہی اس وقت ذری نے بھی کیا تھا کیونکہ یہی صحیح تھا۔

❀ ...... ○ ...... ❀
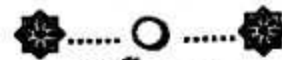
زادیار کو اس نے اپنی صبح روانگی کی بابت انفارم کردیا تھا۔ ساری تیاری تقریباً مکمل ہوچکی تھی۔ سامان بھی سارا لوڈ کیا جاچکا تھا۔ اس کا بس ایک کام رہ گیا تھا‘ جو آغامینا نے اسے سونپا تھا۔ آغامینا نے اس سے کہا تھا کہ وہ ظعینہ کو لازمی ساتھ لے کر آئے‘ گو اس نے آتے ہی ظعینہ سے کونٹیکٹ کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ اسے کہیں نہیں مل رہی تھی‘ نہ ہی یونیورسٹی آرہی تھی نہ سیل کوئی رسپونس دے رہا تھا بلکہ اس نے اس کے گھر جا کر بھی پتا کیا مگر وہ گھر پر بھی نہیں ملی تھی۔

آج لاسٹ ڈے تھا‘ صبح اسے روانہ ہونا تھا‘ اسی لیے وہ ایک بار پھر سے اس کے گھر کے راستے میں چلا آیا۔ شاید آج اس سے ملاقات ہوجائے اور تبھی وہ اسے نظر آ گئی‘ اسے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں چمک در آئی تھی اور لبوں پہ مسکراہٹ آن رکی تھی۔ وہ بے ساختہ اسے دیکھتا چلا گیا۔ وہ گیٹ سے نکل کر روڈ کے کنارے اردگرد سے بے نیاز چلتی جارہی تھی اور اس کے قریب سے ہوکر گزر بھی گئی۔ اس نے چونک کر اس کی پشت کی جانب دیکھا‘ حیرانگی حد سے سوا تھی۔ پھر اسے متوجہ کرنے کی غرض سے ہارن بجایا‘ مگر وہ بنا رکے چلتی رہی‘ ارقام نے اب کے ہارن پہ ہاتھ رکھ دیا اور مرر میں اسے دیکھنے لگا۔

یہ طریقہ خاصا کارگر ثابت ہوا تھا۔ وہ کڑے تیوروں سے پلٹی تھی۔ ارقام کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ غصے میں چلتی ہوئی گاڑی کے قریب چلی آئی۔

”کیا پرابلم ہے مسٹر؟ ہارن پہ ہاتھ رکھ کر ہٹانا بھول گئے ہیں کیا؟“ غصے اور ناگواری سے اس کے فعل پر باز پرس کی۔

”جی نہیں پرابلم تو کوئی نہیں ہے لیکن تھوڑی سی تکلیف ہے‘ اور ہارن پر ہاتھ رکھ کر اس لیے بھول گیا کہ لوگوں نے یاد نہیں دلایا کہ میں نے ہارن پر ہاتھ رکھا ہوا ہے۔“ مسکراتی ہوئی اور چہکتی ہوئی آواز برآمد ہوئی تھی۔ اس نے چونک کر ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان شخص کو دیکھا۔

ہنستا مسکراتا ارقام آنکھوں میں شوخی اور چمک لیے اس کے سامنے تھا۔ اسے خوش گوار سی حیرت ہوئی تھی‘ ساتھ ہی لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آن رکی تھی۔

”اوہ......! تو جناب ارقام ملک صاحب ہیں۔“ خاصی حیران کن بات تھی مگر تھی سچ‘ کہ ارقام کو دیکھ کر اس کی آواز میں خوشی کی جھلک بہت نمایاں تھی۔

"جی جناب، کیسی ہیں آپ؟" اس کے انداز پر محظوظ ہوتے ہوئے استفسار کیا۔
"بالکل ٹھیک ٹھاک، آپ سنائیں کہاں غائب ہیں آپ لوگ؟"
"ہم کہاں غائب ہیں بھئی، بس خدمت خلق میں مصروف ہیں۔ آپ بتایئے آپ کہاں غائب ہیں، میں جب سے واپس آیا ہوں، آپ سے مسلسل رابطہ کرنے کی کوشش کررہا ہوں، مگر آپ کہیں مل ہی نہیں رہیں، کہاں کہاں تلاش نہیں کیا میں نے آپ کو؟ اب تو مجھے لگنے لگا تھا آپ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے کہیں میں تھک ہی نہ جاؤں۔" اتنے دنوں بعد طعینہ کو سامنے دیکھ کر اس کے لہجے اور انداز میں شوخی در آئی تھی۔ طعینہ دھیرے سے مسکرائی۔
"ارے ابھی سے تھکنے لگے ابھی تو سفر کی شروعات کی ہے آپ نے، ابھی تو بہت لمبا سفر طے کرنا ہے آپ کو۔" الفاظ بالکل غیر ارادی طور پر اس کے منہ سے نکلے تھے کہ وہ خود دم بخود رہ گئی تھی۔ اس نے فوراً لب دانتوں تلے دبائے مگر جو الفاظ نکل گئے تھے وہ اب واپس تو نہیں ہوسکتے تھے۔
ارقام کے چہرے پر حیرت، بے یقینی اور خوشی کے ملے جلے تاثرات پھیل گئے تھے۔ وہ بے ساختہ گاڑی سے باہر نکلا اور اس کے قریب آن کھڑا ہوا۔
"آپ نے ابھی ابھی جو کہا، کیا آپ دوبارہ کہہ سکتی ہیں پلیز؟" اس کی خوشی اس کے لہجے سے جھلک رہی تھی۔ اس نے بے یقینی سے استفسار کیا۔ طعینہ سٹپٹا سی گئی تھی۔
"ن...... ن...... نہیں، میں نے تو کچھ نہیں کہا۔" اس نے گڑبڑاتے ہوئے نظریں چرائی۔
"ابھی آپ نے کہا طعینہ، مطلب آپ کو علم ہے کہ میں اس روز ایئرپورٹ پر آپ سے کیا کہنا چاہتا تھا، آپ جان بوجھ کر انجان بن رہی تھیں، ہے ناں؟"
"نہیں ارقام میں نہیں جانتی کہ آپ اس روز کیا کہنا

کبھی سوچا نہیں تھا ہم نے
کڑی ایسی سزا دو گے
ہمیں دل سے بھلا دو گے
کبھی سوچا نہ تھا ہم نے
تمہیں اپنا بنایا تھا
تمہیں دل میں بسایا تھا
تمہیں ہنسنا سکھایا تھا
تم ہی ہم کو رلا دو گے
کبھی سوچا نہ تھا ہم نے
محبت کی کہانی میں
کسی بستی پرانی میں
کسی شیشم کے سائے میں
تمنا ٹوٹ جائے تو
نشاں باقی تو رہتے ہیں
کبھی سوچا نہ تھا ہم نے
محبت کے فسانے میں
اداسی کے زمانے میں
بچھڑ جائے اگر کوئی
تو پھر سے یار ملنے کا
خزاں میں پھول کھلنے کا
گماں باقی تو رہتا ہے
گماں بھی تم مٹا دو گے
تم ہی ہم کو رلا دو گے
کبھی سوچا نہ تھا ہم نے
(اریبہ منہاج کی پسند...... ملیر کراچی)

چاہتے تھے، اور نہ ہی میری بات کا ایسا کوئی مطلب تھا۔" اس کی جانب سے رخ موڑتے ہوئے اس نے بلاوجہ وضاحت کی۔ ارقام خاصا محظوظ ہوا۔
"تم نے کچھ سمجھایا نہیں، تمہاری بات کا ایسا ویسا مطلب ہے یا نہیں، مگر جو سچ تھا وہ تم کہہ چکی ہو اب وضاحت دینے سے کچھ نہیں ہوگا۔ مجھے جو جاننا تھا وہ میں جان چکا ہوں، دیٹس اٹ۔" اس نے تکلف کی دیوار

کراتے ہوئے پورے وثوق سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں ارقام ایسا کچھ نہیں ہے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" وہ جو پورے اعتماد کے ساتھ سر اٹھا کر بات کرتی تھی آج یوں گڑبڑاتے ہوئے اور سٹپٹاتے ہوئے وضاحتیں دے رہی تھی اور اتنی مگن سی تھی کہ جان ہی نہ سکی کہ ارقام نے اسے آپ کی بجائے تم کہہ کر مخاطب کیا ہے اور یہی بات ارقام کو کلک کرگئی تھی۔

"نہیں طعینہ، مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی، اگر غلط فہمی ہوئی ہوتی تو جب میں نے تمہیں آپ کی بجائے تم سے مخاطب کیا تو تم مجھے ٹوکتی ضرور ہے بے شک غصہ بھی ہوتیں مگر تم وضاحت دینے میں الجھی ہوئی ہو اب تم ہی بتاؤ یہ سارے سگنلز ایک ہی بات کی جانب اشارہ کررہے ہیں یا نہیں۔" گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"پلیز ارقام! کیا ہم کوئی اور بات نہیں کرسکتے؟"

"اس بات کو ایکسیپٹ کرنے سے گریزاں ہو یا شرم آرہی ہے تمہیں؟" آنکھوں میں شرارت لیے بے پناہ سنجیدگی سے پوچھا۔ طعینہ جھینپی۔

"جی نہیں، ایسا کچھ نہیں اور پلیز اس بات کو چھوڑیں آپ۔" اس نے سٹپٹاتے ہوئے کہا۔ ارقام نے مسکراہٹ لبوں میں دبائی۔

"اوکے، میں اس بات کو فی الحال چھوڑ دیتا ہوں۔" لفظ 'فی الحال' پر اس نے خاصا زور دیا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ یکلخت چونک کر پلٹی۔

"تم نے مطلب واضح کیا ہے جو میں کروں؟" اس نے بھنویں اچکائی۔

"اوکے مت کریں۔" اس نے بھی بے نیازی سے کندھے اچکائے تھے اور دل ہی دل میں شکر ادا کیا مزید وضاحتوں سے بچنے کے لیے۔

"بائی داوے آپ مجھے ڈھونڈ کیوں رہے تھے؟"

"وہاں، ایکچوئیلی آتے ہوئے آغا مینا نے کہا تھا کہ آپ کو بھی ساتھ لے آؤں، اسی لیے میں تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کررہا تھا مگر تم تو......"

"آپ اکیلے آئے ہیں کیا؟" جواباً اس نے استفسار کیا۔

"کیوں؟"

"اتنا سارا سامان اکیلے لے کر جانا آسان ہے کیا؟ حالات ویسے بھی کافی خراب ہیں۔ اتنی آفات آرہی ہیں پاکستان پر مگر ہمارے لوگ پھر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔ لوٹ کھسوٹ یونہی جارہی ہے۔ اسی لیے میں آپ......"

"نہیں میں اکیلا نہیں ہوں، کچھ اسٹوڈنٹس ہیں اور سامان بحفاظت لے جانے کے لیے آرمی والوں کا بھی بھرپور تعاون ہے۔ کوئی پریشانی نہیں ہے، اینی وے تم چل رہی ہو ساتھ۔" سنجیدگی سے بتاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ارقام، میں نہیں جاسکوں گی۔" اس نے فوراً انکار کیا۔ ارقام چونکا کیونکہ اس نے خود وہاں آنے کے لیے کہا اور اب خود ہی انکار کررہی تھی۔

"لیکن کیوں...... تم تو خود جانا چاہتی تھیں ناں وہاں؟"

"ہاں میں وہاں جانا چاہتی تھی، مگر اب نہیں جاسکوں گی، ایکچوئیلی پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، کچھ روز قبل انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔"

"اوہ...... ایم سو سوری طعینہ، مجھے بالکل علم نہیں تھا، اب کیسی طبیعت ہے ان کی؟"

"پہلے سے بہتر ہے، مگر میں انہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی ارقام، انہیں میری ضرورت ہے اگر میں چلی گئی تو وہ بالکل تنہا ہو جائیں گے ملازموں پر تو نہیں چھوڑ سکتے ناں، اسی لیے میں نے طے کیا ہے کہ میں کہیں نہ جاؤں، اسی لیے میں......"

"اور تمہارے اخ۔" اس نے یونہی کسی خیال کے تحت پوچھا۔

"اخ...... ہاں...... وہ بھی تو ہیں لیکن...... ایکچوئیلی

ارقام فی الحال میں خود ہی نہیں جانا چاہتی۔ لیکن میں متاثرین کے لیے کچھ دینا ضرور چاہوں گی۔“
”کیا؟“ ارقام نے پوچھا۔
”یہ کچھ رقم ہے گو یہ بہت زیادہ نہیں ہے لیکن فی الوقت میرے پاس اتنے ہی ہیں اور تمہیں جانا بھی ہے اس لیے بعد میں ان شاء اللہ ضرور......“ ایک خطیر رقم اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے وہ گویا ہوئی۔ ارقام نے رقم تھامتے ہوئے بڑی گہری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔
”ظعینہ! آر یو آل رائٹ؟“ ظعینہ نے اس کے استفسار پر چونک کر دیکھا۔
”واٹ؟“
”تم مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہیں۔ ظعینہ...... ظعینہ نہیں لگ رہی' تم ٹھیک تو ہو ناں؟“ بغور اس کی جانب دیکھتے ہوئے کچھ جانچنا چاہا۔ ظعینہ نظریں چرا گئی۔
”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“
”او کے' کچھ روز کی بات ہے' ہم پھر سے اکٹھے ہو جائیں گے۔“
”مطلب!“ اس نے حیرت سے دیکھا۔
”مطلب یہ کہ ہم واپس آجائیں گے۔ اب ہمیشہ تو وہاں نہیں رہ سکتے ناں' ہاں البتہ متاثرین کی مدد کا کام یونہی جاری رہے گا۔ ویسے بھی نقصان کی بھرپائی اتنی جلدی تو ممکن نہیں' سالوں کا کام ہے اور متاثرین کو سنبھلنے کے لیے ہماری مدد تو درکار ہوگی ناں۔ سو وہ ہم ان شاء اللہ جاری رکھیں گے۔ ہمارے تمہارے جیسے لوگ حصہ ڈالتے رہیں گے' کیا خیال ہے؟“
”کیوں نہیں' ضرور ان شاء اللہ۔“

......○......

”عائشہ! میرے لیے کھانا ذرا ایکسٹرا رکھنا' مجھے بہت زیادہ بھوک لگی ہے پلیز۔“ وہ اس وقت اپنے کام میں بزی تھی جب عائشہ نے سب کو کھانا کھانے کے

اے ہَوا اس سے کہنا
ہم نے خود پر جبر کیا ہے
ہم نے اسے سزا دی ہے
ہم نے اس کی یاد کا ہر اک پھول مسل ڈالا
اس کے سارے خط پڑھ کر
ہم نے انہیں جلا ڈالا
تنہائی کا خنجر ہم نے
دل پر آپ چلا ڈالا
اس کی یادوں کی پریوں کو
لوری دے کر سلا ڈالا
ہم نے
ہم نے اس کو بھلا ڈالا......!
(ایمان علی کی پسند)

لیے بلایا۔ تبھی اس نے عائشہ سے کہا۔ وہ چونک کر پلٹی۔
”چڑیا جتنا تو تم کھاتی ہو' ایکسٹرا کھانا کیا کرو گی؟ اور تم ابھی کھانا نہیں کھاؤ گی کیا؟“
”نہیں یار' ابھی میں ذرا بزی ہوں' بعد میں کھالوں گی۔“
”مصروف تو سبھی ہیں یار لیکن کھانے کے لیے سب تھوڑی دیر کا بریک لے رہے ہیں' تم بھی لے لو ویسے بھی ابھی کھانا گرم ہے بعد میں ٹھنڈا ہو جائے گا۔“
”اٹس او کے۔ میں کھالوں گی' ویسے بھی مجھ میں اتنا ایٹی ٹیوڈ نہیں ہے' میں ہر حال میں ایڈجسٹ کر سکتی ہوں۔ ہر طرح کے ماحول میں رہ سکتی ہوں' جو ملے جیسا ملے کھا لیتی ہوں' سو یو ڈونٹ وری۔“ اس نے جواباً مسکراتے ہوئے کہا۔
”یار کسی اور بات کا تو مجھے علم نہیں لیکن ایڈجسٹ کرنے والی بات میں ذرا ڈاؤٹ لگتا ہے۔“
”ہیں...... ہیں' کیوں بھئی؟ اتنے دنوں سے میں یہاں رہ رہی ہوں' کبھی تم نے دیکھا کہ میں نے کبھی ناک بھوں چڑھائی ہو' یا کوئی شکایت کی ہو؟“ اس کی

بات پر اس نے فوراً احتجاج کیا۔

"ایسا میں نے کب کہا؟ میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ جب سے تم یہاں آئی ہو ہر دوسرے روز تمہاری طبیعت ناساز ہوتی ہے کبھی بخار کبھی فلو اور کبھی سر میں درد۔"

"اوہ...... ہاں یار کبھی کبھی ہو جاتا ہے ایسا بھی اینی وے تم میرا کھانا کسی ٹفن میں پیک کر دینا او کے۔"

"ہاں...... ہاں پتا ہے مجھے ٹفن میں ہی رکھوں گی۔"

"تھینکس عائشہ۔" اس نے مسکراتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔ کھانے کا ٹفن اور ٹارچ لے کر جب وہ کیمپ سے باہر نکلی تو خاصا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اپنے ٹینٹ سے نکل کر کچھ دور جا کر اس نے ٹارچ جلالی اور بڑی احتیاط سے قدم آگے بڑھا رہی تھی کچھ ہی دیر میں وہ مطلوبہ جگہ پر پہنچ گئی تھی۔

اپنی طرف سے وہ سب سے نظر بچا کر آئی تھی مگر کسی کی نظروں سے اس کا یہ سارا عمل قطعی چھپا نہیں رہ سکا تھا اس کے قدموں کی حرکت کے ساتھ ساتھ کوئی اور بھی قدم بڑھا رہا تھا جہاں جا کر وہ رکی تھی وہیں ان قدموں کی حرکت بھی تھم گئی تھی۔ وہ ایک ٹینٹ کے سامنے جا کر رکی تھی اور اندر داخل ہوگئی۔

"کون...... کون ہے؟" اندر شاید کوئی نیم غنودگی میں تھا قدموں کی آہٹ پر چونک کر اٹھ بیٹھی تھیں وہ خاتون تھیں۔

"میں ہوں آنٹی جی آغا مینا۔" اس سے پہلے کہ وہ گھبرا کر زور زور سے آوازیں دیتیں وہ فوراً آگے بڑھی۔

"کون آغا مینا؟"

"آنٹی جی دوپہر کو میں آپ کے پاس آئی تھی ناں آپ کے بیٹے کی طبیعت خراب تھی اور میں ڈاکٹر کو لے کر آئی تھی۔" اس نے یاد دلایا۔

"اچھا اچھا تم ہو پتر۔ آؤ بیٹھو۔" اسے بیٹھنے کے لیے کہہ کر وہ خود ہی ہنس دی۔ اس نے حیرانگی سے ہنستے ہوئے دیکھا۔

"آپ ہنس کیوں رہی ہیں آنٹی؟"

"ہنسوں نہ تو اور کیا کروں بیٹا؟ اتنا بڑا گھر تھا ہمارا کھانے پینے کی کوئی کمی نہ تھی غلہ بھرا پڑا رہتا تھا مہمانوں کا تانتا باندھا رہتا تھا ایک جاتا تو دوسرا آجاتا تھا خدا کی بڑی رحمت تھی اور آج ایسی لاچاری اور بے بسی ہے کہ میرے گھر مہمان آیا ہے اور میرے پاس اسے بٹھانے کے لیے کوئی جگہ ہی نہیں۔" ان کی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔ آغا مینا نے گہرے تاسف سے ان کی جانب دیکھا۔

"پریشان مت ہوں آنٹی جی اس وقت آپ کو صبر سے کام لینا ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے لاکھوں لوگ اس آزمائش کا سامنا کر رہے ہیں اگر آپ کے پاس بٹھانے کے لیے جگہ نہیں ہے تو کیا ہوا؟ آپ کے دل میں تو جگہ ہے نا ہمارے لیے یہی کافی ہے بس آپ دعا کرتی رہیں سب کے لیے کہ اللہ تعالیٰ سب کو اس آزمائش پر پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں زیادہ سے زیادہ آپ کی خدمت کرنے کی ہمت عطا فرمائے آمین۔"

"ہاں پتر! دعاؤں کے علاوہ اور میں اب کر بھی کیا سکتی ہوں جو اللہ کو منظور۔" گہری سانس خارج کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"آنٹی جی یہ میں کھانا لائی تھی آپ کے لیے۔" اس نے ٹفن آگے بڑھایا۔

"کھانا کیوں پتر کھانا تو ہم نے کھالیا۔" وہ مسکرادی ان کی بات پر۔

"میں جانتی ہوں آنٹی مگر آپ نے بتایا تھا ناکہ آپ کے بیٹے کو بہت بھوک لگتی ہے اور بار بار لگتی ہے بھوک اس سے برداشت نہیں ہوتی اور جتنا کھانا آپ کو ملا تھا اس سے اس کا پیٹ کیسے بھر سکتا تھا اسی لیے میں اس کے لیے یہ کھانا لے کر آئی ہوں۔" اس کا ٹفن والا ہاتھ یونہی بڑھا ہوا تھا۔

"ارے پتر اتنی تکلیف کیوں کی تم نے وہ تو سوگیا

اور ویسے بھی بیٹا اب اسے صبر کرنے کی عادت تو ڈالنی ہی ہوگی ناں؟ اب پہلے جیسے حالات تو رہے نہیں کہ جب دل چاہے گا جو دل چاہے گا وہ اسے ملے گا' وہ اکیلا تو ایسا ہے نہیں' ہزاروں ایسے بچے ہیں......"

"جی آنٹی آپ صحیح کہہ رہی ہیں' صبر و برداشت کی عادت تو ڈالنی پڑے گی۔ مگر بچے تو بچے ہیں ناں' عادت انہیں پڑے گی مگر ابھی تو آسانی سے کھانا مل رہا ہے ناں' برداشت تو تب کرنا پڑتا ہے جب کچھ مل نہ رہا ہو اور یہ کھانا زیادہ تھا اسی لیے میں اس کے لیے لے آئی آپ پلیز اسے کھلا دیجیے گا۔"

"بھلا ہو بیٹا' بہت بہت بھلا ہو۔" وہ ایک بار پھر سے رونے لگی تھیں۔ آغا مینا نے چند پل خاموشی سے ان کی جانب دیکھا۔

"اچھا آنٹی جی اب میں چلتی ہوں بعد میں آؤں گی' آپ سو جائیں میں نے آپ کی نیند خراب کی۔" وہ معذرت خواہانہ لہجے میں گویا ہوئی۔

"کوئی بات نہیں بیٹا۔" وہاں سے نکلتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے وہ تیزی سے کیمپ کی جانب چل دی۔

"اوف......" چلتے چلتے وہ ایک دم جھٹکے سے رکی' اس کے پاؤں میں کوئی نوکیلی چیز گھس گئی تھی۔ اس نے چلنے کی کوشش کی مگر لڑکھڑا کر وہ نیچے بیٹھ گئی اور ٹارچ کا رخ اپنے پیر کی جانب کیا۔

"ایک موٹا سا کانٹا اس کے پیر میں دھنسا ہوا تھا۔ جسے دیکھ کر اس کے منہ سے بے ساختہ ہلکی سی چیخ نکلی۔

"ہیلو کون ہے...... کیا ہوا...... آر یو آل رائٹ؟"

گو چیخ بہت ہلکی تھی مگر اس کے کانوں تک رسائی پا گئی تھی۔ وہ فوراً اس کی جانب لپکا۔ آغا مینا بری طرح چونکی اور جھٹکے سے اس کی جانب دیکھا۔

"اوہ مس آغا مینا' آپ ہیں؟" دوبارہ اس نے استفسار کیا۔ آغا مینا نے ٹارچ کا رخ اس کی جانب کیا کیونکہ اندھیرے میں وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ پائی تھی۔ آواز سے اندازہ تو ہو گیا تھا مگر پھر بھی اس نے اسے دیکھنا چاہا۔ وہ زادیار ہی تھا۔

اس نے فوراً ٹارچ کا رخ موڑا اور سر جھکا کر اپنے پیر کو دیکھنے لگی۔ اس روز کے بعد آج ہی اس نے اسے یہاں دیکھا تھا۔ ورنہ وہ کہیں نہ کہیں گیا ہوا ہوتا تھا' اس روز جب اسے ٹمپریچر تھا اور وہ اس کے لحاف میں محو استراحت تھی تب اس کے آنے اور واپس جانے کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ یہ تو بعد میں دیبا نے اسے بتایا تھا کہ زادیار نہ صرف وہاں آیا تھا بلکہ خیمے کے اندر بھی گیا تھا اور اس کی کنڈیشن کے بارے میں دیبا کو اسی نے انفارم کیا تھا۔ اور یہ جان کر اسے بے حد غصہ آیا تھا اور کوفت محسوس ہوئی تھی' ابھی بھی اسے دیکھ کر اسے ازحد کوفت محسوس ہو رہی تھی۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں آغا مینا صاحبہ۔ آر یو آل رائٹ؟" اس کی خاموشی پر اس نے اکتا کر پھر سے پوچھا۔

"آں ہاں' نہیں کچھ نہیں ہوا۔"

"میرا خیال ہے آپ کے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا ہے۔ دکھایئے مجھے میں نکال دیتا ہوں۔" اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے وہ اس کے قریب ہی پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔ آغا مینا نے کوفت سے اس کی جانب دیکھا۔

"کیا مصیبت ہے۔ جہاں بھی جاؤ یہ محترم پہلے ہی موجود ہوتے ہیں۔ حد ہو گئی یہ انسان ہے یا جن۔" وہ ہلکے سے بڑبڑائی۔

"مس آغا مینا' مجھے ٹارچ چاہیے۔" اس کی بڑبڑاہٹ کو نظرانداز کرتے ہوئے سرد سے لہجے میں کہا۔

"مسٹر زادیار' آپ پلیز اتنا تردد مت کیجیے' میں کانٹا خود ہی نکال لوں گی۔ آپ پلیز اپنا کام کیجیے۔" سیدھے سیدھے لفظوں میں اس نے یہ کہا کہ اپنے کام سے کام رکھو۔ زادیار نے اندھیرے میں گھور کر اس کی جانب دیکھا۔

"میں نے آپ سے مشورہ نہیں مانگا۔ مجھے ٹارچ چاہیے۔"

"یاخدا یہ چیز کیا ہے؟ بات کا کوئی اثر ہی نہیں۔ جب مجھے اس کی مدد کی ضرورت نہیں ہے تو فضول میں کیوں ٹانگ اڑا رہا ہے۔"

"آپ بڑبڑانے کا کام بعد میں بھی کرسکتی ہیں محترمہ پہلے مجھے ٹارچ دے دیں۔" طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے اس نے فوراً اس کے ہاتھ سے ٹارچ چھین لی۔ آغا مینا کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس نے بڑی ناگواری سے اس کی جانب دیکھا۔ جونہی زادیار نے اس کا پاؤں پکڑا اس نے برق رفتاری سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔ زادیار نے خاصی ناگواری سے گھور کر اس کی جانب دیکھا۔

"میں کوئی خوشی سے آپ کو ہاتھ نہیں لگا رہا۔ آپ کے پاؤں میں کانٹا لگ گیا ہے۔ وہ نکالنے کی کوشش کررہا ہوں۔ اگر آپ نکالنے دیں تو؟" ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے اس نے طنزاً کہا۔ وہ ایک لمحے کو گڑبڑا سی گئی۔ دوسرے ہی لمحے ڈھٹائی سے گویا ہوئی۔

"جی ہاں' جانتی ہوں لیکن اس کی ضرورت نہیں' یہ کوئی اتنی بڑی پرابلم نہیں ہے کہ جسے حل کرنے کے لیے دوسروں کی ہیلپ کی ضرورت ہو۔ میں اپنی پرابلم خود حل کرسکتی ہوں۔"

"تو پھر نکالئے ناں۔ ایسے کیوں بیٹھی ہیں۔" اس کے انداز پر گھور کر اس نے اس کی جانب دیکھا' دوسرے ہی پل وہ اپنے پاؤں پر جھک گئی۔

کانٹا اچھا خاصا اندر تک دھنسا ہوا تھا۔ ایک بار تو اس کے ہاتھ کانپ کر رہ گئے مگر وہ اس شخص کے سامنے خود کو بزدل نہیں بنانا چاہتی تھی' اس لیے دل ہی دل میں خدا کو پکارتے ہوئے آنکھیں بند کیں۔ زور سے کانٹے کو پکڑا اور ایک جھٹکے سے باہر نکال لیا۔ کانٹا نکلتے ہی اس کے منہ سے چیخ برآمد ہوئی تھی۔ کانٹے کی جگہ پر خون کی ننھی سی بوند آن رکی تھی۔ ہلکا سا درد بھی محسوس ہو رہا تھا مگر اس نے توجہ نہ دی اور فخریہ اس کی جانب دیکھا۔

"واہ آپ کی ہمت کی تو داد دینی چاہیے۔" فخریہ انداز میں اس نے زادیار کی جانب دیکھا' وہ بمشکل اپنی مسکراہٹ روک پایا تھا اور داد دیتے ہوئے استہزائیہ تالی بجائی۔ وہ بچی تو نہیں تھی کہ اس کے انداز کو سمجھ نہ پاتی۔ تقریباً جھینپتے ہوئے اس نے ٹارچ کو پکڑا اور اٹھنے لگی۔ تبھی لڑکھڑا سی گئی۔ زادیار نے فوراً آگے بڑھ کر اس کا بازو تھاما۔

سیدھے کھڑے ہوتے ہی اس نے فوراً اپنا بازو کھینچا اور بنا اس کی جانب دیکھے' آہستہ آہستہ قدموں سے آگے بڑھنے لگی۔

"آئندہ اتنی رات کو یوں گھومنے سے پرہیز کیجیے گا۔" تبھی اس نے ذرا اونچی آواز میں کہا۔ ایک پل کو اس کا دل چاہا کہ پلٹ کر خوب کھرا سا جواب دے مگر برداشت کرگئی اور بنا اسے کوئی جواب دیئے وہاں سے چلی گئی۔ زادیار نے بھی کندھے اچکائے۔

❁ ...... ○ ...... ❁

"ابھی تک ناراض ہو۔" اس کے قریب بیٹھتے ہوئے استفسار کیا۔ جبکہ وہ اس کی جانب سے رخ موڑ گئی تھی۔

"نہیں...... میں بھلا کیوں ناراض ہوں گی آپ سے۔" الفاظ کی نسبت انداز نروٹھا سا تھا۔ اس کے معصومیت بھرے انداز پر وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"اگر ناراض نہیں ہو تو بات کیوں نہیں کررہیں؟"

"مجھ سے بات کرنے کے لیے یا میری بات سننے کے لیے آپ کے پاس ٹائم ہے اخ؟" اس کی بات پر تورع نے ایک پل کو اپنے لب بھینچے۔ دوسرے ہی پل مسکرا دیا۔

"تمہارے لیے میرے پاس وقت ہی وقت ہے ظعنی۔ یہ تم اچھی طرح سے جانتی ہو۔"

"ہاں...... میں جانتی تھی مگر اب نہیں اخ۔ آپ ویسے نہیں رہے جیسے پہلے ہوا کرتے تھے۔ مجھے جب بھی جس لمحے بھی آپ کی ضرورت ہوتی تھی آپ ساری

مصروفیات ترک کردیتے تھے۔ مگر اس روز مجھے احساس ہوا آپ واقعی بدل گئے ہیں۔ جانتے ہیں اس روز میں کتنی تنہا ہوگئی تھی۔ حالانکہ آپ جانتے تھے کہ اس وقت مجھے آپ کی بہت ضرورت ہے مگر پھر بھی آپ نے......"
وہ بات بھی پوری نہ کرسکی اور رودی۔ تورع سٹپٹا گیا۔ فوراً آگے بڑھ کر اس کا سر اپنے کندھے پر رکھ لیا۔ وہ اور زیادہ رونے لگی۔
"ظعنی پلیز...... رومت بیٹا تم جانتی ہو ناں مجھ سے تمہارا رونا برداشت نہیں ہوتا۔"
"تو مت رولایا کریں ناں مجھے۔ خود ہی رلاتے ہیں اور خود ہی چپ کرانے آجاتے ہیں۔" روتے روتے ہی وہ بمشکل بولی۔ وہ محظوظ کن انداز میں دھیرے سے مسکرایا۔
"او سوئٹی ایم سوسوری، مجھے تکلیف ہورہی ہے۔"
"اب آپ کو تکلیف ہورہی ہے اخ، یہ تو محض میرے آنسو ہیں اس وقت جب پاپا کو ہوش نہیں آرہا تھا تب میری کیا حالت تھی...... مجھ پر کیا گزر رہی تھی...... تب آپ کو تکلیف نہیں ہوئی تھی...... کیوں اخ؟ آپ اتنے کٹھور تو کبھی نہ تھے۔" اس نے ایک دم سر اٹھا کر ان کی جانب دیکھا۔ ان کے ماتھے پر بل پڑگئے، لب بھینچ سے گئے۔ ظعینہ کا دل ڈوب کر ابھرا، ایک سایہ سا لہرایا تھا اس کے چہرے پر۔
"آخر ایسا کیا ہوگیا اخ، کہ پاپا کا نام سنتے ہی آپ کے ماتھے پر بل پڑجاتے ہیں۔ آپ کے چہرے کے تاثرات بدل جاتے ہیں آخر ایسا کیا......"
"ظعینہ پلیز، ہم اس بارے میں کوئی بات نہیں کررہے اوکے۔" اس نے ایک دم سے اسے ٹوکا۔
"کیوں اخ...... کیوں بات نہیں کررہے ہم؟ اگر ہم بات نہیں کریں گے تو مسئلہ حل کیسے ہوگا، آپ......؟"
مگر وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھا بلکہ سامنے رکھے واز پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ ظعینہ نے گہری سانس خارج کی۔

"میں کل یونیورسٹی جاؤں گی اخ، کافی روز ہوگئے مجھے غیر حاضر ہوئے۔ اب اگر مزید چھٹیاں کی تو کہیں یونیورسٹی سے فارغ ہی نہ کردیں۔" یکلخت موضوع چینج کرتے ہوئے قدرے بشاشت سے کہا۔ تورع مسکرادیا۔
"اس کا مطلب ہے ناراضگی ختم۔" اس کی بات کے جواب میں بڑی چالاکی سے اس نے کہا۔
"ہیں یہ میں نے کب کہا؟ میں ابھی بھی آپ سے ناراض ہوں اوکے۔"
"ارے یہ کیا بات ہوئی بھئی؟ یار ناراضگی کا پریڈ بہت لمبا ہوگیا، پلیز اب مان جاؤ۔"
"ارے ایسے کیسے مان جاؤں مفت میں؟"
"اوکے جب کسی کا میرے ساتھ صلح کرنے کا موڈ ہو تو وہ مجھے بتادے۔ صلح ہونے کی خوشی میں ہم اسے اس کی فیورٹ آئس کریم کھلانے لے جائیں گے۔ اچھا تو پھر میں اپنے روم میں ہوں، جب صلح کا ارادہ ہو تو مجھے انفارم کردیا جائے، وہ کیا ہے ناں کہ مناتے مناتے تھک گیا ہوں تھوڑا سا ریسٹ لینے کا ارادہ ہے۔" کنکھیوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے مصنوعی سنجیدگی سے کہہ کر اٹھنے لگا۔
"نہیں...... نہیں اخ۔ میں کب ناراض ہوں آپ سے؟ وہ تو بس یونہی...... چلیں اٹھیں مجھے آئس کریم کھانی ہے۔ اٹھیں ناں......"
"اچھا اچھا بھئی اٹھ رہا ہوں، کھینچو تو مت۔" زیرلب مسکراتے ہوئے اس نے بظاہر خفگی سے دیکھا اور گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس کے ساتھ چل دیا۔

❁ ...... ○ ...... ❁

وہ لاؤنج سے نکل رہی تھیں تبھی فون کی بیل بج اٹھی۔ انہوں نے اردگرد کسی کو دیکھا، مگر کوئی دکھائی نہ دیا تو مجبوراً انہیں ہی فون ریسیو کرنا پڑا۔
"ہیلو۔" اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں انہوں نے کہا۔ دوسری جانب خاموشی ہی خاموشی تھی۔

''ہیلو جی کون؟'' انہوں نے دوبارہ سے پوچھا مگر جواب ندارد۔ ''حیرت ہے' کون ہے' بھئی بولیے پلیز۔'' اب کے انہوں نے ذرا اونچی آواز میں پوچھا۔ دوسری جانب کوئی لڑکی تھی' ان کے بار بار پوچھنے پر اس نے گڑبڑاتے ہوئے ہیلو کہا اور ارقام کے بارے میں پوچھا۔ اس لڑکی کی آواز میں جانے کیا تھا کہ وہ چند پل خاموش سی رہ گئیں' چاہتے ہوئے بھی کچھ بول نہیں پائی تھیں۔ دوسری جانب سے دوبارہ سے پکارا گیا۔

جی...... جی...... کس سے بات کرنی ہے آپ کو؟''

وہ ایک دم چونکی۔

''آپ بول کون رہی ہیں بیٹا' اپنا تعارف تو کروائیے...... اوہ تو آپ اس کی کلاس فیلو ہیں...... اچھا یونیورسٹی فیلو۔'' جانے کیوں وہ بات کو طول دیتی جارہی تھیں' ان کا دل چاہ رہا تھا وہ اس سے بات کرتی رہیں۔

''آپ کا نام کیا ہے بیٹا؟''

''اوکے آپ پلیز ذرا ہولڈ کرو' میں اس کا نمبر لکھواتی ہوں۔'' ریسیور سائیڈ پر رکھتے ہوئے انہوں نے ڈائری اٹھائی اور ارقام کا نمبر تلاش کرنے لگیں' نمبر ملتے ہی انہوں نے دوبارہ ریسیور اٹھایا۔ ''جی بیٹے...... یہ ارقام کا نمبر لکھیے پلیز...... اٹس اوکے بیٹا! اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ٹھیک ہے بیٹا' اللہ حافظ۔'' دوسری جانب سے ریسیور رکھا جاچکا تھا' مگر وہ ابھی تک ریسیور ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھیں۔ ان کا دل چاہ رہا تھا وہ اس سے باتیں کرتی رہیں۔ اس کی آواز سنتی رہیں' مگر یہ دورانیہ بہت کم تھا' وہ جو بھی تھی' انہیں اپنی جانب متوجہ کرچکی تھی۔ وہ بہت دیر تک یونہی گم صم سی کھڑی رہیں۔

❁...... ○ ......❁
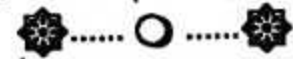
کیا بات ہے' بھئی' میں بہت دیر سے نوٹس کررہا ہوں' یونہی گم صم سے بیٹھے ہو خیریت تو ہے ناں۔'' زادیار کی آواز پر وہ بری طرح چونکا۔

''آں...... ہاں...... ہاں بھئی سب خیریت ہے' بس یونہی کوئی یاد آ گیا تھا۔'' اس کی بات پر زادیار نے بھنویں اچکائیں۔

''کوئی یاد آ گیا...... ہوں۔'' زادیار نے بہت خاص نظروں سے اسے سر سے پاؤں تک بغور جانچا تھا۔ ارقام ٹپٹا گیا۔

''کیا...... کیا مطلب ہے تیرا اور تو ایسی نظروں سے کیوں گھور رہا ہے مجھے؟''

''کوئی یاد آ گیا تھا' یہی کہا نا تو نے' بائی داوے کون ہے وہ جس کی یاد نے ارقام ملک صاحب کو گردونواح سے بے نیاز کردیا۔''

''ہے کوئی' تجھے کیا؟ ویسے بھی یہ تیرے مطلب کی بات نہیں ہے' ایسی باتوں سے تو یوں بھی خار کھاتا ہے۔ اسی لیے تو رہنے دے۔''

''نہیں یار تو بتا' اب دوستوں کے ساتھ اتنی رعایت تو میں برت ہی سکتا ہوں۔ تو بے فکر ہو کر بتا' آئی پرامس' میں کچھ نہیں کہوں گا۔''

''چھوڑ نا یار' پھر کبھی سہی۔'' اس نے ٹالنے کی کوشش کی۔

''پھر کبھی کیوں؟ ابھی بتاؤ۔ ویسے بھی روز روز میرا موڈ ایسا نہیں ہوتا۔''

''اچھا ہے ناں' نہ تیرا موڈ اچھا ہوگا اور نہ مجھے بتانا پڑے گا۔'' اس کی بات پر وہ بری طرح چونکا اور گھور کر اس کی جانب دیکھا۔

''کیا مطلب ہے تیرا اس بات سے؟''

''یار سیدھا سادھا سا مطلب ہے' ابھی سلسلہ کنفرم نہیں ہے' اب بیچ میں لٹکی ہوئی بات کا اشتہار لگانا کچھ مناسب نہیں لگتا' اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ جب تک کنفرم نہ ہوجائے تب تک تو جیسا ہے ویسا ہی ٹھیک ہے' البتہ بعد میں تیرے سوٹ ایبل موڈ کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔''

''اوہ تو یہ سلسلہ ہے۔''

''کیا مطلب؟'' ارقام چونکا۔

''آئی مین......!'' اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتا

آغا مینا اسے دور سے پکارتی ہوئی چلی آئی۔
''ارے ارقام بھائی آپ ادھر بیٹھے ہیں اور میں کتنی دیر سے آپ کو تلاش کررہی ہوں۔'' زادیار کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے ارقام سے کہا۔ زادیار نے بھی محض ایک نظر اس پر ڈالی تھی دوسرے ہی لمحے واپس ہٹالی۔
''اینی پرابلم؟''
''آئی مین مجھے نہیں پتا کیا ہوا ہے لیکن وہاں کوئی پرابلم ضرور ہے؟''
''کہاں کس جگہ کی بات کررہی ہو؟'' اس کی بات پر ارقام فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔
''ایکچوئیلی میں تھوڑی دیر کے لیے کیمپ سے ذرا آگے چلی گئی تھی' تو وہاں بہت زیادہ لوگ اکٹھے ہوئے تھے' بھیڑ اتنی زیادہ تھی کہ میں باوجود چاہنے کے آگے نہ جاسکی۔ ان فیکٹ میں نے کچھ لوگوں کو بہت اونچی اونچی آواز میں بولتے ہوئے بھی سنا تھا۔ آپ پلیز میرے ساتھ چلیے' دیکھتے ہیں آخر مسئلہ کیا ہے۔''
''اوکے چلو آؤ زادیار۔'' اس کے تفصیل سے بتانے پر ارقام نے اسے چلنے کا کہہ کر زادیار کو بھی ساتھ چلنے کو کہا۔ وہ بھی فوراً ہی ان کے ساتھ چل دیا۔
کچھ دیر میں ہی وہ مطلوبہ جگہ پر پہنچ گئے تھے۔ وہاں پر واقعی لوگوں کی بھیڑ تھی۔ زادیار اور ارقام لوگوں کو ہٹاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے' آغا مینا بھی ان کے پیچھے پیچھے تھی۔
''اللہ اکبر۔'' جونہی ارقام مطلوبہ مقام تک پہنچا اس کے منہ سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے۔
چاروں جانب لوگوں کا مجمع تھا اور درمیان میں ایک آدمی کی لاش پڑی ہوئی تھی' اس کے آدھے سے زیادہ جسم پر کپڑا پڑا تھا' اس کا جسم اور چہرہ بالکل بھی دیکھنے کے قابل نہیں تھا۔ چہرہ کی ایک سائیڈ سے گوشت بالکل غائب تھا۔ اس کے جسم کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا' اگر ذرا سا ہاتھ بھی لگایا جاتا تو یقیناً اس کے جسم کا گوشت نکل آتا' اتنی بری حالت تھی اس کی ڈیڈ باڈی دیکھنے کے بعد زادیار کے تاثرات بھی یہاں پر کھڑے لوگوں سے مختلف نہیں تھے۔ اس کا دل چاہا تھا وہ آغا مینا کو آگے آنے سے روک دے مگر اس سے پہلے کہ وہ اسے روک پاتا وہ اس کے قریب پہنچ چکی تھی۔ لیکن ابھی اس نے باڈی کو نہیں دیکھا تھا اور یہی غنیمت تھا۔
وہ بالکل غیر محسوس انداز میں اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ آغا مینا نے خاصی ناگواری سے اس کی پشت کو گھورا تھا۔ زادیار اس بات سے اچھی طرح آگاہ تھا' مگر اسے پروا نہیں تھی۔
''ارقام...... مس آغا کو یہاں سے لے جاؤ۔ اگر میں نے اسے کچھ کہا تو وہ ضد پر آجائے گی۔'' ساتھ کھڑے ارقام سے اس نے دھیرے سے کہا۔ ارقام فوراً سمجھ گیا تھا' اسی لیے سر ہلاتے ہوئے آغا مینا کی جانب متوجہ ہوا۔
''آغا مینا یہاں سے چلو۔''
''ہاں' مگر یہاں ہوا کیا ہے؟''
''تم چلو میں تمہیں راستے میں بتاتا ہوں۔'' اس کا انداز کچھ ایسا تھا کہ وہ مزید کوئی بات کیے اس کے ساتھ واپسی کے لیے مڑ گئی۔ زادیار نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔
اس کے جاتے ہی اس نے یہاں پر موجود لوگوں سے اس باڈی کی بابت دریافت کیا اور لوگوں نے اسے بتایا کہ یہ باڈی انہیں دور ایک جگہ پر پانی میں ملی تھی۔ نہ جانے کب سے وہ پانی میں تھی اور کہاں سے تیرتی ہوئی یہاں تک آئی تھی اور اتنے روز پانی میں رہنے کی وجہ سے ہی اس کی حالت ایسی ہوگئی تھی۔ دیکھنے تک کے قابل نہیں تھی۔ اس کے ورثا کو ڈھونڈنے کی کوشش کی جارہی تھی مگر تاحال ان کا پتا نہیں چل سکا تھا۔ لوگ آآ کر دیکھ رہے تھے۔ سبھی ایک دوسرے سے مشورہ کررہے تھے کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ وہاں پر کچھ آرمی والے بھی تھے۔ زادیار کچھ سوچ کر ان کی جانب بڑھا۔

"آپ کا کیا خیال ہے' مسٹر احمد' ہمیں اس باڈی کا کیا کرنا چاہیے؟"

"میرے خیال میں اس کی تدفین ہو جانی چاہیے۔ کیونکہ جو اس کی حالت ہو چکی ہے اس کا زیادہ دیر باہر رہنا مناسب نہیں۔"

"آپ بالکل صحیح کہہ رہے ہیں مسٹر احمد' ہمیں اس کی تدفین کر دینی چاہیے اور جہاں تک اس کے ورثا کی بات ہے تو ان کا ابھی تک کچھ پتا نہیں ہے اور اگر دو دن تک اس کے ورثا نہ مل سکے تو کیا ہم اسے یونہی رکھیں گے؟ کیا کہتے ہیں آپ لوگ؟" سب کی جانب دیکھتے ہوئے اس نے سب سے استفسار کیا۔

"ہاں یہی صحیح ہے۔" پاس کھڑے ایک بزرگ نے جواباً کہا۔

"اس کی حالت ایسی نہیں ہے کہ اسے رکھا جائے اسے دفنانا ہی مناسب ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے ہم اس کی تدفین کا انتظام کرتے ہیں۔" وہ کچھ لڑکوں کو اپنے ساتھ لے کر کیمپ کی جانب روانہ ہو گیا۔

......☆☆☆......

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے پاپا؟" ان کے پاس بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس نے حسن احمد بخاری سے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں اور بیٹا میں اتنا بھی بیمار نہیں ہوں' بقول تمہارے اتنا بوڑھا بھی نہیں ہوا کہ طبیعت خراب ہونے پر تمہیں بتا نہ سکوں۔" وہ بار بار آ کر یہی ایک سوال پوچھ رہی تھی' اب کہ انہوں نے شریر سے انداز میں کہا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"جی ہاں' میرے پاپا بوڑھے بالکل نہیں ہوئے' ویسے ہی ینگ ڈیشنگ اینڈ اسمارٹ ہیں' ابھی بھی کوئی بھی لیڈی دل ہاتھ میں رکھ کر آپ کو پیش کر سکتی ہے۔ لیکن ڈیئر پاپا جانی' جب طبیعت خراب ہوتی ہے تو اچھے اچھوں کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔ کسی کو بتانے کا موقع نہیں ملتا اور یہ بات غالباً آپ جان چکے ہوں گے۔۔۔۔۔ ہے ناں؟" اس نے شریر سے انداز میں کہتے ہوئے کچھ روز پہلے والا واقعہ یاد دلایا۔

"اوہ......! وہ تو بس...... کبھی کبھی ہو جاتا ہے ایسا بھی۔" وہ گڑبڑا سے گئے۔

"یس...... میری بات کا مطلب بھی یہی ہے پاپا جانی' اینی ویز آپ نے سوپ پیا؟" اس نے جانچتی ہوئی نظروں سے ان کی جانب دیکھا جواباً ان کے چہرے کے زاویے بگڑنے لگے تھے۔ ظعینہ نے مسکراہٹ لبوں میں دباتے ہوئے' شکایتی نظروں سے دیکھا۔

"دس از ناٹ فیئر پاپا' جانتے ہیں میں نے کتنے پیار سے آپ کے لیے سوپ بنایا تھا' صرف آپ کے لیے۔ اس کا مطلب ہے آپ کو میرے ہاتھ کا کھانا بالکل پسند نہیں۔" اس نے مصنوعی خفگی سے ان کی جانب دیکھا۔ حسن احمد بخاری زیر لب مسکرائے اور پھر مصنوعی حیرانگی سے گویا ہوئے۔

"وہ سوپ تم نے بنایا تھا؟"

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے آپ کو علم ہی نہیں تھا۔" وہ خفا خفا سی بولی۔

"آئی سوئیر بیٹا مجھے بالکل علم نہیں تھا' کہ وہ سوپ تم نے بنایا تھا۔" مسکراہٹ دباتے ہوئے "تم نے بنایا تھا" پر خاصا زور دیا۔

"اب تو پتا چل گیا ناں' اب تو پی سکتے ہیں ناں؟" اس نے کہا۔ اس کی بات پر وہ خوامخواہ ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

"پاپا......!" اس نے کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے خفگی سے دیکھا۔ "او کے مت پئیں' میں بھی اب آپ سے بات نہیں کروں گی۔ جا رہی ہوں بس۔" وہ منہ پھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور آگے بڑھ گئی۔

"تم بھی مجھ سے ناراض ہو رہی ہو ظعینہ۔ تم بھی مجھے تنہا چھوڑ کر جا رہی ہو بیٹا۔" ان کی بات پر اس نے تڑپ کر ان کی جانب دیکھا' وہ آنکھوں میں نمی

لیے اسی کی جانب دیکھ رہے تھے۔ اس کا دل ایک دم ڈوب سا گیا۔

وہ تیزی سے واپس پلٹی اور برق رفتاری سے حسن احمد کے گلے سے لگ گئی۔ گلا رندھا ہوا تھا۔ آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔

"آپ نے سوچ بھی کیسے لیا پاپا کہ میں آپ سے ناراض ہوسکتی ہوں۔ آپ کو تنہا چھوڑ کر جاسکتی ہوں۔ نہیں پاپا' میں کبھی آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی' کبھی بھی نہیں۔ آئی لو یو پاپا' رئیلی لو یو سو مچ۔" وہ تڑپ ہی تو اٹھی تھی۔ حسن احمد بخاری کے ٹوٹے بکھرے لہجے نے اسے ازحد دکھی کیا تھا۔ اسے ان پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔ وہ بے ساختہ رو دی تھی۔

❁ ...... ○ ...... ❁
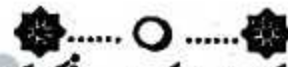
سالار اور تاباں کی شادی کی ڈیٹ فکس کردی گئی تھی۔ ذری مسلسل گھن چکر بنی ہوئی تھی۔ کیونکہ تاباں کا کوئی بھی کام ذری کی مدد کے بنا نہیں ہوسکتا تھا۔ ذری کو اپنے ساتھ ساتھ رکھنا' ہر جگہ اپنے ساتھ لے کر جانا تو جیسے اس پر فرض ہو چکا تھا۔ آج بھی سالار نے اسے ویڈنگ ڈریس سلیکٹ کرنے کے لیے بلایا تھا۔ اسے ریسٹورنٹ جانا تھا اور سالار نے اسے وہیں سے پک کرنا تھا۔ جبکہ تاباں اکیلے ڈریس سلیکٹ کرنے سے انکاری تھی۔ اس نے سالار سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ ذری کو ہر صورت ساتھ لے کر آئے گی۔ اس کے خیال میں ذری کی چوائس اس کی چوائس سے کہیں زیادہ بہتر تھی۔ جبکہ ذری کا دل چاہتا تھا اس کی بیوقوفیوں پہ وہ اس کا سر پھوڑ دے۔ یا پھر اپنا سر کسی دیوار سے دے مارے۔ مگر چاہنے کے باوجود ضبط کر جاتی تھی کیونکہ اگر تاباں کو ذری عزیز تھی تو ذری کے لیے بھی تاباں سے بڑھ کر اور کوئی نہیں تھا۔

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تمہارے یہ نواب صاحب اسے بھی ساتھ لے کر آئیں گے تو تم بھلے میرے پاؤں پکڑ لیتیں' میں تمہارے ساتھ کسی بھی قیمت پر نہ آتی۔" وہ

کچھ یہاں بھی......

⌘ جس طرح ٹہنی سے ٹوٹا ہوا پھول جوڑا نہیں جاسکتا بالکل اسی طرح ٹوٹے دل کو جوڑنا بھی ناممکن ہے۔

⌘ آج کے دور میں دل کی کم اور دماغ کی سننا زیادہ بہتر رہتا ہے۔

⌘ دشمنوں کے دل میں جگہ بنانے کے لیے اس کے ساتھ ہمدردی سے پیش آؤ۔

⌘ بڑوں کے سامنے جھکنا عقلمندی ہے اور بڑے دشمن کے سامنے جھکنا خود کو ذلت سے دوچار کرنا ہے۔

⌘ ہمیشہ دوسروں کے لیے اچھا مانگو کیونکہ وہ دعا تمہارے حق میں بھی قبول ہوسکتی ہے۔

گلشن شہزادی...... نیا لاہور

ریسٹورنٹ میں بیٹھی' جوس سے لطف اندوز ہوتے ہوئے سالار کا انتظار کر رہی تھیں' تبھی سالار چلا آیا لیکن اکیلا نہیں' تورع حسن بخاری کو ساتھ لے کر اور اسی کو آتا دیکھ کر ذری نے دانت پیستے ہوئے تاباں سے کہا۔ جواباً تاباں نے گھور کر ذری کو دیکھا۔

"کیوں اس کے ساتھ آنے میں کیا پرابلم ہے؟ بلکہ حرج ہی کیا ہے اور بائی داوے اس روز والی بات بھول گئی ہو کیا؟ میں نے تمہیں کہا تھا ناں کہ حالات کو فیس کرو بھاگو مت اور پھر کب تک بھاگو گی اس سے۔ وہ ہم سب کا مشترکہ دوست ہے' یونو ویٹ اور دوست ہی نہیں اور بھی رشتے ہیں ہمارے اس کے ساتھ' کس کس رشتے سے بھاگو گی اور شادی میں تو بار بار سامنا ہوتا رہے گا' تو کیسے اور کب تک نظریں چراؤ گی اس سے...... ہاں؟" اس کی بات پر اس نے ایک نظر بغور اس کی جانب دیکھا اور پھر خاموشی سے لب بھینچ لیے۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام!" تاباں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا جبکہ ذری سر جھکائے خاموش بیٹھی گلاس پر انگلی پھیر

رہی تھی۔
تورع نے تاباں کو مسکراہٹ پاس کرتے ہوئے اس کے جھکے ہوئے سر پر سرسری سی نگاہ ڈال کر واپس ہٹالی اور خاموشی سے اس کے سامنے براجمان ہوگیا۔
"کیا بات ہے بھئی؟ صرف جوسز پر ہی گزرا ہو رہا ہے' ڈائننگ پر ہو گیا؟" چیئر گھسیٹ کر تاباں کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے سالار نے ذرا شوخ سے لہجے میں کہا۔
"جی نہیں' ہم آل ریڈی اسمارٹ ہیں۔ ہمیں ڈائننگ کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ جوسز پہ گزارا صرف اس لیے ہو رہا ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں' شاپنگ کے بعد آپ ہمیں اچھا سا ڈنر کروانے والے ہیں...... کیوں ذری؟" اس کی بات کا دوبدو جواب دیتے ہوئے اس نے خاموش سر جھکائے بیٹھی ذری کو مخاطب کیا تھا۔ جواباً اس نے محض مسکرانے پر ہی اکتفا کیا اور کنکھیوں سے اپنے سامنے بیٹھے تورع کو دیکھا جو لگتا تھا یہاں پر ہے ہی نہیں۔ دوسرے ہی لمحے تیزی سے نظریں چرالیں۔
"ایم سوری تورع۔" دل ہی دل میں وہ آج بہت عرصے بعد اس سے یوں مخاطب ہوئی تھی۔
"یار یہ بیویاں بہت خرچے کرواتی ہیں۔" سیل فون ٹیبل پر رکھتے ہوئے سالار نے کنکھیوں سے تاباں کی جانب دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا۔ جواباً حسب توقع تاباں نے گھور کر دیکھا۔
"یہ بیویاں کون ہیں؟" کڑے تیوروں سے استفسار کیا۔ سالار گڑبڑایا۔
"یار کوئی نہیں ہے' ایسے ہی منہ سے نکل گیا تھا۔ بیوی تو بس تم ہی ہو ناں۔"
"ہاہاہا' کیا خوش فہمی ہے جناب کی' ویسے میں آپ کی اطلاع کے لیے بتادوں میں آپ کی بیوی نہیں ہوں' صرف فیانسی ہوں...... او کے۔"
"ہاں تو' بیوی بننے میں کون سے زیادہ دن ہیں۔ وہ بھی بن ہی جاؤ گی۔"
"جب بن جاؤں گی ناں تب کہنا۔ فی الحال اٹھو اور مجھے ویڈنگ ڈریس دلاؤ۔"
"او کے...... او کے۔ چلو بھئی۔ ان کے ہوتے ہمارا گزارا نہیں۔" کسی قدر شکستہ انداز اپناتے ہوئے اس نے تورع سے کہا۔ تاباں نے کڑے تیوروں سے گھورا۔
"کیا مطلب ہے تمہارا؟"
"کوئی مطلب وطلب نہیں ہے یار' ایویں خوامخواہ میں بار بار پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ جاتی ہو۔" مسکراہٹ لبوں میں دباتے ہوئے بظاہر مسکینیت سے کہا۔
"سالار......" کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے دانت پیسے۔
"ایم سو سوری یار...... میں تو بس مذاق کر رہا تھا اور تم خود......!"
"سالار تابی اسٹاپ اٹ یار' کیوں بچوں کی طرح ہر جگہ شروع ہو جاتے ہو' کچھ تو اپنے اردگرد کا خیال کرلیا کرو۔" اس سے پہلے کہ سالار مزید کچھ کہتا تورع نے یکلخت ٹوکا۔ تاباں شرمندہ سی ہوگئی اور پھر مزید کوئی بات کیے بغیر ذری کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گئی۔
"کیا بات ہے ذری' تم بہت چپ چپ ہو آج۔" گاڑی میں بیٹھتے ہی سالار نے جان بوجھ کر ذری کو مخاطب کیا۔
"تم بول رہے ہو ناں میرے حصے کا' مجھے کیا ضرورت ہے بولنے کی؟" اس کی بات کے جواب میں اس نے ایک نظر بے نیاز بیٹھے تورع کو دیکھا اور پھر اس کی جانب دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔
"بہت افسوس کی بات ہے ذری' اپنے دوست کے بارے میں تم ایسے سوچتی ہو۔" اسے شرم دلاتے ہوئے کسی قدر خفگی سے دیکھا۔
"دوست کو بھی تو شو آف کرنے سے پرہیز کرنی چاہیے ناں' کیوں ذری۔" تاباں نے فوراً اس کی بات پکڑی اور ذری کو مخاطب کرتے ہوئے گویا ہوئی۔
"واٹ...... میں شو آف کرتا ہوں؟" کسی قدر بے یقینی سے اپنی جانب انگلی سے اشارہ کیا۔ اس نے بے

نیازی دکھائی۔

"یہ غلط بات ہے بھئی میں نے کب شو آف کیا ہے۔ دیکھ رہے ہو تورع۔ یہ تمہاری کزن کیا کہہ رہی ہے۔ اتنی بڑی زیادتی' دس از ناٹ فیئر یار۔" اس کے یوں واویلا کرنے پر تینوں نے بے نیازی سے باہر دیکھنا شروع کردیا۔

"واٹ! کیا مطلب ہے تم لوگوں کا؟"

"ول یو شٹ اپ سالار...... پلیز۔" تورع نے کسی قدر ناگواری سے اسے ٹوکا۔

"کیا ہوگیا ہے یار' تم سب کے چہروں پہ بارہ کیوں بجے ہوئے ہیں۔"

"کیونکہ تم بہت فضول بول رہے ہو۔ بے تکی باتوں کو خوامخواہ میں طول دے رہے ہو' سو پلیز آرام اور خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرو۔" تاباں نے ایک ایک بات پر زور دے کر تمسخرانہ انداز میں طنزاً کہا۔ سالار جھینپ سا گیا۔ اس کے بعد گاڑی میں خاموشی ہی رہی۔ ان تینوں نے ہی اپنی اپنی جگہ شکر ادا کیا تھا۔

"تابی یہ کلر اچھا ہے اور تم پر سوٹ بھی کرے گا۔" ڈارک پرپل کلر کے لہنگے پر جو ہی سالار کی نظر پڑی اس نے جھٹ سے تابی سے کہا۔

"ہرگز نہیں' ایک تو یہ کہ مجھے پرپل کلر بالکل پسند نہیں اور دوسرا یہ کہ مجھے شادی میں لہنگا نہیں پہننا' مجھے پشواز پہننی ہے' اوکے پلیز اب بحث شروع مت کردینا۔" اس کی بات پر تابی نے فٹ سے اپنا پلان بتایا تاکہ سالار کچھ بھی نہ کہہ پائے۔ جبکہ ذری کو اس کی بات بالکل پسند نہیں آئی تھی۔

"یہ زیادتی ہے تابی یار' تمہیں اس کے لیے ہی تو تیار ہونا ہے ناں' تو اسی کی پسند کا پہنو ناں' اگر وہ چاہتا ہے کہ تم شادی میں لہنگا پہنو تو پہن لو...... تھوڑی دیر کے لیے ہی تو پہننا ہوگا' ہاں کلر تم اپنی چوائس کا لے لینا۔"

"لیکن ذری تم جانتی ہو کہ......"

"جہاں محبت ہو وہاں مان ہوتا ہے تابی اور مان کو کبھی توڑنا نہیں چاہیے۔" اس کی بات پر ان دونوں نے ہی چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ جبکہ تورع کی آنکھوں میں تمسخر امنڈ آیا تھا اس کی جانب دیکھتے ہوئے گہرے طنزیہ انداز میں گویا ہوا۔

"جہاں محبت ہو وہاں مان ہوتا ہے اور آپ سے زیادہ مان توڑنا اور کون جانتا ہوگا...... کیوں سالار؟"

"تورع پلیز یار' ہم پبلک پلیس پر کھڑے ہیں۔ اس سارے عرصے میں پہلی بار سالار سنجیدہ ہوا تھا۔ سالار کی بات پر تورع نے نخوت سے سر جھٹکا اور ذری ہونٹ کاٹنے لگی۔

سالار تورع کو زبردستی ساتھ لے کر آیا تھا' اگر تورع اسے عزیز تھا تو ذری بھی اسے بہت عزیز تھی۔ وہ چاہتا تھا ان کے مابین مصالحت کی کوئی راہ نکل آئے' اسی لیے جب تاباں نے اسے کہا کہ وہ ذری کو لازمی ساتھ لے کر آئے گی تو وہ زبردستی تورع کو بھی ساتھ گھسیٹ لایا۔ یہ بتائے بنا کہ وہ اسے کہاں لے کر جارہا ہے' یہاں آکر جب اس نے تاباں اور ذری کو دیکھا تو سب سمجھ گیا۔ ساتھ ہی دل ہی دل میں خوب

باتوں سے خوش بو آئے

❖ اگر ہم اپنی مسکراہٹ کے لیے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرسکتے تو ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم اپنے آنسوؤں کا قصوروار اپنے رب کو ٹھہرائیں۔

❖ لوگوں سے یاد نہ کرنے کا شکوہ مت کرو کیونکہ جو انسان اپنے رب کو بھول سکتا ہے وہ سب کو بھول سکتا ہے۔

❖ اگر کسی پر بھروسہ کرو تو آخر تک بھروسہ کرو۔ نتیجہ چاہے جو بھی نکلے آخر میں یا تو تمہیں ایک اچھا دوست ملے گا یا پھر ایک اچھا سبق۔

❖ انسان اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوتا نہ ہی موت اس کو اپنی مرضی سے آتی ہے تو پھر زندگی اور موت کے درمیان کا وقفہ اپنی مرضی سے گزارنا چاہتا ہے۔

ہالہ سلیم...... اورنگی کراچی

گالیوں سے نوازا تھا۔ کیونکہ وہ اس کی اس حرکت کے پس منظر سے خوب واقف تھا۔ وہ سر جھٹکتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔

جبکہ ذری تابی کے بار بار چیئر اپ کرنے پر زبردستی مسکراتے ہوئے اسے ویڈنگ ڈریس سلیکٹ کرنے میں مدد کرنے لگی۔ تبھی ذری کو ایک ڈریس بے حد پسند آ گیا۔

''تابی' یہ پرفیکٹ ہے' تم پر سوٹ بھی بہت کرے گا۔'' اس کے کہنے پر سالار اور تاباں نے بیک وقت ڈریس کی جانب دیکھا اور دونوں ہی کے منہ سے بے ساختہ ماشاء اللہ نکلا۔ تبھی سالار کو شرارت سوجھی اور منہ بناتے ہوئے گویا ہوا۔

''اوں ہوں...... ذری تمہیں نہیں لگتا یہ کلر تابی پر سوٹ نہیں کرے گا' اب اس کا کمپلیکشن دیکھو اور ڈریس کا کلر' اوں ہوں جچ نہیں رہا۔ اس کا رنگ سانولا سا ہے' اوپر سے ڈریس کا کلر اتنا ڈارک......'' اس کے اچھے خاصے چمکتے ہوئے گندمی رنگ کو اس نے شرارتاً سانولا کہا تھا۔ تاباں نے گھور کر اس کی جانب دیکھا۔ جبکہ ذری سر پر ہاتھ مار کر رہ گئی۔

''میں سانولی ہوں...... اپنا کمپلیکشن دیکھا ہے......!''

''پلیز اسٹاپ اٹ گائز۔ جہاں دل چاہتا ہے جب دل چاہتا ہے شروع ہو جاتے ہو اور سالار تم 'بڑے ہو جاؤ اب' شادی ہونے والی ہے تمہاری۔ یوں بات بات پر جھگڑتے ہوئے اچھے لگو گے کیا؟'' انہیں ایک نئے جھگڑے کی شروعات کرتے دیکھ کر ذری نے کسی قدر ناراضگی سے ٹوکا۔

''لیکن ذری' دیکھا ناں تم نے' یہ جان بوجھ کر مجھے اکساتا ہے' میں کیا کروں کہ یہ ہمیشہ......''

''پلیز تابی' اب بس کرو۔ بہت ہو گیا اور اب اس ڈریس کو فائنل کرلو' یہ تم پر بہت زیادہ سوٹ کرے گا۔''

''شیور!'' وہ ابھی تک کشمکش و پیچ میں مبتلا تھی اور اس گھونچو کے چہرے پہ بھی بڑے بڑے لفظوں میں لکھا نظر آ رہا ہے کہ اسے بھی یہ ڈریس بہت پسند آیا ہے۔ ہے ناں سالار؟'' اس نے پورے یقین سے سالار کی جانب دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

''آں...... ہاں...... اب تم کہتی ہو تو ٹھیک ہے۔'' تابی کی جانب کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے برا منہ بناتے ہوئے کہا۔ تاباں نے گھور کر اس کے انداز کو دیکھا۔ سالار زیر لب مسکرا دیا۔

''یہ کبھی مجھے مطمئن نہیں ہونے دے گا۔ چہرے کے ایسے ایسے زاویے بناتا ہے کہ مطمئن ہوتے ہوئے بھی میں کچھ لے ہی نہیں پاتی۔ ابھی بھی تم نے دیکھا ناں کہ اس نے یہی حرکت کی ہے اور اب میں اس وقت تک یہ فائنل نہیں کروں گی جب تک میں مطمئن نہیں ہو جاتی۔ ذری تم ذرا یہ دوپٹہ اوڑھ کر دکھاؤ مجھے۔'' سالار کی جانب ناراضگی سے دیکھتے ہوئے اس نے ایک دم سے ذری سے کہا۔ ذری یکلخت سٹپٹائی۔

''میں کیوں بھئی؟ یہ تمہارا ویڈنگ ڈریس ہے' تم اوڑھ کر دکھاؤ۔ ابھی فیصلہ ہو جائے گا۔'' اس کی اس اسٹوپڈ فرمائش پر دل ہی دل میں اسے خوب سناتے ہوئے بظاہر سنجیدگی سے کہا۔

''نہیں...... جب تک میں اسے کسی کو اوڑھا کر نہ دیکھ لوں' میں مطمئن نہیں ہو سکتی' تم میری خاطر اوڑھ کر دکھا دو ناں پلیز۔'' وہ ملتجیانہ انداز میں کہتے ہوئے دوپٹہ اس کی جانب بڑھانے لگی۔ مگر اس نے دوپٹہ نہیں پکڑا' اسے تاباں پر از حد غصہ آ رہا تھا۔

''ذری پہن کر دکھا دو ناں یار' اگر ابھی یہ محترمہ مطمئن نہ ہوئیں تو جانتی ہو کتنا پکائے گی ہم سب کو۔'' آخری جملہ اس نے اس کے کان میں کہا مبادا وہ یہیں پر شروع نہ ہو جائے۔

چند پل لب بھینچے فل کام والے دوپٹے کو ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی اور پھر کچھ سوچ کر دوپٹہ کو دونوں ہاتھوں میں لے کر آہستگی سے سر پر لے لیا۔

"کتنی دیر ہے سالار تم......" ٹھیک اسی وقت تورع کہتا ہوا عین اس کے پیچھے آن کھڑا ہوا۔

سامنے ہی قد آدم آئینے میں دلہنوں کی طرح دوپٹہ اوڑھے ہوئے ذری کو دیکھ کر اس کے قدم تھم سے گئے تھے۔ کچھ ایسے ہی اس کی زبان کو بھی بریک لگے تھے۔

وہ اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ اس کی رنگت چمک رہی تھی۔ وہ اتنی حسین لگ رہی تھی کہ وہ چاہنے کے باوجود اپنی نظریں ہٹا ہی نہیں پایا۔ جبکہ سالار اور تابی اس کے تاثرات کو خاصا انجوائے کر رہے تھے۔ مسکراہٹ مسلسل ان کے ہونٹوں پر ڈیرہ جمائے ہوئے تھی۔

"ماشاء اللہ بہت ہی خوب صورت۔" تبھی بالکل غیر ارادی طور پر اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے تھے۔

ذری نے گڑبڑاتے ہوئے اور کچھ جھینپ کر فوراً دوپٹہ اتار دیا تھا۔ اس کے دوپٹہ اتارتے ہی تورع بھی ہوش میں آ گیا تھا۔ اپنی پوزیشن کا احساس ہوتے ہی وہ نظریں چرا گیا اور سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ دونوں ہی کی کیفیت ایک جیسی تھی۔

"چلو جی اب تو سرٹیفکیٹ بھی مل گیا ہے۔ یہ ڈریس پیک کر دیجیے بھائی۔" تورع کی جانب دیکھتے ہوئے سالار نے معنی خیزی سے کہا تورع اس کے انداز پر گھورتا ہوا واپس پلٹ گیا۔

❁......○......❁

"کیا ہوا؟" ارقام کو مایوس سا واپس آتے دیکھ کر زادیار نے استفسار کیا۔

"نہیں ہے۔"

"واٹ! یہاں بھی نہیں؟" زادیار نے حیرت سے ارقام کی جانب دیکھا۔ جواباً ارقام نے نفی میں سر ہلایا۔

"اب کیا کریں؟ گاڑی دو تین میل سے زیادہ سفر نہیں کر پائے گی۔ پیٹرول بہت کم ہے اور گیس بھی ختم ہو چکی ہے۔" زادیار پر سوچ انداز میں گویا ہوا۔

"تو......؟" اس کی بات پر ارقام نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا، وہ سمجھ نہیں پایا تھا کہ زادیار کی بات کا مطلب کیا ہے؟

"ہمیں گاڑی ہر صورت اسٹاپ تک لے جانی ہے شاید یہ اگلے اسٹاپ تک پہنچ جائے لیکن یہ شہر تک نہیں جا سکے گی۔"

باتوں سے خوشبو آئے

❁ ایمان اس کا نام ہے کہ خدائے واحد کو دل سے پہچانے اور زبان سے اس کا اقرار کرے اور حکم شرع پر عمل کرے۔

❁ خشوع و خضوع کا تعلق دل سے ہے نا کہ ظاہری حرکات سے۔

❁ بدخو کی دوستی سے احتراز لازم ہے کیونکہ وہ اگر بھلائی بھی کرنا چاہتا ہے تو بھی اس سے برائی سرزد ہو جاتی ہے۔

❁ خدا تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو میرے عیوب پر مجھے مطلع فرماتا ہے۔

❁ جب ایک عالم سے لغزش ہو جاتی ہے تو اس سے ایک عالم لغزش میں پڑ جاتا ہے۔

❁ طالب دنیا کو علم پڑھانا، ان کے ہاتھ میں تلوار فروخت کرنا ہے۔

❁ کسی کے خلق پر اس وقت تک اعتبار نہ کرنا جب تک اس کو غصہ میں نا دیکھ لو۔

❁ جو عیبوں سے آگاہ کرے وہ دوست ہے منہ پر تعریف کرنا گویا ذبح کرنا ہے۔

❁ ظالموں کو معاف کرنا مظلوموں پر ظلم کرنا ہے۔

❁ جب حلال و حرام جمع ہو جائے تو حرام غالب ہو جاتا ہے چاہے وہ تھوڑا سا ہی ہو۔

❁ اگر میں ایسی حالت میں مر جاؤں کہ اپنی محنت اور سعی سے روزی کی تلاش کرتا ہوں تو مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ خدا کی راہ میں غازی ہو کر مروں۔

❁ دوزخ سے بچو اگرچہ کے آدھے چھوارے کی بدولت ہو اگر یہ بھی نا ہو تو میٹھی بات ہی سہی۔

سمیرا لتعبیر......سرگودھا

”ہم اسٹاپ پر پہنچ کر بے فکر ہو کر کوئی گاڑی وغیرہ تو ہائر کر سکتے ہیں ناں؟ جبکہ یہاں سنسان جگہ پر گاڑی کھڑی کرنا کسی طور مناسب نہیں‘ لیکن اگر اس راستے میں کسی پیٹرول پمپ سے پیٹرول مل جائے تو بہت بہتر ہے۔ ہماری تو خیر ہے لیکن ہمارے ساتھ لیڈیز ہیں۔“

”ڈونٹ وری یار‘ مجھے امید ہے کہ اگلے پمپ پر ہمیں پیٹرول ضرور مل جائے گا ان شاء اللہ۔“

”کیا ہوا ارقام بھائی‘ کوئی پرابلم ہے کیا؟“ شیشہ نیچے کرتے ہوئے آغا مینا نے ارقام کو مخاطب کیا جبکہ زادیار کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔ ایسا کچھ خاص ان کے بیچ نہیں تھا مگر پھر بھی جانے کیوں‘ دونوں ہی ایک دوسرے کو اگنور کرنا زیادہ بہتر سمجھتے تھے۔ بانسبت بات کرنے کے یا پھر کسی بھی مسئلے پر بلاوجہ الجھنے کے۔

”یار‘ ہمیں کوئی پرابلم ہو یا نہ ہو‘ اسے بہت پرابلم ہے۔“ وہ اس کے یوں باز پرس کرنے پر ناگواری سے گویا ہوا۔

”شٹ اپ زادیار‘ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اسی لیے پوچھ رہی ہے۔“

”اونہہ...... طبیعت خراب ہے‘ اس پورے عرصے میں وہ ٹھیک کب ہوئی ہے‘ کچھ زیادہ ہی نازک مزاج ہیں محترمہ۔“ وہ طنزیہ بڑبڑایا۔ ارقام نے گھور کر دیکھا۔

”بہت بری بات ہے زادیار۔“

”ایسی کوئی خاص بھی نہیں‘ ویسے بھی اسے تیری دوری برداشت نہیں ہوتی‘ جہاں بھی جا کر تھوڑی دیر کے لیے کھڑا ہو جائے‘ محترمہ پکارتی ہوئی چلی آئیں گی۔“ ناگواریت اور تمسخر کا ملا جلا سا تاثر تھا۔

”کچھ تو سوچ کر بولو یار‘ وہ مجھے بھائی کہتی ہی نہیں سمجھتی بھی ہے۔“ ارقام نے فوراً اسے ٹوکا۔ اس کا یوں کہنا اسے بالکل پسند نہیں آیا تھا مگر ضبط کر گیا۔

”ہنہ! بھائی‘ اینی وے آئی تھنک اب ہمیں چلنا چاہیے۔“ اگلے پمپ پر پیٹرول مل گیا تھا‘ زادیار نے شکر ادا کیا‘ کسی بھی قسم کی پرابلم سے بچت ہو گئی تھی۔

”زادیار مجھے کچھ کام ہے‘ تم پلیز سب کو ڈراپ کر دینا اور مجھے راستے میں اتار دینا۔“ ارقام کی بات پہ زادیار نے اثبات میں سر ہلایا۔ جبکہ آغا مینا نے ایک دم پریشان ہوتے ہوئے ارقام کی جانب دیکھا مگر وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔

وہ گاڑی میں اکیلی نہیں تھی۔ اس لیے خاموشی مجبوری تھی۔ مگر وہ بہت زیادہ پریشان ہو گئی تھی۔ اسے ارقام پر بھی غصہ آ رہا تھا اور حیرت بھی ہو رہی تھی کہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ اسے ڈراپ کرنے کو کیسے کہہ سکتا ہے‘ جہاں وہ رہتی ہے وہاں کا ایڈریس وہ اسے کیسے بتا سکتی ہے؟

ارقام راستے میں اتر گیا اور وہ چاہنے کے باوجود بھی اس سے بات نہ کر سکی تھی۔ جوں جوں وہ سب کو ڈراپ کرتا جا رہا تھا‘ وہ پہلو بہ پہلو بدلتی جا رہی تھی‘ یہاں تک کہ اس کا مطلوبہ ایڈریس بھی گزر گیا۔ آخر میں جب اس نے دیبا کو ڈراپ کیا تو اس کی پریشانی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ مضطرب سی انگلیاں چٹخانے لگی۔ بالکل غیر ارادی طور پر گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے زادیار نے مڑ میں اس کی جانب دیکھا‘ ہمیشہ کی طرح سرسری سی نظر ڈال کر وہ ہٹا نہیں پایا تھا‘ بلکہ بڑی حیرت سے اس کے چہرے پر پھیلی سراسیمگی اور اضطراب کو دیکھا تھا‘ پہلو بہ پہلو بدلتی ہوئی۔ اضطراری انداز میں انگلیاں چٹخاتی ہوئی۔ اسے خاصا حیران کر رہی تھی۔

”یہ مجھ سے ڈر رہی ہے لیکن کیوں؟“ دل ہی دل میں کہتے ہوئے اس نے خود سے سوال کیا۔ محظوظ بھی ہوا۔ ”اتنی رات کو وہ میرے ساتھ سفر کر رہی ہے‘ گاڑی میں...... میں اس کے ساتھ تنہا ہوں‘ نامحرم ہوں کیا اس لیے وہ ڈر رہی ہے؟“

”مس آغا مینا احمد‘ زادیار بیگ سے ڈر رہی ہے؟ میری لائف کا سب سے بڑا جوک‘ یا پھر......؟ لیکن جو بھی ہے‘ یہ سچ ہے کہ وہ مجھ سے ڈر رہی ہے۔“ دل ہی دل میں خود سے ہی بات کرتے ہوئے وہ خاصا محظوظ

ہو رہا تھا۔
ایک تمسخرانہ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کر معدوم ہوگئی تھی۔ اس نے کچھ سوچ کر گاڑی ایک سائیڈ پر روکی اور اس کی جانب مڑتے ہوئے سیٹ پر ٹیڑھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"سو...... مس آغا مینا' آپ کو مجھ سے ڈر لگ رہا ہے؟" اس نے کسی قدر چونک کر سر اٹھا کر بڑی حیرانگی سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ ریلیکس سا اس کی جانب رخ کیے بیٹھا تھا' وہ بری طرح چونکی۔ گاڑی کہیں رکی ہوئی تھی۔ اسے جھٹکا سا لگا۔ اسے بالکل علم نہیں ہوسکا تھا کہ گاڑی کب سے یہاں کھڑی ہے' وہ تو اپنی ہی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی۔ اسے تو بس یونہی احساس ہوا تھا کہ اسے کسی نے پکارا ہے۔

"ایکسکیوزمی! آپ نے مجھ سے ابھی کچھ کہا؟"

"آپ کچھ سوچ رہی تھیں مس آغا مینا احمد؟" اس کی بات پر وہ چونکی۔

"آپ نے یہ پوچھنے کے لیے گاڑی روکی ہے مسٹر زادیار۔" طنزاً اس کی جانب دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"ہوسکتا ہے؟" اس نے کچھ سوچتے ہوئے بھنویں اچکائی۔

"آپ کو اس سے کیا مطلب کہ میں کیا سوچ رہی تھی' کیا آپ کو میرے کچھ سوچنے سے پرابلم ہو رہی ہے؟ یا پھر آپ کو یہ بات کھل رہی ہے کہ میں آپ کو نظر انداز کیے سوچوں میں مستغرق کیوں ہوں؟" اس کے لہجے اور انداز دونوں میں تمسخر تھا۔

"مجھ پر ابھی اتنا برا وقت نہیں آیا کہ میں آپ جیسی لڑکی کے بارے میں ایسا کچھ سوچوں۔ میں اس لیے یہاں رکا کیونکہ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ مس احمد مجھ سے ڈر رہی ہیں۔"

"ہیلو! ایکسکیوزمی' پوچھ سکتی ہوں' اتنی بڑی خوش فہمی آپ کو کیونکر ہوئی؟" اس کی آخری بات پر آغا مینا نے جھٹکے سے اس کی جانب دیکھا۔ زادیار نے بہت گہری

نگاہوں سے اس کے استہزائیہ انداز کو ملاحظہ کیا۔
"اوں ہوں...... خوش فہمی نہیں صحیح فہمی ہے۔" چہرے کی اڑی ہوئی رنگت' اضطراری انداز میں انگلیاں چٹخانا' کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ آپ ایک نامحرم مرد کی موجودگی میں گھبرا رہی ہیں۔ خود کو ان سیکیور فیل کررہی ہیں۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے خاصا چبا چبا کر کہا' اسے اس کا انداز بالکل پسند نہیں آیا تھا۔
"ایک بات کہوں آپ سے؟ آپ اپنی کسی بھی خوش فہمی کو مجھ سے ریلیٹ کبھی مت کیجیے گا۔ کیونکہ آپ کے بارے میں اور خود مجھے اپنے بارے میں آپ کو لے کر کوئی غلط فہمی کبھی نہیں ہوسکتی۔" بہت اعتماد سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔ زادیار تمسخرانہ مسکرایا۔
"اس معاملے میں اتنا کونفیڈنس بہت اچھا نہیں ہوتا' انسان کو اس طرح کی بات منہ سے نکالنے سے قبل اچھی طرح سوچ لینا چاہیے' کبھی کبھی بلا سوچے سمجھے کہی ہوئی بات خاصے نقصان کا باعث بنتی ہے۔" سیٹ پر سیدھے ہوتے ہوئے مڑ میں اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا اور گاڑی اسٹارٹ کردی۔
"میں ہمیشہ سوچ سمجھ کر ہی بولتی ہوں' مسٹر زادیار بیگ۔" اس کی بات پر زادیار نے محض سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا۔
"ایڈریس بتایئے پلیز۔" سرد اور خشک تاثرات لیے استفسار کیا۔ کچھ پل آغا مینا بول نہ پائی' اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آیا وہ کیا کرے؟ زادیار نے خاصی ناگواری سے اسے دیکھا۔ وہ پھر سے سر جھکائے انگلیاں چٹخا رہی تھی۔ زادیار نے بہت کوفت سے اس کی حرکت کو ملاحظہ کیا۔
"کیا آپ مجھے سن رہی ہیں؟" قدرے اونچی آواز میں دوبارہ اسے مخاطب کیا۔
"ہاں آپ نے کچھ کہا؟"
"ایڈریس بتانے کی زحمت گوارا کریں گی کیا؟" طنزیہ پوچھا اس نے ایک پل کو کچھ سوچا اور ایڈریس بتانے لگی۔
جس ایریے میں وہ داخل ہوا تھا' وہ خاصا خراب علاقہ تھا۔ لوگ آجا رہے تھے' ہر دوسرے بندے کے منہ میں پان بھرا ہوا تھا' روڈ بھی بہت گندی تھی۔ جگہ جگہ پر کوڑے کے ڈھیر تھے۔ جہاں سے بہت عجیب سی بو آرہی تھی' زادیار نے خاصی ناگواری سے اپنے اردگرد نظریں دوڑائیں اور منہ میں بڑبڑایا۔
"یہ یہاں رہتی ہے......!" اس نے بہت حیرانگی سے سوچا۔ اسے بالکل یقین نہیں آیا تھا اس کے حلیے سے یا اس کی عادات واطوار سے کوئی بھی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ وہ اس قسم کے علاقے میں رہتی ہوگی۔ جونہی اس نے گاڑی روکی وہ فوراً بیگ پکڑتے ہوئے باہر نکلی۔ اس کے باہر نکلتے ہی زادیار گاڑی بھگا لے گیا۔

❁ ...... ○ ...... ❁

"زادیار' سر انجم نے تمہیں اسٹاف روم میں بلایا ہے۔" وہ اور ارقام اس وقت لائبریری میں بیٹھے تھے بھی احسن اسے تلاش کرتا ہوا اس کی جانب آیا اور سر انجم کا پیغام دیا۔
"او کے ارقام' پھر ملاقات ہوگی۔" بک بند کرتے ہوئے گویا ہوا۔ ارقام نے بنا سر اٹھائے آہستگی سے سر ہلا دیا۔ زادیار خاصا محظوظ ہوا۔
"اچھا ہے...... اچھا ہے' کیپ اٹ اپ' یوں اسٹڈی میں منہمک ارقام اتنا برا بھی نہیں لگتا۔"
"کیا مطلب ہے تیرا؟" ارقام نے گھور کر دیکھا۔
"نہیں...... کچھ خاص نہیں' وہ کیا ہے نا کہ ایسی پوزیشن میں تجھے بہت کم دیکھا ہے ناں۔ اس لیے۔" بظاہر سنجیدگی سے مگر حقیقتاً وہ شرارت سے گویا ہوا۔
"ایک کام کر جس ارادے سے تو یہاں سے اٹھا ہے ناں اسے جا کر پایہ تکمیل تک پہنچا بھائی' اگر زیادہ دیر تک یہاں رکا ناں تو میری سوچ کے مطابق تیرے ارادے بھربھری ریت کی طرح پھسل جائیں گے۔" دانت پیستے

ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ زادیار نے مسکراہٹ لبوں میں دبائی اور بنا کچھ کہے سنجیدگی سے آگے بڑھ گیا۔

"ویسے اتنا عجیب بھی نہیں لگتا تو ایسے۔" ذرا فاصلے پر جاکر وہ دوبارہ سے واپس آیا اور آہستگی سے کہہ کر تیزی سے کھسک گیا۔

ارقام نے گھور کر اس کی پشت کو دیکھا۔ زادیار نے پیچھے مڑ کر اس کی جانب دیکھا اور ہاتھ ہلاتے ہوئے باہر نکل گیا۔

"السلام علیکم۔" وہ نوٹس پر جھکا بڑی توجہ اور انہماک سے مطالعہ کررہا تھا۔ تبھی گلا کھنکارتے ہوئے کسی نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔ مانوس سی آواز تھی۔ اس کی تو وہ آہٹ بھی پہچان سکتا تھا جبکہ اس نے تو اسے ازخود متوجہ کیا تھا۔ اس کے لبوں پر بہت خوب صورت مسکراہٹ آن رکی تھی۔

"وہ آئے ہم سے ملنے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو اور پھر ان کو ہی دیکھتے ہیں"

لبوں پر شریری مسکراہٹ لیے سر اٹھاتے ہوئے شعر کو حسب حال ڈھالا۔

"آپ کو نہیں لگتا! یہ شعر خاصا پرانا ہوچکا ہے؟ اور اسے حسب حال بنانا بھی اب پرانا قصہ ہوچکا' کیا خیال ہے آپ کا؟"

"ارے پرانا ہوا تو کیا آپ نے سنا نہیں اولڈ از گولڈ' پرانی چیزیں بھلے کتنی ہی پرانی کیوں نہ ہوجائیں' ان میں نئی چیزوں سے زیادہ اثر ہوتا ہے اور پرانی شاعری کی تو کیا بات ہے' انسانی جذبات کی بالکل صحیح ترجمانی کرتی ہے۔"

"شاید آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ایکچوئلی مجھے شاعری سے کچھ خاصا لگاؤ نہیں' ایمان داری سے کہوں تو بھئی مجھے سمجھ میں ہی نہیں آتی۔ اگر آسان اردو میں بھی ہو تب بھی اس کے پس منظر میں کہی گئی بات میں سمجھ نہیں پاتی۔ اینی وے' میری دوست کہاں ہے؟" آغا مینا کی بابت دریافت کیا۔

"کیا مطلب؟" اچھنبے سے دیکھا۔

"اپنی دوست آغا مینا کا پوچھ رہی ہوں' ارقام ملک صاحب۔ سیدھی سی بات میں بھی کوئی مطلب ہوتا ہے کیا؟" حیرت سے استفسار کیا انداز استہزائیہ تھا۔ وہ گڑبڑا سا گیا۔

"آں...... مجھے کیا پتا بھئی' تمہاری دوست ہے' تمہیں پتا ہونا چاہیے...... کہ وہ کہاں ہے؟"

"جی بالکل' میری دوست ہے اور مجھے ہی پتا ہونا چاہیے لیکن کچھ روز قبل آپ اسے اپنے ساتھ لے کر گئے تھے' خود تو آگئے ہیں' اسے کہاں چھوڑ آئے۔" طنزیہ کہا۔

"اسے کہیں کیوں چھوڑ کر آئیں گے بھئی' ساتھ لے کر گئے تھے اور ساتھ ہی لے کر آئے ہیں بحفاظت۔" کسی قدر برا مانتے ہوئے لفظ بحفاظت پر خاص زور دیا۔

"اگر بحفاظت ساتھ لے کر آئے ہیں تو وہ یونیورسٹی کیوں نہیں آئی؟"

"کیا آغا مینا یونیورسٹی نہیں آئی' یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" وہ آہستگی سے بڑبڑایا۔ ظعینہ تک اس کی بڑبڑاہٹ باآسانی پہنچ گئی تھی۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے اور کیوں ہوسکتا ہے؟ یہی میں بھی آپ سے پوچھنے آئی ہوں۔"

"اوہاں...... کل اسے ٹمپریچر تھا' شاید اس کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی ہو اسی لیے وہ یونیورسٹی نہیں آئی۔ میرا خیال ہے یہی بات ہے اور کیسی دوست ہو تم' تمہیں پتا ہے کہ وہ واپس آچکی ہے تو کم از کم ایک دوست ہونے کی حیثیت سے' اس سے رابطہ تو کرتیں۔" اسے بتا کر ساتھ ہی شرم دلانے والا فریضہ بھی سرانجام دیا۔

(جاری ہے)

بندگی

غزالہ جلیل راؤ

اس کی آنکھ عبدالقادر کے بے ہنگم خراٹوں سے کھلی تھی۔ ابھی تین دن پہلے تو وہ اس بے ڈھب انسان کی بیوی بن کر اس کے گھر آئی تھی۔ وہ تھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھے ایک ٹک اسے دیکھے جارہی تھی جو اس کا مجازی خدا تھا اور رباب کو اس کی خدمت وخاطر کے علاوہ ہر جائز ناجائز خواہش کو پورا کرنا اور جو دل نہ چاہے تو گناہ گاروں میں شمار ہونا پڑے۔

حدیث شریف میں آتا ہے ”اگر شوہر کا بڑھا ہوا ہاتھ بھی جھٹک دیا جائے تو پوری رات فرشتے لعنتیں برساتے ہیں“ اور وہ سر تسلیم خم کیے قہر بھری ظالم اور جابر صحراؤں جیسی ریتلی زمین پر تین راتیں بسر کر چکی تھی۔

اس نے اپنے نازک سے صندل وجود کی سینت سینت کر رکھی ہوئی ہر ادا اس کے حوالے کردی تھی سب کچھ سونپ دیا تھا مگر وہ چیز جسے زمانہ دل کہتا ہے، عبدالقادر کے حوالے نہ کرسکی بس یہاں ہی تو سمجھوتہ نہ کرسکی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ بے ڈھب انسان اس قیمتی چیز کا حق دار نہیں اور یہیں کھیلا ہوا تھا ورنہ اس نے سہاگ کا جوڑا پہن کر سوچا تھا جب اس نے سر کو جھکا دیا ہے تو باقی کیا رہ گیا مگر سب کچھ اس کے حوالے کرنے کے باوجود ڈنڈی مار گئی، عبدالقادر اسے ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔

اس نے جھک کر چپل کی تلاش شروع کی جو عبدالقادر کے بے حد بڑے بے ڈھنگے، بدصورت سے موٹے جوتے تلے پڑی سسک رہی تھی۔ اسے ایک دم اپنی نازک سی سنہری چپل پر رحم آیا، کچھ دیر پہلے وہ بھی سنہری چپل تھی۔ عبدالقادر بھوری تہمد اور بغیر بازو والی بنیان پہنے کالے سیاہ موٹے بدن کے ساتھ اس نیم تاریک کمرے میں کوئی چور لگ رہا تھا۔ رباب کو وہ ایک دم چور ہی لگا جس نے اس کی ساری رعنائیاں چرالی تھیں۔ اس کی مرضی کے خلاف حق مہر جو اس نے پہلی رات ہی ہاتھ جوڑ کر بخشوالیا تھا اسے عبدالقادر سے گھن آنے لگی۔

”یہ مرد بھی کتنے ندیدہ پن پر اتر آتے ہیں، چھوئی موئی کی نازک سی کلی کے سامنے چٹان سا، پہاڑ سا مرد کسے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ عورتیں تو بڑی دل گردے والی چیز ہیں، اپنی خواہش کے ہاتھوں کسی سے سستی عورت بھی مرد کے سامنے نہیں جھکتی، کبھی کاسۂ گدائی لے کر خواہشوں کے امرت سے نہیں بھرتی، دو گھونٹ پانی سے لب تر نہیں کرتی خواہ حلق کانٹوں سے اٹا ہو۔“

اسے عبدالقادر کو دیکھ کر ہنسی آنے لگی۔

”اب کیسے پڑا ہے گھوڑے بیچ کر، خود غرض کہیں کا۔“ پھر اس نے سوچا۔

”اچھا تو خود غرض ہے...... میں بھی تو پرخلوص نہیں، جب تک گزرے گی گزاروں گی...... یہ سارے مرد ایک سے ہوتے ہیں، خواہشوں کے سارے رنگ چرا کر یونہی سو جاتے ہیں۔“ سوچتے سوچتے وہ چونکی، عبدالقادر نے کروٹ بدلی تھی۔

”اُف توبہ......“ بیڈ کی چولیں تک ہل گئی تھیں۔ رباب ڈر کر دبک گئی مگر نیند کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، ظالم محبوبہ بنی روٹھی رہی۔

رباب کو مختلف خیالات ستانے لگے، اسے اپنا گھر یاد آنے لگا۔ گھر یاد آیا تو اماں بھی یاد آ گئی جس نے بغیر دیکھے بھالے اپنی پھولوں جیسی نازک کامنی سی رباب کا رشتہ اپنی بڑی بیٹی فریدہ کے جیٹھ سے کردیا جس کو کوئی رشتہ دینے پر رضامند نہ تھا جو بے حد موٹا کالا اور بے ہنگم ہاتھ پیروں والا کورا دیہاتی تھا اور رباب میٹرک پاس بڑی بڑی آنکھوں، گوری رنگت اور چنبیلی کی کلی جیسی

نازک لڑکی تھی مگر ماں کو تو صرف بڑی بیٹی کے بستے گھر کے اجڑنے کے احساس نے یہ ظلم کرنے پر مجبور کردیا تھا۔ بڑی بہن کے دھواں دھار آنسوؤں نے ماںتا کی آنکھوں کے گرد پردے کھینچ دیئے۔ دھندلی چادر تان دی جس کے پیچھے رباب کی ساری خوبیاں روپوش ہوگئیں اور وہ عبدالقادر کے نام کردی گئی اور وہ بھی کیسا گھاک بیوپاری تھا کہ پہلی رات ہی اس کے من میں ایک الاؤ روشن کردیا اپنی ہزار کمزوریوں کو نظرانداز کر کے رباب کی گردن کے اوپر پھوڑے کے دھبے جو نیل کی طرح تھے۔ ٹٹول کر چراغ پا ہوتا رہا۔ رباب نے بھی پھر وہ حصہ جسے دل کہتے ہیں چھپالیا۔ وہ بھی بے ایمانی پر اتر آئی اس مرد نے جب اٹھارہ سال کا سنبھالا ہوا خوب صورت وجود ناقدری کے حوالے کردیا تو اس ذرا سے لوتھڑے کی کیا اہمیت ہے سو اس نے وہ دل بچالیا۔ موٹی عقل کے مالک نے ادھر جھانک کر بھی نہ دیکھا بس کولمبس بنا راستے تلاش کرتا رہا اور وہ لڑکی جو شروع سے رسالوں' ناولوں اور لائبریریوں کے لٹریچر سے عشق رومان محبتوں کی اوائل کھٹی میٹھی لذتوں سے آشنا تھی' بجھ کر رہ گئی۔

میٹرک تک تعلیم نے اسے اتنا شعور تو بخشا ہی تھا کہ زندگی کے حقیقی ساتھی سے اپنی محبتوں کی ابتدا کرتی۔ اپنے ارمانوں کا صلہ پاتی وہ جو ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک آدھے دن کا سفر طے کر کے آئی تھی تو صرف عبدالقادر کی خاطر تو نہ آئی تھی۔ اسے بھی تو جواب میں کچھ چاہیے تھا' تھوڑی محبت' شفقت' کچھ سنہری مستقبل کے روپہلے خواب مگر یہاں تو صرف عبدالقادر تھا جو رباب کو ایک آنکھ نہ بھایا تھا مگر کیا کرتی چارو ناچار وقت گزارتی چلی گئی۔

......☆☆☆......

رباب سخت مضطرب تھی اب وہ دو بچوں کی ماں تھی۔ اس نے عبدالقادر سے سمجھوتہ کرلیا تھا باوجود اس کے دل جیسی چیز ابھی تک اس کے اپنے قبضے میں تھی لیکن آج وہ بے چین تھی۔ اس ظالم ٹکڑے نے پورے وجود میں ہلچل مچار کھی تھی کئی بار رباب نے سوچا۔

''ناحق مخالفت کی جہاں سب کچھ دے دیا تھا' وہاں یہ بھی دے دیتی مگر اس پر اختیار رہتا تب نا؟''

اور آج یہ بے اختیاری' بے چینی' اضطراب سامنے والے گھر میں نئے کرایہ داروں کے اس لڑکے کی وجہ سے تھا جس نے نظر پڑتے ہی نازک سی رباب کو پرستائش نظروں کے ساتھ اس ادا سے سلام جھاڑا کہ پانچ سال سے بحفاظت سنبھالا ہوا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور ایسا شور مچایا کہ رباب کو پریشان کرنے لگا حوصلے دلانے لگا' اس کی مراد بر آئی تھی۔ اب کیا تھا وہ آتے جاتے رک کر اس جنگلے کی جانب دیکھتی جہاں وہ بُت بنا اسے گھور رہا ہوتا۔ وہ بھی ایک ٹک اسے دیکھے جاتی' وقت گزرتا رہتا پھر دروازہ کھلتا اور عبدالقادر بے

ہنگم سراپے سمیت رباب کو بےزار کرنے آجاتا۔ رباب ابھی الجھی پھرا کرتی وہ گھر میں پنجابی بولتے تھے لیکن رباب اپنے بچوں سے اردو میں بات چیت کرتی۔ دو تین بار موٹی عقل کے عبدالقادر نے غور کیا کہ اس کی بیوی اپنی زبان بھول جاتی ہے لیکن رباب نے اسے سمجھادیا کہ بچوں کو تہذیب سکھانے کے لیے زبان کا صاف ستھرا ہونا بہت ضروری ہے اور وہ بڑے آرام سے سمجھ گیا۔ وہ رباب کی ہر بات سمجھ جاتا تھا' ستھری زبان کے ساتھ ساتھ رباب کے بچے اور وہ خود صاف ستھرے کپڑوں میں نہائے دھوئے اتراتے پھرتے رہتے۔ کبھی کبھی رباب کے کانوں میں موتیے کے پھول اور بالوں میں تروتازہ پھول لگانا عبدالقادر کو چونکادیتا۔

رباب بڑی عقل مند ثابت ہورہی تھی وہ عبدالقادر کے آنے جانے کے اوقات کا خاص خیال رکھتی اور بلا چوں چرا اس کی ہر ضرورت پوری کردیا کرتی تھی۔ خوامخواہ لڑائی جھگڑے سے حاصل بھی کیا ہونا تھا' اب عبدالقادر کی عقل میں بات آچکی تھی کہ نوعمر بیوی کو خوش رکھنے کے لیے کبھی پھولوں کے گجرے' کبھی میک اپ کا سامان اور کبھی آرائش وزیبائش کی چھوٹی موٹی چیزیں لادینے سے گھر کی فضا خوش گوار ہوجاتی ہے۔ کبھی کبھی عبدالقادر بےوقت گھر آجاتا تو رباب بچوں کو سلائے دروازہ بند کیے گھر کے اندر موجود ملتی۔ وہ آنکھیں ملتی ہوئی دروازہ کھولتی' عبدالقادر اس کی مخمور آنکھوں میں کھو کر بھول جاتا کہ وہ کیوں بےوقت گھر آیا تھا اور جب وہ بن مانگے کی انمول خوشیاں بےوقت دامن میں بھر کر واپس جاتا تو راستے میں اسے خیال آتا کہ وہ گھر کیوں گیا تھا شاید کم عمر عورت کی جاسوسی کرنے۔ مگر وہ کبھی بھی یہ نہ جان سکا کہ رباب اس کی بیوی' کم عمر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عورت بھی ہے۔ گوشت پوست کی عورت جس کے بائیں پہلو میں ایک گداز سی شے اکثر و بیشتر چلا چلا کر اجڑی تمناؤں پر نوحہ کناں ہوتی ہے تب وہ اچانک چپ چاپ ہوجاتی اور عبدالقادر اس کی خاموشی کو ناشکری پر محمول کرتا۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہو اور عورت ناک منہ چڑھائے تو خداوند کریم نعمتوں میں کمی کردیتا ہے مگر یہ رباب جانتی تھی کہ غریب' امیر' جاہل یا تعلیم یافتہ' شہری یا دیہاتی دل کی دنیا اجڑنے بسنے سے ایک ہی طرح گھائل ہوتے ہیں اور اب وہ گھائل ہوئی تھی جب ملک افضل نے سوئی بستی میں نقب لگا کر رباب کے گھر میں جھانکنا شروع کیا تھا۔ رباب کو ہفت اقلیم کی دولت مل گئی تھی اب اس کا دل بہل گیا تھا پہلو میں میٹھا میٹھا درد مزہ دینے لگا تھا اور انوکھا سا قرار سارے وجود کو اپنی لپیٹ میں لیے اطمینان ہی اطمینان پھیلائے رکھتا۔ عبدالقادر بھی خوش تھا کیونکہ بالا ہی بالا سارے کاروبار طے ہورہے تھے گھر محبتوں کی امرت میں بھیگا رہتا' در و دیوار مسکراتے رہتے لیکن پھر ساری مسکراہٹ معدوم ہوگئیں' خوشیوں کو زمانے کی نظر کھا گئی جب اچانک سب کچھ ہوگیا جس کا رباب کو گمان تک نہ تھا' ابھی تو سہانی ابتدا ہوئی تھی' ابھی تو لمبا سفر کاٹنا تھا' ابھی تو عشق کی منازل طے کرنا تھیں۔

صبح بڑی سہانی تھی' کھیتوں کی جانب سے آنے والی اناج کی خوش بو سے لدی ہواؤں میں عبدالقادر کو ہر چیز حسین دکھائی دے رہی تھی۔ وہ آگے اور آگے بڑھتا چلا جارہا تھا' سامنے سے ملک افضل کے والد آرہے تھے۔ عبدالقادر کی ان سے پہلی ملاقات تھی' سلام دعا کے بعد بولے۔

''عبدالقادر صاحب! بڑے دنوں سے بیگم آپ کے گھر آنے پر بضد تھیں مگر حوصلہ نہ پڑا۔''

''اجی صاحب! آپ کا اپنا گھر ہے روز آئیں' بڑے شوق سے آئیں اس میں حوصلے کی کیا بات ہے۔'' ملک افضل کے والد ہچکچائے۔

''بس جی کچھ بات ہی ایسی تھی آپ کے برا مان جانے کا ڈر بھی دامن گیر تھا۔''

''کیسی بات جناب؟'' عبدالقادر حیرت سے بولے۔

ملک افضل کے والد نے چھڑی ایک جانب رکھی'

محبت کو بھلانا چاہیے تھا
مجھے جی کر دکھانا چاہیے تھا
مجھے تو ساتھ اس کا بھی بہت تھا
اسے سارا زمانہ چاہیے تھا
پرندہ اس لیے بے کل تھا اتنا
اسے بھی اک آشیانہ چاہیے تھا
تم اس کے دن ادھورے ہوگئے ہو
تمہیں اس کو بتانا چاہیے تھا
بہت پھرتا رہا تھا در بدر میں
مجھے بھی ایک ٹھکانہ چاہیے تھا
چراغاں ہو رہا تھا شہر بھر میں
ہمیں بھی دل جلانا چاہیے تھا
(عائشہ سلیم کی پسند کراچی سے)

کھیت کی منڈیر پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے اور عبدالقادر کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا کر بلاتمہید بولے۔

"بات دراصل یہ ہے کہ میرے گھر میں جوان لڑکیاں ہیں اور ان کے اخلاق اور کردار کو سنوارنا بگاڑنا میرا فرض ہے۔ کافی دنوں سے میں آپ کے پاس آنا چاہ رہا تھا' آپ کی لڑکی اور میرے لڑکے کے درمیان تیسرا رشتہ چل نکلا ہے۔ عزت اور ایک دوسرے کا بھرم اسی طرح قائم رہ سکتا ہے کہ آپ اپنی لڑکی کا رشتہ میرے لڑکے سے کردیں بس اس مقصد سے میری بیوی اور میں آپ کے پاس آنا چاہتے تھے۔" عبدالقادر کے پیروں تلے سے زمین آہستہ آہستہ کھسک رہی تھی۔ بیوی کا لہلہاتا سراپا اس کے نازوانداز' باتوں کا انوکھاپن اور بات بے بات مسکرانا اس کی سمجھ سے بالاتر تھا اب موٹی عقل میں بات سمائی تو بڑے تحمل سے بولے۔

"جی بہت اچھا' میں سوچ کر جواب دوں گا۔" اور پھر ان کو سوچنے میں زیادہ وقت نہیں لگا' انہوں نے موٹی عقل کے ساتھ بھاری بھرکم فیصلہ منٹوں میں کرلیا۔

پروانہ آزادی کے ساتھ بچوں کی گوناگوں ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر لاد کر رباب کا رشتہ قبول کرلیا۔

اب رباب بھری دنیا میں تنہا کھڑی سوچ رہی تھی' وہ گداز ٹکڑا جس کو بچا بچا کر سینت سینت کر رکھا تھا۔ کس کو دوں کہ ملک افضل نے تو ساری محبتوں کو بالائے طاق رکھ کر کانوں کو ہاتھ لگادیئے تھے کہ وہ عورت جو بچوں اور میاں کو چھوڑ سکتی ہے چند دنوں کی آشنائی کو کیا سمجھے گی۔ اسے اس استعمال شدہ ٹوٹے برتن کی کیا ضرورت تھی جو پہلو میں شور مچائے۔ مٹھی بھر لوتھڑے کی خاطر سب کچھ گنوا کر تہی دامن ہوکر رباب مور کی طرح اپنے پیروں کو دیکھ رہی تھی۔

❀

پرِ رحمت

مصباح علی

سینڈوچ میکر کی دونوں لائٹیں آن ہوتے ہی شہتاب نے اسے آف کیا اور کھول کر دونوں سینڈوچز نکال لیے۔ امریکن اسٹائل کے بنے چھوٹے سے صاف ستھرے کچن میں براؤن سینڈوچ کی سوندھی سوندھی خوش بو پھیل گئی تھی جو برتن دھوتی نسرین کے نتھنوں میں گئی اور وہ فوراً ہی مسکرادی۔ اس نے پلیٹ پر جھاگ والی صافی مارتے مارتے شہتاب کو دیکھا۔ وہ چینی کی پلیٹ میں سینڈوچ رکھنے کے بعد اس میں کھیرے، ٹماٹر اور چقندر کے چند قتلے رکھنے لگی پھر ان پر لیموں نچوڑ کر ایک طرف تھوڑا سا کیچپ اور مایونیز ڈالا وہ ٹشو بکس میں سے ایک ٹشو کھینچ رہی تھی جب نسرین بول پڑی۔

"باجی جی! آپ کتنا خیال رکھتی ہو اپنے بیٹوں کا۔"

"ہاں...... تو کیا کروں؟ ماں جو ہوئی۔" ٹشو تہہ کرتے ہوئے بولی۔ "قیمہ پالک تو وہ روٹی کے ساتھ کبھی نہیں کھائے گا اور بھوکا ہی پڑھتا رہے گا۔ اسی لیے سالن سے سینڈوچ بنادیے چلو اس بہانے سے کچھ سلاد بھی کھالے گا۔" انہوں نے تہہ شدہ ٹشو انگلیوں میں دبایا اور پلیٹ اٹھا کر باہر نکلنے لگیں۔ اچانک ہی آنکھوں کے پردے پر ہلکی سی لرزش کا احساس ہوا اور پھر سارے دماغ میں ایک سوئی سی برق رفتاری سے ہوتی ہوئی گردن کی پشت سے کمر تک اترتی محسوس ہوئی۔ انہوں نے گردن کو تیزی سے جھٹکا اور پلکوں کو جنبش دی۔ یک لخت اندھیرا سا چھا گیا۔

ٹی وی لاؤنج میں بلال ایک صوفے پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا اس کی گود میں پریکٹیکل نوٹ بک تھی۔ جس پر جھکا کچھ ڈائیگرام بنا رہا تھا۔ اس سے قدرے فاصلے پر (لیٹی) نسرین کی بیٹی کارپٹ پر بیٹھی پورے انہماک سے ٹی وی پر کوئی فیشن شو دیکھ رہی تھی۔ یقیناً اس کی پرشوق نگاہیں دیکھ کر سیف میاں نے چینل تبدیل نہیں کیا تھا۔ البتہ ناگواری سے والیوم کم کیا اور اخبار پر نظریں دوڑانے لگے جب کہ بلال نے مشکور ہوتے ہوئے ماں سے ایک ہاتھ میں سینڈوچ پکڑا اور دوسرے سے کاپی کے صفحے الٹنے لگا۔

"وچل نی لیٹی!" نسرین اپنے گیلے ہاتھ دوپٹے سے پونچھتی باہر نکلی اور پاؤں کی نوک سے بے فکری سے بیٹھی نسرین کو ٹہوکا اور ساتھ ہی منہ بنا کر شکوہ بھی کرنے لگی۔

"باجی جی آپ نے اس کی عادتیں بگاڑ دیں آئے دن ٹی وی لینے کے لیے کہتی ہے۔"

"تو بھئی اسے ہمارے ٹی وی کے پاس ہی چھوڑ دو کیا ہم پہ اعتبار نہیں ہے؟" سیف میاں نے اخبار لپیٹ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔ "ویسے بھی تمہاری باجی کی طبیعت خراب رہنے لگی ہے اوپر سے سارے گھر کی ذمہ داری تھک جاتی ہوں گی۔ ان کی بھی مدد ہوجائے گی اور ساتھ لیٹی کے بھی مزے ہوجائیں گے۔" وہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھاتے ہوئے اوپر ہو کر بیٹھے اور چائے کا کپ منہ کو لگایا جو کچھ دیر پہلے ہی شہتاب اندر کمرے میں رکھ کر گئی تھی۔ کمرے سے پرس لے کر نکلتی شہتاب میاں کے الفاظ سارے گھر کی ذمہ داری تھکن پر ورطہ حیرت میں مبتلا تھیں غالباً سیف میاں کو تو آج تک ان کی تھکن یا پھر کوئی کام نظر نہیں آئے تھے بلکہ آج سے پہلے تک وہ یہی کہتے۔

"سارا دن فارغ اکیلی رہ کر بیمار رہنے لگی ہو۔" اور اگر کبھی تھکاوٹ یا طبیعت کے باعث منہ سے نکل جاتا۔

"کاش ہماری بھی کوئی بیٹی ہوتی ہر کام میں میرا ساتھ ہوجاتا۔" تو وہ رعونت بھرے لہجے میں گھور کر انہیں دیکھتے۔

"بیٹوں سے کیا مسئلہ ہے تمہیں۔ اتنے لائق' قابل' طریقے' سلیقے سے اپنی پڑھائی میں مگن پیٹ پوجا کی بجائے تعلیم کو دیوتا ماننے والے' اگر یہی نالائق آوارہ ہوتے تو سارا گھر بکھیر کر رکھتے' مشکل مشکل کھانوں کی فرمائش کرتے' ہم پر تو رب کا خاص احسان ہے' ہمیں اپنے پسندیدہ بندوں میں رکھا' میری خواہش کے مطابق تین تین بیٹوں کے اعزاز سے نوازا۔ وہ بھی سلجھے ہوئے' تم کفران نعمت ہی کرتی رہنا۔" ان کی نا ختم ہونے والی تقریر شروع ہوگئی تھی۔

"خدا نا خواستہ یہ بیٹیاں ہوتیں' توبہ استغفار' اللہ کی پناہ۔" کراہیت بھری ناگواری لہجے میں در آئی اور کانوں کو لائے سیدھے ہاتھ لگانے لگے۔

"پھر تمہیں پتا چلتا کام ہوتا ہے کیا' سارا دن ان کے مرضی کے کپڑے چھانٹتی' ایک ایک چیز میچنگ کی تلاشتی' لیپا پوتی کے نخرے پھر ہر وقت کی ٹینشن' کہاں بیٹھی ہیں' کیوں بیٹھی ہیں کیا کر رہی ہیں؟ کس سے مل رہی ہے؟ رشتے الگ ڈھونڈو' جمع جتھا جہیز کے صدقے' چھلے چھٹیاں سمدھیانے میں سر جھکا کر چلو اور اوپر سے اس کے خوش رہنے کی دعائیں' پھر پتا چلتا بیگم' ٹھکن کس بلا کا نام ہے' شکر کرو رب کا کہ اس ٹھکن سے محفوظ رکھا' بیٹے ہیں' پڑھ لکھ کر اعلیٰ افسران لگ جائیں گے' اپنا کمائیں' اپنا کھائیں' پھر بہوئیں آ جائیں گی' ان پر راج کرنا۔"

بیٹوں کا ذکر کرتے ان کی آواز لہجے و انداز میں فخر اتر آتا۔ جو یقیناً اس وقت نسرین سے بات کرتے ہوئے بھی واضح تھا اور شاید اس کی جواں ہوتی بیٹی کی کوئی ویلیو' اس کی عزت کا کوئی پاس نہیں تھا وہ یہاں' وہاں کہیں بھی بیٹھ کر ٹی وی دیکھتی رہے اور بہانے سے کام بھی ہو جائے اور نام بھی...... نسرین جدی پشتی کیری تھی' اس نے چودہ' پندرہ سال کی عمر میں کام شروع کیا تھا اور بڑھاپے تک کرنا تھا۔ یقیناً اس کی بیٹی نے بھی یہی کرنا تھا۔ ہاں البتہ اس گھر پر اسے خوب اعتبار تھا' پڑھے لکھے سلجھے ہوئے لڑکے' اپنے کام سے کام' میاں صاحب ویسے ہی رعب دار اور پھر سب سے اہم بات باجی ہے نا! ہر وقت پھرکی کی طرح اپنے گھر کے ایک ایک کونے پر نظر رکھنے والی...... ایسے میں یہاں سے اچھی جگہ اور کیا ہوگی؟ صبح چھوڑ گئی' رات کو لے گئی' چار پیسے بڑھ گئے' اسی لیے تو وہ زمانے بھر کی مظلومیت چہرے پر سجائے صفائی دینے لگی۔

"نا صاحب جی' آپ پر اعتبار نہیں کروں گی تو کس پر کروں گی' برسوں نمک کھایا ہے آپ کے گھر کا۔" وہ ہاتھ سے فٹ بھر کا اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"اتنی سی تھی' کنزی جب سے آپ کے ہاں کام کر رہی ہوں' اور ماشاء اللہ بارہ سال کی ہوگئی' یہاں کھیل کود کر...... بس اگلے ہفتے پنڈ کا چکر لگا آؤں' پھر لیتی یہاں کم کرے گی۔" حجاب کے ہاتھ میں اپنی تنخواہ کی رقم دیکھ کر اکثر ہی وہ گزارہ جیسے لفظ بول دیتی تھی۔ جس پر وہ سو

پچاس کا نوٹ الگ سے تھما دیتی۔ اب بھی صاحب سے بات کرتے کرتے جیسے ہی پرس سے رقم نکالتے ہوئے باجی کو دیکھا تو آنکھیں کھل گئیں اور شکل پر مسکینیت۔ شہتاب نے اسے تنخواہ تھمائی اور ساتھ سو کا نوٹ بھی مگر ذہن پھر بھی میاں کی بات پر الجھا ہوا تھا۔ جو گتھی انہوں نے فوراً ہی نسرین کے حامی بھرنے پر سر ہلاتے ہوئے سلجھادی۔

"پھر ٹھیک ہے' اگلے ہفتے سے اسے سارے دن کے لیے باجی کے پاس چھوڑ دینا۔ آخر تین تین بیٹوں کی ماں ہے کوئی خدمت گزار تو ہو۔"

"اوہ تو یہ بات ہے۔"

میاں کی بڑبڑاہٹ پر اس نے ٹھنڈی سانس بھری اور گردن جھٹک کر ان کے قریب بیٹھ گئی کیونکہ ان کے خیالات سے اچھی طرح واقف جو تھی۔ اپنے ذہین فطین بیٹوں پر انہیں گھمنڈ کی حد تک فخر تھا۔ لوگوں سے تعریفیں سن سن کر مزید سر پا آ گیا اور بیٹی جھنجٹ' آفت' پریشانی' ہر وقت کی ٹینشن' البتہ چھوٹے بھائی واثق کے ہاں اوپر تلے کی چار بیٹیاں تھیں' خوب سگھڑ' سلیقہ شعار' تعلیمی میدان میں بھی آگے آگے۔ انہیں واثق پر بہت ترس آتا تھا۔ دونوں بھائیوں کے بہترین جنرل اسٹورز تھے اور آمدن تقریباً برابر' مگر واثق کی نسبت پیسہ سیف کے گھر زیادہ دکھائی دیتا تھا۔ ظاہر ہے جتنا کماتا تھا گھر پر ہی لگاتا تھا۔ یا پھر بیٹوں کی تعلیم پر۔ جبکہ واثق اچھی خاصی رقم بچیوں کی شادی کے لیے الگ کرنے کے علاوہ ان کی تعلیم پر بھی ضائع کرتے نظر آتے۔

"بھئی تعلیم تو سرمایہ کاری ہے' جتنا آج لگاؤ گے کل سود سمیت واپس اور سرمایہ کاری تو بندہ بیٹوں پر ہی کرتا ہے...... اب بے چارے بیٹیوں والے سود تو کیا اصل بھی پرائے گھر چلا۔ وہ ڈگریاں سمیٹ اپنے گھر ساتھ میں جمع جتھا بھی اور ماں باپ...... وہ بے ارے بیاہتے بیاہتے ہی جھک گئے پر گھر بنے نہ جان۔" وہ دبے لفظوں میں اکثر ہی نشتر زنی کر دیا کرتے تھے اور الفاظ میں اپنے لیے واضح غرور۔

"بھئی مجھ پر تو اللہ کا خاص کرم ہے' ورنہ میری تو فطرت ہی نہیں کہ اپنی کمائی غیر کو اڑاتے دیکھوں' نا بھئی نا۔" ان کی ناگواریت کو وہاں بیٹھے تمام افراد نے محسوس کیا اور واثق بول بھی پڑے۔

"سیف بھائی' بیٹیاں کون سا غیر ہوتی ہیں۔ اللہ کی رحمت ہوتی ہیں' انہی سے گھر میں چہل پہل ہے' رونق ہے' گھر گھر بنتے ہیں۔ چمک' دمک' آوازیں' اتنی بڑی نعمت کے صلے میں ذرا سا انہیں کچھ دے دینا گھاٹے کا سودا نہیں۔"

"ہاں...... ہاں ماشاء اللہ...... ماشاء اللہ۔" بڑی بھتیجی سر پر سلیقے سے دوپٹہ ڈالے چائے کی پیالی انہیں پیش کرنے لگی تو فوراً ہی اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور ماشاء اللہ کی گردان کر ڈالی۔

"میں تو جنرل بات کر رہا تھا۔ تمہارا دل دکھا تو معذرت۔" بھتیجی کے سامنے کچھ خفت کا احساس ہوا۔

"نہیں بھائی صاحب ہمارا دل بالکل نہیں دکھا۔" سمعیہ نے اپنی پیالی اٹھائی ساتھ ہی بیٹی کو بھی بٹھالیا۔

"ہماری بیٹیاں ہمارا فخر ہیں' ماشاء اللہ' میرا سارا گھر سنبھال رکھا ہے۔ اب دیکھیں میں یہاں مہمانوں میں اور جھٹ پٹ سارا کام کر دیا' اور پھر تعلیم میں بھی کسی سے پیچھے نہیں۔" سیف بھائی کو بیٹوں پر گھمنڈ کرتے تو اکثر ہی دیکھا تھا' اور دوسروں پر رکھ کر نشتر زنی بھی کر دیتے تھے۔ وہ ہمیشہ ہی برداشت کرتی آئی تھیں۔ مگر آج بیٹی کے سامنے ان کے رعونت بھرے الفاظ اور انداز اندر تک سلگا گئے۔ اسی لیے انہی کے انداز میں جواب دینے لگیں۔

"اب شہتاب بھابی کو ہی دیکھ لیں۔" انہوں نے چائے کی چسکی بھر کر پیالی دوبارہ پرچ پر رکھی۔

"تینوں بیٹوں کے پیچھے سارا دن پھرکی بنی گھومتی ہیں' پھر گھر کے باقی کام بھی تنہا' طبیعت بھی آج کل ٹھیک نہیں رہتی نا آپ کی۔" انہوں نے بات کرتے

کرتے ایک نظر بھابی کو تائیدی نظر سے دیکھا۔ جواب میں وہ تھوڑا سا مسکرائیں۔ ”مجھے تو آپ کی بہت فکر ہوتی ہے اب کوئی بیٹی ہوتی دکھ سکھ بانٹتی کام میں تھوڑا بہت ہاتھ بٹاتی آرام مل جاتا آپ کو بھی۔“

”نہیں بھئی میرے بیٹے تو بہت سمجھدار ہیں۔ اول تو گھر بکھیرتے ہی نہیں اور ویسے بھی اپنے چھوٹے موٹے کام تو وہ خود ہی کرلیتے ہیں۔ ماں کا بہت خیال کرتے ہیں۔“ سیف میاں کی سبکی کا احساس ان کے چہرے پر نمایاں تھا جس کا سمعیہ نے خوب لطف اٹھایا اور فوراً ہی بول پڑی۔

”بیٹے گھر ہستی کرتے کہاں مناسب لگتے ہیں؟ اور بھائی صاحب اللہ نے آپ کو اتنا نوازا ہے مگر آپ نے بھی کل وقتی ملازمہ کا بندوبست نہیں کیا“ گھسا دیا شہاب بھابی کو آپ نے اور آپ کے بیٹوں نے۔“ انہوں نے پیار بھرے لہجے میں جتلا کر بھابی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر مزید ہمدردی کا رنگ دیا۔ تو سیف میاں فوراً بولے۔

”میں نے تو کتنی بار تمہاری بھابی سے ملازمہ رکھنے کا کہا ڈبل ٹرپل تنخواہ پر مگر وہ کیا کہتے ہیں جوان ہوتے بیٹوں کی ماں ان کے ساتھ پھر سے جوان ہوجاتی ہے۔ خود ہی نہیں مانتیں کیوں شہجاب۔“ ان کی جھوٹی تائید چاہنے پر وہ کھسیانا سا ”جی“ کہہ کر رہ گئی۔

واثق نے کتنی ہی بار آنکھوں ہی آنکھوں میں سمعیہ کو گھر کا مگران کے اندر کا الاؤ کچھ طنز نکال کر ہی ٹھنڈا ہوا تھا۔ انہوں نے اب پھر کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر واثق نے اپنی ہلکی پھلکی باتوں اور لوازمات کی پیشکش سے موضوع بدل دیا۔ انہیں بڑے بھائی کی فطرت کا پتہ تھا وہ پھر کچھ اور کہہ دیتے وہ ہمیشہ سے ہی خود کو ماورائی مخلوق سمجھتے تھے اور بیٹے ہونے پر دوسروں کو طنزیہ باتیں بھی شروع کردیتے تھے...... دراصل ان کی ہر بیٹی کے ساتھ ان کے ہاں بیٹے کی پیدائش پر سر فخر سے تن جاتا اور چھوٹے بیٹے کے ساتھ واثق کے ہاں جڑواں بچیوں کی پیدائش پر تو بے اختیار کہہ گئے۔

"یااللہ! تیرا شکر‘ میں تو ایسی آزمائش سے بچا۔ جانے میرا بھائی کن گناہوں کا کفارہ بھر رہا ہے۔" چلتے پھرتے ایسے الفاظ تو وہ کہتے ہی رہتے تھے‘ حد تو تب ہوئی جب بھتیجا پیدا ہوا اور اسے خوب چومتے ہوئے کہنے لگے۔

"بھئی یقین نہیں آتا‘ واثق تمہارے ہاں‘ بھی بیٹا پیدا ہوسکتا ہے۔ بڑا کرم ہوگیا‘ ہم تو یہی سوچ رہے تھے کہ لو اب پھر پسے تم......" ان کی بات پر شہتاب اندر تک کلسی۔ وہ انہیں کئی بار سمجھاتی‘ کئی بار جھگڑی مگر سب بے سود گیا۔ اب بھی واپسی پر وہ ان سے جھگڑ رہی تھیں۔

"کیا ضرورت تھی اس طرح بات کرنے کی‘ ہمارے بچے پڑھ رہے ہیں یہ ان کی محنت ان کی تگ ودو‘ ان کی بچیاں پڑھ رہی ہیں‘ یہ ان کی خواہش...... اللہ تعالیٰ کو گھمنڈ پسند نہیں ہے سیف۔"

"اس میں گھمنڈ کی کیا بات ہے‘ جو سچ تھا کہہ دیا‘ ہماری ریس میں سب کچھ بیٹیوں پر لگادیا تو بیٹے پر کہاں سے لگائے گا‘ جب تک وہ بڑا ہوگا‘ نہ گھر رہے گا‘ نہ دم...... نگوں کے جڑاؤ جڑ دینے سے جوتی تاج نہیں بن جاتی بیگم...... ہونہہ۔"

"جو بیٹیوں کو اعلیٰ تعلیم دلوار ہے ہیں ان کے مستقبل کے لیے اتنا کچھ سوچ رہے ہیں‘ کیا بیٹے کے لیے کچھ نہیں سوچ رکھا ہوگا۔ وہ بھی تو ان ہی کی اولاد ہے۔" مگر شہتاب تنگ نظر میاں کو کیا اور کیسے سمجھائے‘ سو خاموش رہی اور ان کی نخوت بھری گردن مارنے پر بھنائی‘ اوپر سے تاج اور جوتی کی گھٹیا تشبیہ۔

اچھے بھلے موڈ میں یہ بات بچوں کے تعلیمی شوق اور سبجیکٹ سے شروع ہوئی تھی اور ختم میاں کے انتہائی فضول گھمنڈ اور گھٹیا سوچ پر۔

☆☆......☆☆......☆☆

یہ صرف اس دن کی بات نہیں تھی‘ بلکہ ان کی فطری سوچ میں شروع سے ہی صنف نازک کا کچھ خاص کردار نہیں تھا۔ اور کردار ہی کیا ہے عورت کا...... ارض زندگی میں......؟ لمحے کی سیک سے ہی موم کی طرح بہنے لگتی ہے۔ موم تو پھر چند سیکنڈ بعد جمنے کی صلاحیت رکھتا ہے‘ رک جاتا ہے‘ ٹھہر جاتا ہے‘ مگر عورت...... وہ بہہ گئی سو بہہ گئی‘ اس کی فطرت خصوصیات تبدیل ہو نہ ہو مگر اس کی ہیئت‘ اس کی شکل‘ اس کا وقار ضرور تبدیل ہو جاتا ہے اور یہی وقار شہتاب کا بھی تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ سیف کو کبھی اس کی اہمیت‘ اس کی ضرورت کا خاص احساس نہیں ہوا تھا۔ شاید کبھی کام سراہنے کے قابل کیا ہی نہ تھا۔ اولاد مرد کی قسمت سے ہوتی ہے۔ سو ہر پیدائش پر سر قسمت کی دیوی نے مزید اونچا کر دیا تھا۔ رزق کی نعمت پر اپنی محنت کو سراہتے رہے اور کیوں نہ سراہتے بھئی‘ دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے پورے نو بجے تو وہ گھر سے نکلتے تھے‘ دکان کھولنے کے لیے‘ دوپہر کا کھانا تک ملازم کے ہاتھ دکان پر منگوا لیتے نہ صرف اپنا بلکہ ملازمین کا بھی...... اور خوب کما کر تھک ہار کر رات گئے واپس آتے تو رزق تو انہی کی محنت کا ثمر ہوا ناں اور وہ اپنا یہ ثمرہ دل کھول کر بیٹوں کی اعلیٰ تعلیم اسکول‘ کالجز اکیڈیمز کے اخراجات پر خندہ پیشانی سے لگا رہے تھے۔ غالباً ان کے بیٹے بھی مکمل رسپانس دے رہے تھے۔ ہر سال اپنے ادارے کے وکٹری اسٹینڈ پر کھڑے ہوتے۔ بڑا بیٹا شاندار کامیابیاں سمیٹتا انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں بی اے کے تیسرے سمسٹر میں تھا۔ اس کی جی پی اے ہائی تھی۔ دوسرا بیٹا پری انجینئرنگ سیکنڈ ایئر کے امتحان کے ساتھ انٹری ٹیسٹ کی تیاری کر رہا تھا۔ جب کہ سب سے چھوٹا ابھی دسویں جماعت میں تھا مگر انتہائی لائق اور ہونہار...... اور ان کی قابلیت پر سیف میاں نہال‘ وقت اور پیسے کا کبھی کمپرومائز نہ کرتے تھے‘ کمپرومائز تو شہتاب بھی نہ کرتی تھیں بس بچوں کے ذمے پڑھائی لگا رکھی تھی‘ اور خود ان کی سہولت کے لیے بہت سخت روٹین بنائی تھی۔ بچوں کا سویرے خود سے اٹھنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔ تو وہ خود موذن کی اذان سے بہت پہلے اٹھ جاتیں‘ مجھلے بیٹے کو جگاتیں‘ زبردست سی کڑک چائے اور چند بسکٹ اس

کے پاس رکھنے کے بعد خود تہجد کے نوافل تسبیحات بیٹوں اور میاں کی کامیابی کے لیے چند روٹین کے وضائف پڑھتیں‘ ابھی کمر چند منٹ کے لیے بستر سے لگتی ہی تھی کہ اذان فجر ہوجاتی‘ نماز‘ تلاوت سے فارغ ہوتے ہی چھوٹے بیٹے کا تاکیدی الارم گونجنے لگتا‘ تو اسے جگانے لگتیں‘ چھوٹا بیٹا بے حد لاڈلا تھا‘ خوب دلار سے اٹھتا‘ اس کی پسند کے مطابق ہلکی سی دودھ پتی اور چند بسکٹ اس کے پاس رکھنے کے علاوہ اس کی کتابیں‘ کیلکولیٹر پوائنٹر‘ کاپی غرض کہ اس کی ہر وہ چیز جو رات کو پڑھتے پڑھتے آنکھ لگ جانے کی بنا پر انہوں نے سمیٹ کر رکھی تھیں‘ اسے پکڑاتیں اور وہ اپنا حق سمجھ کر وہ سب وصول کرتا اور تشکر بھری مسکراہٹ سے انہیں دیکھتا۔ وہ اتنے میں ہی نہال ہوجاتیں۔ اس کے گال پر پیار بھری چپت لگاتیں اور پھر کچن کا رخ‘ غالباً وقت پر ان سب کا ناشتہ تیار کرنا‘ ان کے یونیفارمز‘ جوتے‘ جراب سب بلا جھنجٹ ان کے کمروں تک پہنچانا اور وقت پر اسکول وکالج بھیجنے کے بعد میاں جی کا ناشتہ‘ گرم پانی‘ کپڑے تیار کرنا اور پورے ساڑھے آٹھ بجے انہیں جگانا‘ تاکہ وہ دکان سے لیٹ نہ ہوں‘ نہ صرف گھر میں موجود ان تینوں کو غیر محسوس طریقے سے سلانا‘ اٹھانا‘ ہر چیز وقت پر تیار رکھنا اپنا فرض سمجھتی بلکہ اسلام آباد ہاسٹل میں موجود بڑا بیٹا بھی اکثر فون پر تاکید کردیتا......

”مما کل میری بہت ضروری پریزینٹیشن ہے‘ پلیز رات ڈھائی بجے کال کرکے جگا دینا۔ ایک بار سب ریوائس کرلوں گا۔“

”او کے بیٹا ٹھیک ہے۔“

”اور پلیز مما جب تک میں اٹھنے کا ٹیکسٹ نہ کروں‘ آپ نے فون بند نہیں کرنا۔“

”اچھا...... اچھا میری جان‘ میں ابھی الارم سیٹ کرتی ہوں۔“ ان کے ممتا بھرے لہجے میں نہ تھکاوٹ ہوتی نہ تھکان‘ وقت بے وقت الارم گونجتے رہتے اور وہ کسی ربوٹ کی طرح گھڑی کی سوئیوں پر گھومنے لگتیں۔

موبائل کی جھنجھناہٹ پر سیف کسمساتے اور ناگوار سا منہ بنا کر کروٹ بدلی اور لحاف منہ تک تان لیا اور شہاب نے لمحے میں الارم آف کیا‘ لحاف اتارا اور بال سمیٹتے ہوئے بستر سے اٹھتیں۔ ان کی پور پور سراپا نیند بنی ہوتی مگر پھر بھی زبردستی آنکھیں کھولتیں‘ کسی بیٹے کو جگانے چل دیتیں یا پھر ناشتہ چائے...... جب نیند ایک بار زبردستی توڑ دو تو ناراض ہوجاتی ہے‘ پھر بھلے کتنی ہی کروٹیں بدلتے رہو نہیں آتی‘ یہی حال ان کا بھی تھا۔ میاں اور بچوں کی نظر میں تو پلیز تھوڑی دیر کے لیے اٹھ کر ہمیں جگا دینا‘ یا یہ کام کردینا پھر آرام سے سو جایئے گا۔ بھلا ایسی ڈیوٹی میں نیند آتی ہے۔ یہ صرف ان کی نائٹ ڈیوٹی نہ تھی بلکہ دن بھی اسی طرح ہنگامہ پروری میں گزر جاتا۔ بچوں کے اسکول وکالج کے الگ اوقات‘ پھر اکیڈیمز کی ٹائمنگ مختلف...... میاں کی اور روٹین۔ بسا اوقات نسرین دن کے بجائے دن ڈھلے آجاتی‘ پھر اڑوس پڑوس اور رشتے ناطوں کے تقاضے الگ...... اگر چند منٹ کے لیے بستر پر لیٹتی تو ڈور بیل بج جاتی‘ ادھر چند لمحوں کے لیے آنکھ لگی تو کوئی ضروری کام یاد آگیا اور وہ کسی بیدار سپاہی کی طرح ہوشیار باش...... جمائی سے اکڑے دہانے پر کبھی تھکاوٹ کا احساس نہ ہوتا۔ جس تھکن کو انہوں نے کبھی محسوس نہیں کیا۔ وہ جسم میں اترتی کہیں اپنی جگہ ضرور بنا رہی تھی۔ اکثر ہی سر میں درد رہتا اور اب وہ بڑھتا ہوا کمر تک پھیل رہا تھا۔ فوری علاج کے لیے پین کلر لے لی اور اگر نوعیت بڑھ جاتی تو گلی کے سرے پر موجود میڈیکل اسٹور سے دوا منگوالی۔ اب بھی وہ کمرے سے نسرین کی تنخواہ لانے کے ساتھ دوا کھا کر آئی تھیں‘ مگر دوا میں شفا محسوس نہیں ہورہی تھی۔ نسرین کو فارغ کرنے کے بعد میاں کے احساس برتری پر طنزیہ مسکرائیں اور ساتھ ہی آنکھیں موندے بیٹھ گئیں۔ غالباً ان کے لفظ تین بیٹے سر پر ہتھوڑے کی طرح لگے تھے۔ درد تو پہلے ہی تھا مگر اب کسک بھی چبھ رہی تھی کہ ”احساس ہوا بھی تو صرف دوسروں میں سبکی کے ڈر سے...... خیر“

”لو بیگم تمہارے لیے لنچ کا بندوبست کردیا‘ پیسہ دو‘ جتنے مرضی خدمت گزار رکھ لو۔ خوامخواہ ہی لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع کیوں ملے؟“ وہ چائے کا خالی کپ جب میز پر رکھنے کے بعد سیدھے ہوئے اور نظر ان پر گئی تو آنکھیں سکیڑ کر کہنے لگے۔ ”تمہیں کیا ہوا......؟ خوش ہونے کی بجائے سانپ سونگھ گئے؟“ وہ جواب میں آنکھیں کھولے بغیر ہی نفی میں سر ہلانے لگیں‘ جیسے کہہ رہی ہوں کہ ”کچھ نہیں ہوا۔“

بلال باپ کے استفسار پر چونکا اور پھر اپنی پریکٹیکل نوٹ بک رکھ کر فوراً ہی اٹھا اور ان کے ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہی قدرے جھکا۔

”پھر درد ہو رہا ہے نا۔“ ان کے نفی میں سر ہلانے اور اس کا ہاتھ ماتھے سے اٹھا کر چوم لینے کے باوجود اس کی پریشانی دور نہ ہوئی۔ وہ چند لمحے انہیں دیکھتا رہا پھر بابا سے کہنے لگا۔

”کل سے ان کے سر میں بہت درد ہے‘ دوا بھی اثر نہیں کر رہی...... کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھائیں۔“

”ایج فیکٹر ہے بیٹا جی...... اب سارا دن ادھر ادھر بیٹھ بیٹھ کر بھی تو اکتاہٹ سے سر دکھنے لگتا ہے اور ویسے بھی آج کل ہر دوسرے کے ساتھ کوئی نہ کوئی مسئلہ ہے۔“ وہ کرنٹ افیئر چینل سرچنگ میں مصروف تھے‘ اور ان کے جملے سے شہتاب کے ماتھے پر کئی لکیریں ابھریں۔

”نہیں بابا۔“ وہ ماں کے چہرے کو کھوجتے ہوئے متفکر لگا۔

”مما واقعی ٹھیک نہیں ہیں۔ پلیز آپ ان کو کسی کو دکھائیں‘ ان کی آنکھوں کے گرد حلقے بڑھتے جا رہے ہیں۔ رنگت بھی زرد اور پھر ویک بھی کتنی ہوتی جا رہی ہیں۔“ اس کے معصوم سے لہجے کی چھلکتی پریشانی پر انہوں نے فوراً آنکھیں کھولیں اور سیدھی ہو بیٹھیں‘ پورے گھر میں ایک وہی تو تھا جو ان کی تکلیف کو محسوس کرتا تھا۔ اپنائیت بھری نگاہوں کا اعزاز بخشتا تھا۔ پھر ایسے اعزاز کی کوئی کیونکر قدر نہ کرے۔ فوراً ہی اس کے دونوں ہاتھ گرم جوشی سے تھامتے ہوئے بولیں۔

”میں ٹھیک ہوں میری جان! تم پریشان کیوں ہوتے ہو؟“

”پہلے پریشان کردیا بچے کو‘ اب مسکرا کے حوصلہ دے رہی ہو۔ تمہارا ابھی جواب نہیں بیگم۔“ سیف کی خفگی بھری بڑبڑاہٹ پر بلال نے ہنستے ہوئے شہتاب کے کندھوں کے گرد بازو پھیلایا اور سر سے سر ملایا۔

”میں کوئی پریشان وریشان نہیں ہوں‘ بس آپ کل ڈاکٹر سے ٹائم لیں لازمی۔“

”کل۔“ وہ کچھ دیر سوچ کر بولے...... ”کل تو ہارون کی بیٹی کی شادی ہے۔“ انہوں نے نہ صرف سرسری انداز میں یاددہانی کی بلکہ پورا پروگرام ترتیب دے دیا۔

”تم ایسا کرنا ذرا جلدی چلی جانا‘ وہ ویسے ہی شکوہ کرتا رہتا ہے‘ بھابی فارغ رہتی ہیں۔ پھر بھی چکر نہیں لگاتیں۔ میں کھانے پر آؤں گا...... اب دکان سے نکلنا بھی تو آسان نہیں۔“ وہ کیا کہہ رہا تھا‘ اور بابا کو دوست کی بیٹی کی شادی کی پڑی ہے۔ وہ سنتے ہی بگڑا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

”کمال کر رہے ہیں بابا؟ جانتے بھی ہیں شادی میں کتنا ہنگامہ ہوتا ہے اور مما کی طبیعت......“

”او یار......“ وہ ہاتھ جوڑ کر جان چھڑانے والے انداز میں بولے۔ ”لے جاؤں گا واپسی پر‘ تمہاری ماں کو ڈاکٹر کے پاس‘ اب خوش۔“

❁......❁......❁

ان کی رپورٹس پڑھتے ہوئے ڈاکٹر کی بھنوؤں کا درمیانی فاصلہ خاصا سمٹ گیا تھا۔ اس نے پڑھتے پڑھتے ایک نظر مضمحل شہتاب کے چہرے کو جانچا اور پھر نظریں کاغذ پر جھکالیں۔ ہلکے سے ہونٹ سکیڑتے عینک اتاری اور گردن کو مصنوعی جنبش دیتے ہوئے کہا۔

”ہاں سب ٹھیک ہے۔“ فائل ٹیبل پر رکھی اور بھنویں

اچکا کر سیف میاں کو دیکھا۔

"آپ میرے کمرے میں آئیں۔" ڈاکٹر جو کہہ رہا تھا' انہیں وہی سنائی دیا یا کچھ غلط فہمی ہوئی تھی۔ وہ کچھ فیصلہ نہ کرپائے' بس آنکھیں تھیں جو پھیلتی جارہی تھیں۔ دراصل شادی سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ دکان پر خاصا رش لگ گیا۔ ملازم نے اطلاع دی تو وہاں سے جلدی نکلنا پڑا۔ بیگم کو ٹیکسی سے گھر بھجوایا اور خود بائیک پر پہنچے۔ اس بات کو بھی تین' چار دن گزر گئے' مگر وقت نہ ملا' پھر رات کو اچانک شہتاب کی طبیعت شدید خراب ہوگئی۔ صبح تک بہت سی پین کلرز استعمال کی گئیں۔ آٹھ بجے انہیں بے ہوشی کی حالت میں ہاسپٹل کی ایمرجنسی میں لایا گیا۔ فوری ٹریٹمنٹ کے بعد ڈاکٹرز نے سٹی اسکین اور چند بلڈ ٹیسٹ کروائے۔ جن کی رپورٹ روح منجمد کردینے کے مصداق آئی تھیں۔ ڈاکٹر کے الفاظ سن کر وہ کرسی میں دھنسے جارہے تھے اور ایک گہری سانس کھینچ کر بول سکے تو فقط اتنا۔

"اتنا سب اچانک کیسے ہوسکتا ہے؟"

"اچانک......" ڈاکٹر نے لفظ اچانک کو دہرایا۔

"اچانک کیوں؟ آپ نے خود ہی تو بتایا تھا کہ انہیں دو' تین سال سے تکلیف تھی اور آپ اپنی منتخب کردہ ادویات استعمال کرارہے تھے۔"

"ہاں۔" ان کی آواز پاتال میں اترتی محسوس ہوئی۔

"درد میں بندہ پین کلر ہی لے گا ناں۔"

"مسٹر! مانا سیلف میڈیکیشنز ہمارے کلچر کا حصہ ہے۔ مگر ایک حد تک' تکلیف در تکلیف' اور وہ بھی مستقل' پھر تو ایسا ہونا ہی تھا ناں...... اگر سیلف میڈیکشنز سے چند دنوں میں آرام نہیں آرہا تو خدارا ڈاکٹرز کس لیے ہیں؟ کس لیے اتنا دماغ کھپاتے ہیں؟ مگر یہ سب پبلک کو کیسے سمجھائیں؟" ان کی ہونق حالت دیکھ کر ڈاکٹر کو اپنی تلخ زبانی کا احساس ہوا تھا۔ شاید اسی لیے وہ اپنا لہجہ نرم کرتے ہوئے بولے۔

"دیکھیں' اگر آپ جلدی لے آتے تو علاج ممکن ہی نہیں آسان بھی تھا...... بہرحال۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کی پشت پر کھڑے ہوئے اور کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے حوصلہ دیا۔ "آپ ہمت رکھیں' دعا کریں' اللہ تعالیٰ بہت رحم کرنے والا ہے۔"

❁......❁......❁
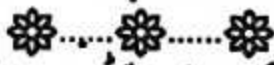
شہتاب کو انتہائی خطرناک اسٹیج پر برین کینسر تھا۔ جو اب اسپنل کورڈ کی طرف سرایت کررہا تھا۔ یہ بیماری ان میں کئی سال سے پنپ رہی تھی۔ مگر وہ خود کو مضبوط بنائے روبوٹ بنی رہیں اور اس خفیہ تکلیف کو اہمیت نہ دی۔ یقیناً اس سے ہار ماننا نہیں چاہتی تھیں۔ ان کے لیے ان کا گھر' بچے' میاں ہی سب کچھ تھا مگر جب یہ تکلیف عیاں ہوئی تو وہ بری طرح سے ڈگمگا گئیں۔ گھر' بچے' میاں سب بکھرتے ہوئے محسوس ہوئے۔ ہار کا تصور ہی انسان کو شکست خوردہ بنادیتا ہے' جیسے تیز و تند ہوائیں پہاڑ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں مگر ریت کے ڈھیر کو اپنی مرضی سے بکھیرتی' سمیٹتی شکلیں دیتی ہے۔ بالکل اسی طرح جب شہتاب پر لیزر ٹریٹمنٹ شروع ہوا تو وہ بھی بکھرنے لگی۔ وہ تکلیف دہ مراحل ان کے لیے ناقابل برداشت ثابت ہوئے۔ وہ رپورٹ بن کر جیتی آئی تھیں مگر اصل مشینوں کا استعمال چند ہفتے بھی برداشت نہ کرپائیں۔

❁......❁......❁

یہ وہی گھر تھا' وہی جنت جو سیف نے چوبیس برس میں بنائی تھی۔ جس کی ایک ایک چیز میں قرینہ تھا' سلیقہ تھا' جس میں قدم رکھتے ہی زندگی' تحفظ اور سکون کا احساس ہوتا تھا' جس میں ہر چیز بغیر مانگے اپنی ہی جگہ اور وقت سے پہلے میسر تھی۔ جہاں موسموں کے گزرنے کا احساس تکلیف دہ نہیں بلکہ سکون آور تھا' مگر یہ رب کی بنائی ہوئی جنت تھوڑی تھی' جس میں کبھی کمی نہ آتی...... یا ہر چیز' ہر کام ہمیشہ کے لیے ہوتا...... یہ تو ایک عورت کا بنایا گھر تھا' بے شک اس میں اس کی کوئی خاص تگ و دو نہ تھی اس گھر کے مرد ہی بہت تمیزدار تھے سلجھے ہوئے' تعلیم یافتہ تھے پھر آج وہی گھر انہی تمیزدار' سلجھے' تعلیم یافتہ افراد

کے ہوتے ہوئے بے یار ومددگار کیوں ہوگیا تھا؟ غالباً پہلے دن میت کے پاس تو افسوس کرنے والوں کا خوب رش تھا۔ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی مگر جیسے ہی رحمت کے پر لپٹے اور تدفین کے لیے اٹھے تو گھر بھی خالی ہونے لگا۔ کون کتنی دیر کسی کے پاس افسوس کے لیے بیٹھے' بچے اور سیف میاں گھر سے باہر مردوں میں تھے۔ رشتے دار' پڑوسی خواتین ایک ایک کرکے جانے لگیں' چند گلیاں چھوڑ کر سیف کی سسرال تھی' ساس' سسر تو کب کے فوت ہوچکے تھے' دو شادی شدہ سالے تھے اور ایک کنواری سالی جس کی چند ماہ پہلے منگنی ہوئی تھی' وہ سب لوگ بھی شام تک اپنے گھر چلے گئے' کہ صبح پھر سے آجائیں گے...... البتہ سمیعہ بھابی اور ان کی بچیاں سوئم تک رک گئی تھیں...... گھر دیکھ کر ان کا کلیجہ منہ کو آتا شہتاب بھابی چلتی' پھرتی کام کرتی نظر آتیں' تو ان کی اپنی طبیعت بھی خراب ہونے لگی۔ وہ بھی اپنے گھر چلی گئیں۔ ساتھ بیٹیوں کو بھی لے گئیں۔

❁......❁......❁

دن پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا۔ چڑھی دوپہر تھی مگر گھر میں ویرانہ اتر آیا تھا۔ جب بھی وہ سیف سے کہتیں۔

"ذرا لائٹ آن کردو۔" وہ خوب چڑا کرتے۔

"بھئی نام تو تمہارا شہتاب ہے اور روشنی کی ضرورت مجھ سے پڑتی ہے۔" اور آج اس نام کی اصل اہمیت کا پتہ چلا تھا۔ جب چنچلاتا دن ان کے بغیر بے آب ہوگیا تھا۔ عموماً ایسے موقعوں پر عزیز رشتے دار چند دن رکتے ہیں گھر میں موجود کوئی نہ کوئی خاتون ہوتی ہے' جسے پرسہ دینا ہو' ہمت بندھانی ہو' مگر وہاں ایسی کوئی نہ تھی' جس کے لیے دوسری خواتین رکتیں۔ بس چلتے چلتے ایک سے لفظ کہہ کر رخصت ہونے لگیں۔

"حوصلہ رکھنا' ہم آتے جاتے رہیں گے' کھانے کی فکر مت کرنا' سب ٹھیک ہوجائے گا بھائی' میں پھر چکر لگاؤں گی بھیا' کوئی کام ہو تو گھبرانا نہیں' تکلف نہ کرنا بھائی جان' میں بھی تمہاری ماں جیسی ہی ہوں بیٹا! غیر نہ سمجھنا۔" کہہ دینے اور کردینے میں بہت فرق ہوتا ہے اور کون کب تک ذمہ داری اٹھا سکتا ہے۔

سمیعہ بھابی نے خوب خیال کیا' کبھی خود آجاتیں' کبھی بچیوں کو بھیج دیتیں' وہ نسرین سے صفائی کروادیتیں' کپڑے سمیٹ دیتیں' کھانا پکا کر رکھ جاتیں' کبھی میاں یا بیٹے کے ہاتھ کھانا بھجوادیتیں تو کبھی فون کرکے بلال وغیرہ میں سے کسی کو بلوالیتیں۔ ان کی سالی بھی کئی دن تک خیال کرتی رہی' باقاعدگی سے بھائی اور بھانجوں کے پاس آتی جاتی' ان کے کام سمیٹ جاتی' مگر دنیا میں آنکھ کی نمی سے زیادہ زبان کے خنجر دیکھے جاتے ہیں' لوگوں نے وہ نیام سے نکالنے شروع کردیئے' سالی نے اپنے قدم روک لیے اور سمیعہ نے بیٹیاں...... مگر وہ خود چار' پانچ دن بعد میاں کے ساتھ آتیں اور کچھ کام کرجاتیں...... مگر کب تک......؟

پھر اس سلسلے میں بھی اپنی مجبوریاں' مصروفیت آڑے آنے لگیں اور وقفہ مزید بڑھتا گیا' گھر خاصا بدنظمی کا شکار ہونے لگا۔ وہی نسرین جو اعتبار کا دم بھرتی تھی اور بچی چھوڑ دینے پر راضی تھی' اب بچی تو کیا خود بھی کام سے کترانے لگی' سیف میاں نے بارہا منتیں کیں' تنخواہ مزید بڑھانے کا لالچ دیا مگر اس نے صاف کہہ دیا۔

"صاحب جی' آپ پر تو اعتبار ہے' مگر وقت پر نہیں' ہم غریب ضرور ہیں مگر برادری والے ہیں' ایسے گھر میں کام کریں جہاں مرد ہی مرد ہوں تو لوگ باتیں بناتے ہیں۔" سیف سن ہوئے دماغ اور آنکھوں سے اسے دیکھتے رہ گئے مگر وہ کہے گئی۔

"جب سمیعہ باجی یا کوئی اور باجی گھر میں آئی ہوں تو بے شک مجھے بلوا کر جتنا مرضی کام کروالینا' میں کردوں گی ورنہ...... صاحب جی میں مجبور ہوں۔" وہ اچھی طرح اپنے گرد دوپٹہ لپیٹتی پاؤں گھسیٹتی باہر نکل گئی اور وہ ہکا بکا دیکھتے رہ گئے۔

"پیسے دو' جتنے مرضی خدمت گزار رکھ لو۔" یہ ان کا دعویٰ تھا اور اب پیسہ بھی تھا' مگر دنیا جانے کیوں خدمت گزاروں سے خالی ہوگئی تھی۔ کھانے کا اتنا مسئلہ نہ تھا' کبھی بازار سے لے آتے' کبھی سمعیہ یا کسی اور کے گھر سامان بھجوا دیتے اور تیار کھانا آجاتا...... مگر اور بہت سی چھوٹی چھوٹی ضروریات تھیں جو اب نظر آنے لگی تھیں...... بچوں کا بہت سا وقت چیزیں تلاشنے میں گزر جاتا' پھر اکتاہٹ اور بیزاری تعلیم پر اثر انداز ہونے لگی' الارم بجتا' ہاتھ مار کر بند کردیا۔ یقیناً آنکھ تو کھل گئی ہے ابھی اٹھ جائیں گے اور پھر آنکھ لگ جاتی' اکثر ہی انہیں دیر ہوجاتی' وہ دکان جو پورے نو بجے کھلتی تھی' اب بارہ ایک بجے تک کھلنی مشکل ہوتی۔ روٹین بدلنے سے گاہکوں کے رخ بدل گئے اور آمدن متاثر ہونے لگی۔ حد تو تب ہوئی جب موسم نے رخ بدلا اور ہوائیں ٹھٹھرانے لگیں۔ یقیناً موسم کی بے رخی پر گرم چیزوں کی طلب فطری تھی۔ گرم کپڑے' شال' لحاف' ڈھونڈنے میں سارا گھر چھان مارا' گھر تو لنڈا بازار میں بدلا تھا' مگر ان کی محنت رائیگاں نہیں گئی' مختلف کپ بورڈز اور پیٹی صندوق میں سے وہ سب مل گئے لیکن ان میں عجیب سی سیلن زدہ بو تھی۔ جس میں تعفن کا احساس تھا اور دم گھٹنے لگا۔

❀......❀......❀

انہیں وہ ہر اس لمحے میں یاد آنے لگیں' جب سخت سردی میں چائے کی طلب ہوتی' جب سلیپر نہ ملتے' جب پیاس کے وقت فریج میں خالی بوتلیں منہ چڑاتیں' جب گرد میں اٹا سلوٹ زدہ بستر منتظر ہوتا' جب کال ملانے لگتے اور فون کی بیٹری آف ہوتی' جب بچوں کے یونیفارم بغیر استری کے ہوتے اور لائٹ چلی جاتی اور...... اور جب نظر کا چشمہ کہیں رکھ کر بھول جاتے' تو سچ مچ آنکھوں میں پانی تیر جاتا۔

"تم تو ہر وقت فارغ ہی دکھائی دیتی تھیں' پھر یہ سب کام کون کررہا تھا؟ مجھ سے ناراض ہوکر کہاں چلی گئی ہو تم؟ پلیز آجاؤ......" وہ سیلن زدہ لحاف اوڑھتے ہوئے خود کلامی کرنے لگے۔ ان سب ضروریات کی تکلیف اپنی جگہ مگر لوگوں کے رویے اور انداز نے تو بالکل ہی توڑ دیا' ان کے گھر کے در و دیوار' مہینوں نسوانی آواز سننے کو ترستے' زندگی سے خوف ناک وحشت ہونے لگی تھی اوپر سے ملنے جلنے والوں کے مشورے' بھائی دوسری شادی کرلو۔ ایسے حالات میں دوسری شادی مسائل کو مزید ہوا دینے کے مترادف تھی۔ بڑا بیٹا پہلے ہر ماہ ویک اینڈ پر اسلام آباد سے لاہور آجاتا تھا۔ مگر اب ماں کے بعد گھر سے اکتاہٹ ہوگئی تھی۔ اتنی پیکنگ' سفر کرکے تھک کر پہنچو اور سامنے استقبال کے لیے ماں کا ممتا بھرا وجود نہ ہو اوپر سے گھر میں پھیلی بدنظمی' اس سے تو بندہ ہاسٹل میں ہی بھلا...... اور وہ کئی کئی مہینے نہ آتا۔

شہاب کی اچانک بیماری اور وفات کے بعد منجھلا بیٹا انجینئرنگ کا انٹری ٹیسٹ نہ دے سکا' اور سال گزر جانے کے بعد بھی ڈسٹربنس کے باعث کوئی خاص تیاری نہ تھی۔ منزل کے قریب پہنچ کر نظر آتی ناکامی سے وہ بہت چڑچڑا اور بدتمیز ہوگیا تھا' بات بے بات جھگڑنے لگتا' چیخنے چلانے لگتا' اور سب سے چھوٹا بلال ماں کے بہت قریب تھا اور ان کے بعد بے تحاشا بکھر گیا...... وہ باپ اور ان کی مصروفیات کو ہی موردِ الزام ٹھہراتا' روتا' دھوتا اکثر ہی بستر پر پڑا رہتا' وہ اپنی ماں کی تصویر تو کیا' سایہ بھی کسی کو دینے پر راضی نہ تھا' چہ جائیکہ ان کا مقام...... ایسے میں سیف میاں دوسری شادی کا سوچ بھی کیسے سکتے تھے۔

❀......❀......❀

وہ اپنی سوچوں میں غلطاں موٹر بائیک پر سوار دکان جارہے تھے جانے ان کی نظروں کے سامنے گزرا شہاب (جگنو) سا ماضی تھا' یا پھر بے آب سا حال' سامنے سے تیزی سے آتا گوالے کا بائیک انہیں جانے کیوں نظر نہ آیا۔ بائیک پر لٹکا دودھ بھرا ڈرم بری طرح ان کے گھٹنے سے ٹکرایا' درد کی شدت اتنی تھی کہ بائیک بے قابو ہوکر ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ لڑکھڑاتے ہوئے

سیڑک پر جا گرے۔ ان پر پے در پے مشکلات آرہی تھیں۔ ایسے لگتا تھا کہ تمام رحمت کے سائے سمٹ گئے ہیں۔ فضا میں صرف لو دیتی شعاعیں ہی رہ گئی ہیں' غالباً ان کے گھٹنے کی ہڈی بری طرح فریکچر ہوئی تھی' پلاسٹر چڑھا کر بہت سی ہدایات کے ساتھ ڈاکٹر نے انہیں ہاسپٹل سے فارغ کردیا۔ پہلے مشکلات کم تھیں کہ اوپر سے محتاجی آ گئی۔ آج سے پہلے جب ذرا سی تکلیف ہوتی' تو شہتاب کی شامت آجاتی' کھانے پینے کے نخرے' معمولی سی آہٹ' شور پر جھنجلاہٹ اوپر سے ایک ہی بات "کم از کم بیماری میں ہی میرا خیال کرلو۔"

اب بستر پر لیٹے نقاہت سے کروٹیں بدلتے اس کا ایک ایک خیال تنگ کررہا تھا' دونوں سالے اور بھائی اپنی بیوی کے ساتھ کئی دن آتے جاتے رہے' تیمارداری کرتے رہے' بیٹے بھی انہیں اٹھانے' بٹھانے میں مدد کرتے رہے' بڑا بیٹا' ان کے حادثے کا سنتے ہی ایک ہفتے کی چھٹی لے کر آ گیا تھا۔ ہفتہ گزرنے کے بعد بھی وہ فیصلہ نہیں کرپایا کہ جائے یا نہ جائے۔ اگر چلا جاتا ہے تو دونوں چھوٹے بھائی انہیں کیسے سنبھالیں گے اور اگر نہیں جاتا تو کلاسز مس ہورہی ہیں اور پیپرز بھی قریب ہیں' اس کا ایم بی اے کمپلیٹ ہونے میں تقریباً ڈیڑھ سال کا عرصہ باقی تھا۔ وہ جانے نہ جانے کی کشمکش وبیچ میں ہی تھا جب سیف میاں نے اسے اپنے قریب بٹھایا' سارے مسائل کھول کر اس کے سامنے رکھ دیے تو وہ اپنی حیرت ظاہر کرتے ہوئے انہیں دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بابا! یہ سب مسائل میں کیسے حل کرسکتا ہوں۔"

"تم کرسکتے ہو بیٹا۔"

بابا کے آہستگی سے کہنے پر اس نے آنکھیں سکیڑی اور ناسمجھی کے عالم میں انہیں دیکھنے لگا۔ ان کی الجھن کو فوراً ہی وہ سمجھ گئے اور پیار بھرے انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ایان...... بیٹا تم اپنا ایم بی اے فریز کروادو۔"

"جی......" اس کے منہ سے تحیر بھرا جی نکلا۔ وہ

بے بسی، بے کلی، بے خودی دے گیا
کچھ نئے تجربے اجنبی دے گیا
سوچنے کے لیے پل کی مہلت نہ دی
جاگنے کے لیے اک صدی دے گیا
جان و دل جسم سے کھینچ کر
ہاں مگر روح کی تازگی دے گیا
اس کے آنے سے ہر اِک کمی مٹ گئی
جاتے جاتے وہ اپنی کمی دے گیا
اس کی سوداگری میں بھی انصاف تھا
زندگی دے گیا، زندگی لے گیا
(جویریہ ضیاء کی پسند کراچی سے)

حیران تھا کہ بابا تو زیادہ سے زیادہ تر پڑھانے کے خواب دکھاتے آئے تھے پھر اب یہ کیسے......؟

"دیکھو...... بیٹا۔" وہ اس کی نظروں کی حیرت اور اچانک شاک پر بہت دھیمے لہجے میں سمجھانے لگے۔

"ایک دو ماہ تک تو میں بالکل چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوسکتا۔ بلال اور شاہ زین ابھی چھوٹے ہیں اور ماں کے بعد سے خاصے ڈسٹرب بھی۔ دکان ہفتے سے مکمل بند پڑی ہے۔ اگر کاروبار ٹھپ ہوگیا تو کہاں سے سب چلے گا۔ پلیز بیٹا...... تمہاری بہت ضرورت ہے' ابھی چند ماہ بعد تم وہاں سے این او سی لے کر لاہور کی کسی یونیورسٹی سے کمپلیٹ کرلینا۔ یہی حالات کا تقاضا ہے۔ ورنہ تو بہت مشکل ہوجائے گی پلیز بیٹا۔" وہ چند لمحے تک تو کچھ بول نہ سکا' بس خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔ ان چند لمحوں میں اپنی ماں ہزار بار یاد آئی۔ بابا اکثر کہتے تھے۔

"کہ میرے بچوں کی تعلیم انہی کی ان تھک محنت ہے۔ (ہونہہ) حالانکہ یہ تو مما کا خراج تھا۔"

اس نے بہت ہمت مجتمع کرکے بابا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھاما اور لہجے کی نمی کو مردانگی سے قابو کرتے ہوئے تھپتھپایا۔

"اوکے بابا...... آپ فکر نہ کریں...... اور ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟" اپنے اوپر بابا کی گہری نگاہوں سے وہ یقیناً کنفیوز ہوا تھا۔ شاید وہ بھی کیریئر کے لیے جنونی بیٹے کا حوصلہ دیکھ کر حیران تھے۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا بیٹا سمجھدار ہوگیا ہے۔"

"اوں...... ہاں۔" اس نے مسکرا کر بھنویں سکیڑیں پھر اچکائیں تاکہ ان کی کسمپرسی کچھ تو دور ہوسکے۔

❁......❁......❁

اس کا ایم بی اے ایک بار فریز ہوگیا تو ہمیشہ کے لیے ہی ہوگیا تھا۔ دراصل پڑھا لکھا تو تھا ہی' بہت جلد کاروباری اصول سمجھ گیا۔ بے شک یہ بڑا کاروبار اس کے مزاج اور تعلیم کے مطابق نہ تھا۔ مگر سب کرنا تو تھا ہی...... ویسے بھی انسان کا مزاج اس کی ضروریات اور مجبوریوں کا محتاج ہوتا ہے۔ وہ جس سانچے میں ڈھال دئیے ویسا ہی ڈھلا مجسم نظر آتا ہے۔ اور وہ بھی ڈھل گیا...... اسے باقاعدگی سے دکان سنبھالے چار ماہ گزر گئے تھے۔ اب سیف بھی دکان پر آ کر بیٹھ جاتے' مگر ان سے پہلی سی بھاگ دوڑ نہ ہوتی تھی۔ ویسے بھی نیا سمسٹر شروع ہونے میں دو تین ماہ تھے تو وہ تندہی سے ان کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔ واپسی پر وہی بکھرا میلا گھر' دل اچاٹ کردینے والا کمرہ اور چڑچڑے بھائی...... تھکاوٹ تو کیا اترتی اور سوا ہوجاتی...... ان سب کا حل صرف ایک وجود تھا' نسوانی مہارت لیے وجود......

"بابا...... آپ میری شادی کردیں' تعلیم بعد میں مکمل ہوجائے گی' پہلے یہ گھر تو مکمل ہو زندگی تو ڈگر پر آئے۔" ان کو بیٹے کی تجویز بے حد پسند آئی' غالباً ان کے منہ سے الفاظ چھین لیے تھے۔ کیونکہ سب یہی کہہ رہے تھے۔ "بہو لے آؤ' رونق ہوجائے گی' بچے ہوں گے تو گھر گھر لگے گا۔" وہ خوشی میں اتنے نہال تھے کہ ہتھیلی پر سرسوں جمانے لگے اور بہت جلد سمعیہ کی مدد سے اسی کے میکے میں نہ صرف رشتہ پکا کیا بلکہ ایک ڈیڑھ ماہ میں شادی بھی طے پاگئی۔

انمول موتی

❖ ہمیشہ یاد رکھیے ان لوگوں کو جنہوں نے آپ کی جیت کے راستے میں اپنا سب کچھ کھودیا۔

❖ ٹوٹ کر محبت کرنے والے اکثر بچھڑ جاتے ہیں۔

❖ محبت کرو مگر مقدر سے شکوہ نہ کرو کیونکہ محبت میں کامیابی ہر کسی کو نہیں ملتی۔

❖ پیار کوئی مجبوری نہیں ہوتا' آپ اسے نبھا نہیں سکتے تو ایک خوب صورت موڑ دے کر چھوڑ دیں' کیا فائدہ چلتے اور چلے جانے کا۔

❖ پیار وہ جذبہ ہے جس کی پاکیزگی پر پوری دنیا قربان کی جاسکتی ہے۔

❖ انسان سب کچھ بھول جاتا ہے سوائے ان لمحوں کے جب اسے اپنوں کی ضرورت تھی اور وہ پاس نہ تھے۔

❖ محبت اور بارش ایک جیسی ہوتی ہیں' دونوں ہی یادگار ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بارش صرف جسم بھگوتی ہے اور محبت دور رہ کر آنکھیں بھگو دیتی ہے۔

عروسہ پرویز...... کالس

اداسیوں میں رچے بسے سوگ پر آہ وبکا کرتے بے یارو مددگار در و دیوار خوشیوں میں نہا گئے۔ بے شک خوب ہلہ گلہ نہیں ہوا تھا مگر گھر میں اور خاص کر ایان کے چہرے پر دھنک بکھر گئی تھی۔ گھر بہت حد تک منظم ہونے لگا۔ سیف میاں خوش ہوگئے' بے شک شہاب کی کمی اپنی جگہ تھی اور کوئی رشتہ بھی وہ تقاضے پورے نہیں کرسکتا تھا' مگر پھر بھی گھر میں سکون در آیا۔ سوسائٹی کا ان پر اعتبار پھر سے بحال ہوگیا تھا۔ نسرین پھر سے اعتماد کا دم بھرنے لگی' خود تو کیا اپنی بیٹی کو بھی بہت دیر کے لیے لے آتی' گھر میں آوازیں گونجتیں۔

اسماء ایک اچھی لڑکی تھی' اس نے بہت جلد اپنی صلاحیتوں سے گھر سنبھال لیا تھا۔ بے شک سارے کام منظم طریقے سے اور وقت پر ہورہے تھے' وہ خود بھی بہت

خوش گفتار بچی تھی مگر پھر بھی سیف میاں نے محسوس کیا کہ ایان کے سامنے وہ زیادہ خوش اور بااعتماد دکھائی دیتی ہے کھنکتی آواز' گونجتے شوخ قہقہے' بلاتکلف ان سب کے درمیان آ کے بیٹھنا' ہنسنا بولنا' سب کا خیال رکھنا مگر اس کی غیر موجودگی میں کچھ جھجک' کوئی فاصلہ' کوئی دوری یا ان دیکھی دیوار' کچھ نہ کہہ سکنے والا انداز یا پھر اپنے آپ میں قید ہو جانا' سمٹ جانا...... پہلے پہل تو یہی تھا کہ نئی نئی ہے' شرم آتی ہوگی' لیکن کئی ماہ گزر جانے کے بعد بھی کچھ تھا ضرور...... وہ یہ فاصلہ اپنی محبت وشفقت سے پاٹنا چاہتے تھے' وہ اسے بیٹی بنا کر لائے تھے اور بیٹی ہی بنا کر رکھنا چاہتے تھے۔ بیٹی بنا لینے اور بیٹی عطا ہونے میں واضح فرق ہوتا ہے۔ اللہ کی بنائی یہ حد فاصل ان پر اب عیاں ہوئی تھی۔

❀......❀......❀

وہ اس کے کمرے کی طرف آ رہے تھے' ابھی ادھ کھلے دروازے سے اندر داخل بھی نہ ہوئے تھے کہ وجود سن ہو کر پہاڑ سا بن گیا اور پاؤں تو لگتا تھا میخوں سے زمین پر گاڑھ دیئے گئے ہوں۔ سارے بدن پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ اپنا آپ تعفن سے کم نہ لگا۔ وہ بڑی مشکل سے آنسو روکتے خود کو گھسیٹتے اپنے کمرے تک گئے تھے۔ غالباً اس وقت ایان دکان پر تھا اور وہ خرابی طبیعت کے باعث گھر پر تھے اور دونوں بیٹے اکیڈمیز...... وہ پکانے کے لیے سبزی وغیرہ کا معلوم کرنے بہو کے کمرے تک گئے تھے' اندر سے آتی آواز پر یک لخت چونکے......شاید اسماء فون پر اپنی والدہ سے بات کر رہی تھی۔

''بے شک امی' انکل تو بہت اچھے ہیں' مجھے خود ہی آکورڈ لگتا ہے۔'' وہ دوسری طرف کی بات سنتے ہی پھر بولی۔

''کمال کرتی ہیں آپ بھی...... میں اکیلے میں ان کے پاس جا کر کیا بات کروں اور کیوں بیٹھوں' اور اس وقت تو ویسے بھی وہ اکیلے ہی ہیں گھر پر۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے رکی پھر کچھ ناگواری سے کہا۔

''امی ٹھیک ہے وہ بوڑھے ہیں' مجھے خود خیال کرنا چاہیے' لیکن امی......'' شاید اس کی بات کاٹ کر دوسری طرف کچھ استفسار ہوا تھا۔ تو وہ فوراً صفائی دینے لگی۔

''ہاں...... ہاں جی' ایان برا کیوں مانیں گے' میں نے پہلے ہی ان سے اس ایشو پر بات کرلی تھی۔ انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا بلکہ وہ تو کہہ رہے تھے ٹھیک ہے جیسے تم ایزی فیل کرو...... اور ویسے بھی امی' اگر آنٹی ہوتیں یا پھر دوسری بہو یا پھر کم سے کم ایک بیٹی ہی ہوتی' پھر تو مجھے اکیلا پن فیل نہ ہوتا۔ آپ یقین کریں' جب ایان گھر پر ہوں تو میں ان سب کی ہر چیز کا خیال رکھتی ہوں ورنہ مجھے خاصا عجیب لگتا ہے۔''

وہ جانے فون پر اور کتنی صفائیاں دے رہی تھی' مگر سیف میاں کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ مزید کچھ سننے سمجھنے کے قابل نہ رہے تھے۔ بس ایک زندہ لاش کی طرح گھسٹتے کمرے کی طرف چل دیئے اور گھٹنے کے بل زمین پر بیٹھتے چلے گئے۔ بالکل شکست خوردہ' ٹوٹے پھوٹے انسان کی مانند۔

شہاب کی اہمیت کا اندازہ تو اس کے بستر پر لگتے ہی ہونا شروع ہو گیا تھا۔ پھر آنکھ بند ہوتے ہی زمانے نے رنگ بدلا اور بہت جلد بیٹی کی قدر و قیمت بتانی شروع کی۔ احساس تو تقریباً ایک سال سے جاگ رہا تھا' مگر یوں اس طرح اپنی لاڈلی' چہیتی بہو اسماء کے منہ سے الفاظ کیا' عدم اعتماد کے طمانچے تھے' وہ زمین میں خود کو دھنستا محسوس کر رہے تھے۔ ان کی تمام زندگی کی کمائی' عزت ووقار بس لمحے میں ہی زمین بوس ہو گیا۔ قدرت نے وقت کو بڑی خوبی دی ہے کہ گزر ہی جاتا ہے' خواہ مرہم رکھے یا سلے زخموں پر مٹھاس سے کھرنڈ چھیلتا رہے' مگر بیت جاتا ہے۔

ایان کی شادی کو تقریباً ایک سال کا عرصہ ہو گیا اور شہاب (جگنو) بجھے دو سال جب اسماء جھجک کرتی تو انہوں نے بھی ایک فاصلہ متعین کرلیا۔ زیادہ وقت

خوامخواہ گھر سے باہر گزارتے۔ دونوں چھوٹے بیٹے ہاسٹلز بھیج دیئے اور شادی کے تقاضوں کے ساتھ تعلیم پھر شروع کرنا ایان کے لیے مشکل تھا۔ اس نے مکمل دکان سنبھال لی۔ جب پتا چلا کہ گھر میں کوئی پھول کھلنے والا ہے' یہ آنگن مہکنے والا ہے' تو سیف میاں میں تبدیلی آئی تھی۔ ایان پر کاروباری بوجھ کچھ کم کیا' خود بانٹ لیا...... اکثر خاموش لبوں سے آسمان کو تکتے جیسے اترنے والی روح کے منتظر ہوں' اور سرد آہ میں کوئی خواہش جنم لیتی......!

❀......❀......❀

آج دکان پر خوب گہما گہمی تھی۔ روٹین سے زیادہ رش تھا اور ایان ابھی تک نہیں آیا تھا' کئی بار جی چاہا اسے فون کروں' پھر اچانک ہی اس کا فون آ گیا۔

"بابا...... اسماء کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' میں اسے ہاسپٹل لے جا رہا ہوں۔"

"اچھا...... اللہ رحم کرے گا۔" ان کا چہرہ خوشی اور تفکر کے ملے جلے احساسات سے بھر گیا۔ وہ جوانی میں ایسے موقعوں پر خوب ایکسائیڈ ہو جاتے اور خوب تیار ہو کر مٹھائی لئے ہاسپٹل پہنچ جاتے...... مگر آج بہت کچھ بدل گیا تھا۔ انہوں نے دکان اپنے سینئر ملازم کے سپرد کی اور خود ہاسپٹل کے بجائے مسجد چلے گئے۔ وضو کیا اور لرزتے وجود کے ساتھ دو نفل پڑھے۔ سجدے میں جانے کی دیر تھی جسم تیز تیز کانپنے لگا۔

"یا اللہ! مجھے معاف کر دے' میں بہت نافرمان' گھمنڈی' خود غرض انسان ہوں' جو تیری رحمت کو زحمت' بوجھ سمجھتا رہا۔ میں سمجھ ہی نہ سکا کہ اگر یہ زحمت ہوتی تو تیرے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر تو کبھی نازل نہ ہوتی۔ یہ تو ٹھنڈی' میٹھی رحمت کے پَر ہیں اور مجھ جیسے بدنصیب نے جن کے کبھی اپنے آنگن میں کھلنے کی دعا تک نہ کی۔ خواہش تک نہ کی' یہ کورے چاندی جیسے شفاف پَر تو زمانے کی ہر تپش اپنے اندر جذب کیے صرف سایہ فگن رہتے ہیں اور انسان کا وقار قد سے کئی گنا بڑھا دیتے ہیں۔ اتنی بڑی رحمت کے بدلے کچھ ان پَر لگا دینا تو بہت سستا سودا تھا اور میں سمجھ ہی نہ سکا' تجھ سے مانگ ہی نہ سکا۔ بیٹا بیشک سکون ہے' وارث ہے' مگر اس وارث کا سکون' اس کا وقار تو تیری رحمت کے پَر ہی بڑھاتے ہیں۔ میں تیرے آگے گڑگڑا کر' رو کر اپنے بیٹے کے لیے اس کا سکون' اس کا وقار مانگتا ہوں' اسے بیٹی دے دے۔ اے اللہ! اسے ایک بیٹی دے دے۔ اپنی رحمت کی چادر میں لپیٹ دے۔" آنسوؤں کے ہجوم میں جب آواز بھی نکلنی بند ہو گئی تو وہ اپنے آنسو پونچھ کے اٹھ بیٹھے۔ ابھی دعا مانگ کر ہاسپٹل جانے کے لیے کھڑے ہی ہوئے تھے کہ موبائل بج اٹھا۔

❀......❀......❀

وہ مٹھائی کا ڈبہ لیے وہاں پہنچے۔ چہرے کی رعنائی بڑھ چکی تھی اور آنکھوں کی چمک بھی' ان سے پہلے ہی وہاں واثق اور سمعیہ باجی بھی پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے مٹھائی کھول کر سب سے پہلے سمعیہ بھابی کو دی اور ساتھ ہونٹ چباتے ہوئے کہنے لگے۔

"سمعیہ! مجھے معاف کر دو' میں نے تمہارا بہت دل دکھایا' میں جسے وقت' جان اور پیسے کا ضیاع سمجھتا تھا' جھنجٹ سمجھتا تھا' وہی تو میرا اصل سرمایہ' اصل وقار تھا اور اگر تم معاف کر دو گی تو یقیناً میرا رب بھی مجھے معاف کر دے گا۔ کیونکہ اس کی طرف سے مجھے اشارہ رحمت مل چکا ہے۔" انہوں نے مسکرا کر دیکھتی سمعیہ کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ پکڑایا اور خود جھک کر بچی کو گود میں اٹھایا اور اس کا ماتھا چوما۔

"اس کا نام 'بقعہ نور' ہے بھئی۔" بے تحاشا گھٹن میں جب حسد بڑھتا ہی جاتا ہے اور باد نسیم کا پہلا جھونکا آنگن میں اترے تو جو حالت ایک ذی روح کی ہو سکتی ہے کچھ ایسی ہی کیفیت اس لمحے سیف میاں کی بھی تھی۔

❀

حجاب

صباحت رفیق چیمہ

اے کاش میری بیٹی تو حجاب لیتی
پھر یوں نہ ذلتوں کے عذاب لیتی

"دادو آپ کو ایک دفعہ کہا گیا سمجھ میں نہیں آتا جب بھی میں باہر نکلنے لگوں حجاب حجاب کی رٹ لگا لیتی ہیں آپ؟ کہا نہ کہ مجھ سے نہیں لیا جاتا حجاب وجاب۔" وہ جو بلیو جینز پہ سفید فینسی ٹاپ پہنے کمر سے نیچے تک آتے لمبے بالوں کی ٹیل پونی بنائے بازو پہ سفید ہینڈ بیگ لٹکائے اور دوسرے ہاتھ میں سیل فون تھامے، منہ میں چیونگم چباتے ضوفشاں زوار باہر جانے کے لیے ہال سے گزرنے لگی تو ہمیشہ کی طرح اپنی دادو کے یہ الفاظ "بیٹا حجاب لے کے باہر نکلا کرو" اس کا پارہ ہائی ہوا اور وہ پلٹ کے بدتمیزی سے مخاطب ہوئی۔

"اینڈ یو ناؤ واٹ ہم اپر کلاس سے تعلق رکھتے ہیں ہماری سوسائٹی میں یہ سب چلتا ہے آپ مما کو دیکھ لیں وہ بھی تو نہیں حجاب لیتیں اور نہ ہی کبھی پپا نے حجاب لینے کا کہا' مجھے تو حیرت ہے کہ اپر کلاس میں رہتے ہوئے بھی آپ کی سوچ مڈل کلاس کے لوگوں جیسی ہے، تھینکس گاڈ آپ کی اپنی کوئی بیٹی نہیں ورنہ تو آپ ایک بڑی سی ٹینٹ نما چادر ہمیشہ اس کے گرد لپیٹ کر رکھتیں جس سے اس بے چاری سے سانس لینا بھی مشکل ہو جاتا اور وہ وقت سے پہلے ہی مر جاتی، بائے دادو مجھے دیر ہو رہی ہے میرے فرینڈز میرا ویٹ کر رہے ہوں گے آپ اللہ اللہ کریں اور رہیں اپنے حجاب میں لپٹی اس چار دیواری کے اندر۔" اس نے بے زاری سے کہتے باہر کی جانب قدم بڑھائے۔

فیروزہ بیگم گم سم سی دوبارہ تسبیح پڑھنے میں مشغول ہوگئیں اور ان کے دل نے اپنے رب کی بارگاہ میں اپنی پوتی کی عزت کی حفاظت کی دعا پیش کی۔

❀......❀......❀

فیروزہ بیگم حسن سکندر سے بیاہ کے سکندر پیلس آئیں تو انہوں نے اپنی خوش اخلاقی اور نیک فطرت سے جلد ہی سکندر پیلس کے لوگوں کا دل جیت لیا۔ شادی کے ایک سال بعد حسن سکندر کا ٹرانسفر لاہور ہو گیا اور وہ اپنے آبائی شہر گوجرانوالہ سے اپنی بیوی کے ساتھ لاہور شفٹ ہو گئے ان کی شادی کے چار سال بعد زاور کی پیدائش پہ ان کے آشیانے میں خوشیاں رقص کرنے لگیں وہ دونوں زوار سکندر کو دیکھ دیکھ کے جیتے تھے وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا انہوں نے اس کی ہر خواہش پوری کی اعلیٰ اداروں میں اسے تعلیم دلوائی اور جب اس نے اپنی پروفیشنل لائف میں قدم رکھا تو فیروزہ بیگم اپنی بھتیجی کو زوار کی دلہن بنا ہوا دیکھنا چاہتی تھیں لیکن زوار نے اپنی کلاس فیلو سوزینہ علی کا نام لیا تو انہوں نے ہمیشہ کی طرح اپنی خوشی کے آگے اپنے بیٹے کی خوشی کو مقدم جانا یوں وہ سوزینہ علی سے سوزینہ زوار بن گئی ان کی شادی کے دو مہینے بعد ہی حسن سکندر اس دنیا سے چل بسے۔ فیروزہ بیگم نے واپس گوجرانوالہ سیٹل ہونے کی خواہش ظاہر کی تو سوزینہ نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ اگر آپ جانا چاہتی ہیں تو بخوشی جائیں لیکن ہم ادھر ہی رہیں گے سوزینہ کا تعلق ماڈرن فیملی سے تھا وہ روزانہ اپنے فرینڈز کے ساتھ شام کو گھر سے نکل جاتی اور رات گئے واپس آتی اور پھر سارا دن سوتی رہتی دوپہر کو اٹھتی تو اپنے کاموں میں مصروف رہتی، زوار نے ایک دفعہ اسے رات کو جلدی آنے کا کہا تو اس نے طوفان برپا کر دیا۔

"تمہیں شادی سے پہلے میری ایکٹیوٹیز کا پتا تھا نہ

اگر تمہیں اعتراض تھا تو نہ کرتے شادی اور میں تمہارے لیے تو اپنی ایکٹیویٹیز چھوڑنے سے رہی۔“ اور پھر زوار حسن نے اپنی زندگی کو پرسکون رکھنے کے لیے اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیا۔

❀......❀......❀

ضوفشاں زوار کمرے کی سجاوٹ دیکھ رہی تھی کہ اسے دروازہ لاک کرنے کی آواز آئی، اس نے پیچھے مڑ کے دیکھا تو زوہیب چہرے پر مکروہ ہنسی سجائے اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا کچھ انہونی کے احساس سے اس کا دل دھڑ کا تھا۔

”زیبی تم نے دروازہ کیوں لاک کیا؟“ اس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا تو زوہیب نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”ڈارلنگ اتنی بھی کیا جلدی ہے دروازہ بھی کھل جائے گا پہلے ذرا مجھے اپنی پیاس تو بجھانے دو۔“ زوہیب نے اس کے قریب ہوتے ہوئے کہا تو ضوفشاں نے اچانک اسے پورا زور لگا کر دھکا دیا اور اس کے قدم بے یقینی سے پیچھے کی طرف اٹھنے لگے اعتبار اس طرح ٹوٹے گا اس نے سوچا بھی نہیں تھا آنسو اس کی آنکھوں سے بہنے لگے اس نے بہتی آنکھوں کے ساتھ انسان کی صورت میں شیطان کو اپنی طرف قدم بڑھاتے دیکھا تو اس کا دل کانپا۔ اسے اپنی عزت ہاتھ سے نکلتی محسوس ہو رہی تھی اور پھر اس اندھیری رات کے بعد آنے والی صبح کا سورج اس کے لیے رسوائی لے کے طلوع ہوگا انہی سوچوں اور بہتی آنکھوں کے ساتھ وہ دیوار کے ساتھ جا لگی وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پہ کھڑا اس کی بے بسی پہ ہنس رہا تھا ایسے جیسے کہہ رہا ہو کہ آج تمہیں میرے ہاتھوں سے کون بچائے گا۔ اس نے بے بسی کے عالم میں اللہ کو پکارا۔ وہ اس کے قریب آ گیا تھا۔

”اوہ سوئٹ ہارٹ آج بہت شرم آ رہی ہے اور یہ آنسو کیوں میری جان، بس کچھ گھنٹے تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں ہم اپر کلاس سے تعلق رکھتے ہیں ہماری کلاس میں تو یہ سب چلتا ہے ڈارلنگ۔“ اس نے اس کے چہرے پہ آئی آوارہ لٹوں کو اس کے کان کے پیچھے اڑستے ہوئے کہا۔

کچھ گھنٹے پہلے اس نے بھی یہ الفاظ بڑے فخر سے دہرائے تھے اس نے اس کے سینے پہ لپٹے بازو پیچھے ہٹانے کی کوشش کی تو اسے دھکا دے کے تیزی سے وہ ایک طرف ہوگئی۔ اس نے اسے بازوؤں میں دبوچ کے گالی دی۔

”اب تو بہت پارسا بننے کی کوشش کر رہی ہو یہ جو نیک بی بی اب جاگ رہی ہے وہ تب کہاں ہوتی ہے جب تم جیسی لڑکیاں خود دعوت نظارہ بن کے دعوت دیتی پھرتی ہو لڑکوں کو۔“

”زیبی دیکھو میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں

مجھے جانے دو تم تو میرے دوست ہونا میں تم پہ اعتبار کر کے تمہارے ساتھ آئی تھی پلیز اب میرے ساتھ ایسا تو نہ کرو۔" اس نے اس کے آگے گڑگڑاتے ہوئے کہا لیکن وہ اس کی بات سن کے قہقہہ لگانے لگا اور اپنا منہ اس کے کان کے پاس لے جا کے بولا۔

"میری جان تم جیسی لڑکیاں ایسے ہی آدھی رات کو جس کے ساتھ مرضی چل پڑتی ہو تم لوگ اتنی معصوم تو ہوتی نہیں کہ پتہ نہ لگے آدھی رات کو کیوں ہم بلاتے ہیں۔" آنسو اور تیزی سے اس کی آنکھوں سے بہنے لگے اس نے بے بسی سے اپنی آنکھیں بند کر لیں اب اس کا دل اللہ کے حضور گڑگڑانے لگا۔

"اے اللہ تو ہی ہے جو مجھے اس شیطان کے چنگل سے بچا سکتا ہے اے اللہ میری مدد کر، اے اللہ میرے گناہوں کو نہ دیکھنا اے اللہ اپنی رحمت کو دیکھتے ہوئے مجھ پر رحم کر۔" اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کی نظر اس کے دائیں طرف ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی چابیوں پر پڑی پھر بولی۔

"اوکے زیبی میں تمہاری بات مان لیتی ہوں لیکن پلیز مجھے بس دو منٹ دو میں اپنا حلیہ ٹھیک کر لوں۔" مسکراتی آنکھوں سے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جب ہی اس نے مسکراتے ہوئے چھوڑ دیا وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور وہ بیڈ پر تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اس نے ٹشو باکس سے ٹشو نکال کے اپنے آنسو صاف کیے اور آئینے سے نظر آتے اس کے عکس کو دیکھ کر مسکرائی اور پھر پرفیوم اٹھایا اور اس کی طرف رخ کر کے بولی۔

"زیبی یہ پرفیوم میرا فیورٹ ہے تم لگاؤ نا مجھے اچھا لگے گا۔"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پہ جناب۔" اس نے سر کو خم دے کے کہا اور اس نے بہت ہوشیاری سے اس کی طرف بڑھتے ہوئے پرفیوم کا ڈھکن کھول دیا اور جب زوہیب نے پرفیوم لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو ڈھکن کھینچ کے سارا پرفیوم اس کی آنکھوں میں انڈیل دیا اور پھر برق رفتاری سے پلٹی۔ وہ آنکھوں پہ ہاتھ رکھے بیڈ سے اترتے ہوئے اسے گالی دیتے ہوئے بولا۔

"تم نے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی ہے تمہیں میں چھوڑوں گا نہیں۔" وہ جلن سے بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ آگے بڑھ کے اسے پکڑنے لگا تو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے رکھے اسٹول سے ٹکرایا اور اوندھے منہ گرا......اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے دروازہ کا لاک کھولا اور باہر نکل کے باہر کی طرف سے دروازہ کو لاک لگا کے وہ اس گھر سے پاگلوں کی طرح بھاگ گئی تھی، بھاگتے ہوئے کچھ دور جا کر اس کا پاؤں مڑا درد سے اس کی چیخ نکلی تھی اب اس سے ایک قدم بھی نہیں اٹھایا جا رہا تھا اس نے بہتی آنکھوں کے ساتھ سامنے دیکھا تو اسے سی این جی اسٹیشن نظر آیا وہ لڑکھڑاتے ہوئے وہاں تک آئی اور گھر کال کی فون فیروزہ بیگم نے اٹھایا تھا روتے ہوئے اس نے انہیں ایڈریس بتاتے ہوئے گاڑی بھیجنے کے لیے کہا۔

❀......❀......❀
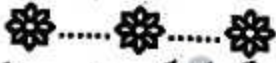
وہ فیروزہ بیگم کی گود میں سر رکھ کے سسک رہی تھی۔

"دادو مجھے معاف کر دیں پلیز دادو، آج یہ سب اسی لیے ہوا کہ میں نے آپ کی بات ماننا چھوڑ دی تھی آپ ٹھیک کہتی تھی لڑکیوں کو حجاب لے کے باہر نکلنا چاہیے۔" اس نے اپنا سر اٹھایا اور فیروزہ بیگم کے ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے بولی۔

"آپ کو یاد ہے نا جب میں چھوٹی تھی آپ نے مجھے حجاب لینا سکھایا تھا اور تب میں لیا بھی کرتی تھی تب مجھے حجاب لینا بہت اچھا لگنے لگے تھا لیکن پھر مما نے مجھے آپ سے دور رکھنا شروع کر دیا میں اپنی کزنز سے ملنے لگی اور پھر آہستہ آہستہ میں بھی ان جیسی ہوتی گئی۔ حجاب کے نام سے ہی گھٹن کا احساس ہونے لگا اس لیے جب بھی آپ مجھے حجاب لینے کا کہا کرتیں تو

سنہرے حروف

☆اس سے مت ڈرو جو تم سے بدلہ لینے کی طاقت رکھتا ہو بلکہ اس سے ڈرو جو اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیتا ہے۔

☆کسی پر انگلی اٹھانے سے پہلے یہ دیکھ لینا کہ تین انگلیاں تمہارے اپنے طرف ہیں۔

☆بڑی چیزوں کے مل جانے سے چھوٹی چیزوں کو مت چھوڑنا کیونکہ جہاں سوئی کی ضرورت ہو وہاں تلوار کام نہیں آتی۔

☆بڑا آدمی وہ ہے جس کی محفل میں کوئی خود کو چھوٹا نہ سمجھے۔

☆اگر عورت نہ ہوتی تو ہر مرد ولی ہوتا۔

☆چاہے آپ برف کی مانند شفاف ہوں' پھر بھی تہمت سے نہیں بچ سکتے۔

فاطمہ بھٹی......وہاڑی

میں آپ سے بدتمیزی کیا کرتی۔" وہ بات کرتے کرتے پھر رونے لگی تو فیروزہ بیگم نے سائیڈ ٹیبل پہ رکھے جگ سے اسے گلاس میں پانی انڈیل کے دیا اس نے دو گھونٹ بھر کے گلاس واپس ٹیبل پہ رکھ دیا۔

"آج جب ہم فرینڈز ڈنر کر رہے تھے تو مجھے زوہیب کی کال آئی وہ مجھے اپنا گھر دکھانا چاہتا تھا میں اس کے ساتھ چلی گئی اور جب میں بیڈ روم دیکھ رہی تھی تو اس نے دروازہ لاک کر دیا اور پھر آپ کی دعائیں ہی تھیں کہ میں کچھ غلط ہونے سے پہلے ہی اس کے ہاتھوں سے بچ کے نکل آئی ورنہ آج میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتی۔" فیروزہ بیگم نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور اس کا ماتھا چومتے ہوئے بولیں۔

"جو ہوا بھول جاؤ میری جان تم صحیح سلامت گھر واپس آ گئی ہو اللہ کا شکر ادا کرو اور اپنے آپ کو بدل لو میری بچی، لڑکیوں کو چاند کی طرح نہیں ہونا چاہیے جسے ایک دفعہ دیکھنے کے بعد بھی لوگوں کا بار بار دیکھنے کو دل کرے بلکہ لڑکیوں کو تو سورج کی طرح ہونا چاہیے اپنے گرد حجاب کی تپش لپیٹے ہوئے کہ ان کی طرف نظر اٹھتے ہی جھک جائے۔"

"میں سمجھ گئی ہوں دادو مسلمان عورت کی پہچان ہی حجاب ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ آپ نے مجھے کسی آیت کا ترجمہ سنایا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ سے کہا تھا کہ "اپنی بیبیوں سے کہو کہ وہ چادروں کا ایک کونہ اپنے منہ پہ ڈالیں رہیں تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور کافر لوگ ان کو نہ ستائیں۔" فیروزہ بیگم کی تو خوشی سے آنکھیں چھلک پڑیں کہ ان کا پڑھایا گیا سبق آج بھی اسے یاد تھا۔

"ہاں میری بچی سورۃ احزاب کی آیت ہے یہ۔" تو وہ ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

"دادو میں اللہ سے معافی مانگ لوں گی اللہ تو بہت رحیم ہیں نا وہ مجھے معاف کر دیں گے پھر دیکھنا میں حجاب لوں گی۔" "میں ضوفشاں زوار اپنے آپ کو اللہ کی پسند میں ڈھال لوں گی ان شاء اللہ۔" اس نے ایک عزم کے ساتھ کہا تو فیروزہ بیگم بھی ان شاء اللہ کہتے ہوئے مسکرا دیں، کیونکہ وہ جانتی تھیں صبح کا سورج ایک نئے عزم کے ساتھ طلوع ہو گا اور ان کے آشیانے کو روشنی سے بھر دے گا۔

میں ایک لڑکی ہوں

عائشہ پرویز صدیقی

آج موسم میں کچھ خنکی تھی اس کے باوجود فضا میں جھلسا دینے والی گرمی کا احساس غالب تھا اور کیوں نہ ہوتا کہ وہ اپنے سامنے رکھے کاغذات کے پلندے جلائے جارہی تھی وہ کاغذات جو اس کے لیے محض کچھ صفحات نہیں اس کی کل متاع حیات تھے۔ کافی دیر تک وہ اپنے سامنے ''اپنی تخلیق'' کو جلتا دیکھتی رہی پھر جب برداشت کرنا مشکل ہوگیا تو مضبوطی سے آنکھیں بھینچ لیں دفعتاً ماضی ایک فلم کی مانند اس کے ذہن کی اسکرین پر رواں ہوگیا۔

''دیکھیں بابا! میری پہلی تحریر......'' انہار نے خوش ہوتے ہوئے بابا کو کالج میگزین تھمایا۔

''ارے...... واہ بہت خوب گڑیا! اللہ تمہیں قلم کے استعمال کا فن عطا فرمائے' آمین۔'' یہ کہہ کر بابا نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

''حشمت! اگر خاندان کے کسی فرد کو پتا چل گیا کہ ہماری بیٹی کہانیاں لکھنے لگی ہے تو سوچا ہے کس قدر باتیں بنیں گی۔'' اماں انتہائی ترش لہجے میں بولیں جبکہ بابا نے ان کی بات رد کردی۔

''ارے بھئی ہماری بیٹی بہت سمجھ دار' ذہین اور قابل ہے۔ یہ کہانیاں لکھنا اس کا شوق ہے اور پھر کوئی غیر اخلاقی تحریر تھوڑی ہے کہ جس پر ہمیں شرمندگی اٹھانی پڑے اور جہاں تک خاندان کی بات ہے تو جو کچھ نہیں کرتا وہ اسے بھی کب چھوڑتے ہیں۔'' جواباً سلمیٰ بیگم منہ ہی منہ میں بڑبڑائیں تو انہار نے اماں کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

''اماں یہ میرا شوق اور خواہش ہے' میں ایسا کچھ نہیں کروں گی جس سے آپ کو شرمندگی اٹھانی پڑے۔'' انہار' حشمت اور سلمیٰ کی آنکھوں کا تارا تھی۔ اکلوتی ہونے کے باعث ناز' نخروں میں پلی بڑھی تھی اس کی ہر خواہش پوری کی جاتی' والدین کے بس میں جو ہوتا اس کے لیے ضرور کرتے۔

یک دم بند آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی' چہرے پر پھسلی تو انہار نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولیں لیکن جب جلتے شعلوں کو دیکھا تو پھر آنکھیں موندلیں۔

''بابا...... بابا......'' اس کے کانوں میں اس کی اپنی ہی آواز گونج رہی تھی' وہ ماضی کے ایک روشن کمرے میں داخل ہورہی تھی۔ اسے یاد آیا جب اس کا گریجویشن کا رزلٹ آیا تو بابا اور اماں کس قدر خوش تھے۔ اس نے بھی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً ماسٹرز کرنے کی اجازت مانگ لی تھی جس پر اماں نے سخت ردعمل کا اظہار کیا مگر بابا نے ایک بار پھر اس کی بھرپور حمایت کی اور بالآخر انہار یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے میں کامیاب ہو ہی گئی۔

وقت تیزی سے گزرتا گیا' اردو ادب میں ماسٹرز کرنے کے دوران اس نے مختلف ڈائجسٹوں میں بھی لکھنا شروع کردیا تھا۔ ادبی حلقوں میں اس کا نام اچھے افسانہ نگاروں میں شامل ہونے لگا اور پھر جیسے ہی اس کا ماسٹرز مکمل ہوا تو اماں کو اس کی شادی کی فکر نے آن گھیرا۔ اس کی چند ہم جولیوں کی شادی کیا ہوئیں پھر تو 'کل کرے سو آج کر' کے

مصداق اماں نے گھر میں باقاعدہ رشتے کروانے والی خواتین کو مدعو کرنا شروع کردیا اور پھر باتوں ہی باتوں میں اسے تنبیہہ کرنے لگیں کہ اب وہ لکھنا لکھانا چھوڑ دے۔

روز کی طرح اس روز جب اماں نے اسے لکھتے دیکھا تو ڈپٹ دیا جس پر انہار زچ ہوکر بولی۔

''اماں! کیا سلیقہ مند ہونے کے لیے کھانا پکانا' سینا پرونا' کپڑے برتن دھونا ہی لازم ہے؟ اور کیا سلیقہ مند ہونا' شعور حاصل کرنے سے زیادہ اہم ہے؟'' اس کے سوال کے انداز پر اماں کا غصہ کچھ اور بھی بڑھ گیا۔

''میں اس لیے زیادہ تعلیم کے خلاف تھی کہ پڑھ لکھ کر اولاد نے والدین سے جرح ہی تو کرنی ہوتی ہے۔'' ان کے انداز پر انہار کو بے ساختہ ہنسی آ گئی' لاڈ سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''میری پیاری اماں! میں ایک لڑکی ہوں یہ سینا پرونا' کھانا پکانا' کپڑے برتن دھونا تو میری فطرت کا حصہ ہے بالکل اسی طرح جیسے کمانا مرد کی فطرت کا حصہ ہے۔ آپ کو یہ لگتا ہے ناں کہ مجھے گھر کے کام نہیں آتے یا میں وقت پڑنے پر یہ کام نہیں کرسکتی ہوں تو ٹھیک ہے آج سے گھر کے سارے کام بھی میں خود کروں گی۔'' اور پھر واقعی انہار نے پورا گھر سنبھال لیا اب تو اماں کے پاس اس کے کسی بھی کام پر تنقید کا کوئی جواز نہ بچا تھا۔

اس دن انہار کی طبیعت ذرا مضمحل سی تھی کاموں سے فراغت کے بعد کمر سیدھی کرنے کی غرض سے صوفے پر لیٹی تو اسی اثناء میں سیل فون بج اٹھا۔ معروف ڈرامہ پروڈیوسر فضل اصفہانی کا فون تھا وہ اسے ایک ٹی وی چینل کے لیے ڈرامہ لکھنے کی پیش کش کررہے تھے۔ انہار کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا' فون بند کرتے ہی وہ بابا' اماں کو بتانے کے لیے دوڑی لیکن اس سے پہلے وہ کچھ کہتی' اماں نے اسے گلے لگاتے بتایا کہ ''مسز یاری نے اسے اپنے بیٹے کے لیے پسند کرلیا ہے اور اس جمعہ کو وہ لوگ منگنی کی رسم ادا کرنے آرہے ہیں۔''

''وہ بابا...... وہ ٹی وی پروڈیوسر فضل اصفہانی کا فون......'' جملے اس کے ہونٹوں پر اٹک کے رہ گئے۔

''ہاں' ہاں بیٹا بولو!'' بابا نے اس کی ہمت بندھائی۔

''بابا! فضل اصفہانی مجھ سے اپنی نئی ڈرامہ سیریل لکھوانا چاہتے ہیں ابھی ان کا فون آیا تھا۔'' مگر اس سے پہلے بابا کچھ بولتے اماں نے یہ کہہ کر

قلم لہو روئے میرا

آج سے تقریباً تیرہ سو برس پہلے کی بات ہے ہندوستان میں آج سے تقریباً ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ایک مسلم بہن نے پکارہ تو محمد بن قاسم غیور بھائیوں کے جھرمٹ میں لبیک کہہ کر چل پڑا۔ عموریہ میں مسلمین معتصم باللہ کو آواز دیتی ہے تو وہ اسی ہزار کے لشکر میں کود پڑتا ہے۔

آج لبادہ اسلام میں ملبوس سب سے بڑا دیوتا یہودیوں کا پروردہ حلبیوں کا خیر خواہ کافر سے بھی زیادہ ذلیل اسلام کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے والا وخون آشام بھیڑیا مسلمہ امت کی جان وجسم میں اپنے ناپاک پنجے گاڑھے ہوئے ہیں چشم فلک کے تصور سے بالاتر انسانیت سوز کرب انگیز حیاباختہ مظالم ڈھائے ہوئے ہیں اس کے پنجے میں پھنسی بہنیں غیرت مند بھائیوں کو بلا رہی ہیں آہ...... آنکھ کھول ضمیر جگا، تم بھی تو دور جدید کے قاسم اور معتصم باللہ ہو۔ اٹھو خدارا کچھ کرو کب ہوش کے ناخن لوگے کب خواب استراحت کے مزے چھوڑو گے۔ کیا اس وقت تک جب تمہاری آواز دب جائے گی اور تمہارا بھی خون بہہ جائے گا تیری عفت مآب ماں، بہن کی عصمت پر بھی یہ خنزیر جھپٹ پڑے جب عراق، شام اور ایران کی طرح پانی سر سے گزر جائے گا کب تک خود کو جھوٹی تسلیاں دو گے۔ آج بھی وہی زمین اور وہی خدا ہے مگر جو گزر گئے وہ فرض شناس تھے۔ تم تو اپنے فرض کو پہچانتے بھی نہیں روز محشر کیا جواب ہوگا۔ کیا تمہیں علم دین اور ملک کی سلامتی کا علمبردار بنا کر نہ بھیجا تھا تم اس وقت کہاں تھے جب ہر شام وسحر کرب سے بلبلاتی تمہاری مجبور بہنوں ماؤں کی عصمتیں تمہیں بلا رہی تھیں جن کی آنکھوں سے لہو ٹپکتا تھا جب زخموں سے چُور چُور و سے نڈھال فریاد کرتی تم سے انصاف مانگتی تھیں۔ ڈرو اس رب سے جس کی پکڑ بڑی سخت ہے کیونکہ جس دور میں فرعون پیدا ہو وہاں رب بہتر جانتا ہے۔ موسیٰ کی حفاظت کس طرح کرنی ہے یہ نہ ہو کہ فرعون کی گرفت کی طرح رب تمہارے گلے میں عذاب کا پھندا ڈال دے اس رب کی طرف توبہ کرلو جس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ آج تاریک صبح ہے جس میں نیکی کی سفیدی دور دور تک نہیں اپنی اعمال کا جائزہ لو کہ تم کیا کر رہے ہو۔ حکم نبوی ﷺ ہے کہ جیسے تمہارے اعمال ہوں گے ویسے ہی تمہارے اوپر حکمران مسلط ہوں گے اللہ مجھے اور آپ کو فرض شناس جواہر علم عمل بنائے آمین۔

نبیلہ ناز...... قصور

بات ختم کردی۔

"اب سسرال جانے کی تیاری کرو ان ساری خرافات کو بھول جاؤ۔"

اور پھر...... منگنی کی رسم خوب دھوم دھام سے ادا کی گئی دونوں طرف کے تمام رشتے دار خاصے خوش اور پُرجوش تھے جوڑی بھی تو بہت پیاری تھی یوں لگ رہا تھا جیسے چاند سورج کو یکجا کردیا گیا ہو مگر جاتے وقت جب ہادی کی والدہ نے انہار کو گلے لگاتے ہوئے سلمیٰ بیگم کو مخاطب کرکے کہا۔

"بہن! اب انہار آپ کے پاس امانت ہے ہماری اور ہمارے گھر کی بہو بیٹیاں یہ رسالوں ڈائجسٹوں میں پیار ومحبت عشق و عاشقی کے قصے کہانیاں وغیرہ نہیں لکھتیں اور ہمیں امید ہے کہ اب انہار بھی اپنے شوق کو بھول بھال کر گھر داری کی طرف زیادہ توجہ دے گی۔" سلمیٰ بیگم تو جیسے ساکت ہو کے رہ گئیں۔ حشمت صاحب کی نگاہیں

خیالوں خوابوں میں گھر بنتے ہیں
ہمیں تو عمر لگی اِک گھر بناتے ہوئے
عذاب دشت نوردی گئی کہ سمانا ہے مجھے
سو ڈر رہا ہوں تجھے ہم سفر بناتے ہوئے
بنا رہا تھا پرندہ میں اِک کاغذ پر
کہ خود بھی اُڑنے لگا اس کے پَر بناتے ہوئے
وہ دُکھ اُٹھا کے جان سے گزر گئے ہم لوگ
عروسِ حق تجھے معتبر بناتے ہوئے
وہ نقش پھر بھی نہ معتبر بن سکا مجھ سے
میں آپ ٹوٹ گیا ٹوٹ کر بناتے ہوئے
(حریم فاطمہ کی پسند کراچی سے)

بھی جھک سی گئی تھیں۔
"مجھے رابعہ (انہار کی ہونے والی نند) نے بتایا تھا کہ انہار کو لکھنے لکھانے کا شوق ہے کوئی بات نہیں' ہم بھی کوئی دقیانوسی سوچ کے مالک نہیں۔ بچی کو شوق تھا' پورا کرلیا لیکن شادی کے بعد آپ کو پتا ہے ناں شوہروں کو ایسی باتیں کچھ زیادہ اچھی نہیں لگتیں' آپ سمجھ رہی ہیں ناں۔" انہار کی ساس سوالیہ انداز میں گویا حکم نامہ جاری کررہی تھیں اور انہار......بس خاموش نظروں سے پنجرے میں بہت بے چینی سے چکر کاٹتے طوطے ہی کو تکے جارہی تھی جسے ایک پل کہیں چین نہیں آرہا تھا۔
بظاہر سب کچھ اچھا تھا' آئیڈیل گھرانہ' آئیڈیل شوہر' ہر سہولت' آسائش میسر مگر یہ تو انہار کا دل ہی جانتا تھا کہ اس کے اندر کتنے کانچ بکھرے پڑے تھے۔ اس نے لفظ لفظ چن کے جتنی مالائیں پروئی تھیں' سب ایک تھیلے میں بھریں اور چھت پر جا کے ڈھیر کردیں پھر اپنی تخلیق کو خود جلا کے راکھ کا ڈھیر بنتے دیکھتی رہی۔ ایک ایک لفظ کے بدلے' آنکھ سے کئی کئی موتی ٹپکے تھے۔ راکھ کے ڈھیر پر کھڑے نیچے جھانکا تو پنجرے میں قید طوطا مسلسل پھڑپھڑائے جارہا تھا۔ وہ بہت دھیرے سے اس سے مخاطب ہوئی تھی۔
"کتنی مشابہت ہے ناں مجھ میں اور تم میں۔ تمہارے پنکھ بھی کتر دیئے گئے تھے۔ دیکھو آج میرے پنکھ بھی کاٹ دیے ہیں کیوں کہ میں لڑکی ہوں اور میرا کام صرف گھر سنبھالنا ہے اور بس......"
یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے گرد پڑی راکھ بھی نوحہ کناں ہے۔

ذرا سوچیے

ثناء ناز

بے شک عورت کو اللہ نے عزت کے اعلیٰ درجے پر فائز کیا ہے۔ عوت کا ہر روپ ہی قابل فخر ہے۔ عورت بیٹی کے روپ میں رحمت‘ بہن کے روپ میں‘ بھائی کی سب سے بڑی خیر خواہ‘ بیوی کے روپ میں گھر بھر کا سکون‘ جب کہ ماں کے روپ میں جنت ہے۔ اگر عورت یہ جان لے کہ آج وہ اپنے گھر کی رحمت ہے اور پھر ایک دن اس کے قدموں تلے جنت لکھ دی جائے گی تو میرا نہیں خیال کبھی کوئی عورت خود کو کم ظرف یا کمزور سمجھے گی۔ جب تک عورت گھر کی چار دیواری میں رہتی ہے وہ ہر طرح کی بری نظر سے ڈھکی رہتی ہے‘ بے شک ایسی عورتیں ہی اللہ کی پسندیدہ ہیں۔ جنہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ ان کے باپ بھائی اور شوہر کی عزت جڑی ہے۔ اور وہ کبھی ان کی عزت پر حرف نہیں آنے دیتی۔ بے شک وہی کامیاب ہوتی ہیں جو عورت کے مقام کو‘ سب کی نظروں میں فخر سے بلند رکھتی ہیں۔ جب گھر سے باہر نکلتی ہیں تو خود کو حیا کی چادر میں چھپائے رکھتی ہیں۔ عورت کا زیور اس کی عزت اور حیا ہے‘ جب تک اس کا سر حیا کی چادر سے ڈھکا رہتا ہے تب تک وہ سیپ میں بند موتی کی طرح پاکیزہ اور انمول ہوتی ہیں۔ پر اگر کوئی عورت بھولے سے بھی چوک جاتی ہے وہیں سب ملیا میٹ ہو جاتا ہے۔ وہیں معاشرے کی نظر میں عورت ذات کا رتبہ کم ہو جاتا ہے۔ عورت ایک پھول ہے اور اس کی عزت خوش بو کی مانند جب تک پھول خوش بو میں بسا رہتا ہے تب تک وہ سب کا پسندیدہ ہوتا ہے اور جیسے ہی اس کی خوش بو ماند پڑ جاتی ہے وہ اپنی قدر کھو دیتا ہے۔ کبھی لوگوں کے ہاتھوں مسلا جاتا ہے تو کبھی پیروں تلے کچل دیا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح عورت کی عزت بھی خوش بو کی مانند ہے جو ایک بار اڑ جائے تو کبھی لوٹ کر نہیں آتی‘ عورت کی فطرت میں نزاکت ہوتی ہے اور بے شک اللہ نے عورت کو تخلیق کے لیے پیدا کیا ہے۔ اللہ نے عورت کو گھر کی چار دیواری کے اندر کے کام سونپے ہیں جبکہ فطرتاً گھر سے باہر کے کام کا ذمہ مرد کے سر ہے۔ ہم سب جانتے ہیں آج کل ہم جس زمانے میں رہ رہے ہیں وہ (Gender eqalit) کا زمانہ ہے‘ بے شک اللہ نے مرد اور عورت کے حقوق کو برابری کا درجہ عطا کیا ہے‘ لیکن اس کے ساتھ ہی اللہ نے مرد کو عورت کا

محافظ قرار دیا ہے۔(Gender eqalit) کے اس بھیانک دور میں عورت مرد کو نیچا دکھانے کے چکر میں سب کچھ بھول چکی ہے۔ ایک عورت کی لاکھ محنت کے بعد بھی وہ ایک اچھی ور کر تب ہی بن سکتی ہے جب وہ اپنے باس کی ہر خواہش کا احترام کرتی ہے۔ اچھے گریڈز اور ڈگری ہونے کے باوجود بھی کسی آفس میں کام کرنے والی عورت تب ہی ترقی پا سکتی ہے جب وہ اپنے افسران کا ہر حکم سر آنکھوں پر رکھتی ہوئی یہ کوئی نہیں سمجھتا۔ گھر سے باہر کام کرنے والی ان عورتوں کے درد میں چھپے چہروں کی مجبوریاں کیا ہیں' میک اپ کی آڑ میں اور ہنسی لبوں پر سجائے جس اعتماد سے یہ عورتیں گھر سے باہر نکلتی ہیں' کوئی انہیں مجبور سمجھ بھی کیسے سکتا ہے' آج کل کی عورتوں نے آزادی حاصل کرنے کے لیے خود کو اتنا نیلام کر رکھا ہے' کوئی اور تو کیا اگر یہ خود اپنے آپ کو پہچان لیں تو خود پر افسوس کرنے کے قابل نہیں رہیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ مجبوری کے لیے کام کرتی ان عورتوں کو بھی آزاد خیال عورتوں کے جیسا سمجھا جانے لگا ہے' جہاں ویسٹرن کلچر کو اپنا کر خود کو آزاد کہلوانے والی یہ عورتیں (Gender eqalit) کا پورا حق وصول کر رہی ہیں۔ وہیں مرد حضرات نے عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھنا چھوڑ کر ٹشو پیپر سمجھنے کا سفر بڑی تیزی سے طے کیا ہے۔ اگر عورتیں خود کو ویسٹرن کلچر میں ڈھال سکتی ہیں تو ہمارے مرد حضرات بھلا کیسے پیچھے رہ سکتے ہیں۔ پہلے مرد عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھتا تھا' جسے جب چاہا اپنا لیا' جب چاہا جھٹلا دیا۔ پر وہ عورت اسی کی ملکیت رہتی تھی جو نا سمجھ کر ہی سہی مرد کو عورت کا سہارا تو لینا پڑتا تھا' ایک محفوظ پناہ گاہ کے بدلے میں اگر وہ اسے پیروں کی جوتی بھی سمجھتا تھا تو یہ سودا مہنگا نہیں تھا۔ آج کل آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد میں گم یہ لڑکیاں شاید آزادی تو حاصل کر چکی ہے پر یہ بھول گئی ہے کہ ان کی اہمیت ایک ٹشو پیپر کی ہو کر رہ گئی ہے۔ جسے مرد حضرات پہلے تو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتے ہیں پھر مسل کر کوڑا کرکٹ کے ڈبے میں پھینک دیتے ہیں۔ جسے اٹھانا تو دور کی بات کوئی دیکھنا تک بھی پسند نہیں کرتا۔ بلکہ پیروں تلے آ کر مزید کچلا جاتا ہے۔ آج کل کی عورت کی اہمیت مرد کی نظر میں بس ایک ٹشو پیپر کی سی ہے۔ جسے مرد کبھی اپنی ہوس پوری کرنے کے لیے اور کبھی اپنے کام نکلوانے کے لیے پہلے استعمال کرتا ہے پھر پھینک دیتا ہے۔ عجیب بات ہے نا آزادی حاصل کرنے کے لیے گھروں کی چار دیواری سے نکل کر ویسٹرن ملبوسات پہن کر (Gender eqalit) پر یقین رکھتے ہوئے خود کو آزاد خیال سمجھنے والی یہ لڑکیاں کسی نہ کسی مرد کے زیر تحت نوکری کر رہی ہوتی ہیں۔ جو عورتیں ایسا سوچتی

ہیں وہ مردوں سے آگے نکل سکتی ہیں' ان کا اٹھنا بیٹھنا مردوں میں ہوتا ہے وہ عورتیں مردوں کے ساتھ مل کر کام کرتی ہیں۔ ایسی خواتین اکثر کسی نہ کسی کی ہوس کا سامان بن جاتی ہیں۔ باقی جنہیں اللہ رکھے اسے کون چکھے' ایسی خواتین اپنے آفیسرز کی مسکراہٹ اور بے جا مہربان لہجوں کے پیچھے چھپے مکروہ ارادوں اور بھیانک روپ سے بے خبر ہوتی ہیں۔ مردوں سے آگے نکلنے کی کوشش میں یہ اتنا ڈوبی ہوئی ہیں کہ اکثر اپنے اور مرد کے درمیان...... فاصلہ نہیں رکھ پاتیں۔ فاصلہ ایک ایسی ٹیبلٹ کا نام ہے جو مرد اور عورت کے درمیان فرق کو برقرار رکھنے میں مدد دیتی ہے۔ اگر کوئی عورت مرد کے ساتھ کام کرتی بھی ہے تو اسے لازماً اس ٹیبلٹ کا استعمال سب سے زیادہ کرنا چاہیے' آپ نہ تو ساری دنیا کے منہ بند کرواسکتے ہیں نہ کسی کے غلط ارادوں کو پہچان سکتے ہیں۔ اگر آپ کو کانٹوں سے بھری اس دنیا سے بچنا ہے تو بجائے ساری دنیا میں ریڈ کارپٹ بچھانے کے آپ خود اپنے پاؤں میں چپل پہن لیں تو غنیمت ہے اور اگر آپ خود کو ٹھیک کر لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو میرا خیال ہے' یہی اصل جیت ہے بے شک کامیابی اسی کے قدم چومے گی جو عورت یہ جان لے گی کہ کتنا فاصلہ رکھنا ضروری ہے جو اسے رسوائی سے بچاسکے۔ افسوس ہے ہم پر ہم اس معاشرے میں رہ رہے ہیں جسے ہمارے نبی ﷺ نے سخت ناپسند کیا تھا۔ ہم ویسا ہی معاشرہ بنا رہے ہیں وہی طرز زندگی اپنا رہے ہیں جس سے ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں منع کیا تھا مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے' ہمیں اسی معاشرے میں جینا ہے' اسی فضا میں سانس لینا ہے جو گناہوں سے آلودہ ہے' بحیثیت ایک مسلمان ہم اس معاشرے کو کیسے پسند کر سکتے ہیں جو ہمیں آزادی تو دیتا ہے پر عزت نہیں۔ ہماری آزادی کی آڑ میں چھپے مرد ہماری ہی مجبوریوں کا فائدہ اٹھا کر ہمیں ہی نیلام کرنے میں لگے ہوئے ہیں' ہم اس چیز کو کیسے پسند کر سکتے ہیں جو معاشرے میں رہنے کے لیے تو ضروری ہے پر جسے ہمارے نبی ﷺ نے ناپسند قرار دیا ہو' افسوس ہے پر یہی سچ ہے ہم اس معاشرے میں جیتے ہیں جہاں ہمارے اردگرد زانی گھومتے ہیں' ہم اس معاشرے پر فخر کرتے ہیں جہاں اپنے ہی خونی رشتے اپنی ہی بہن بیٹیوں کی عزتوں کی دھجیاں اڑاتے پھرتے ہیں ہم اس معاشرے کو پسند کرتے ہیں جس کی بیشتر نوجوان نسل نشے میں ڈوبی رہتی ہے' ہم اس معاشرے میں سانس لیتے ہیں جہاں شب و روز درندگی کا تماشا ہوتا ہے' عزت و حیا کی دھجیاں اڑ رہی ہوتی ہیں۔ اس معاشرے میں جہاں ہم وفا ڈھونڈنے نکلیں تو شاید ہماری زندگی تمام ہو جائے۔ اس زمانے

میں جہاں ہم اعتبار ڈھونڈنے نکلیں تو شاید سارے راستے ہی ختم ہوجائیں۔ افسوس ہم اسی معاشرے کو پروان چڑھا رہے ہیں جہاں آزادی کے لیے کہیں سر بازار تو کہیں چھپ چھپ کر ہماری عصمتوں کی بولی لگ رہی ہے۔ عورت کا رہا سہا فخر میڈیا نے اور گرا دیا اور پورے جوش وخروش سے عورت کا بھیانک چہرہ سب کے سامنے لانے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ کہاں اللہ نے عورت کو گھر سے باہر بے جا نکلنے سے منع کیا تھا' کہاں اللہ نے عصمت کو حیا کے پردے کا نام دیا ہے۔

تیز خوش بو لگانے سے منع کیا' اونچا بولنے سے روکا ہے تاکہ اس کی آواز کسی غیر کے کانوں تک نہ جائے۔ بال کھول کر غیر مرد کے سامنے جانے اور بناؤ سنگھار کرنے سے منع کیا' ایک حدیث کا مفہوم ہے۔ وہ عورتیں جو اپنے گھروں سے بناؤ سنگھار کرکے نکلتی ہیں اپنے بالوں کی زینت سے مردوں کو بہکاتی ہیں اور وہ خود بھی بہکی ہوئی ہوتی ہیں۔ وہ سب جہنم میں جائیں گی' مرد کی تو فطرت میں آوارگی ہے' اسے تو کوئی فرق نہیں پڑتا' پر عورت جس کو اللہ نے پردے میں پیدا کیا جسے اللہ نے اس عظیم انسان کی پسلی سے پیدا کیا جسے ساری کائنات نے سجدہ کیا' پھر حیا ڈالی اس میں' اللہ نے عورت کو حیا کا مکمل پیکر بنایا اور اگر اس میں سے حیا ہی نکل جائے تو عورت عورت نہیں رہتی' عیش وعشرت کا سامان بن جاتی ہے۔

ہم ایسے معاشرے کا ساتھ کیسے دیں' ایسی آزادی کو لے کر کیا کریں جو رسوائی بن کر ہمیں اور ہم سے جڑے ہر رشتے کی عزت کو کھا رہی ہے' ذرا سوچیے گا ضرور ہم بھی اسی معاشرے کا حصہ ہیں' ہمیں خود اپنے آپ کو اور اپنے معاشرے کو بدلنا ہوگا' ورنہ عین ممکن ہے حالات اس سے بھی بدتر ہوتے چلیں جائیں اور ہمیں خبر تک نہ ہو۔ ہم اور ہماری بہنیں اسی معاشرے میں سے ہیں۔ ہماری بہو بھی اسی معاشرے سے تعلق رکھتی ہوگی اور کہیں نہ کہیں ہماری بیٹیاں بھی اسی معاشرے سے چھپتی پھریں گی' کیا ہم یہ برداشت کرسکتے ہیں کہ آزادی کے نام پر رسوائی کا درندہ ہماری آنے والی نسلوں اور ان سے جڑی عزتوں کو بھی نگل جائے۔ ہمیں خود کو بدلنا ہے اور عورت کے کھوئے ہوئے وقار کو واپس لانا ہوگا' کیونکہ عورت حیا کا پیکر ہے اور کئی خاندانوں کو فخر بھی مان بھی' ہمیں یہ مان اب مزید ٹوٹنے سے بچانا ہے۔ سوچیے گا ضرور۔

محوِ انتظار

1988ء میں بین الاقوامی اردو کانفرنس بھارت کے شہر نئی دہلی میں منعقد ہورہی تھی ان دنوں میرے شوہر قاضی جاوید پاکستان ایمبیسی میں ایئر اتاچی کے عہدے پر فائز تھے۔ پاکستان سے مایہ ناز شعراء ادبا' انشاء پرداز' بے شمار اداکار اور گلوکار بھی اس کانفرنس میں شرکت کے لیے نئی دہلی تشریف فرما تھے۔ پاکستانی وفد کو پاکستان ہاؤس (جو ایمبیسڈر کی رہائش گاہ تھی) میں دوپہر کے کھانے پر مدعو کرنے کے پروگرام بن رہے تھے اور اس سلسلے میں میٹنگز پر بھی خوب زور تھا۔ ایمبیسی کی خواتین بھی تیاری میں پیش پیش تھیں۔

مجھے سب سے بڑھ کر اپنی پسندیدہ شاعرہ (جس کی میں کالج کے زمانے سے ہی مداح تھی) سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے کی بے پناہ خوشی تھی۔ چند سال پہلے والی پروین جس سے نہایت سرسری ملاقات ہوئی تھی پیاس بدستور تھی اب اس سے تفصیلاً ملاقات کے مواقع نظر آرہے تھے۔ اس لیے اس دن کا مجھے بے چینی سے انتظار تھا' پاکستانی وفد کو مختلف جگہوں پر ٹھہرایا گیا تھا' پروین شاکر کو بھی ایک ہوٹل میں ٹھہرایا گیا تھا۔

غیر ارادی طور پر میں نے اپنے گھر کا ہر کونہ اور اپنے لان کے پودوں کا ہر پتا چمکایا تھا جیسے پروین میرے گھر ہی تو قیام کرنے والی ہے۔ ایک عجیب سی کیفیت مجھ پر طاری تھی' میں گھر میں چلتے پھرتے اسی کی غزلوں کے اشعار پڑھتے ہوئے محظوظ ہورہی تھی۔

پاکستان ایمبیسی اور پاکستان ہاؤس کی عالی شان عمارتیں بے مثال آرکیٹیکچر کی وجہ سے دور سے ہی پہچانی جاتی تھیں (پاکستان ہاؤس لیاقت علی خان کا آبائی گھر تھا) سردیوں کی نہایت پُرکیف دوپہر نے وہاں کے ماحول کو بے حد مسحور کن بنا رکھا تھا۔ ایمبیسڈر ہمایوں خان صاحب اور ان کی بیگم منور آپا وسیع وعریض لان میں چہل قدمی کرتے ہوئے معائنہ کررہے تھے اور خاتونِ خانہ مسلسل ہدایات دیئے جارہی تھیں کیونکہ آج پاکستانی وفد کو پاکستان ہاؤس میں لنچ کے لیے مدعو کیا گیا تھا کھانے کے لیے پرتکلف انتظام لان میں ہی کیا گیا تھا۔

پاکستان ہاؤس کے چاروں اطراف پھیلے ہوئے سرسبز تناور درخت اور کچھ موسم خزاں کے حملوں کے شکار شدہ درخت بہت بھلے لگ رہے تھے۔ دیواروں پر سفید اور پیلی چنبیلی کی بیلیں، گلاب کی تراشیدہ اور کچھ رات کی رانی کی بے لگام بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ ڈھلی ہوئی خوب نکھری اجلی آنکھوں کو تر و تازہ کر رہی تھیں۔ سردی کی وجہ سے ان بیلوں پر پھول کلیاں تو نہیں تھیں لیکن بوگن ویلیا کے رنگ برنگے پھولوں کے گچھوں نے اس کمی کو پورا کردیا تھا۔ وہاں کے مالیوں نے کیاریوں میں مختلف رنگوں کے امتزاج سے اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ چار سو موسمی پھولوں کا راج تھا، نہایت سلیقے و قرینے سے رنگے ہوئے گملے دور تک پھیلے ہوئے تھے جن کا ہر پتا چمک رہا تھا اور پھول مسکرا رہے تھے۔ لان کی گھاس دیکھ کر ایسے گمان ہوتا تھا جیسے کسی نے حد نگاہ سبز رنگ کی مخملیں چادر بچھا دی ہو جس پر پاؤں رکھنا بے حرمتی و بے انصافی کے زمرے میں آتا ہو۔ وہاں کی فضا پھولوں کی مسحور کن خوشبوؤں میں نہائی ہوئی اور ہوا شگفتگی اور چمک سے بوجھل جیسے دہلی کی ہوائیں اور فضائیں بھی اپنی مخصوص زبان سے آنے والے مہمانوں کی پذیرائی اور مداح سرائی کا تہیہ کر چکی ہوں۔

پاکستان ہاؤس کے بڑے داخلی گیٹ کے اندرونی لان میں خوب صورت شوخ رنگوں سے مزین (Welcome) ہر مہمان کی توجہ کا مرکز تھا۔ سماں بہت روح افزا تھا، کھانے کا انتظام عقبی لان میں کیا گیا تھا جو وسیع و عریض سرسبز و شاداب موسمی پھولوں سے لدا ہوا تھا، یہاں کا منفرد انداز مگر دل کو لبھانے والا تھا۔ لان کے اطراف موتیے کی باڑ جو گرمیوں میں سفید کلیوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آراستہ ہوتی تھی۔ موسم سرما کی راتوں کی دھند اور کہر کے باوجود ترو تازہ اور شگفتہ نظر آرہی تھی۔ وسیع برآمدے میں طویل میز پر کھانا چن دیا گیا تھا۔ پاکستانی اور ہندوستانی کھانے کی ورائٹی میز پر موجود تھی۔ تمازت میں کھانے کے مزے کو دوبالا کرنے کا مکمل بندوبست کیا گیا تھا جو قابل ستائش تھا۔ ہائی کمیشن کے عملے نے ربط و ضبط اور مہمان نوازی کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے تمام مہمانوں کا پُرتپاک استقبال کیا جن میں ہندوستانی اداکار آرٹسٹ اور تمام ایمبیسڈر بھی شامل تھے۔ پاکستانی مہمانوں کے چہروں پر اپنے ملک کی نمائندگی کا فخر اور بھرپور اطمینان و مسرت ہویدا تھی، تمام مہمان آچکے تھے مگر مجھے جس کا بے چینی سے انتظار تھا وہ ابھی تک نظروں سے اوجھل تھی۔

پروین شاکر کی آمد کی خبر تو دہلی میں پل بھر میں آگ کی مانند پھیل چکی تھی۔ نجانے وہ ابھی تک کیوں نہیں پہنچی؟ کئی سوالات ذہن میں ابھر رہے تھے، انتظار میں اپنی پسندیدہ شاعرہ سے ملنے کا تجسس بڑھتا جارہا تھا جبکہ شاعری کے ذریعے تو آئے دن اس سے گھنٹوں ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ پسندیدگی کے لحاظ سے اسی پر اکتفا کرجانا ممکن تھا کیوں کہ شوق ملاقات ہوش و حواس پر غالب آچکا تھا جیسے دیدار کی تشنگی نظم و غزل پڑھنے کے بعد بڑھ جایا کرتی تھی آج ایسا ہی حال تھا۔

جب کوئی پسندیدہ ہستی ذہن و قلب پر بری طرح چھا جائے تو پھر اس کی زندگی کے ہر لمحے پر قابض ہوجانے کو دل چاہتا ہے، اس کی اپنی زندگی پرائی لگنے لگتی ہے۔ اس سے ملاقات کرنے، بات کرنے اور اس کی شخصیت کی ہر خوبی اور خامی کی کھوج لگانے کی تمنا بھی تو اک قدرتی امر ہے۔ وہاں موجود ہر مہمان ایک دوسرے سے پروین کی غیر موجودگی کی وجہ دریافت کررہا تھا لیکن خاطر خواہ جواب کسی طرف سے سننے میں نہ آیا تھا۔

تمام مہمان اپنی اپنی نشستوں کی طرف جاچکے تھے میں نے بھی طوعاً و کرہاً اپنے لیے پلیٹ میں کھانا نکالا اور اپنی مخصوص نشست کی جانب چلی گئی۔ میری کرسی کے بائیں جانب شبنم شکیل صاحبہ اور دائیں جانب کی کرسی خالی تھی جو پروین کے لیے تھی۔

آخر انتظار کی کوفت اور بے زاری سے نکلنے کی غرض سے میں نے شبنم شکیل صاحبہ سے پروین کی غیر حاضری کے بارے میں پوچھ ہی لیا تو انہوں نے پہلے تو ایک بہت

خوب صورت شعر سنایا جس کی آمد میرا نام سنتے ہی ہوئی تھی مجھے وہ شعر یاد نہیں لیکن اتنا ضرور یاد ہے کہ اس شعر میں تین بار میرا نام آیا اور میں ان کی اس سرعت اور ذہانت سے بہت متاثر ہوئی تھی وہ میٹھا دھیما مسکرا رہی تھیں۔

شبنم آپا نے مجھے پروین کی دو پریشانیوں سے آگاہ کیا تھا۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ پروین کے ہمراہ اس کا بیٹا اور آیا بھی ہے۔ وہ بیٹے کو ہوٹل کے کمرے میں اکیلا چھوڑنا نہیں چاہتی اسی سوچ بچار میں ہے کہ کیا کیا جائے۔

دوسرا اس نے علی گڑھ یونیورسٹی کی طرف سے منعقد ہونے والے مشاعرے کی دعوت بھی قبول کرلی ہے اب سخت پریشان ہے کیونکہ مسئلہ ویزے کا ہے۔

پروین کے دونوں مسائل ایسے گمبھیر تو تھے نہیں کہ حل نہ ہو پاتے۔ میں نے کھانے کے دوران سنجیدگی سے حل سوچا اور مطمئن ہوگئی۔

سب کھانا کھا چکے تھے جب سویٹ ڈش کی باری آئی تو میں نے دور سے پروین کو آتے ہوئے دیکھا چہرے پر فکر مندی کا تاثر نمایاں تھا اور وہ چال سے کچھ بوکھلائی بوکھلائی سی لگ رہی تھی۔ اتنے سال پہلے جس پروین کو میں نے دیکھا آج ظاہرا کچھ بدلی بدلی سی لگی تھی نہ چہرے پر وہ شگفتگی تھی نہ ہی آنکھوں میں تابناکی تھی بال بھی گردن تک تھے اور پہناوہ بھی توجہ اور دلچسپی سے محروم لگا تھا۔ میں کچھ ایسی ہی سوچوں کے ہمراہ اس کی طرف چل دی جاوید مجھے دیکھ کر ساتھ ہی چل پڑے۔ میں نے پروین کے مسائل اور ان کا حل جاوید کے گوش گزار اور ان کی طرف سے حمایت کے انتظار میں خاموش ہوگئی کیونکہ فیصلے پر میرا اختیار تو نہیں تھا۔ اتنی دیر میں پروین ہمارے سامنے پہنچ چکی تھی۔ رسمی علیک سلیک کے بعد جاوید نے اس سے مسئلہ پوچھا اس نے تھوڑا سا جھجک کر میری طرف سے دیکھا تو میں مسکرا کر اپنائیت سے بولی۔

”پروین! جاوید کو اپنا مسئلہ بتائیے ہوسکتا ہے ہم آپ کی مدد کرسکیں۔“ میرے منہ سے یہ بات سن کر اس کے چہرے پر سکون کی ایک لہر دوڑ گئی۔

ہوٹل کا قیام خاصا تکلیف دہ تھا وہ قطعاً خوش نہیں تھی۔

میں نے اسے تسلی دی اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہم پروین کو لے کر ہوٹل گئے جہاں گیتو اپنی آیا بی بی کے ساتھ کمرے میں قید تھا۔ اس نے بیڈ کی ہر شے کو فرش پر پھینک رکھا تھا وہ چھلانگوں مکوں اور گھونسوں سے اپنا دل بہلانے کی کوشش کررہا تھا۔ بی بی خاموشی سے ایک کونے میں تماشائی بنی بیٹھی ہوئی تھی۔ جاوید نے میرے مشورے کو سراہا اور میری شاعرہ گیتو اور بی بی کے ہمراہ ہمارے غریب خانے پر چند دن قیام کرنے پر بآسانی رضا مند ہوگئی۔ میری پسندیدہ شاعرہ کے ساتھ گزرے ہوئے چند شب و روز ہمارے لیے ناقابل فراموش ہوگئے۔

مراد (گیتو) کو میرے گھر میں ایڈجسٹ ہونے میں ایک لمحے کے لیے بھی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑا کیونکہ میں بھی تو تین عدد ذہین شیطانوں کی ماں تھی۔ چوتھے شیطان کی موجودگی انہیں خاصی بھلی لگی تھی۔ عمر گیتو سے دو سال بڑا تھا تو حمزہ گیتو سے دو سال چھوٹا اور سفیان گیتو سے پانچ سال چھوٹا تھا۔ ان تینوں کا ایکا رہتا سفیان ان کے بال تھامنے اور باقی احکام بجالانے میں خود کو بہت بڑا اور معتبر سمجھتا رہا اور یوں چاروں کی دوستی چند دنوں میں اتنی گہری ہوگئی کہ کبھی ان میں جھگڑا نہ ہوا۔ ہماری غیر موجودگی میں انہوں نے وہ شرارتیں کیں جن کا ہم نے تصور بھی نہ کیا تھا ازل سے ہی اولاد اپنے والدین کو ایسے ہی چکمے دیتی آئی ہے یہ نیا انکشاف نہ تھا۔ اس لیے مجھے حیرت بھی نہ ہوئی تھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ان شرارتوں کے باوجود چاروں کی جان سلامت رہی اور گھر کی ہر شے بھی توڑ پھوڑ سے بچی رہی۔ واپسی پر گھر کو دیکھ کر ایسے لگتا تھا جیسے اس گھر میں کسی کا گزر ہی نہ ہوا ہو بڑا ہونے کے ناتے عمر ایسی پردہ داری میں خوب مہارت رکھتا تھا۔

(جاری ہے)

سمیرا اقبال صدیقی

پچھلے کالم میں ہم نے گھر میں استعمال ہونے والے مصالحوں کی افادیت کے بارے میں بات کی تھی ایک کالم میں ان تمام مصالحوں کی افادیت بیان کرنا ممکن نہ تھا اس لیے آج بھی ہم مصالحوں سے ہونے والے علاج کے بارے میں ہی بات کریں گے۔ اپنے کالم میں ہم جتنے بھی نسخوں اور علاج کی بات کرتے ہیں وہ مستند کتابوں سے ہی لیے جاتے ہیں یوں تو طب نبوی ﷺ اور حکمت کے کوئی سائیڈ افکیٹ نہیں ہیں لیکن بہتر ہوگا کہ آپ کسی بھی نسخے پر عمل کرنے سے پہلے اپنے ڈاکٹر سے بھی رجوع کریں۔

علاج بذریعہ الائچی۔

الائچی دو طرح کی ہوتی ہے ایک چھوٹی اور دوسری بڑی۔ چھوٹی الائچی کی تاثیر معتدل ہوتی ہے (یعنی کہ گرم نہ سرد) دماغ، دل اور معدہ کو تقویت دینے والی ہے۔ جی متلانا، قے، دمہ، کھانسی، ہچکی، کف، قبض وغیرہ کے لیے مفید ہے۔ پیشاب کی جلن کو دور کرتی ہے پیشاب کی کمی کو دور کرتی ہے۔ معدے کے بے کار رس کو خشک کرتی ہے۔ دل خوش ہوا ٹھتا ہے، پھیپھڑوں کو تقویت حاصل ہوتی ہے، پتھری کی شکایت دور کرنے کی استطاعت رکھتی ہے، پانی کے ساتھ کھائی جاتی ہے۔

بڑی الائچی کی تاثیر گرم اور کچھ قبض کرنے والی ہوتی ہے۔ چستی عطا کرتی چھوٹی الائچی کے اوصاف کے برابر ہے۔ گرم مصالحے میں ڈالی جاتی ہے، دوا کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔

زیادتی پیاس۔

اگر کسی کو پیاس بہت زیادہ لگتی ہو تو مندرجہ ذیل ترکیب عمل میں لائیں جو کافی فائدہ مند ہے۔

چار سیر پانی میں دو تولے الائچی کے چھلکے ابال لیں، جب پانی دو سیر کے قریب رہ جائے تو ٹھنڈا کرنے کے بعد استعمال کریں۔

مقوی ہاضمہ۔

الائچی کے بیج، سونف اور زیرہ ان سب کو ہم وزن لے کر ایک ایک تولہ ذرا بھون لیں اور کھانے کے بعد ہر چائے کے چمچ کے برابر استعمال کریں۔

سردیوں کے دنوں کی کھانسی۔

بڑی الائچی کا دانہ، مرچ سیاہ، قلفل، مغز بادام مقشر (بیج نکال کر) ایک ایک تولہ مغز بادام ٹھنڈے پانی میں بھگو کر اس کا چھلکا اتار لیں۔ سب کو کونڈی ڈنڈے سے خوب گھوٹیں، دوا جتنی باریک ہوگی اتنا ہی فائدہ دے گی اگر سخت ہو تو پانی سے تر کر سکتے ہیں۔ جب گولی بننے کے قابل ہو جائے تو جنگلی بیر کے برابر گولیاں بنا لیں، رات کو ایک گولی منہ میں رکھ کر لعاب چوسیں، نسخہ فی الواقع مفید ہے۔

سفوف جریان توڑ۔

جریان کو دور کرنے کا نسخہ اس کے جوڑ کا شاید ہی آپ کو ملے گا۔ عام طور پر جریان کی جس قدر بھی دوائیں ہیں ان سے قبض ہو جاتی ہے، قبض کی حالت میں یہ مرض اور بھی بڑھ جاتا ہے مگر اس نسخہ کے استعمال سے قبض بالکل نہیں ہوتی علاوہ ازیں یہ سفوف نہ زیادہ گرم ہے نہ سرد۔

دانہ الائچی خورد، دانہ الائچی کلاں، اسگندھ ناگوری، تج قلمی، شعب تالمکھانہ ان سب کو ہم وزن لے کر باریک پیس لیں اور اس کے برابر مصری باریک کر کے

اس میں ملالیں' سات ماشہ سے نو ماشہ تک صبح کے وقت دودھ کے ساتھ کھلادیا کریں۔

پیشاب کا جلتے ہوئے آنا اور نیا سوزاک۔

مغز بادام چھلے ہوئے سات عدد' الائچی خورد سات عدد' آدھ سیر پانی میں خوب گھوٹ کر چھان کر مصری ملا کر دن میں تین بار پلائیں۔ چند روز میں آرام ہوگا اگر اس میں دھنیا اور برادہ صندل' ہر ایک تین تین ماشہ اضافہ کردیا جائے تو اور بھی زیادہ اثر دار ہے۔

ہچکی کے لیے۔

دانہ الائچی کلاں نیم بریاں تین ماشہ باریک پیس کر اس میں بقدر دو تولہ کھانڈ ملا کر ایک دو مرتبہ گرم پانی کے ہمراہ استعمال کرانے سے ہچکی فوراً بند ہوجاتی ہے۔

مجربات سیاہ مرچ اکسیر امراض پیٹ۔

سیاہ مرچ بیس تولہ چینی کے برتن میں ڈال کر اس پر نمک لاہوری پانچ تولہ باریک پیس کر ڈالیں اور اس پر پانچ تولہ تیزاب گندھک اور بیس تولہ لیموں کا عرق ڈال کر چینی کے دوسرے پیالے سے ڈھانپ کر رکھ دیں جب تمام پانی وغیرہ مرچوں کے اندر ہی جذب ہوجائے اور مرچیں بالکل خشک ہوجائیں تو شیشی میں سنبھال کر رکھیں۔ کھانا کھانے کے بعد پانچ سے سات مرچیں کھایا کریں یہ کھائی ہوئی غذا کو بخوبی ہضم کرتی ہے اور کھانے میں بے حد لذیز ہے۔

دافع بادی۔

غنچہ گل آک تازہ دس تولہ' نمک سیاہ پانچ تولہ' تینوں اجزاء باریک پیس کر بہ مقدار جنگلی بیر گولیاں بنا کر رکھ لیں۔ کھانا کھانے کے بعد ایک ایک گولی استعمال کریں ہر قسم کی قبض' درد باؤ گولہ' باؤ سول بدہضمی اور دیگر امراض پیٹ کے لیے بہتر ہے۔

علاج ہیضہ۔

کالی مرچ دو تولہ' ہینگ ایک تولہ' کافور ایک تولہ' افیون ایک تولہ' سب کوٹ کر آگ کے پھول پندرہ تولہ میں کھرل کریں اور گولیاں بقدر جنگلی بیر بنا کر ہمراہ عرق پودینہ استعمال کریں۔ مقدار خوراک ایک یا دو تولہ۔

ہڑ اور اس کی فوائد۔

جامع کبیر میں لکھا ہے کہ ہڑ میں ہر بیماری سے شفا ہے اور ہڑ کے فوائد یہ ہیں۔ معدے کی جلن دور کرتی ہے اور ریاح کو تحلیل کرتی ہے۔ بند پیشاب کو کھولتی ہے' دودھ کو بڑھاتی ہے' حیض کو کھول دیتی ہے۔ گردہ کی پتھری کو نکالتی ہے اور سدوں کو کھول دیتی ہے' بلغم کا اخراج کرتی ہے اور بواسیر کے لیے فائدہ مند ہے۔ باہ کی قوت بڑھاتی ہے۔

سونٹھ اور امراض کا علاج۔

ابو نعیم نے ابو سعید سے روایت کی ہے کہ بادشاہ روم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں سونٹھ کا مربہ ایک برتن میں تحفہ بھیجا' آپ ﷺ نے تھوڑا تھوڑا اس میں سے کھلایا۔ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ بدن کی قوت وصحت کے لیے معجونات کا استعمال شریعت میں منع نہیں ہے۔ سونٹھ کا مربہ بھوک لگاتا ہے۔ کھانا ہضم کرتا ہے' قے کو روکتا ہے' کسل کو ختم کرتا ہے' ریاح کو تحلیل کرتا ہے' حافظہ زیادہ کرتا ہے اور غلیظ مادہ نکال دیتا ہے۔

(جاری ہے)

سباس گل...... رحیم یار خان

اس قدر امتحان ارے توبہ
زندگی بس بھی کر نہ اب پاگل

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

خون جلانے سے کیا حاصل یہاں یہی کچھ ہوتا ہے
آپ دلیلوں والے ہیں لوگ وسیلوں والے ہیں

مسز نگہت غفار...... کراچی

کبھی راستے کبھی منزلیں کبھی دوریاں کبھی قربتیں
ہیں راہ حیات کے سلسلے تیری اس میں کوئی خطا نہیں
کہ ہرا رہے تیرا نخلِ جاں تیرے ہر قدم پہ بہار ہو
یہ ہی ورد ہے میرا رات دن میرے لب پہ کوئی دعا نہیں

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

جن کی یادوں سے روشن ہیں میری آنکھیں جالب
دل کہتا ہے ان کو بھی میں یاد آتا ہوں

زرمینہ...... ونڈہ شاہ بلاول

وفا میں اب یہ ہنر اختیار کرنا ہے
وہ سچ کہے نہ کہے اعتبار کرنا ہے

سعدیہ رمضان سعدی...... 186

میرے مالک نے میرے حق میں یہ احسان کیا
خاک ناچیز تھا میں، سو مجھے انسان کیا

حرا رمضان...... اختر آباد

جانے والے کبھی نہیں آتے
جانے والوں کا انتظار نہ کر
عمر بھر جان بن کر فاتح رہ
دل کی بستی کو واگزار نہ کر

فوزیہ سلطانہ...... تونسہ شریف

کسی کے دل میں کیا چھپا ہے یہ تو رب ہی جانتا ہے
دل اگر بے نقاب ہوتے تو سوچو کتنے فساد ہوتے

نیلی ظہیر...... کوٹلہ جام، بھکر

کبھی پتھر سے لکیریں بھی مٹا کرتی ہیں؟
کتنے پاگل ہیں میرے دل سے تیرا نام مٹانے والے

کرن شہزادی...... مانسہرہ

حال دل ہم بھی سناتے لیکن
جب وہ رخصت ہوا تب یاد آیا
بیٹھ کر سایہ گل میں ناصر
ہم بہت روئے جب وہ یاد آیا

مشی خان...... بھیر کنڈ، مانسہرہ

اک بار وہ ملا تھا مجھے بے رخی کے ساتھ
اس دن سے دل کا شہر برابر اداس ہے
دیکھی ہے اس کی آنکھ میں پہلی دفعہ نمی
یوں لگ رہا ہے جیسے سمندر اداس ہے

صائمہ سکندر سومرو...... حیدرآباد سندھ

میں محبتوں کا امین ہوں میں دلوں کی رُت کا یقین ہوں
مجھے پیار کرتے ہیں اہل دل مرے فن سے میرے کلام سے
مری آرزو ہے کہ موم ہوں بھی ان کے دل بھی مرے لیے
جنہیں بیر ہے مری ذات سے، جو ہیں بدگماں میرے نام سے

صائمہ کنول...... کبیر والہ

رات بھر روتے ہیں محبت کی آگ میں لوگ
جنت ہو جاتی زندگی اگر اتنے آنسو عبادت میں بہادیتے

ماروی یاسمین...... چک 44

چاہت، فکر، تقدیر، عشق ومحبت اور وفا
تیری ان ہی عادتوں نے میرا تماشہ بنادیا

عقیلہ رضی...... فیصل آباد

غضب کیا تیری یاد نے
مجھے آن آستایا نماز میں
وہ سجدے بھی قضا ہوئے
جو ادا کیے تھے میں نے نماز میں

طیبہ سعدیہ عطاریہ...... کھٹیالہ

اتنا تو کسی نے چاہا بھی نہ ہوگا
جتنا صرف سوچا ہے میں نے تمہیں

کے ایم نورالشال......کھڈیاں خاص

جو چاہا وہ پالیا فراز
مگر یہ میری زندگی کا مقصد تو نہیں

ایم فاطمہ سیال......محمود پور

نہیں نگاہ میں منزل تو جستجو ہی سہی
نہیں وصال میسر تو آرزو ہی سہی
نہیں تن میں خون فراہم نہ اشک آنکھوں میں
نمازِ شوق واجب ہے بے وضو ہی سہی

حمیرا قریشی......لاہور

مقدمہ بے وفائی کا لڑوں تجھ سے تو کیسے
میرا اپنا ہی دل تیری وکالت کرتا ہے
بچھڑنے کا فقط تصور کرتی ہوں
اس پر بھی یہ دل قیامت کرتا ہے

عابد محمود......ملکہ ہانس

آجائے اچانک جو تیری یاد کسی شب
روتی ہے شب غم بھی مرے ساتھ بہت دیر

دیا آفریں......شاہدرہ

چلتا رہنے دو یہاں سلسلہ دلداری کا
عشق کوئی دین نہیں ہے کہ مکمل ہوجائے

رشک حنا......سرگودھا

اپنے کرب کو چھپا کر ہنسنا مشکل ہوتا ہے
دھیمی دھیمی آگ میں جلنا مشکل ہوتا ہے
یوں تو ضبط بہت ہے ہم کو لیکن کیا بتلائیں
آنکھ تک آئے آنسو پینا مشکل ہوتا ہے

راؤ تہذیب حسین تہذیب......رحیم یار خان

میرے رب نے غرور توڑا ہے
عاجزی بے سبب نہیں آئی

عذرا خان......چک نمبر 572

پچھلے برس تھا خوف تجھے کھو نہ دوں کہیں
اب کے برس دعا ہے تیرا سامنا نہ ہو

ارم کمال......فیصل آباد

جو مسکرائیں تو ہنس ہنس پڑیں کئی موسم
وہ گنگنائے تو بادِ صبا ٹھہر جائے
وہ ہونٹ ہونٹوں پر رکھ دے ارم آخر
مجھے گماں ہے کہ آتی فضا ٹھہر جائے

ثنا اعجاز......رجانہ

ہاتھ اٹھاؤں اور تیرا نام نہ لوں بھلا ممکن ہے
تم میری دعاؤں میں شامل ہو آمین کی طرح

شمع مسکان......جام پور

کہنے کو تو ایک لفظ محبت ہے مسکان
مگر پوری زیست بدل دی اس نے

کوثر خالد......جڑانوالہ

میری آنکھوں میں ضبط اشک بھردے
تم منزل ذرا آسان کردے
مجھے اقبال کی دے دے بصیرت
وہی ذوق سخن بھی عطا کردے

رابعہ عمران چوہدری......رحیم یار خان

دنیا میں یوں تو جلوہ نما تھے ہزار رنگ
تیرا جدا تھا رنگ جہاں تک نظر گئی

نمرہ نعیم......کراچی

وہ جو جذبات کی حرمت سے ہی ناواقف تھے
کیسے ممکن تھا کہ وہ پیار کی عزت کرتے

فائزہ بھٹی......پتوکی

وقت رخصت ہے یا نزع طاری
روئیں روئیں میں چبھن جاں کنی کی ہے

طلعت نظامی......کراچی

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں
شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی
ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں

bshijab@gmail.com

کچن کارنر

زہرہ جبیں

ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
نمک	حسب ضرورت
چائنیز نمک	ایک چائے کا چمچ
کوکنگ آئل	دو پیالی
سلاد	سجانے کے لیے

ترکیب:۔

بیسن میں ایک چمچ ہری مرچ' ٹماٹر کا پیسٹ' کالی مرچ' انار دانہ ایک چمچ لال مرچ پاؤڈر' پسا ہوا دھنیا' ہلدی اور نمک ڈال کر پیسٹ بنالیں۔ پھر دھو کر خشک کیے ہوئے چکن کو اس پیسٹ میں ڈیپ کر کے گرم تیل میں فرائی کرتے جائیں پھر اسی تیل میں باریک کٹی ہوئی پیاز ہلکی سنہری کرلیں پھر اس میں بقایا لہسن ادرک پیسٹ' ٹماٹر' کٹی ہوئی ہری مرچ' ایک چمچ لال مرچ' نمک اور چائنیز نمک ڈال کر دو منٹ بھونیں پھر اس میں دہی بھی شامل کرلیں۔ مزید دو منٹ بھوننے کے بعد اس میں فرائی چکن شامل کردیں۔ پسا ہوا گرم مصالحہ چھڑک کر دو منٹ کے لیے ہلکی آنچ پر ڈھکن سے ڈھانپ دیں پھر ڈش میں نکال کر سلاد کے پتوں کے ساتھ سجا کر پیش کریں۔

مہوش کلی...... بورے والا

فروٹ لسی

اجزاء:۔

دہی	ایک کلو
پپیتا	ایک پیالی
خربوزہ	ایک پیالی
شکر	حسب ذائقہ
برف	حسب ذائقہ
دودھ	ڈیڑھ کپ
الائچی	چند دانے

ترکیب:۔

دہی میں کٹا ہوا پپیتا' خربوزہ' شکر' دودھ' الائچی اور برف ملا کر بلینڈ کرلیں' چاہیں تو کیوڑہ بھی شامل کرلیں' صحت بخش فروٹ لسی تیار ہے۔

سمیرا اشتاق ملک...... اسلام آباد

چکن لیگ پیس

اجزاء:۔

چکن لیگ پیس	ایک کلو
بیسن	دو پیالی
دہی	ایک پیالی
پیاز	دو عدد درمیانی
ٹماٹر	دو عدد
لہسن ادرک	پیسٹ دو کھانے کے چمچ
کٹی ہوئی ہری مرچ	دو کھانے کے چمچ
کٹی ہوئی کالی مرچ	ایک چمچ
انار دانہ کٹا ہوا	ایک چائے کا چمچ
پسا ہوا دھنیا	ایک چائے کا چمچ
گرم مصالحہ پسا ہوا	ایک چائے کا چمچ
لال مرچ پسی ہوئی	دو کھانے کے چمچ

مغز مصالحہ

اجزاء:۔

مغز	250 گرام
نمک	حسب ذائقہ
ادرک لہسن پیسٹ	دو چائے کے چمچ
ہرا دھنیا' پودینہ	ایک گڈی (چوپ کرلیں)
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
ہلدی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
پیاز' ٹماٹر	دو دو عدد (چوپ کرلیں)
دہی	ایک کپ
ہری مرچیں	دو عدد
گھی	ایک کپ

ثابت زیرہ	ایک چائے کا چمچ

ترکیب:۔

ایک پتیلی میں گھی ڈال کر گرم کر کے اس میں پیاز ڈال کر لائٹ براؤن کر لیں' اب اس میں ٹماٹر' کلونجی' ادرک لہسن پیسٹ ڈال کر بھونیں کچھ دیر بعد ہلدی پاؤڈر' نمک' لال مرچ پاؤڈر' گرم مصالحہ اور ثابت زیرہ ڈال کر بھونیں۔ مغز کو ٹھنڈے پانی میں ڈال کر اس کی اوپر والی جھلی اتار لیں اور مکمل طور پر صاف کر کے ٹکڑے کر لیں۔ پتیلی میں دہی' پودینہ' ہری مرچیں' ہرا دھنیا اور مغز ڈال کر پکائیں' ڈھک کر ہلکی آنچ پر اس وقت تک پکائیں کہ گھی مصالحے سے الگ ہو جائے' مزے دار مغز مصالحہ تیار ہے' تندوری روٹیوں یا نان کے ساتھ سرو کریں۔

طاہرہ ملک..... جلال پور پیروالا

چسکہ بریڈ پکوڑا

اشیاء:۔

ڈبل روٹی کے سلائس	چھ سے سات عدد
بیسن	آدھی پیالی
زیرہ	تھوڑا سا
نمک	حسب ذائقہ
پسی سرخ مرچ	حسب ذائقہ
کلونجی	دو چٹکی
تیل	تلنے کے لیے

ترکیب:۔

سب سے پہلے بیسن لے کر اسے ایک پیالے میں ڈالیں اور پانی میں گھول لیں۔ اب نمک' سرخ مرچ پسی ہوئی' زیرہ اور کلونجی ملا کر ایک طرف رکھ دیں۔ اب بریڈ کے ایک ٹکڑے کے چار ٹکڑے کاٹ لیں اور بیسن کے آمیزے میں ڈبو کر گرم تیل میں تلنے کے لیے ڈال لیں۔ سنہری ہونے پر باہر نکال لیں یہ بہت ہی مزے دار بنتے ہیں' خصوصاً سردیوں کے لطف کو دوبالا کر دیتے ہیں۔ ساتھ میں املی کی چٹنی بنانا نہ بھولیے گا مزے سے کھائیں اور ہمیں دعائیں دیں۔

سعدیہ رشید بھٹی..... فیصل آباد

کوفتہ پلاؤ

اشیاء:۔

باسمتی چاول	ایک کلو
باریک قیمہ	آدھ کلو
گھی	ڈیڑھ پاؤ
ادرک	آدھ چھٹانک
لہسن	دو پوتھی
الائچی خورد	آٹھ عدد
دار چینی	دو انچ دو عدد
سرخ مرچ	چھ عدد
چنے کا بیسن	دو تولہ
پیاز	ایک پاؤ
نمک	حسب ذائقہ
گلاب	ایک چھٹانک
زعفران	تین ماشہ
دودھ	آدھ پاؤ
خشخاش	تھوڑی سی

ترکیب:۔

قیمہ میں نصف گرم مصالحہ دو عدد سرخ مرچ اور آدھی پوتھی لہسن اور اتنی ہی ادرک سب کو باریک پیس کر تھوڑا سا نمک اور چنے کا بیسن اور خشخاش یہ سب چیزیں ملا کر چھوٹے چھوٹے کوفتے بنا لیں۔ اب باقی گھی کو دوسری دیگچی میں چڑھا کر نصف پیاز کو لچھے دار کتر کر براؤن کر کے نکال لیں۔ پسے ہوئے مصالحے کو معہ ایک چھٹانک پانی کے اس گھی میں ڈال دیں نمک بھی ایک چمچہ ڈالیں۔ جب پانی خشک ہو جائے تو کوفتے ڈال لیں ایک پاؤ پانی کا اور اضافہ کر لیں۔ پانی خشک ہونے پر اتار لیں' کسی دیگچی میں دو کلو پانی ڈال کر گرم مصالحہ اور چائے کے دو چمچے نمک ڈال کر آگ پر رکھیں۔ جب پانی خوب کھولنے لگے' چاول دھو کر ڈال دیں اور ایک کنی باقی رہنے پر چاول اتار کر کپڑے میں چھان کر پانی نکال لیں پھر چاول کو دیگچی میں ڈال کر تیار شدہ کوفتوں کو

بیچ میں ڈال دیں۔ گلاب، زعفران چھڑک کر چاولوں کو چاروں طرف سے کوفتوں کے اوپر کردیں پھر پاؤ بھر دودھ کے چھینٹے دے کر سرپوش رکھ کر ہلکی آنچ پر رکھ چھوڑیں آدھے گھنٹہ بعد ڈش میں نکال کر پیاز چھڑک دیں' کوفتہ پلاؤ تیار ہے۔

سین فضل.....احسان پور

لب شیریں

اجزاء:

دودھ	دو کلو
کسٹرڈ پاؤڈر	اسٹرابری فلیور
چینی	دو کھانے کے چمچ
بادام (باریک کٹے ہوئے)	آدھا کپ
سیب (چھوٹے سائز کا کٹا ہوا)	ایک عدد
جیلی	اورنج فلیور
چاکلیٹ (چھوٹے سائز میں کٹی ہوئی)	ایک عدد

ترکیب:

کسٹرڈ اور جیلی کو علیحدہ علیحدہ برتنوں میں تیار کر کے ٹھنڈا کرلیں، جیلی کے ٹھنڈا ہونے پر اس کے چھوٹے چھوٹے کیوبز کرلیں۔ کٹے ہوئے سیب کو ایک برتن میں چینی ڈال کر ہلکی آنچ پر رکھ دیں' چینی کے مکس ہونے پر سیب اتارلیں' کٹے ہوئے باداموں کو ایک برتن میں ڈال کر تین سے چار منٹ تک پکائیں اور براؤن ہونے پر اتارلیں۔ پہلے برتن میں تھوڑا سا کسٹرڈ اور ڈال کر اوپر جیلی کی تہہ لگالیں اور پھر بادام پھیلادیں اور سیب کی تہہ لگائیں اس کے اوپر پھر کسٹرڈ اور جیلی کی تہہ لگائیں۔ ٹھنڈا ہونے پر اس کے اوپر چاکلیٹ اور باقی بادام بھی پھیلادیں' مزے دار لب شیریں تیار ہے۔

ایم فاطمہ سیال.....محمود پور

فرائیڈ مکئی کے پیٹیز

(تھائی ڈش ہے)

اشیاء:

مکئی کے دانے	دو پیالی
کالی مرچ	1/4 کھانے کے چمچ
انڈا	ایک عدد
آئل	دو کپ
لہسن (باریک کٹا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
گیہوں کا آٹا	دو کھانے کے چمچ
نمک	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:

سب سے پہلے مکئی آٹا انڈے نمک لہسن اور کالی مرچ کو ملا کر پیسٹ بنالیں پھر ایک فرائنگ پین میں آئل گرم کریں' جتنی دیر آئل گرم ہوتا ہے اتنی دیر پیسٹ میں سے ایک کھانے کا چمچ لے کر اسے انگلیوں کی مدد سے پیٹیز کی طرح چپٹا کر کے گرم آئل میں تل لیں اس طرح سارے پیسٹ کے پیٹیز تل لیں۔ خیال رکھیں کہ پیسٹ زیادہ پتلا نہ ہو پیٹیز براؤن ہونے لگیں تو ٹشو پیپر پر نکال لیں پھر کسی بھی مزے دار چٹنی کے ہمراہ شام کی چائے کے ساتھ نوش فرمائیں۔

ارم شہزادی ٹی ایم.....کولیاں شاہ حسن ڈنگہ

کھجور کا حلوہ

اشیاء:

کھجور	آدھا کپ
دودھ	آدھا کلو
انڈے	تین عدد
گھی	آدھا پاؤ
چینی	دو کھانے کے چمچ
پستہ بادام	دو دو کھانے کے چمچ

ترکیب:

کھجوروں میں سے گٹھلی نکال کر انہیں میش کرلیں' ایک پتیلی میں گھی ڈال کر گرم کریں اور اس میں میش کی ہوئی کھجوریں ڈال دیں' تھوڑا سا بھون کر اس میں تھوڑا سا دودھ ڈال دیں اور ساتھ ہی پستہ اور بادام ایک ایک چمچ (جو باریک کٹا ہوا ہو) ڈال دیں پھر باقی کا دودھ بھی ڈال دیں اور اتنا بھونیں کہ گھی چھوڑ جائے پھر حلوے کو پلیٹ میں نکالیں۔ ابلے ہوئے انڈوں کو قتلوں کی شکل میں کاٹ کر

حلوے کی اوپر ڈال دیں اور بقایا بادام اور پستے حلوے کے اوپر چھڑک دیں لیجیے مزے دار حلوہ تیار ہے۔

ناہید اختر..... احسان پور

تندوری پسندہ کباب

اجزاء:

گائے کا گوشت	ایک پاؤ (بون لیس)
تندوری مصالحہ	تین کھانے کے چمچ
ادرک لہسن	ایک کھانے کا چمچ
لیموں	دو عدد
دہی	تین کھانے کے چمچے
تیل	حسب ضرورت

گارنش کے لیے

پیاز	ایک عدد (کٹا ہوا)
لیموں	ایک عدد سلائس کرلیں
سلاد کا پتہ	حسب ضرورت

ترکیب:

گوشت کو ایک پیالے میں ڈال دیں اب اس میں دہی تندوری مصالحہ ادرک لہسن کا پیسٹ ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں اب اس میں لیموں کا رس اور نمک ڈال کر مکس کرلیں اور پلاسٹک ریپ میں ڈھک کر فریج میں دو گھنٹے کے لیے میری نیٹ کردیں۔ اب گرل پین میں گھی لگا کر گرم کریں۔ گوشت کو گرل پین پر رکھ کر فرائی کریں جب ایک سائیڈ سنہری مائل ہوجائے تو پلٹا دیں۔ لیجیے مزے دار تندوری پسندہ کباب تیار ہے۔

سلاد کے پتے کے اوپر کباب رکھ دیں اور لیموں کے سلائس بھی ساتھ میں رکھ لیں نائستہ اور نان کے ساتھ پیش کریں۔

نجم انجم اعوان..... کراچی

دہی بڑا کباب

اجزاء:

چنے کی دال بھیگی ہوئی	2 پیالی
ادرک چوپ کی ہوئی	ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچیں چوپ کی ہوئی	4 عدد
پیاز چوپ کی ہوئی	2 کھانے کے چمچے
سوکھی گول لال مرچیں	5 عدد
دار چینی	ایک ٹکڑا
بڑی الائچی	ایک عدد
پسا ہوا گرم مصالحہ	2 چائے کے چمچے
ہرا دھنیا	2 کھانے کے چمچے
پانی	ایک پیالی
نمک	حسب ذوق

دہی بڑے کے اجزاء:

دہی	500 گرام
ہری مرچیں	چوپ کی ہوئی عدد
پودینہ چوپ کیا ہوا	2 کھانے کے چمچے
لیموں کا رس	2 چائے کے چمچے
انڈہ	ایک عدد
نمک	1/2 چائے کا چمچہ
تیل	تلنے کے لیے

ترکیب:

چنے کی دال میں لال مرچیں، دار چینی، بڑی الائچی، گرم مصالحہ، ادرک، پانی اور نمک ملا کر دال گلنے تک پکائیں۔ اسے چوپر میں یکجان کرکے پیالے میں نکالیں۔ اس میں ہرا دھنیا، پودینہ، ہری مرچ اور پیاز ملالیں۔ دہی کو ململ کے کپڑے میں باندھ کر لٹکا دیں۔ جب سارا پانی نکل جائے تو پیالے میں ڈالیں اور انڈے کے علاوہ بڑے کے اجزا ملا کر چھوٹے چھوٹے بڑے بنالیں۔ دال کا تھوڑا سا آمیزہ ہتھیلی پر پھیلائیں اور دہی کا بڑا رکھ کر لپیٹ لیں۔ اس عمل کو دہراتے ہوئے سارے آمیزے کے کباب بنا کر انڈے میں لپیٹ لیں۔ فرائنگ پین میں تیل گرم کریں اور کباب سنہری تل کر نکال لیں۔

شاہین قمر..... گجرات

چہرے کا حسن

چہرے کے حسن کو دلکش رکھنے کے لیے ہر روز میک اپ کو اچھے طریقے سے صاف کرنا اور جلد کی کلینزنگ کرنا ضروری ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ کلینزنگ ملک کا غیر ضروری استعمال یا نامناسب کلینزنگ پروڈکٹس کا انتخاب آپ کی جلد کے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔ قدرت نے جلد کو ایک مخصوص حفاظتی دیوار کی طرز پر بنایا ہے جو گرد وغبار اور میل کو جلد کے اندرونی حصوں تک پہنچنے سے روکتی ہے اور مفید مادوں مثلاً نمی اور چکنائی کو ضائع ہونے سے روکتی ہے لیکن غیر معیاری کلینزر کا انتخاب جلد کی اس کارکردگی کو متاثر کرکے خراب کرسکتا ہے۔ عام طور پر چکنی جلد کی حامل خواتین جلد کی صفائی اور کلینزر کے استعمال کے سلسلے میں بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کرتی ہیں جس کے نتیجے میں جلد میں موجود نمی اور چکنائی کی مقدار میں کمی واقع ہونے لگتی ہے۔ کلینزنگ ملک منتخب کرتے وقت سب سے ضروری امر یہ ہے کہ اس پر دیئے گئے اجزاء کی فہرست کو بغور پڑھیں اور جس کلینزر کی تیاری میں الکوحل شامل کیا گیا ہو اسے خریدنے سے مکمل طور پر اجتناب کریں کیونکہ الکوحل جلد کو اس قدرتی خوب صورتی اور دلکشی بحال رکھنے کے لیے ضروری چکنائی سے محروم کردیتی ہے اگر آپ کی جلد کلینزنگ کے بعد تن جائے اور خشکی مائل محسوس ہوتو فوراً اس کلینزر کا استعمال ترک کردیں اور اس عمل میں مناسب وقفہ ڈالنا شروع کریں۔

چہرے کی حفاظت ضروری

چہرہ خوب صورت شخصیت کو نکھارنے کا اہم ذریعہ ہوتا ہے تاہم اس کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ اگر چہرے پر کیل مہاسے نکل آئیں تو انڈے کا چھلکا باریک پیس کر انگوری سرکہ میں ملائیں اور رات چہرے پر لیپ کرکے صبح منہ دھولیں۔ رات کو سونے سے قبل روغن زیتون چہرے پر ملنے سے جھریاں دور اور جلد نرم ہوجاتی ہے۔ کیل مہاسوں سے نجات کے لیے دن میں دو مرتبہ گرم پانی میں تولیہ بھگو کر چہرے پر لگائیں پھر بادام کی گری کوٹ کر اس میں تھوڑی سی گلیسرین، لیموں کا رس اور عرق گلاب شامل کرکے لگائیں اور صبح ٹھنڈے پانی کے چھینٹے منہ پر ماریں۔

چہرے اور جلد کی حفاظت کیسے؟

موسم کے بدلتے ہی حسن بھی ماند پڑنا شروع ہوجاتا ہے اور خواتین پارلر کا رخ کرتی ہیں جلد کی حفاظت گھر پر بھی کی جاسکتی ہے۔ جلد کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے چہرے کو موئسچرائزنگ اور کلینزنگ کے ساتھ ساتھ اپنی جلد کو سورج کی روشنی کے مضر اثرات اور موسم کی تمازت سے محفوظ رکھیں صرف چہرے کی جلد ہی اس موسم میں توجہ نہیں مانگتی بلکہ جسم، گردن، ہاتھ، بازو اور پاؤں بھی توجہ چاہتے ہیں اس لیے چہرے کے ساتھ ساتھ جلد کے باقی حصوں کی حفاظت روٹین ورک میں شامل کریں۔ گلیسرین، عرق گلاب اور لیموں کو ہم وزن ملا کر یہ آمیزہ کسی صاف بوتل میں کرکے فریج میں رکھ دیں، ٹونر کے طور چہرے پر اور گردن پر لگائیں۔ ٹماٹر کے دو سلائس کاٹ کر فریزر میں رکھ دیں جب بھی کہیں باہر سے آئیں تو یہ سلائس چہرے پر مل لیں چہرے کی رونق بحال ہوجائے گی۔ خشک دودھ ایک چائے کا چمچ اور جو کا آٹا عرق گلاب میں ملا کر گاڑھا لیپ بنالیں۔ ہفتے میں دو بار یہ ماسک لگانے سے رنگت نکھر آئے گی، انڈے کی سفیدی میں بادام کا پاؤڈر پیس کر ملالیں۔ رات سونے سے پہلے اس مرکب کو چہرے پر ماسک کی طرح لگائیں اور پھر ٹھنڈے پانی سے دھودیں، جلد اور چہرے کی شگفتگی بہت دنوں تک قائم رہے گی۔

چہرے کی حفاظت روغن بادام سے

طبی ماہرین کے مطابق بادام کا تیل صحت کے لیے بہترین ہے۔ چہرے پر بادام کے تیل کی مالش سے چہرہ تروتازہ اور شاداب رہتا ہے۔ یہ طریقہ ماضی میں بہت مقبول تھا شاہی گھرانے کی خواتین اسے معمول میں شامل رکھتی تھیں اب اسے "میجک آف ایسٹ" کے نام سے مغربی ممالک میں خاصی پذیرائی حاصل ہے۔ یہ طریقہ نہایت آسان ہے اس لیے اسے اتنا سراہا گیا، سب سے پہلے آپ اپنے چہرے کو دودھ میں بھیگے کاٹن سے صاف کیجیے، صفائی کرتے وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ رگڑ نہ زیادہ ہلکی ہو اور نہ بہت زیادہ تیز بس درمیانی دباؤ رکھیں۔ اب نیم گرم روغن بادام عرق گلاب چند قطرے شامل کرکے چہرے پر مساج کے انداز میں ہلکے ہلکے مالش کریں اور یہ عمل پانچ منٹ تک جاری رکھیں اس طرح چہرے کی ورزش

بھی ہوجائے گی اور چہرے پر نظر آنے والی جھریاں بھی آہستہ آہستہ ختم ہوجاتی ہیں۔

بلیچ کریم کے فوائد و نقصانات

اکثر خواتین بلیچ کریم کو رنگ گورا کرنے کے لیے مفید خیال کرتی ہیں اس لیے بہت کم وقفوں سے چہرے کی جلد کو عام بلیچ کرنے لگتی ہیں۔ جبکہ درحقیقت یہ کریمیں محض جلد پر موجود بالوں کو بھورا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ یہ کریمیں عام طور پر انتہائی کیمیائی اجزا کو ملا کر تیار کی جاتی ہیں جس کی وجہ سے انہیں استعمال کرنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بالوں کے ساتھ ساتھ جلد کی رنگت بھی گولڈ براؤن ہوکر خوب صورت لگنے لگی ہے جبکہ درحقیقت ایسا نہیں ہوتا' تیز کیمیائی اجزا پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ جلد کی مجموعی صحت اور خوب صورتی پر انتہائی مضر اثرات مرتب کرتی ہیں جس کی وجہ سے اکثر خواتین کو جلد سے متعلقہ مسائل کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔ کچھ خواتین اور بالخصوص کالج جانے والی لڑکیاں محض ایک دوسرے کے کہنے سننے میں آکر اپنی جلد کو تختہ مشق بنالیتی ہیں اور اس پر نت نئے تجربات کرنے لگتی ہیں۔ مثال کے طور پر کچھ لڑکیاں محض ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے بلیچ کریم میں صابن پیس کر ملالیتی ہیں۔

فاؤنڈیشن

فاؤنڈیشن چہرے کے میک اپ کے لیے انتہائی اہم چیز ہے یہ معمولی سے معمولی نقص کو چھپا کر باقی میک اپ کے لیے ایک سطح فراہم کرتا ہے۔ فاؤنڈیشن چہرے کے بعض حصوں کو نمایاں کرنے اور چمک دار بنانے کے کام بھی آتا ہے۔ فاؤنڈیشن دو قسم کے ہوتے ہیں ایک میں چکنائی بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا جلد کی مناسبت سے اس کا انتخاب کریں۔ فاؤنڈیشن خریدنے سے پہلے بوتل سے تھوڑا سا فاؤنڈیشن نکال کر اپنی کلائی پر لیں اگر یہ جلد پر نمایاں نظر نہیں آرہا تو سمجھ لیں یہ شیڈ آپ کے لیے مناسب ہے۔ پورے چہرے پر فاؤنڈیشن لگانے کے بجائے جہاں ضرورت ہو وہاں لگائیں گردن اور کانوں پر بھی ہلکا فاؤنڈیشن لگائیں تاکہ یہ حصے بھی چہرے کی رنگت کے مطابق نظر آئیں۔

فیس پاؤڈر

بازار میں تین شیڈز کے فیس پاؤڈر دستیاب ہیں مگر آپ ان میں سے وہی منتخب کریں جو جلد کی رنگت سے مطابقت رکھتا ہو۔ گندمی رنگت والی خواتین ابھرتے ہوئے شیڈ کا استعمال کریں جیسے سنی پیڈ' سنی گلاس یا مارننگ گلو وغیرہ۔ سرخ و سفید رنگت کے لیے گہرے رنگ کے شیڈز بہتر ہیں اگر جلد میں سرخی کا عنصر کچھ کم ہے تو ایسا فیس پاؤڈر استعمال کریں جس سے یہ کمی پوری ہوجائے۔ فیس پاؤڈر کو پف یا برش کی مدد سے چہرے اور گردن پر اس طرح لگائیں کہ دونوں ہم رنگ نظر آئیں کہیں کمی یا زیادتی نہ ہو۔ پاؤڈر لگانے سے میک اپ دیر تک قائم رہتا ہے اس کے علاوہ یہ جلد کی حفاظت کرتا ہے اور جلد سے نکلنے والی فاضل چکنائی کو جذب کرتا ہے فیس پاؤڈر کو رات سونے سے پہلے اچھی طرح کلینزنگ کریں تاکہ جلدی امراض سے بچ سکیں۔

بلشر کا استعمال

خواتین کی جلد نرم و نازک ہوتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ جلد پر فاؤنڈیشن لگانے سے پہلے طے کرلیں کہ آپ کی جلد پر کس طرح کا فاؤنڈیشن لگانا مناسب رہے گا اگر آپ کی جلد چکنی ہے تو اس کے لیے پانی یا گلیسرین والے فاؤنڈیشن کا استعمال مناسب رہے گا۔ اس کے مقابلے میں اگر جلد خشک ہو تو پھر پاؤڈر کی بجائے کریم یا بلشر کا استعمال کریں اگر جلد ملی جلی نوعیت کی ہے تو کوئی سا بھی فارمولا استعمال کرسکتی ہیں۔ عام طور سے خوب صورت بنانے کے لیے یہ بھی جان لیں کہ ان کے گالوں کے لیے کون سا رنگ اچھا ہے اور اگر انہیں پاؤڈر کی بلینڈنگ کرنی نہیں آتی یعنی اس میں مختلف رنگوں کو مکس کرنا نہیں آتا تو اس بات کا خیال رکھیں کہ ان کی جلد کس قسم کی ہے اور ان خواتین کو چاہیے کہ وہ لیکوئیڈ اور کریم کا استعمال کریں اور ان کو فاؤنڈیشن کے طور پر استعمال کرنا چاہتی ہے تو پھر ان کی پتلی سی تہہ گالوں پر جمائیں اور جلد خشک ہے اور آپ ہیوی لک چاہتی ہیں تو پاؤڈر بلشر لگائیں۔ اس بات کا خیال رکھیں کہ جلد اچھی طرح موئسچرائز ہوچکی ہو سب سے پہلے فاؤنڈیشن لگائیں اس کے بعد پاؤڈر' کریم جیل یا لیکوئیڈ بلشر لگائیں۔ بلشر کا استعمال کرتے وقت یہ بات یاد رکھیں کہ برش اوپر سے مڑا ہو جبکہ شفاف پاؤڈر برش اوپر سے چوڑا ہونا چاہیے۔ پاؤڈر بلشر لگاتے وقت اگر کوئی لکیر نظر آئے تو اس پر اسفنج پھیریں۔

غزل

کبھی کوئی روٹھ جائے تو بڑی تکلیف ہوتی ہے
سہارے چھوٹ جائیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے
برسوں سے محبت کی رگوں میں سانسیں چلتی ہیں
بھروسہ ٹوٹ جائے تو بڑی تکلیف ہوتی ہے
کسی کے ساتھ چلنے کی نہ اب قسمیں کبھی کھانا
یہ قسمیں ٹوٹ جائیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے
سنو ہر اک سے یہ نہ کہنا کہ تیرے ہیں فقط تیرے
یہ راز چھوٹ جائیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے
امیدوں سے ہوتی ہیں وابستہ زندگی فراز
امیدیں ٹوٹ جائیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے

انتخاب: احمد فراز
زرینہ..... ونده شاه بلاول

غزل

تعلق توڑتا ہوں تو مکمل توڑ دیتا ہوں
جسے میں چھوڑتا ہوں مکمل چھوڑ دیتا ہوں
محبت ہو کہ نفرت ہو بھرا رہتا ہوں شدت سے
جدھر سے آئے یہ دریا ادھر ہی موڑ دیتا ہوں
یقین رکھتا نہیں ہوں میں کسی کچے تعلق پر
جو دھاگا ٹوٹنے والا ہو اس کو توڑ دیتا ہوں
میرے دیکھے ہوئے سپنے کہیں لہریں نہ لے جائیں
گھروندے ریت کے تعمیر کر کے چھوڑ دیتا ہوں
میں شیشہ گر نہیں آئینہ سازی تو نہیں آتی
جو دل ٹوٹے تو ہمدردی سے اس کو جوڑ دیتا ہوں
عدیم اب تک وہی بچپن وہی تخریب کاری ہے
قفس کو توڑ دیتا ہوں پرندے چھوڑ دیتا ہوں

شاعر: عدیم ہاشمی
سعدیہ رمضان سعدی..... 186

غزل

نہ جی بھر کے دیکھا نہ بات کی
بڑی آرزو تھی ملاقات کی
شب ہجر تک کو یہ تشویش ہے
مسافر نے جانے کہاں رات کی
مقدر میری چشم پر آب کا
برستی ہوئی رات برسات کی
اجالوں کی پریاں نہانے لگیں
ندی گنگنائی خیالات کی
میں چپ تھا تو چلتی ہوا رک گئی
زباں سب سمجھتے ہیں جذبات کی
کئی سال سے کچھ خبر ہی نہیں
کہاں دن گزارا کہاں رات کی

شاعر: بشیر بدر
مدیحہ نورین..... برنالی

غزل

غم عاشقی سے کہہ دو رہ عام تک نہ پہنچے
مجھے خوف ہے یہ تہمت مرے نام تک نہ پہنچے
میں نظر سے پی رہا تھا تو یہ دل نے بد دعا دی
ترا ہاتھ زندگی بھر کبھی جام تک نہ پہنچے
یہ ادائے بے نیازی تجھے بے وفا مبارک
مگر ایسی بے رخی کیا کہ سلام تک نہ پہنچے
جو نقاب رخ اٹھا دی تو یہ قید بھی لگا دی
اٹھے ہر نگاہ لیکن کوئی بام تک نہ پہنچے
نئی صبح پر نظر ہے مگر آہ! یہ بھی ڈر ہے
یہ سحر بھی رفتہ رفتہ کہیں شام تک نہ پہنچے
وہی اک خموش نغمہ ہے شکیل جان ہستی
جو زبان پر نہ آئے جو کلام تک نہ پہنچے

شاعر: شکیل بدایونی
مشی خان..... بھیر کنڈ مانسہرہ

غزل

یہ کس نے کہا تم کوچ کرو باتیں نہ بناؤ انشاء جی

یہ شہر تمہارا اپنا ہے اسے چھوڑ نہ جاؤ انشاء جی
جتنے بھی یہاں کے باسی ہیں سب کے سب تم سے پیار کریں
کیا ان سے بھی منہ پھیرو گے یہ ظلم نہ ڈھاؤ انشاء جی
کیا سوچ کے تم نے سینچی تھی یہ کیسی کیاری چاہت کی
تم جن کو ہنسانے آئے تھے ان کو نہ رلاؤ انشاء جی
تم لاکھ سیاحت کے ہو دھنی ایک بات ہماری بھی مانو
کوئی جا کے جہاں سے آتا نہیں اس دیس نہ جاؤ انشاء جی
بکھراتے ہو سونا حرفوں کا تم چاندی جیسے کاغذ پر
پھر ان میں اپنے زخموں کا مت زہر ملاؤ انشاء جی
ایک رات تو کہا وہ حشر تلک رکھے گی کھلا دروازے کو
کب لوٹ کے تم گھر آؤ گے ہمی کو بتاؤ انشاء جی
نہیں صرف قتیل کی بات یہاں کہیں ساحر ہے کہیں لالی ہے
تم اپنے پرائے یاروں سے دامن نہ چھڑاؤ انشاء جی
شاعر: قتیل شفائی
ارم کمال...... فیصل آباد

غزل

سکوت شام خزاں ہے قریب آجاؤ
بڑا اداس سماں ہے قریب آجاؤ
نہ تم کو خود پہ بھروسہ نہ ہم کو زعم وفا
نہ اعتبار جہاں ہے قریب آجاؤ
راہِ طلب میں کسی کو کسی کا دھیان نہیں
ہجوم ہم سفراں ہے قریب آجاؤ
جو دست عشق میں بچھڑے وہ عمر بھر نہ ملے
یہاں دھواں ہی دھواں ہے قریب آجاؤ
یہ آندھیاں ہیں تو شہر وفا کی خیر نہیں
زمانہ خاک فشاں ہے قریب آجاؤ
فراز دور کے سورج غروب سمجھے گئے
یہ دور کم نظراں ہے قریب آجاؤ
شاعر: احمد فراز
حرا رمضان...... اختر آباد

محبت

مانگ خالی
رہی تو کیا غم ہے؟
دل یہ درد سے
بھرا ہے نا؟
آنکھیں سپنوں سے نگاہ چراتی ہیں
روح بے کل سوال کرتی ہے
یہ عجب امتحان ہوا جس میں
زندگی زندگی سے روٹھ گئی
آس امید ہی سب ہی چھوٹ گئی
آرزو آرزو سے نالاں ہے
سانس بھاری ہے
ہیں دھڑکنیں بوجھل
ایک بے نام سی اداسی ہے
کیا کہیں اپنی بے بسی پر ہم
خود ہی چل کر گئے تھے مقتل میں
پیار کا طوق خود ہی پہنا تھا
جس نے سب خواہشوں کو مار دیا
اک محبت میں جیون ہار دیا
شاعر: سباس گل
عروج فاطمہ...... ملتان

نظم

تمہیں بھی تو خبر ہوگی......
کہ دریا پاس بہتا ہو تو پانی اچھا لگتا ہے
کنارے سے جڑی مٹی سے پوچھو دکھ چاہت کا
کہ اس پانی کی چاہت میں......
کناروں سے بچھڑ کر دور اجنبی دیسوں کو جانا
کتنا مشکل ہے......
کنارہ پھر نہیں ملتا
تمہیں بس اتنا کہنا ہے
یہاں جو بھی بچھڑ جائے
دوبارہ پھر نہیں ملتا......!
شاعرہ: نازیہ کنول نازی
ارم شہزادی ٹی ایم...... کولیاں شاہ حسین ڈنگہ

اے روح محمد ﷺ

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
وہ لذت آشوب نہیں بحر عرب میں
پوشیدہ جو ہے مجھ میں طوفان کدھر جائے
ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و ناد
اس کوہ و بیاباں سے حدی خوان کدھر جائے
اس روز کو اب فاش روح محمد ﷺ!
آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

کلام: علامہ اقبال

غزل فاطمہ سگو......

تیری آنکھیں

بھڑکا ئیں میری پیاس کو اکثر بڑی آنکھیں
صحرا مرا چہرہ ہے سمندر تری آنکھیں
پھر کون بھلا درد تبسم انہیں دے گا
روئیں گی بہت مجھ سے بچھڑ کر تری آنکھیں
خالی جو ہوئی شام غریباں کی ہتھیلی
کیا کیا نہ لٹاتی رہیں گوہر تری آنکھیں
بوجھل نظر آتی ہیں بظاہر مجھے لیکن
کھلتی ہیں بہت دل میں اتر کر تری آنکھیں
اب تک میری یادوں سے مٹائے نہیں مٹتا
بھیگی ہوئی اک شام کا منظر تری آنکھیں
ممکن ہو تو اک تازہ غزل اور بھی کہہ دوں
پھر اوڑھ نہ لیں خواب کی چادر تری آنکھیں
میں سنگ صفت ایک ہی رستے میں کھڑا ہوں
شاید مجھے دیکھیں گی پلٹ کر تری آنکھیں
یوں دیکھتے رہنا اسے اچھا نہیں محسن
وہ کانچ کا پیکر ہے تو پتھر تری آنکھیں

کلام: محسن نقوی

ثناء اعجاز......

آوارہ

شہر کی رات اور میں ناشاد و ناکارہ پھروں
جگمگاتی، جاگتی سڑکوں پہ آوارہ پھروں
غیر کی بستی ہے کب تک دربدر مارا پھروں
اے غم دل کیا کروں، اے وحشت دل کیا کروں
جھلملاتے قمقموں کی راہ میں زنجیر سی
رات کے ہاتھوں میں دن کی موہنی تصویر سی
میرے سینے پر مگر دہکی ہوئی شمشیر سی
اے غم دل کیا کروں، اے وحشت دل کیا کروں
یہ رو پہلی چھاؤں، یہ آکاش پر تاروں کا جال
جیسے صوفی کا تصور، جیسے عاشق کا خیال
آہ لیکن کون جانے، کون سمجھے جی کا حال
اے غم دل کیا کروں، اے وحشت دل کیا کروں
رات ہنس ہنس کے یہ کہتی ہے کہ میخانے میں چل
پھر کسی شہناز لالہ رخ کے کاشانے میں چل
یہ نہیں ممکن تو پھر اے دوست ویرانے میں چل
اے غم دل کیا کروں، اے وحشت دل کیا کروں
راستے میں رک کے دم لے لوں مری عادت نہیں
لوٹ کر واپس چلا جاؤں مری فطرت نہیں
اور کوئی ہمنوا مل جائے قسمت نہیں
اے غم دل کیا کروں اے وحشت دل کیا کروں

کلام: مجاز

انتخاب: ریحانہ انجم......کراچی

تاج محل

تاج تیرے لیے اک مظہر الفت ہی سہی
تجھ کو اس وادیٔ رنگین سے عقیدت ہی سہی
میری محبوب کہیں اور ملا کر مجھ سے
بزم شاہی میں غریبوں کا گزر کیا معنی؟
ثبت جس راہ پہ ہوں سطوت شاہی کے نشاں
اس پہ الفت بھری روحوں کا سفر کیا معنی؟
میری محبوب پس پردۂ تشہیر وفا
تُو نے سطوت کے نشانوں کو تو دیکھا ہوتا
مُردہ شاہوں کے مقابر سے بہلنے والی
اپنے تاریک مکانوں کو تو دیکھا ہوتا

انگنت لوگوں نے دنیا میں محبت کی ہے
کون کہتا ہے کہ صادق نہ تھے جذبے ان کے
لیکن ان کے لیے تشہیر کا سامان نہیں
کیونکہ وہ لوگ بھی اپنی ہی طرح مفلس تھے
یہ عمارات و مقابر، یہ فصیلیں، یہ حصار
مطلق الحکم شہنشاہوں کی عظمت کے ستوں
دامنِ دہر پہ اس رنگ کی گلکاری ہیں
جس میں شامل ہے ترے اور مرے اجداد کا خوں
میری محبوب! انہیں بھی تو محبت ہوگی
جن کی صناعی نے بخشی ہے اسے شکل جمیل
ان کے پیاروں کے مقابر رہے بے نام و نمود
آج تک ان پہ جلائی نہ کسی نے قندیل
یہ چمن زار، یہ جمنا کا کنارا، یہ محل
یہ منقش در و دیوار، یہ محراب، یہ طاق
اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق
میری محبوب کہیں اور ملا کر مجھ سے

کلام: ساحر لدھیانوی
انتخاب: نورین ممتاز...... لاہور

ایک خط کے جواب میں

ہاں نہیں تیری رفاقت کی ضرورت مجھ کو
میری مونس، مری ہمدم مری تنہائی ہے
خیر مقدم ترے جذبوں کا نہیں کر سکتا
تُو نے کیوں میری محبت کی قسم کھائی ہے
میرے نغموں کی پرستار تجھے کیا معلوم
میرے اشعار کی بازار میں قیمت کیا ہے
چند سکے جو مرا پیٹ نہیں بھر سکتے
تیرے نزدیک مگران کی حقیقت کیا ہے
کیا مجھے تیری دعائیں یہاں لے آئی ہیں؟
چند سکوں کے لیے میں نے وطن چھوڑا ہے
میری حالت کو اگر سمجھے تو سمجھے وہ غزال
آب و دانے کے لیے جس نے ختن چھوڑا ہے

جن میں ہر لمحہ تمناؤں کا خون ہوتا ہے
ان فضاؤں میں بھی جی لیتے ہیں جینے والے
تجھ کو معلوم نہیں ساغر زہراب تو کیا
خون کے گھونٹ بھی پی لیتے ہیں پینے والے
پیش خیمہ ہی نہ ہو یہ مری بربادی کا
مجھ کو اس تیری نوازش سے بھی ڈر لگتا ہے
سرد اور گرم زمانے کے بہت دیکھے ہیں
اپنے شعروں کی ستائش سے بھی ڈر لگتا ہے
تُو مرے عشق کا دم بھرتی ہے لیکن تجھ کو
عشق مجھ سے نہیں، خود اپنے ہی جذبات سے ہے
مفلسی میری بدل دے گی اسے نفرت میں
یہ عقیدت جو تجھے آج مری ذات سے ہے

کلام: کمال
انتخاب: بشریٰ جہاں...... کراچی

برسات

آہ! یہ بارانی رات
مینہ، ہوا، طوفان، رقص صاعقات
شش جہت پر تیرگی اُمڈی ہوئی
ایک سناٹے میں بزم حادثات
اور مری کھڑکی کے نیچے
کانپتے پیڑوں کے پات
چار سو آوارہ ہیں
بھولے بسرے واقعات
جھگڑوں کے شور میں
جانے کتنی دور سے
سن رہا ہوں تیری بات

کلام: منیر نیازی
انتخاب: شگفتہ شفیع...... بہاولنگر

شوخیٔ تحریر

حماد ذوالفقار

خوشبو ہے ہر لفظ

⌘ راستوں کی ویرانی اور جلتی دھوپ سے ڈرنے والے منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔

⌘ وقت ایک ایسا آوارہ گرد ہے جس نے آج تک کہیں قیام نہیں کیا۔

⌘ گزرا ہوا واقعہ گزرتا ہی تو نہیں ہے بلکہ وہ یاد بن کر بار بار گزرتا ہے۔

⌘ کبھی کبھی خلوص، خون سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔

⌘ انسان اپنی غلطیاں صحیح ثابت کرنے کے لیے خیالات اور حالات چھپانے کے لیے الفاظ کا سہارا لیتا ہے۔

⌘ دوسروں کے ساتھ زیادہ نیک سلوک وہی شخص کرتا ہے جو زیادہ مصیبتوں میں مبتلا رہ چکا ہو۔

⌘ کسی کا دل مت دکھاؤ کیونکہ معافی مانگ لینے کے باوجود اسے دکھ ضرور رہے گا، ٹھیک ایسے ہی جیسے دیوار میں لگی کیل کو نکالنے سے نشان باقی رہ جاتا ہے۔

حرا رمضان...... اختر آباد

ع سے عورت

❖ محبت کے سودے میں عورت ہمیشہ گھاٹے میں رہتی ہے فائدہ تو ہمیشہ مرد کو ہوتا ہے جہاں سے چلتا ہے وہیں واپس آجاتا ہے مگر عورت مٹ جاتی ہے، فنا ہو جاتی ہے مگر واپس نہیں لوٹتی۔

❖ انسان کو ہر وقت اللہ سے یہ دعا کرنی چاہیے کہ وہ تکلیف دے غم نہ دے، تکلیف دور ہو سکتی ہے مگر غم ساری زندگی دیمک کی طرح چاٹتا رہتا ہے۔

❖ شاید ہر انسان کو یہی لگتا ہے کہ جو چل رہا ہے کھا رہا ہے آپ سے باتیں کر رہا ہے تو وہ زندہ ہے مگر بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ صرف سانس لینا زندہ ہونے کی علامت نہیں ہوتا۔

پری...... طور جہلم

مسکرایئے

ایک شخص...... "بیوی، بیگم اور وائف میں کیا فرق ہے؟"

دوسرا شخص...... کوئی فرق نہیں، یہ بھی انڈیا، بھارت اور ہندوستان کی طرف ایک ہی دشمن کے تین نام ہیں۔

☆☆

فقیر...... اللہ کے نام پر بابا کو روٹی کون کھلائے گا، ویسے تو بابا چاول بھی کھالیتا ہے، بابا آئس کریم بھی کھالیتا ہے، بابا برگر بھی کھالیتا ہے۔"

اندر سے آواز آئی۔ "بابا جوتے بھی کھالیتا ہے۔"

فقیر...... "نہیں، ڈاکٹر نے بابا کو سخت چیزیں کھانے سے منع کر رکھا ہے۔"

لاریب عندلیب...... خیر پور ٹامیوالی

اہم معلومات

ہمیں یہ تو پتا ہے کہ ریڈیو مارکونی کی اور بلب ایڈیسن کی ایجاد ہے لیکن یہ نہیں پتا کہ......

❖ صابن...... حضرت صالح علیہ السلام کی ایجاد ہے۔

❖ گھڑی...... حضرت یوسف علیہ السلام کی ایجاد ہے۔

❖ کشتی...... حضرت نوح علیہ السلام کی ایجاد ہے۔

❖ شیشہ...... حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایجاد ہے۔

❖ سوئی...... حضرت ادریس علیہ السلام کی ایجاد ہے۔

❖ کنگھی...... حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایجاد ہے۔

یعنی کہ ایجادات کا سلسلہ ہمارے انبیاء اکرام علیہ السلام نے شروع کیا تھا۔

نمرہ اسلام...... خیر پور ٹامیوالی

حساسیت

ایک عام جملہ جو اکثر سننے کو ملتا ہے "میں بہت حساس ہوں" اور یہ جملہ بولنے والے کسی نہ کسی بندے کی کسی نہ کسی بات سے بار بار ہرٹ ہوتے رہتے ہیں' پریشان رہتے ہیں۔

حساس ہونا ایک خوبی ہے لیکن ایسے لوگوں کو دیکھ کر خامی لگنے لگتی ہے ان لوگوں کا خود کو حساس کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں نازک ہوں' پھولوں پر بھی پاؤں رکھ دوں تو موچ آجائے اس لیے مجھ سے ذرا سنبھل کے بات کیجیے گا۔

حساس ہونا تو یہ ہے کہ دوسروں کی تکلیف محسوس کرنا آپ کے لیے آسان ہو آپ نرم دل ہوں' مسکراہٹ کے پیچھے کسی کا دکھ محسوس کرنا آپ کے لیے مشکل نہ ہو آپ کی ذات ایسی ہو کہ لوگ بات کہنے میں آرام دہ ہیں چونکہ آپ حساس ہیں اور دوسروں کا دکھ ویسے ہی محسوس کرسکتے ہیں جیسے اپنا۔ یہ خوبی آپ کو عاجز اور حلیم طبع کرے گی آپ ہر وقت اپنا دکھ رونے کی بجائے دوسروں کے دکھ کا مداوا کرنے والے بن جائیں گے اگر آپ واقعی حساس ہیں تو سب کے لیے حساس ہوں ورنہ ہر وقت حساسیت کے نام پر رونا نہ روئیں۔

فریحہ شبیر......شاہ نکڈر

درد بھری حقیقت

☯ اپنے چہرے پر کوئی درد تحریر نہ کرو کیونکہ وقت کے پاس نہ آنکھیں ہیں نہ احساس اور نہ ہی دل۔

☯ اس تعلق سے لاتعلقی اچھی ہے جس تعلق میں احترام اور احساس نہ ہو۔

☯ حقیقی درد وہ ہے جو دوسروں کے درد دیکھ کر محسوس ہو ورنہ اپنے درد تو جانور بھی محسوس کرلیتے ہیں۔

☯ جب فاصلے بڑھ جائیں تو غلط فہمیاں بھی بڑھ جاتی ہیں اور پھر وہ بھی سنائی دیتا ہے جو کہا ہی نہ ہو۔

☯ زندگی کا اپنا ہی رنگ ہے دکھ والی رات سونے نہیں دیتی اور خوشی والی رات سویا نہیں جاتا۔

☯ کچھ مضبوط لوگ جب روتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ وہ کمزور پڑ گئے بلکہ اس لیے کہ وہ مضبوط رہتے رہتے تھک جاتے ہیں۔

☯ فرمان الٰہی ہے:۔

"تم جو ایک گالی مذاق یا غصے میں دیتے ہو اس سے تمہاری قبر میں ایک بچھو پیدا ہوجاتا ہے۔" جس کے ایک بار ڈسنے سے انسان ستر ہاتھ زمین میں دھنس جاتا ہے۔

جاذبہ عباسی......مری

اچھی بات

○ اس نمک کی طرح رہو جو کھانے میں دکھائی نہیں دیتا لیکن اگر نہ ہو تو اس کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے۔

○ اچھا انسان وہ ہے جو کسی کا دیا ہوا دکھ تو بھول جائے پر کسی کی دی ہوئی خوشی نہ بھولے۔

○ مجھے بہت سے ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں ہے جو میرے مرنے پر رونے کو تیار ہوں مجھے صرف ایک شخص کی ضرورت ہے جو میرے رونے پر مرنے کے لیے تیار ہو۔

حبیبہ رحمٰن......لکڑ منڈی (حویلیاں)

علم

✦ علم ایک ایسا پھول ہے جو مرجھانے کے بعد بھی خوشبو دیتا ہے۔

✦ علم کتابوں کو اٹھانے سے نہیں بلکہ اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

✦ علم انبیاء کا عطیہ ہے اور دولت فرعون کا ورثہ ہے۔

✦ علم ایک ایسا لباس ہے جو کبھی پرانا نہیں ہوتا۔

✦ علم حاصل کرنے کے لیے مطالعہ اتنا ہی ضروری ہے جتنا کنول کے لیے پانی۔

✦ علم ایک ایسا سفر ہے جس کی کوئی آخری منزل نہیں۔

✦ تکبر علم کو کھا جاتا ہے۔

✦ عالم پانی کے بغیر بھی سیراب اور جاہل پانی کی موجوں میں رہ کر بھی پیاسا رہتا ہے۔

✦ علم مومن کا گمشدہ مال ہے جہاں سے ملے لے

لو۔

✦ علم انسان کی تیسری آنکھ ہے۔
✦ علم کی تحقیق میں بحث کرنا جہاد ہے۔
✦ علم کی طلب میں کہیں جانا عبادت ہے۔
✦ علم جو تم حاصل کر چکے ہو اسے دوسروں تک ضرور پہنچاؤ کیونکہ دیے سے دیا جلانے کا یہی طریقہ ہے۔
✦ علم سے انسان کے شعور کے چشمے پھوٹتے ہیں۔

علمہ اکمل خان...... کورنگی کراچی

یاد رکھنا

✿ گناہ کو پھیلانے کا ذریعہ بھی مت بنو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آپ تو توبہ کرلو پر جس کو گناہ پر لگایا ہے وہ آپ کی آخرت کی تباہی کا سبب بن جائے۔

✿ ہر چیز اپنے وقت پر اچھی لگتی ہے نیکی کمانے کا درست وقت جوانی ہے ہم نیکیاں اس وقت کرتے ہیں جب ہم برائیاں کرنے کے قابل نہیں رہتے۔

✿ لوگوں سے یاد رکھنے (کرنے) کا شکوہ مت کرو کیونکہ جو انسان اپنے رب کو بھول سکتا ہے وہ سب کو بھول سکتا ہے۔

✿ اگر کسی کے ظرف کا آزمانا ہو تو اس کو عزت دو وہ اعلیٰ ظرف ہوا تو تم کو زیادہ عزت دے گا اگر کم ظرف ہوا تو خود کو خدا سمجھے گا۔

✿ انسان کی پہچان علم سے نہیں بلکہ ادب سے ہوتی ہے کیونکہ علم تو ابلیس کے پاس بھی تھا۔

☆☆

سالن

ٹیچر: "دو میں سے دو نکلے تو کیا بچا؟"
پٹھان: "ہم کو سوال سمجھ نہیں آیا۔"
ٹیچر: "تمہارے پاس دو روٹیاں تھیں تم نے ان کو کھا لیا اب کیا بچا؟"
پٹھان: "جی سالن۔"

ایس گوہر طور...... تاندلیانوالہ

ماں تیری مہربانیاں

ذکر کروں کس کس تیری مہربانی کا ماں
ہر وقت جو تو مجھ پر کرتی ہے وہ ہے تیری مہربانی ماں
اب تک یاد ہے کہ کس طرح تُو نے
مجھے بچپن میں چلنا سکھایا تھا میری ماں
اس دن سے لے کر آج تک
تیری مہربانیاں گن گن کے میں تھک گئی
پر جو آج تک نہ ختم ہوئیں
وہ ہیں تیری مہربانیاں میری ماں
میرا غلطیاں کر کر کے تجھے رسوا کرنا
پر معاف کرنا تیرا ہر بار مجھے
اور کیا ہے اگر تیری مہربانی نہیں میری ماں
لب پر ہے میرے ہمیشہ بس ایک دعا
جس طرح پہلے نہ کبھی ختم ہوئیں
اسی طرح کبھی ختم نہ ہو وہ ہیں
تیری مہربانیاں میری ماں

گوہر روال...... تاندلیانوالہ

واپسی

اس گردشِ دوراں میں
وقت کے تھال میں عمر کے نجانے کتنے ہی سکے گراتے گراتے
میں اک تیرے لوٹنے کی آس لیے بیٹھی رہی
کتنے ہی چاندی کے تار میرے بالوں میں چمکنے لگے
حالات نے کتنے ہی نقش میری پیشانی پر ثبت کیے
مجھے زندہ رکھا تو اک تیری آس نے
پر......؟
آج تو لوٹا تو بس
یہ کہنے کو کہ میرے پاس
کچھ بچا ہی نہیں......
تجھ کو دینے کے لیے

روبی علی...... بسیدوالا

غریب ماں

سوگئے بچے ایک غریب ماں کے جلدی جلدی

ماں نے کہا تھا آتے ہیں فرشتے خواب میں کھانا لے کر

مدیحہ نورین...... برنالی

ہمیشہ یاد رکھیں

☆اس دنیا کا عجیب دستور ہے۔ اگر آپ کسی چیز کو قبول کرنے سے انکار بھی کرتے ہیں تو اس کے باوجود بھی وہ چیز آپ کے دامن میں ضرور آ گرے گی۔

☆اپنی بدقسمتی پر ماتم کرنا فضول ہے۔ بے بنیاد خدشات کو بنیاد بنا کر متفکر رہنا پاگل پن کے سوا کچھ بھی نہیں۔

☆بے وقوف ہے وہ شخص جو اپنے غصے پر قابو نہ پا سکے اور عقلمند ہے وہ شخص جو اپنے غصے پر قابو پانا جانتا ہے۔

☆اپنی آرزو اپنی امنگ کا جائزہ لیں کہ کیا اس کی سمت درست ہے کیونکہ خواہشات کا گھوڑا ایک ایسا گھوڑا ہے جو آپ کو گہرے کھڈے میں بھی گرا سکتا ہے۔

☆ہر دل عزیز لوگ لاکھوں دلوں کی دھڑکن بنتے ہیں۔

☆آپ کی کوئی بھی خصوصیت آپ کو اس قدر دوستوں سے نہیں نوازتی جس قدر دوسروں میں پائی جانے والی اچھائیوں کی تعریف آپ کو دوستوں سے ہمکنار کرتی ہے۔

☆ایک باہمت دشمن ایک بزدل دوست سے بہرحال بہتر ہے۔

☆حالات کمزور انسانوں پر حکومت کرتے ہیں۔ جبکہ دانش ور حالات پر حکومت کرتے ہیں۔

☆وہ لوگ جو دوسروں کی زندگیوں کو منور کرتے ہیں وہ اپنی زندگی کو کس طرح روشنی سے محروم رکھ سکتے ہیں۔

تانی چوہدری...... آکسفورڈ یوکے

زندگی

ہوں زندگی وہی زندگی
جو جڑی تھی تیری ذات سے
تیری ہر سانس میں تھی رچی ہوئی
تیرے ہر قدم سے بندھی تھی
جو تیری روح سے تیرے دل تک
جو تھا راستہ
اسی راستے کے ہر اک موڑ پر
جو کھڑی تھی میں
تُو نے کیوں مجھے یوں لٹا دیا
یونہی بے سبب یونہی بے خبر
یونہی لمحہ لمحہ گنوا دیا

طیبہ شیریں...... کوری خدا بخش

احادیث نبوی

❁صبر تو صدمے کی پہلی چوٹ پر ہوتا ہے۔ (بخاری)

❁اسی طرح تم اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو حقیر نہ سمجھو گے (ترمذی)۔

❁جب تک بندہ اپنے (غم زدہ) بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے اللہ بھی اس کی مدد میں لگا رہتا ہے۔ (مسلم)

(ماریہ رومانی)

سنہری باتیں

❁تمہاری نیت کی پیمائش اس وقت ہوتی ہے جب تم کسی ایسے شخص کے ساتھ بھلائی کرو جو تمہیں کچھ بھی نہ دے سکتا ہو۔

❁جو لوگ خود غرض ہوتے ہیں جو صرف اپنے ہی بارے میں سوچتے ہیں وہ کبھی اچھے دوست نہیں ہوتے۔

❁جو شخص اپنے خلوص کی قسمیں کھائے اس پر اعتماد نہ کرو۔

❁اچھے لوگوں کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ انہیں یاد رکھنا نہیں پڑتا وہ یاد رہ جاتے ہیں۔

خواجہ ماہ رخ تاج...... جتوئی

حسن خیال

جمعی احمد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! ابتدا ہے خالق کونین کے بابرکت نام سے، جو وحدہ لاشریک ہے۔ مارچ کا شمارہ پیش خدمت ہے امید ہے آپ کے معیار کے عین مطابق ہوگا۔ ہر ماہ کی طرح اس ماہ بھی شوشل میڈیا پر تبصرے کا مقابلہ کروایا گیا تھا جو نازیہ عباسی، قیم انجم اور حنا مہر اور اس مقابلہ کے ججز تھیں، ہماری مایہ ناز لکھاری بہنیں نزہت جبین ضیاء، کوثر اور سباس گل ہم ان تمام بہنوں کے شکر گزار ہیں جو اپنی قیمتی اوقات سے ہماری لیے کچھ وقت نکال کر اپنا تعاون ادارے سے کرتی ہیں اللہ رب العزت ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔ آئیے اب چلتے ہیں آپ بہنوں کے دلچسپ تبصروں کی جانب حسن خیال کی رونق میں اضافہ کررہے ہیں۔

سارہ خان...... بہاولپور۔ ای میل ۔السلام علیکم! امید ہے سب خیریت سے ہوں گے جاتی سردیوں کی ٹھنڈ سے لطف اندوز ہورہے ہوں گے ہم بھی حاضر خدمت ہیں اپنی سہیلی حجاب کے ساتھ۔ دھند کے اس پار رات کے فسوں میں چائے کے کپ کو ٹیبل پہ رکھا اور قلم کاغذ سے ناطہ جوڑ لیا تھا جس کا انتظار تھا وہ آ گیا یہ مصرعہ حجاب کے لیے فٹ ہے جی۔ انتظار بہت مشکل ہے ہمارے لیے مگر کیا کریں ہم بھی مجبور جیسے ہی حجاب ہمارے ہاتھوں میں آیا ہم فوراً اپنے کمرے میں بند اور ساتھ ہی بلند آواز میں فرمان جاری کردیا اب کوئی ڈسٹرب نہ کرے صد شکر ہماری بات مان لی گئی۔ ہم دونوں سہیلیاں آپس میں باتیں کرنے لگی۔ سرورق پر نظر گئی تو بہت پیاری دوشیزہ دلہن کا روپ دھارے ہوئے ہے واہ دوڑ لگائی کس کس مصنف سے ہماری ملاقات ہوتی ہے واہ بہت سے نام دیکھیں دل خوش ہوگیا۔ قیصر آرا آپا سے بات چیت کی تو حمد باری تعالیٰ اور نعت شریف سے دل کو مہکتا ہوا محسوس کیا امہات المومنین کو پڑھا تو سلمیٰ، تسلیم، صائمہ، علیشہ سے ملاقات اچھی رہی۔ رخ سخن میں مسز نگہت غفار کو جان کر مزہ دوبالا ہوگیا۔ آغوش مادر جسے پڑھنا مود کو مزید خوش گوار کر گیا تو جناب پہلی کہانی زریں قمر صاحبہ کی سات سہیلیاں۔ بہت عمدہ لکھی ہم تو کھو سے گئے تجسس بھی قائم رہا بہت لطف اندوز ہوئے ویلڈن زریں قمر کیا دل اداس ہوگیا بہت عمدگی سے آپ نے سچ دکھایا اپنی خواہشوں کی ہوس میں جھوٹ بولنا اور انجام دردناک دل کی اداسی حد سے سوا تھی ہم نے دل کو سمجھایا اور اپنی سہیلی کے ساتھ نادیہ فاطمہ سے ملاقات کی واہ واہ بہت خوب صورت سسپنس اب کیا ہوتا ہے شاندار ویلڈن نادیہ جی اللہ کرے ہیں۔ بہت خوب ہلکی پھلکی تحریریں ذہن کو بھی پرسکون کردیتی ہیں۔ عدوا آشنا حمیرا علی جتنا ہم مسکرائے تھے اتنا آپ نے رلا دیا بہت عمدہ لکھا حقیقت سے قریب دنیا کی مکاری لوگوں کی گندی ذہنیت حرمت کا دکھ ہمیں اپنے دل میں محسوس ہوا ہم خود بھی خوب روئے ایسے ہی عمدہ لکھتی رہیں ویلڈن۔ اف صدف آصف! آپ کی تحریروں کے ہم پہلے سے ہی مداح ہیں، بہت خوب صورتی سے کہانی آگے بڑھ رہی ہے تجسس برقرار ہے ویلڈن۔ "رونے نین" انعم خان جہاں ہم ذرا سا خوش کیا ہوتے ہیں اگلے ہی پل پھر دکھ ہمیں گلے لگا لیتا ہے آپ کو پہلی بار پڑھا بہت اچھی شروعات ہے مگر شعر کا مرجانا ہمیں حیران کر گیا یقین ہی نہیں آرہا تھا اللہ آپ کے قلم کو اور طاقت دیں۔ کرب کے شہر میں کنیز ماہی اف کیا کھوں انکشافات سے بھری ہوئی محبت سے ہجر کا سفر بے چینی سی راتیں دکھ ہی دکھ دل کی حالت بھی عجیب ہوگی لکھا آپ نے بہت عمدہ ہے۔ بیسٹ وشز آپ کے لیے۔ "تیرے لوٹ آنے تک" سلمیٰ فہیم جی کیا کیا ہونا ہے ابھی بس انتظار ہے اور قسطوں کا تمام حقائق سامنے آئیں لکھتی رہیں اچھا اچھا۔ "محبت ہم سفر ہوتی" سمیرا غزل۔ "دل اس سے ملا" سمیہ عثمان۔ "ڈیکوریشن پیس" حرا قریشی۔ "بدلتے رنگ" صبا خان۔ "تسکین ذات" سحرش فاطمہ...... تمام لکھاریوں نے بہترین کوشش کی لفظوں کا عمدہ چناؤ سبق آموز نتیجہ دل مطمئن ہوا نہیں لکھنے والی مصنفائیں بھی کسی سے کم نہیں، بہت خوب صورت اللہ پاک آپ سب کا زور قلم اور بلند کرے آمین۔ آہ کیا یادیں تھی پروین شاکر کیا تھیں ان کی خوشبو جیسی نازک دل خوب صورتی کا پیکر اچھے لوگ دنیا سے اتنی جلدی کیوں چلے جاتے ہیں۔ "طب نبوی ﷺ" سے جی بھر کر استفادہ کیا وہاں بزم سخن سے لطف اندوز ہوئے کوثر ناز کے شعر نے تو محفل لوٹ لی واہ واہ۔ "کچن کارنر" اس بار تو مزے دار تراکیب منہ میں پہلے ہی پانی آ گیا۔ اب بنانے کا بھی سوچ رہی ہوں دعا کریں عمل بھی ہو جائے ہاہاہا۔ آرائش حسن واقعی سردیوں میں جلد خشک ہوجاتی ہے عمدہ ٹوٹکے معلومات میں اضافہ۔ عالم میں انتخاب کیا کہنے ایک سے ایک عمدہ دلکش مریم کے انتخاب نے مزہ دوبالا کردیا نوشی گیلانی کی شاعری کیا بات ہے واہ۔ شوخی تحریر اور حسن خیال ہومیو کارنر شوبز ٹوٹکے بھرپور اپنی معلومات میں اضافہ کیا ہم نے اور یہ کیا۔ ہماری سہیلی ہم سے جدا ہونے لگی اتنی مختصر سی ملاقات اف نہیں ابھی تو تم آئے ہو ابھی تو جی بھرا نہیں مگر کیا کریں امید ہے پھر ملاقات کریں گے انتظار کی طویل گھڑیوں کے بعد جب تم ملنے آؤ گی بہت سی خوشیاں لاؤ گی پھر ہماری ملاقات بھی طویل ہوگی۔ بہت ساری دعائیں اللہ پاک حجاب کو ترقی کی منازل پہ ہمیشہ گامزن رکھے سب کو سلام خوش رہیں آباد رہیں آمین۔

☆ڈیئر سارہ پہلی انعام جیتنے پر مبارک باد قبول کریں۔

عائشہ پرویز...... کراچی ای میل۔ السلام علیکم! حجاب رسالے کے رائٹرز ماشاءاللہ سارے ایک سے بڑھ کر ایک انمول ہیرے بھاگتی دوڑتی زندگی سے کچھ لمحے چرا کر اپنا آرام وسکون چھوڑ کر ہمارے لیے شہ پارے تخلیق کرتے ہیں تمام مصنفین کے لیے دل سے ڈھیروں دعائیں۔ تبصرہ! اس بار جاتی سردی نے مزاج اور دماغ بری طرح خراب کر رکھا تھا لیکن حجاب کی آمد نے دونوں پر حیرت انگیز حد تک خوش گوار اثر ڈالا۔ بات ہوجائے تازہ شمارے کی سرورق پر براجمان ماڈل دلہن کے روپ میں مشرقی حسن اور حیا کا پیکر لگی اس کی معصومیت اور نشیلی آنکھوں نے ٹائٹل کو چار چاند لگادیے۔ "بات چیت" کی تعریف کرنا میرے بس میں نہیں قیصر آپی کی باتیں آل ریڈی اچھی ہوتی ہیں۔ "حمد و نعت" پڑھ کر روح سیراب ہوگئی۔ امہات المومنین پڑھ کر علم میں اضافہ ہوا جزاک اللہ۔ پھر چاروں بہنوں سے ملاقات اچھی رہی۔ "آغوش مادر" پڑھ کے بے ساختہ دل نے دعا دی کہ اللہ پاک سب کی ماؤں کا سایہ سلامت رکھے اور جن کی مائیں نہیں ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔ سلسلہ وار ناول میں "دل کے دریچے" صدف آپی کے ناول کی ہر قسط پڑھ کر بے ساختہ ہاتھ چومنے کو دل کرتا ہے اس میں ہر کردار میرا پسندیدہ کردار ہے ایک بات کہوں اگر خفا نہ ہوں وہ کیا ہے کہ مجھے نادیہ فاطمہ کے "میرے خواب زندہ ہیں" اس بار کچھ متاثر نہ کرسکی۔ مکمل ناول "کرب کے شہر میں" محبت کا جذبہ ہو یا نفرت کا، وصل کا خواب ہو یا ہجر کا ملال کا کنیز ماہی کی خوب صورت تحریر دل پر دستک دے گئی۔ ناولٹ "دردآشنا" بلاشبہ بہت خوب صورت ناولٹ ہے ہر لحاظ سے پرفیکٹ نظر آتا ہے۔ اب بات کرتی ہوں دل کو چھو لینے والی تحریر یعنی افسانہ "لٹو کٹتے ہیں" ایک بہترین افسانہ بہت اچھے مرکزی خیال کے ساتھ بہت متاثر کن ہے۔ پرانی قدریں بس قدریں رہ گئی ہیں۔ یہ نیا دور ہے، ہر انسان کے لیے دوسرے سے زیادہ اپنی ذات مقدم ہے۔ سحرش فاطمہ کا افسانہ "تسکین ذات" ایک بہترین موضوع پر اچھوتی تخلیق جسے پڑھ کر واقعی میری ذات کو تسکین پہنچی۔ مستقل تمام سلسلے ہمیشہ کی طرح اچھے لگے۔ "جیسا میں نے دیکھا" پروین شاکر کی خوش بو جیسی باتوں میں کھوئی گئی۔ "طب نبوی ﷺ" پڑھنے کے بعد بزم سخن میں چھلانگ لگائی بے شک شاعری سچ بولتی ہے لیکن کوثر ناز کی شاعری نے میرے دل پہ ہاتھ رکھ دیا۔ "کچن کارنر" میں طرح طرح کے کھانوں کی خوشبو سے دل مچل گیا اور بے اختیار نزہت آپی کے سعودی کباب پر ہاتھ صاف کرنے کا ارادہ کرلیا۔ "آرائش حسن" سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں البتہ مشورے کافی اچھے ہوتے ہیں لیکن میں نے آج تک ان پر عمل نہیں کیا کیونکہ میں پہلے ہی خوب صورت ہوں (ہی ہی ہی اپنے منہ میاں مٹھو) "عالم انتخاب میں" مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ کا انتخاب کیا۔ ارے یہاں نیلم شرافت نے شوخی ماری "حسن خیال" تو سب سے ایک سے بڑھ کر ایک "ہومیو کارنر" سے تو ہو آئی تو تکے بڑے کام کے ملے اور شوبز کی دنیا میں عائشہ ملک زہر لگی ہمیں یہی وجہ ہے پاکستان میں پاکستانیوں کی قدر نہیں جو اپنے ملک میں ہوتے ہوئے دوسرے ملک کو اہمیت دیتے ہیں ویسے حسب معمول ڈائجسٹ ہر لحاظ سے بہتر رہا۔ ان شاءاللہ پھر اگر زندگی نے وفا کی تو ساتھ نبھانے کے لیے اگلی محفل میں تشریف لاؤں گی تب تک کے لیے اجازت اللہ حافظ۔

☆عائشہ پیاری آپ کو دوسرا انعام جیتنے پر مبارک باد۔

کوثر ناز...... حیدرآباد۔ ای میل حجاب یا آنچل کو پانا ایک مشکل امر ہے کیونکہ میرے گھر والوں کو میری خوب صورت سمندر جیسی نہیں مطلب جھیل جیسی انتہائی حسین آنکھوں کا بہت خیال ہے سو بڑے بھائی اکثر ناول سے کام لے جاتے ہیں کبھی اما کو پیار آئے تو خود بھی منگوا دیتی ہیں ورنہ تو چھوٹے بھائی کو اپنی جیب کا خیال ہمیشہ رہتا ہے سو وہ لا دیتے ہیں مگر آج کل ہم خود کیمپس جا رہے ہیں تو وہ شاپ راستے میں ہے منگل سے بہت کرکے کہتے ہیں انکل پلیز حجاب یا آنچل لا دیں اور وہ لا بھی دیتے ہیں یوں ہمارا یہ مسئلہ اب تقریباً ختم ہی سمجھیں ہاں جی تو جیسے ہی حجاب ہاتھ میں آیا تو سرورق کچھ خاص نہ بھایا البتہ جو شروعات کے شمارے تھے ان کے بہت اچھے تھے سوائے وہ فیروزی سوٹ والی آنٹی کو چھوڑ کر سرورق سے آگے بڑھے مدیرہ جی سے "بات چیت" خاصی اچھی رہی معصوم سی کیوٹ سی قیصر آپا بہت بہت ساری محبت...... آپ ہم سے اتنی محبت کرتی ہیں اور آنچل اور حجاب کو سجاتی ہیں بھلا ہمیں کیوں نہ پسند آئے گا۔ "حمد و نعت" سے مستفید ہوئے "امہات المومنین" ندا رضوان بہترین سلسلہ ہے۔ "ذکر اس پری وش کا" پڑھا سلمٰی عنایت، تسلیم شہزادی، عائشہ عمرین، سیدہ علیقہ بہت اچھا لگا آپ کے بارے میں جان کر ویسے یہ خاصا مشکل کام ہے خود کو بیان کرنا باخدا ہم آپ کی اس صلاحیت کے دل سے معترف ہیں کیونکہ ہمیں بڑی مشکل پیش آتی ہے اپنے بارے میں دو لائنز بھی لکھنے میں ابھی کل پرسوں ہی تو اس امتحان سے گزرے ہیں بمشکل چار لائنز لکھ پائے ہاں البتہ کوئی پوچھے تو بتا ضرور دیتے ہیں پھر ہم ملے ارے واہ مسز نگہت غفار سے "رنگ سخن" میں سادہ سی مزاج کی بہت اچھی لگی ڈیسنٹ ڈیسنٹ سی اور پیغام ہمارے لیے خاصا عمدہ تھا واقعی آج کل ہم پر بہت سے راز آشکار ہو رہے ہیں لوگوں کے آنچل اور حجاب کا ہم خود ہی الحمدللہ خیال رکھتے ہیں۔ "آغوش مادر" میں سمیہ عثمان بہت عمدہ لکھا ماں کے بارے میں لکھنا مجھے لگتا ہے کتنا بھی لکھیں تشنگی رہ ہی جاتی ہے اور پوری کائنات کو بھلا لفظوں میں کب سمیٹا جاسکتا ہے خدا ہمارے سروں پر ہماری ماؤں کا سایہ تادیر قائم رکھے آمین پھر بڑھے ہم "سات سہیلیاں" نزدیک قمر کے ناول کی طرف پہلے تو نام دیکھ کر ہی مرعوب ہوگئے کہانی اچھی اور سسپنس سے بھرپور تھی

مزہ آ گیا۔ "ٹوٹے کھردشتے" اقبال بانو کا حقیقت سے قریب ناول ایسا ناول بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں سوچیں کسی بے نام موڑ پر منجمد ہونے لگتی ہیں پھر اچانک خیالوں کو جھٹک کر باہر آنا پڑتا ہے۔ "لڈو کھٹے ہیں" عنیقہ محمد بیگ گریٹ یار جس طرح اپنے مزاح کے ساتھ اصلاح کا کام کیا لاجواب۔ "دردآشنا" سمیرا علی واقعی خوب صورت تحریر تھی مسکرانے کے ساتھ افسوس کا بھی عالم گزرا۔ "رونقے نین" آہم آہم ہماری پیاری سی انعم خان خاصے عرصے بعد نظر آئیں بہت خوب انعم خان بہت اچھا لکھا خوب صورت لفظوں کا امتزاج کہانی کو مزید خوب صورت بنا گیا۔ "میرے خواب زندہ ہیں" نادیہ فاطمہ رضوی ویلڈن اچھا لگتا ہے جب آپ دلچسپ لکھتی ہیں کیونکہ ہمیں آپ سے امید ہی یہ ہوتی ہے کہ آپ بہترین لکھیں گی۔ "دل کے دریچے" پھولوں سے سجائے ملی صدف آصف۔ کتنا پیارا لکھتی ہیں صدف آپی بہت بہترین۔ "تسکین ذات" سے سحرش فاطمہ نے تسکین ہی کر دی موضوع بہترین۔ "ڈیکوریشن پیس" لیے حرا قریشی ملی اچھوتی تحریر بہت خوب لکھتی رہیے۔ سمیرا غزل صدیقی، سمعیہ عثمان، صباخان کے افسانے بھی اچھے تھے۔ "جیسا میں نے دیکھا" رفاقت جاوید کی عمدہ تحریر بہترین ایک جیتا جاگتا نام ہے ان کا میں جب بھی ان کے بارے میں پڑھتی ہوں ایک سلسلہ خود پر طاری پاتی ہوں جو لا متناہی سلسلوں کا ہوتا ہے خدا انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے آمین۔ "بزم سخن" میں بھی کے شعر اچھے تھے۔ "کچن کارنر" میں پہلی بار جھانکا تو علم ہوا کہ یہ تو اپنے ہی گھر کی رسوئی ہے جہاں نزہت جبین ضیاء سعودی کباب لیے حاضر تھیں تو فہم اور میرب بھی اپنے اپنے کباب کی پلیٹیں ہاتھوں میں لیے کھڑی میری منتظر تھی۔ "ثمرہ حسنین" بھی ملی نادیہ احمد بھی تو سحرش فاطمہ اور حنا مہر بھی اپنی ڈش لیے میری ہی منتظر تھی۔ دیکھا میرا شاہانہ انداز لیکن جب زیادہ مزہ آیا جب ہم ایک نظر ڈال کر سب کو انگشت بدنداں ہی چھوڑ آئے یہ کہہ کر ہماری ڈائٹنگ کا تو خیال رکھا ہوتا (ویسے میں ڈائٹنگ نہیں کرتی الحمدللہ ویسے ہی اسمارٹ ہوں) مستقل سلسلوں پر نظر ڈالی "شوخی تحریر" اور حسن خیال پسند آیا۔ مجموعی طور پر پورا ڈائجسٹ بہترین تھا ماشاء اللہ آنچل اور حجاب کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا کرے آمین ثم آمین اجازت۔

☆اچھی کوثر آپ کو انعام جیتنے پر مبارک ہو۔

سحرش فاطمہ...... کراچی۔ ای میل سب سے پہلے تو حجاب کے پڑھنے والوں کو سلام کیسے ہیں سب؟ پچھلے سے پچھلے ماہ کے شمارے پر تبصرہ کیا تھا جس پر مجھے انعام ملا ادارے کی جانب سے خوب صورت کتاب اس کے لئے بہت شکریہ ویسے تو میں حجاب کا حصہ پہلے سے ہی بن گئی تھی۔ اچھا میری عادت کہ میں افسانوں پر سب سے پہلے اٹیک کرتی ہوں سو اس دفعہ نام ہی اتنا منفرد اور ایسا تھا کہ پڑھے بغیر نہ رہ پائی۔ "لڈو کھٹے ہیں" ویٹنگ میں سفر کے دوران حجاب کا مطالعہ کر رہی تھی اور جب یہ افسانہ پڑھا مستقل ہنستی رہی پھر جناب ہم نے بات چیت کی ہماری مدیرہ صاحبہ سے قیصر آپی حجاب دیکھیے گا اور آگے جائیے گا ان شاء اللہ اور ہاں مختصر کہانیوں والی بات قابل غور ہے کیونکہ اس سے نئی لکھاری بہنیں سامنے آئیں گی پھر بات چیت کے ذریعے آپ نے اس ماہ کے ستاروں اور ان کی تحریروں کی ہلکی سی جھلک سنائی مزہ آیا پڑھ کر پھر ہم نے حمد اور نعت پڑھی۔ عمار ضوان کا سلسلہ امہات المومنین اس بار بھی بہت اچھا رہا۔ ذکر اس پری وش کا میں جس طرح ہماری قاری بہنیں اپنا بتاتی ہیں دل کرتا ہے میں بھی لکھوں پر مجھے لکھنا نہیں آتا بچی بچی۔ آغوش مادر ایک ایسا سلسلہ جسے پڑھ کر میں کچھ اداس سی ہو جاتی ہوں لیکن پھر دوسری طرف ہماری بہنوں کا ماں سے پیار دلار پڑھ کر اچھا بھی لگتا ہے۔ اللہ ہر ایک پر ماں کا سایہ سلامت رکھے آمین پھر باری آئی زرین قمر صاحبہ کی ماشاء اللہ ان کی تحریر کا انداز بہت الگ ہے یہ خود بھی ایک اچھی انسان ہیں اور اب حجاب میں بھی ناول لے کر آئیں سب سے پہلے تو خوش آمدید اور تجسس بھرا ناول عمدہ پھر جناب نادیہ فاطمہ رضوی۔ بھئی اسپیڈ بڑھائیں ناں ناول کی اب تک تو اچھا چل رہا ہے لیکن ذرا جی ذرا جی وہی۔ "لڈو کھٹے ہیں" کے ساتھ عنیقہ نے بھرپور مزاح سے بھرا افسانہ لکھا۔ دردآشنا سمیرا علی بہت خوب تھوڑا دکھی ناولٹ لیکن شاعری کے امتزاج کے ساتھ پڑھتے ہوئے اچھا لگا۔ حرمت جیسے کردار بہت ہیں اس دنیا میں۔ صدف آصف جی اس بار کی قسط بھی زبردست رہی انعم خان پہلے تو آپ کو ویلکم بیک۔ "رونقے نین" اُف کیا لکھ ڈالا؟ محبت کا ایسا انجام؟ شعر کو مارنا نہیں چاہیے تھا ناں۔ کنیز ماہی نے بھی بہت اچھا لکھا۔ سلمیٰ فہیم اگلی قسط کا انتظار ہے بھئی ابھی تک تو یہ زبردست رہا اللہ کرے سب ٹھیک ہو جائے آگے چل کر۔ محبت ہمسفر ہوتی ایک مختصر سا افسانہ لیکن بہت خوب لکھا سمیرا غزل نے۔ دل اس سے ملا سمیعہ جی کیا بات ہے بھئی ہمارا بھی دل مل گیا۔ "ڈیکوریشن پیس" اللہ اللہ کیا تحریر تھی حق سچ کہانی اس معاشرے میں لڑکی کی کیا حیثیت ہے اس کی کہانی لیکن اللہ ساتھ ہے تو کیا غم ہے؟ بدلتے رنگ کے ساتھ صباخان کی پہلی انٹری خوش آمدید۔ مختلف موضوع کا چناؤ رہا اس لحاظ سے بہت اچھی مختصر تحریر رہی اس کے بعد تسکین ذات کی باری تھی پر اپنے منہ میاں مٹھو نہیں بننا تو بس آ جائیں اس شمارے کی آخری تحریر پر پھول عابد صاحب بہت اچھے انداز میں ناول لکھا مزہ آ گیا پڑھ کر انجام بھی زبردست رہا رفاقت جاوید نے اس دفعہ ہم سے پروین شاکر کو ملوایا جن کا نام سب اچھے سے جانتے ہیں اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین پھر طب نبوی ﷺ سے فیض یاب کراتی سمیرا غزل آئیں اف یہ سب ٹوٹکے میں نے تو ضرور آزمانے ہیں ان شاء اللہ بزم سخن میں حمیرا نوشین، سباس گل، کوثر ناز کو دیکھ کر خوشی ہوئی کچن کارنر میں تو بھئی اس دفعہ بڑے بڑے لوگوں کا نام تھا نازیہ، نزہت، فہم، ندا، نادیہ اور ہم ملبدولت خود۔ "آرائش حسن" سچ بتاؤں میں بالکل اپنی جلد کا خیال نہیں رکھتی پر اب کوشش کروں گی یہ سب پڑھوں اور خشکی سے دور رکھوں۔ عالم

میں انتخاب میں اتنی زبردست شاعری رہی۔ شوخی تحریر میں توبہ کے بارے میں پڑھا اس کے علاوہ اور لوگوں کے مراسلے پڑھے۔ وہ امریکا والا بھی پسند آیا۔ حسن خیال میں تبصروں پر جیتنے والی بہنوں کو مبارک باد ستارہ انشاں' کنول۔ ہومیو کلینک اللہ سب کو صحت یابی دے آمین۔ شوبز کی دنیا پڑھ کر مزہ آیا آخر میں ٹوٹکے کی باری اس بار لہسن کی باری تھی اور مزے کی بات میں لہسن کچا کھا لیتی ہوں۔ چلیں میں نے اپنی جانب سے پوری کوشش کی کہ ہر ایک تحریر اور سلسلوں پر تبصرہ دوں۔ آپ کو بھی پسند آیا ہوگا ہے ناں؟ قیصرا آپی کو سلام اور باقی پڑھنے والوں کو بھی۔

☆ پیاری سحرش آپ کو انعام مبارک ہو۔

شمع مسکان...... جام پور۔ حسن نسواں کی عزت تقریم آگہی اور عنائی کو جلا بخشتا ہے حجاب اور حجاب کی محفل یاراں میں حاضر ہے شمع مسکان اپنی لفظوں کی روشنی سے ممبران حجاب کے دلوں کو روشن کرتے شمع کا لو دیتا سلام آپ سب کی خدمت میں حاضر ہے قبول فرمایئے۔ طویل اور جاں گسل انتظار کے بعد خلاف معمول حجاب نے 13 فروری کو میرے ہاتھوں میں اپنا جلوہ بکھیرا چشم میں روشنی کے سوتے پھوٹ پڑے لمحہ لمحہ انتظار کی سولی پر لٹکے ہوئے اچانک اپنے عزیزی سے ملتے ہوئے کیا احساسات ہوتے ہیں اس تاثم شدت سے محسوس ہوا گر شروع رب کے نام سے ہو تو قلب مضطرب اور روح بے چین ہو جاتی ہے سو حسب معمول حمد پڑھی لفظ لفظ رب کریم کی نعمتوں کو ظاہر کرتا رب تعالیٰ کی شان میں تحریر صبیح رحمانی کی لفظوں کی عقیدت ہمارے قلب میں بھی عقیدت کے دیے جلا گئی نعت سے مستفید ہوئے کوثر جی جگہ بنائی جا رہی ہیں بہت پیاری نعت لکھی آپ نے۔ "بات چیت" میں اپنی تمام سماعت کو متوجہ کر کے مدیرہ آنٹی کی بات پوری توجہ سے سنی اور خوشی ہوئی کہ ہمارے حجاب بین الاقوامی ممالک میں پھیلتے دین اسلام کی طرح ہمارے ملک میں کامیابی کی سیڑھیاں چڑھتے جا رہے ہیں۔ یہ کامیابیاں سمیٹتے بہت جلد حجاب ادب کے آسمان میں چمکتا ایک روشن ستارہ ہوگا ان شاءاللہ۔ نادیہ جی اور صدف جی مجھے سوری کہتے ہوئے ندامت فیل ہو رہی ہے محترمہ آپ ڈھیٹ مانیں یا نہ مانیں معقول الفاظ میں مستقل مزاجی کہیں نرضی آپ کی گر پہلی قسط نہ ملنے کے سبب یہ نہیں پڑھ پائی سو پلیز سوری گین...... "سات سہیلیاں" نزدین قمر کی الجھتی سلجھتی دلکش تحریر تھی۔ شروع میں ہی اینڈ کا پتا چل گیا "کرب کے شہر میں" گفتہ لفظ لفظ درد میں ڈوبا احمر کی زیست میں بکھرے نارسائی کے تنہائی کے دکھ ہماری چشم کو نم کر گئے احمر اور کائنات ایک ہی سفر کے راہی گر منزل الگ الگ سلسلہ احمر کی روح تک بیچ میں قابل فخر ہے بہت خشک ہماری نظروں سے اسٹوری پڑھی "کرب کے شہر" اور "زندگی" ہاپ کا یہ روپ تو بیٹیوں کی حیات کا ناسور ہوتا ہے ایسے شخص کے گھر تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نہ اتارے تو اچھا ہے۔ مسوکا ایک مرد کے ہاتھوں نجاح اور گلاب اپنے ہی سائبان سے دھوکہ کھا گئی اپنے سگے سے لے زندگی پڑھ کر ہر سو اضطرابی و تکلیف پھیلتی چلی گئی ٹریجڈی تحریر۔ "مدآشنا" حرمت پر ٹوٹی قیامت ہمارے صبر کے اعصاب کو چٹخا گئی ہمارا معاشرہ لڑکیوں کو یونہی اپنے قدموں میں مسل دیتا ہے فخر ہوا صالح کی محبت پر برے سے برے حالات میں بھی حرمت کا ساتھ نہیں چھوڑا شہباز کا انجام بھی تحریر کرنا تھا۔ حالات کی بے رحم تند و تیز اندھیروں میں بھی صالح حرمت کے سر کی چادر بنا رہا۔ جسم پر نظر ثانی نہیں کی روح میں جھانکا ٹریو سول بیسٹ۔ "روٹھے نین آکے پیارے حجاب!" ہمیں قسطوں میں کیوں مارتے ہو اس ماہ کا حجاب "آشک نمبر" ہونا چاہیے تھا۔ اُم خان طویل غیر حاضری کے بعد آئیں اور اشکوں کا تحفہ ہمیں دان کیا۔ شعر مرتضیٰ کا دکھ نا قابل بیاں ہے۔ ہاں خاندان والے کہاں کسی کو کچھ سوچنے دیتے ہیں بلکہ پورا معاشرہ ہی ناجائز کو قبول نہیں کرتا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ اس معاشرے کے کسی فرد نے اپنے خون سے سینچا ہے تب ہی تو اس نے دنیا میں آنکھیں کھولیں۔ افسانے سارے ایک سے بڑھ کر ایک اپنے لفظوں سے گہرا سبق دیتے۔ حما قریشی صاحبہ فرینڈ آپ نے بھی اچھے پلاٹ کا چناؤ کیا ایسے پریشان و مضطرب کیفیت میں عنیزہ محمد بیگ کی تحریر "کنڈو کھٹے ہیں" نے ذہن پر خوشگوار اثر چھوڑا۔ بظاہر ہنسی مسکراتی تحریر پر تین کنواری خواتین کی زندگی کی حساسیت کی عکاس تھی، بہت مزہ آ گیا پڑھ کر۔ مستقل سلسلے میں سب سے پہلے ذکر اس پری وش کا "ہملٹی حسلیمیہ" صائمہ سید علیشہ بہت اچھا لگا آپ سب کے متعلق جان کر اور صائمہ ایمن آپ تو میری فرینڈ کی لسٹ میں شامل ہیں تھینکس سو مچ یاد رکھنے کا آپ اور قرۃ العین حسن خیال میں مقابلے کا نہیں اچھا لگا جان کر "جیسا ہم نے دیکھا" رفاقت جاوید نے پروین شاکر کی شخصیت ہمارے سامنے ابھار دی۔ پروین شاکر مائی فیورٹ شاعرہ ہیں۔ بزم سخن میں دعائے سحر کرن ملک طیبہ سعدیہ اور مسکان وسی کے اشعار ڈائری کی زینت بنے شوخی تحریر میں مصباح حسین بھلیر سے اور سامعہ ملک (ہونٹوں پر ہنسی بکھر گئی) کی کاوش بہت بیسٹ تھیں۔ اجازت سانسوں نے وفا کی تو جلد ہی شمع تم سے ملے گی زندہ رکھنا۔

☆ ڈیئر شمع جیتی رہو آپ کا تبصرہ انعام یافتہ قرار پایا آپ کو مبارک ہو اور آپ اپنے مکمل پتا ادارے کو فوری آگاہ کریں تاکہ آپ کا انعام کی رسالہ ارسال کیا جا سکے۔

ایس...... ستیانہ۔ آداب جی! قوس و قزح کے رنگوں ہمراہ مسرت و شادمانی کو چہرے پر سجا کر محبتوں کو بکھیرتے اور ڈھیروں دعاؤں کے سنگ با بدولت حسن خیال میں قدم رکھنے کی جسارت کر رہی ہے اس امید کے ساتھ کہ آپ سب لوگ صحت و ایمان کی بہترین حالت میں ہوں گے سب سے پہلے تو میں ادارے کی مشکور ہوں جس نے ہمیں آنچل کے بعد اب حجاب جیسے پُر لطف اور سبق آموز رسالے سے نوازا اللہ تعالیٰ آپ کو اور کامیابیوں سے نوازے آمین۔ اب آتے ہیں فروری کے شمارے کی جانب سرورق انتہائی نفیس تھی سنوری برائیڈل دل کو بھا گئی۔ ایک نظر

فہرست پر دوڑائی کہانیوں کے نام پڑھتے ہی سرور نظر آنے لگا کیونکہ ٹائٹل سب ہی زبردست دکھائی دے رہے تھے جیسے کہ "لڈو کھٹے ہیں" اور "سات سہیلیاں" اس کے بعد خدائے لم یزل کی مداح سرائی کی طرف بڑھے پڑھ کر دل جھوم اٹھا۔ ساتھ ہی کوثر خالد بہنا کی ثناء خوانی بھی جگمگا رہی تھی اس سے اپنے دل کو منور کیا تو آگے بڑھے امہات المومنین میں حضرت زینب بنت خزیمہ کو پایا پڑھ کر آپ کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں سے روشناس ہوئی۔ رخ سخن میں مسز نگہت غفار کو جلوہ افروز پایا ان کے بارے میں جان کر اچھا لگا اس کے بعد بڑھ گئے اپنے موسٹ فیورٹ بزم سخن کی جانب ارم کمال آپی کا شعر بہت زبردست لگا۔ نورین انجم کا تو کمال کا تھا پڑھ کر سچ میں اپنی قسمت پر ناز ہوا اس کے بعد عالم میں انتخاب کی جانب دوڑ لگائی۔ اس میں ارم کمال آپی سچ میں مزہ آ گیا ایسا لگ رہا تھا جیسے شاعر نے میرے اوپر ہی غزل کہی ہو یہاں سے سیدھے بڑھے "سات سہیلیوں" کی طرف اس میں سمجھ نہیں آئی کہ ساتویں چابی کس چیز کی تھی۔ "انوکھے رشتے" پڑھ کر دکھ ہوا کیا کوئی باپ یوں بھی اپنی اولاد کے ساتھ کر سکتا ہے۔ "میرے خواب زندہ ہیں" میں حورین بہت ہی خوش قسمت ہے جو اس کا من چاہا مل رہا ہے۔ "لڈو کھٹے ہیں" مزے کی اسٹوری تھی "درد آشنا" حمیرا علی کی بہت سبق آموز تھی ہمیں واقعی اپنے پیاروں کو دکھ میں اکیلے نہیں چھوڑنا چاہیے ورنہ اپنے اور پرائے میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔ "دل کے دریچے" میں سائرہ بیگم بالکل بھی اچھا نہیں کر رہی اور شرمیلا دیکھو کیسے نخرے دکھا رہی تھی من میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔ اسم خان یار کیا کر دیا اشعر کے ساتھ اس کے ماں باپ کے ساتھ اتنا برا۔ اتنی بڑی ٹریجڈی اوہ میرے خدا کیا کیا یاد نہیں کروایا اس کہانی نے۔ کنیز ماہی جی نے بھی خوب لکھا "تیرے لوٹ آنے تک" بھی اچھا جا رہا ہے۔ "محبت ہم سفر ہوتی" بھی سبق آموز کہانی تھی "ڈیکوریشن پیس" اور "اے زندگی" بھی اچھے موضوع پر تھی۔ باقی ساری بھی اچھی تھیں۔ اچھا جی ہمیں بھی اب ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ رخصت کریں اللہ ہمارے حجاب اور آنچل کو آسمان کی بلندیوں پر پہنچائے آپ بھی سدا خوش رہیں آمین۔

☆ گڑیا الیس جیتی رہو آپ کا تبصرہ انعام یافتہ قرار پایا آپ کو مبارک ہو اور آپ اپنے مکمل پتا ادارے کو فوری آگاہ کریں تاکہ آپ کا انعام کی رسالہ ارسال کیا جا سکے۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔ پیاری باجی السلام علیکم! اس بار فروری کا حجاب دلہن بنی ماڈل کے خوبصورت سرورق سے سجا مجھے دس تاریخ کو مل گیا۔ حمد و نعت امہات المومنین پڑھ کر اپنی دل اور روح کو منور کرتے ہوئے آپ کی بات چیت بنی جس میں آپ ہم سے مخاطب تھیں اور حجاب کی کامیابی پر آپ ہمیں شکریہ کہہ رہی تھیں۔ آپی جس کام میں نیت صاف اور محنت کا جذبہ ہو وہ کام کبھی بھی ناکام نہیں ہو سکتا ہے۔ ہم بھی آپ کو حجاب کی کامیابی پر دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ "ذکر اس پری وش کا" میں بہنوں کے بارے میں پتا چلا "رخ سخن" میں مسز نگہت غفار کا انٹرویو بہت ہی اچھا لگا۔ آغوش مادر میں ماں کے حوالے سے خیالات پڑھے ماں کا رتبہ اور دلوں میں بڑھ گیا۔ سلسلے وار ناولز میں "میرے خواب زندہ ہیں" اور "دل کے دریچے" تو اچھے جا رہی رہے ہیں ان کے علاوہ "سات سہیلیاں" "تیرے لوٹ آنے تک" "انوکھے رشتے" "لڈو کھٹے ہیں" "محبت ہم سفر ہوتی ہے" "ڈیکوریشن پیس" "تسکین ذات" پسند آئے۔ "جیسا میں نے دیکھا" میں رومانوی ترین شاعرہ پروین شاکر کے بارے میں پڑھا تو ایک دم ان کی شاعری کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ "طب نبوی ﷺ" علاج کے بارے میں ہم نے بھی اپنی ڈائری میں نوٹ کیے۔ بزم سخن میں حمیرا نوشین، کرن ملک، میمونہ گل، ندیحہ نورین مہک، گڑیا شاہ، سباس گل، نایاب مہر کے اشعار۔ "آرائش حسن" میں نے پڑھا ضرور مگر نوٹ نہیں کیا کیونکہ میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین کو میری سادگی ہی بہت پسند ہے۔ وہ مجھے کہتے ہیں کہ تمہاری سادگی حوروں کی طرح لگتی ہے اور میں خوش ہو جاتی ہوں۔ عالم میں انتخاب میں دلکش مریم اور مہک کا انتخاب اچھا لگا۔ شوخی تحریر میں ارم کمال، فریحہ شبیر، علیزے اور حسن خیال میں افشاں علی، ستارہ آمین کومل، کنول خان، عائشہ پرویز، حنا مہر کے تبصرے پسند آئے۔ ایک روز میں نے اپنے میاں جانی پروین افضل شاہین سے کہا کہ اس کھڑکی کا شیشہ تم نے توڑا ہے یعنی تمہاری وجہ سے ٹوٹا ہے تم ہی لگوا کر دو گے۔ میاں نے کہا "تم نے جوتا مار کر توڑا ہے میں کیوں لگوا کر دوں۔" میں نے کہا "جوتا میں نے تمہیں مارا تھا تم سامنے سے نہ ہٹتے تو یہ شیشہ نہ ٹوٹتا اس لیے تم لگوا کر دو۔"

☆ ڈیئر پرنس سہاگن رہو آپ کا تبصرہ انعام یافتہ قرار پایا آپ کو مبارک ہو۔

نزہت جبین ضیاء...... کراچی۔ محترم مدیرہ صاحبہ! السلام علیکم! امید ہے اسٹاف اور اہل خانہ سمیت بخیریت ہوں گے۔ فروری 2015ء کا حجاب اچھے سے سرورق کے ساتھ ملا جزاک اللہ۔ سب سے پہلے تو میں آپ لوگوں کی مشکور ہوں کہ مجھے اس قابل سمجھتے ہوئے نئے افق آنچل و حجاب گروپ کے مقابلے کے لیے بطور جج شامل کیا پھر مقابلے میں انعام حاصل کرنے والوں کو دل کی گہرائی سے مبارک باد اور جو لوگ اس مقابلے میں کچھ قدم پیچھے رہے ان کے لیے بہت ساری دعائیں ان شاء اللہ اگلی بار وہ فاتح ہوں گے۔ نگہت غفار سے بات چیت اچھی رہی۔ "آغوش مادر" میں سمیہ عثمان کے خیالات بہت اچھے لگے سمیہ نے بے شمار ماں کے حوالے سے لکھی گئی پوئٹریز میں میری نظم کو پسند کیا سمیہ ڈیئر ڈھیر سارا جزاک اللہ جیتی رہو آمین۔ تحاریر ساری ہی اچھی رہیں زرین قمر آپا اور اقبال بانو کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ بہت اچھا لگا دونوں کی

تحاریر زبردست رہیں۔ نئی رائٹرز بھی ماشاء اللہ اچھا لکھ رہی ہیں' سب کے لیے بہت ساری دعائیں۔ پیاری افشاں علی' ستارہ امین کومل' کنول خان' فاطمہ حسینی' ثوبیہ شاہین' مناہل شاہ' عبادت کاظمی' حسنین ملک' صبا خان' حنا مہر (تمہارے محبت بھرے بھروسے کے قربان) پروین افضل شاہین تمام دوستوں کا بے حد شکریہ تم سب نے جن خوب صورت الفاظ میں میرے ناول "محبت دسترس میں ہے" کو تعریفی سند سے نوازا ہے۔ تم لوگوں کی تعریف اور تنقید ہی ہمیں لکھنے میں معاون و مددگار ثابت ہوتی ہے آئندہ بھی منتظر رہوں گی' جزاک اللہ۔ پروین شاکر کے بارے میں رفاقت جاوید نے بہت خوب صورت لکھا' اللہ پاک پروین شاکر کے درجات بلند کرے وہ واقعی بہترین شاعرہ تھیں۔ ندا رضوان امہات المومنین کے حوالے سے بہت بہترین اور دل میں اتر جانے والی تحریر پیش کی' اللہ پاک ان کو جزائے خیر دے آمین۔ الحمدللہ حجاب نے آپ تمام کی انتھک کوششوں سے چار ماہ میں ہی وہ مقام پالیا ہے جو بہت کم رسالوں کے حصے میں آتا ہے۔ میری تمام تر نیک تمنائیں' محبتیں اور پرخلوص دعائیں حجاب کے لیے ہیں' اللہ پاک ہم سب کا حامی و ناصر ہو آمین۔

☆ ڈیئر نزہت! حجاب کی پسندیدگی کا شکریہ۔

فریدہ فری یوسف زئی...... لاھور۔ السلام علیکم! حجاب اس مرتبہ جلدی مل گیا' ٹائٹل بے حد دلکش لگا۔ اس مرتبہ نگہت غفار صاحبہ کا انٹرویو بے حد پسند آیا۔ اللہ ان کو خوش رکھے' حجاب بھی بے حد معیاری میگزین ہے اس کے افسانے اور ناول بہت ہی پسند آئے سب نے بہت ہی اچھا لکھا۔ مکمل ناول "سات سہیلیاں' کرب کے رشتے' کئی زندگی" افسانوں میں اقبال بانو کا افسانہ "انوکھے رشتے" واہ کیا افسانہ تھا۔ اقبال بانو جی بہت' بہت سلام اور دعا۔ "گندو کھٹے ہیں" مزے دار تحریر لگی۔ "محبت ہمسفر ہوتی" "دل اس سے ملا" "بدلتے رنگ" "تسکین ذات" سب کے سب پڑھ کر مزا آ گیا۔ انٹرویو کو پسند کرنے کا شکریہ خاص پروین افضل کو پروین تم تو میری جان ہو۔ آخر میں سب قارئین اور رائٹرز کو بے حد سلام اور دعا۔

ثمینہ ناز...... اورنگی ٹاؤن' کراچی۔ محترمہ مدیرہ قیصر آرا صاحبہ السلام علیکم! امید ہے کہ آپ اور آپ کا اسٹاف اور قارئین خیر و عافیت سے ہوں گے۔ پروردگار سے دعا ہے کہ ہر صبح کا سورج زندگی کی تمام خوشیاں سمیٹ کر ہمارے اور آپ کے آنگن میں اترے آپ کی مہارت اور ادارت نے پرچے کے قدم جما دیئے جس کی بدولت ہم عصر جرائد کو پیچھے چھوڑ دیا آپ ہی کی کاوش ہے کہ حجاب نے ہمارے قلب و نظر میں فوراً ہی اپنی جگہ بنالی۔ حجاب میری عزیز دوست نسیم سحر نے مجھے گفٹ دیا اس کا پڑھنا تھا کہ ہم تو اس کے شیدائی ہوگئے شاندار بلکہ جاندار اس لیے اس میں ہماری جان جو اٹک گئی اور ہم اگلے مہینے ہی بک اسٹال پر جا پہنچے۔ سرورق پر نظر پڑی تو دوشیزہ عروسی جوڑے میں ملبوس تھی گھونگھٹ کے ہالے میں ان کا چاند سا حسن قیامت ڈھا رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر محترمہ شرمانے لگیں' دیکھا دیکھی ہم بھی مسکرا اٹھے آنکھوں میں سپنے لیے سسرال جانے کے لیے مکمل تیار تھیں۔ ہم نے بھی وقت ضائع کیے بغیر منہ دکھائی کی اور وداع کرا کے گھر لے آئے۔ حمد و نعت سے ابتدا نے شمارے کو چاند چاند لگا دیئے اور ساتھ ہی امہات المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ کے بارے میں پڑھ کر معلومات میں کافی اضافہ ہوا بہت خوب مدیرہ جی! ابھی ہم آغوش مادر سے روح کو سرشار اور معطر کر ہی رہے تھے کہ ساسوں ماں نے پکارا کچھ پیٹ پوجا کا بندوبست بھی کرلو آج ہی سارا ڈائجسٹ ختم کرنا ہے۔ بس کیا تھا ہم نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ اور گھس گئی کچن کارنر میں۔ کچن کارنر کے بغیر تو ہمارا کچن ہی ادھورا ہے اور کیوں نہ ہو ہر مہینہ مزے مزے کے کھانے کی ترکیبیں جو ملتی ہیں سو ہم نے بھی دم پخت ہانڈی تکہ اور چینی پلاؤ پکا ڈالا اور ساسوں ماں کا دل جیت لیا۔ ابھی رسپی پڑھ ہی رہی تھیں زہرہ جبین جی ہمیں بقر عید کی مبارک باد دینے لگیں چار ماہ بعد یا ایڈوانس میں آٹھ مہینے پہلے ہی فیصلہ آپ پر چھوڑ دیا۔ ذکر اس پری وش کا میں سلمٰی عنایت اور صائمہ عمرین کے تعارف نے متاثر کیا۔ دوست سخن میں آنٹی مسز غفار سے مل کر بڑی خوشی ہوئی' ماں کے بارے میں ان کی لکھی نظم نے بہت متاثر کیا۔ اب آتے ہیں افسانوں کی طرف صبا خان کی "بدلتے رنگ" "فیشن پرستی پر مبنی بہت شاندار تحریر۔ "ڈیکوریشن پیس" میں ماں نے بیٹی کو ڈیکوریشن پیس سے صحیح تشبیہ دی۔ عتیقہ محمد بیگ کی "گندو کھٹے ہیں" میں تینوں بہنوں کی لڑائی بڑی شاندار تھی۔ "دل اس سے ملا" اور "محبت ہمسفر" جیسی کہانیاں معاشرے کی اصلاح کرتی ہیں' دونوں کا اینڈ لاجواب تھا۔ اقبال بانو کی "انوکھے رشتے" پڑھ کر دل دکھی ہوگیا۔ "کئی زندگی" میں باپ نے اپنی ہی بیٹی کو دھوکے سے بیچ کر اچھا نہیں کیا۔ "تسکین ذات" اکثر والدہ اور بہنیں یہی کرتی ہیں کہ درجنوں رشتے دیکھ ڈالتی ہیں مگر کوئی بھی لڑکی پسند نہیں آتی اگر آ بھی جائے تو بے چاری جہیز کی ڈیمانڈ پر بیٹھی رہ جاتی ہے۔ ناول کنیز ماہی کی "کرب کے شہر میں" برباد محبت کی داستان اینڈ بہت لاجواب۔ "درد آشنا" میں صالح نے حرمت کو ناکردہ جرم کی سزا نہیں دی اور نہ ہی معاشرے کے عام مردوں کی طرح جھوٹی عزت کے نام پر محبت کا خون کیا بلکہ اسے اپنی محبت سے معتبر کردیا بہت سبق آموز۔ "روندے نین" میں قسمت کی ستم ظریفی نے اشعر اور آدرش کو لفظ ناجائز کی بھینٹ چڑھا دیا۔ "جیسا میں نے دیکھا" میں پروین شاکر کے بارے میں جان کر بڑی خوشی ہوئی تھوڑا تفصیلی ہوتا تو اور مزہ آتا۔ "طب نبوی ﷺ" میں سمیرا غزل صدیقی نے پوشیدہ بیماریاں اور ان کے علاج کے بارے میں معلومات فراہم کی۔ بزم سخن میں شائستہ جٹ اور دعا سحر کی شاعری نے دل چھو لیا۔ عالم میں انتخاب میں مدیحہ نورین مہک' ثریا شاہ' سمیہ کنول' دلکش مریم اور نازیہ حسن کے انتخاب روح میں اتر گئے۔ شوبز کی دنیا پر نظر

پڑتے ہی ہم اپنی نظریں چرا کے نو دو گیارہ ہوگئے اور حسن خیال میں دوڑ لگائی۔ افشاں علی کول اور کنول خان، بہت بہت خوب لکھا مگر ستارہ امین کول نے تو ہمارے دماغ کی بتی جلادی، بہت شاندار۔ شوخی تحریر میں شائستہ جٹ، سامعہ ملک پرویز اور ارم کمال کی تحریریں سب پر بھاری تھیں۔ ہومیو کارنر میں معلومات تسکین کا سبب بنی۔ اب چلتی ہوں کہیں آپ لوگ بور نہ ہوجائیں حجاب دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرے آمین۔

ارم کمال...... فیصل آباد۔ پیاری اور بہت پیاری باجی سدا ہنستی رہیں اور کھلکھلاتی رہیں آمین۔ السلام علیکم! امید ہے کہ بفضل خدا خیریت سے ہوں گی حجاب کا چوتھا شمارہ ہمارے ہاتھوں میں ہے ٹائٹل دلہن کا رنگ لیے خوب لائٹیں مار رہا تھا۔ "بات چیت" کر کے حمد و نعت سے دل و دماغ کو معطر کیا۔ حضرت زینب بنت خزیمہ کے بارے میں ایمان افروز واقعات سے بہت کچھ حاصل کیا۔ "ذکر اس پری وش کا" میں سلمیٰ عنایت اور سیدہ علیشہ زبردست۔ مدح سخن میں پہنچے تو گریس فل سی مسز نگہت غفار سے ملاقات دل و روح کو منور کر گئی۔ ان کی صاف اور کھری گفتگو دل میں اتر گئی۔ آغوش مادر پڑھ کر ماں کی مامتا پر ایمان مضبوط سے مضبوط تر ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ میری اور سب کی ماؤں کو ان کے سر پر سلامت رکھے آمین۔ کہانیوں کے سیکشن میں "سات سہیلیاں" گو کہ کہانی کے کچھ خاص نہ تھی مگر انداز جداگانہ رہا۔ سلسلے وار ناول "میرے خواب زندہ ہیں" بہت ہی پاور فل اور شاندار جارہا ہے رفتار جیٹ طیارے کے برابر ہے ایک دو قسطوں میں ہی کہانی اگلی نسل تک چلی گئی۔ "درد آشنا" حمیرا علی کی بہت ہی دردناک اور خون کے آنسو رلانے والی تحریر ہے حرمت کی بے حرمتی نے جہاں لرزہ کے رکھ دیا وہیں کالج کا پرخلوص اور کھرا پیار ششدر کر گیا لیکن کیا حقیقت میں ایسا ہوتا ہے؟ سلسلے وار ناول "دل کے دریچے" میں سفینہ اور فائزہ کی نیا پار لگتی ہی یا نہیں اسی ٹینشن میں رات کا کھانا کھایا ہی نہیں گیا دیگر تحریروں میں "روندے نین" اور "محبت ہم سفر ہوتی" اچھی تحریریں رہیں۔ طب نبوی ﷺ سے کراں قدر معلومات حاصل ہوئیں پر وقت پڑنے پر یاد بھی رہیں تو بات ہے ورنہ پھر اللہ مالک ہے۔ بزم سخن، کچن کارنر شوخی تحریر سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ حسن کیال میں تمام انعام یافتگان کو بہت بہت مبارک ہو اللہ تعالیٰ آنچل کے ساتھ ساتھ حجاب کو بھی دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا کرے آمین۔ اچھا اب اجازت زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔

سعدیہ رمضان سعدی...... 186۔ السلام علیکم! حجاب 7 فروری کو ملا تو دل خوشی سے بھر گیا ٹائٹل اچھا تھا حمد و نعت سے مستفید ہوکر سارا حجاب کھنگال ڈالا پر اپنا نام نہ ملا چل کوئی نہ کلے بے کے روئی نہ دل کو تسلی دی اور سحرش فاطمہ کی تسکین ذات پڑھ کر آنکھوں میں ڈھیر سارے آنسو آگئے۔ ماشاء اللہ حجاب بھی آنچل کی طرح پرفیکٹ ہے پلیز اس میں بند حسن سلسلہ شروع کردیں اب جگہ ملی تو پھر آؤں گی ان شاء اللہ۔

مسز نگہت غفار...... کراچی۔ پیاری سی مدیرہ جی السلام علیکم! آپ کو آپ کی ٹیم کی تمام اسٹاف تمام بہن بھائی اور بچوں کو اللہ رب العزت صحت کامل، لمبی عمر دین و دنیا کی ہر خوشی اور کامیابی نصیب فرمائے آمین۔ اس ماہ فروری کا سرورق بے حد خوب صورت اور دلکش تھا مدیرہ جی آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں کیونکہ آپ نے اپنی ادبی زندگی کا سفر سال دو سال پہلے شروع نہیں کیا ماشاء اللہ سے آپ کا یہ سفر برسوں برس سے جاری ہے اور جب میں نے 26 ستمبر 1971ء میں لکھنے کی ابتدا کی میرا پہلا افسانہ "آغاز اخبار" میں "پائلٹ کے نام سے شائع ہوا دوسرا لاہور کا رسالہ زینب النساء میں اور پھر اسی طرح مختلف افسانے دیگر اخبار اور رسائل میں شائع ہوئے۔ اس طرح تیسرا افسانہ "آنچل میں جون 1988ء میں شائع ہوا تیسرا افسانہ "آنکھوں کا ساون" تھا میں آنچل ادارے سے 28 سال سے منسلک ہوں آپ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں آپ کی لمبی عمر، مکمل صحت اور دین و دنیا کی ہر خوشی اور کامیابی کے لیے دعا گو ہوں کہ اس ماہ مدح سخن میں میرا انٹرویو شائع ہوا اللہ آپ سب کو ہمیشہ اپنی رحمتوں کے حصار میں رکھے آمین۔ سباس! جیتی رہو شاد و آباد رہو زندگی میں ہمیشہ کامیاب رہو آمین۔ مدیرہ جی! آپ نے اپنی بہنوں سے مشورہ مانگا ہے سفر کو مزید کامیاب بنانے کے لیے تو عرض ہے کہ مجھے رسالوں کی جان، روح دل اور خوب صورت لگتی ہے خطوط کی محفل اس میں زیادہ سے زیادہ خطوط ہوں پیارے پیارے پرخلوص سے اپنائیت سے بھرے آدمی ملاقات ہو جاتی ہے اور ہم جیسے رائٹرز کو اپنے بہن بھائی، دوستوں اور بچوں سے اپنے لیے گائیڈ ملتی ہے ہم تو ابھی سیکھنے کے دور میں ہیں۔ حمد و نعت کے مقدس لفظوں نے دل و روح کو پرنور کردیا۔ امہات المومنین بے حد مفید اور روحانی سلسلہ ہے اللہ تعالیٰ ہما رضوان کے علم میں عمر میں خوشیوں میں کامیابیوں میں اضافہ فرمائے صحت و سلامت رکھے۔ بھئی جیسے ہی ذکر اس پری وش کا جنوری ریشم میں میرا افسانہ پری وش آیا تھا اور فروری میں حجاب نے چار پریوں سے ملاقات کروادی چاروں اچھی لگیں۔ کہانیوں میں زندیں قمر، کنیز باجی، سحرش فاطمہ، حرا قریشی، سمیرا غزل اور قسط وار کہانیاں پڑھیں قسط وار کہانیوں کی اگلی قسط کا انتظار ہے باقی کہانیاں پسند آئیں تقریباً سب ہی نے اچھا لکھا۔ پروین شاکر کی شاعری مجھے بھی بہت پسند ہے رفاقت جاوید نے بڑی خوب صورتی سے اظہار خیال بیان کیا۔ بزم سخن حمیرا نوشین، ارم کمال، سیدہ نسبت، سباس گل، سامعہ ملک، ثمینہ ناز، نورین انجم بہت خوب صورت قطعہ ہے باقی اشعار اور قطعات پسند آئے عالم انتخاب میں سارے کلام اچھے تھے۔ شوخی تحریر میں دلکش مریم، مدیحہ نورین، پروین افضل، طالبہ بنت نعیم، شہزادی شاہانہ، سونیا گل، فریحہ شبیر، صاحیت سلیم، نیلم شہزادی کے مراسلات بہت اچھے تھے۔ قرآن پاک، خلیفہ، سکون قلب بے حد خوب صورت تحریریں تھیں۔ میرا خیال ہے کہ خط طویل ہوگیا ہے اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ

رب العزت آپ کو آپ کی فیملی کو حجاب آنچل اور نئے افق کی فیملیز کو اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ اللہ حافظ۔

رابعہ عمران چوہدری...... رحیم یار خان۔ حجاب کا شمارہ بہت دیر سے ملا مگر ہم نے ایک ہی نشست میں پڑھ لیا۔ مدیرہ سے بات چیت اچھی لگی حمد ونعت اچھی لگی۔ امہات المومنین پڑھ کر ہماری معلومات میں مزید اضافہ ہوا ڈ کر اس پری وش کا میں تمام فرینڈز سے ملاقات خوب رہی۔ رخ سخن میں مسز نگہت غفار سے ملاقات پسند آئی شاعری بھی بہت پسند آئی۔ آغوش مادر میں سمیہ عثمان نے ماں کے لیے جن جذبات کا اظہار کیا پڑھ کر اچھا لگا۔ "سات سہیلیاں" نام پڑھ کر تجسس ہوا کہ پہلی زرین قمر کو پڑھا جائے آخر سات سہیلیاں کون تھیں اور جب ساری تحریر پڑھی تو پتا چلا کہ یہ تو ایک گھر کا نام تھا۔ سات سہیلیاں تحریروں میں ایک منفرد اور بہترین تحریر لگی بہت خوب صورت لکھا زرین قمر نے۔ میں بہت دیر تک کہانی کے زیر اثر رہی انداز بیاں کیا خوب صورت لاجواب ماشاءاللہ۔ عنیقہ بیگ تحریر آپ کی اچھی لگی۔ اچھا جناب اب میں نے پیپرز کی تیاری بھی کرنی ہے اس لیے آگے بڑھتی ہوں حمیرا علی کی تحریر "ورد آشنا" ایک بہترین تحریر لگی صالح جیسا ظرف بھی کسی کسی کا ہوتا ہے۔ کہانی میں شاعری تو بے حد خوب صورت تھی انعم خان کی تحریر "روندے نین" لاجواب رہی بہت خوب صورت انداز میں ایک منفرد موضوع پر لکھا۔ "کنیز ماہی" کی تحریر بھی بے حد پسند آئی۔ سمیرا غزل صدیقی کی تحریر سبق آموز تھی غلطی سراسر ماہین کی ہی تھی۔ سمیہ عثمان کی مختصر تحریر بہت اچھی لگی حرا قریشی کی تحریر "ڈیکوریشن پیس" بھی قابل تعریف تھی۔ صبا خان کی تحریر "بدلتے رنگ" منفرد اور اچھی لگی سحرش فاطمہ نے خوب لکھا باقی تمام سلسلے لاجواب ہے۔

ماہ نور شاہ (ام رباب)...... ڈیرہ اسماعیل خان۔ ای میل السلام علیکم! کیسے ہے آپ سب امید کرتی ہوں سب خیریت سے ہوں گے حجاب 8 کو فروری کے ہمارے ہاتھ آیا۔ ٹائٹل گرل بہت پیاری لگی ہے اس کے بعد سب سے پہلے تو فہرست پہ نظر دوڑائی سب نئے چہرے دیکھنے کو ملے ہیں پھر قیصر آرا آپا سے ملاقات ہوئی بہت اچھا لگا ہے۔ حمد ونعت کی طرف آئے ماشاءاللہ بہت اچھی تھی۔ "امہات المومنین" حضرت زینب بنت خزیمہ کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل ہوئی ہے۔ "رخ سخن" میں نگہت غفار آپا سے مل کے بہت اچھا لگا ہے۔ "آغوش مادر" سمیہ عثمان بہت اچھی لگی جس طرح سے امی ابو کے پیار کو بیان کیا ہے آنکھیں نم ہو جاتی تھی والدین تو سب سے بڑی نعمت ہیں اللہ پاک ہم سب کے سروں پہ والدین کا سایہ ہمیشہ سلامت رکھے آمین اور اس کے بعد زرین قمر کا مکمل ناول "سات سہیلیاں" پڑھنا شروع کیا مجھے لگ رہا تھا کوئی راز چھپا ہوگا کیونکہ سات چابیوں کا بتایا گیا تھا خیر کہانی اچھی تھی۔ "اے زندگی" پھول عابد زبردست ناول آنکھیں اشکبار ہوگئی کتنا ظالم باپ تھا اپنی بیٹی کے ساتھ اتنا برا کیا ہے خود تو سزا لی بیٹی کی زندگی جہنم بنادی اور اس ماں کو انتظار سونپ دیا۔ "کرب کے شہر میں" کنیز ماہی دھوپ چھاؤں کا سفر طے کرنے کے بعد بھی احمر اور کائنات کے نصیب میں جدائی لکھی تھی بہت عمدہ ناول۔ "ورد آشنا" حمیرا علی کا خوب صورت ناولٹ صالح بہت زبردست کردار دکھایا گیا ہے لیکن آج کل کے معاشرے میں ایسے لوگ کہاں ہیں جو اتنا ساتھ دیں چھوٹی سی غلطی پہ ناطے ٹوٹ جاتے ہیں۔ "انوکھے رشتے" اقبال بانو۔ "لڈو کھٹے ہیں" عنیقہ محمد بیگ بہت زبردست۔ "محبت ہمسفر ہوتی" سمیرا غزل صدیقی۔ سبق آموز افسانہ "ڈیکوریشن پیس" حرا قریشی۔ "بدلتے رنگ" صبا خان۔ "دل اس سے ملا" سمیہ عثمان۔ "تسکین ذات" سحرش فاطمہ افسانے سارے زبردست رہے کچھ نہ کچھ سیکھنے کو ملا ہے۔ صدف آصف میم اور نادیہ فاطمہ رضوی میم بہت ہی عمدہ سلسلے وار ناولز۔ "جیسا میں نے دیکھا" پروین شاکر جی سے ملاقات کی۔ "طب نبوی ﷺ" سے ہو کے بزم سخن میں حاضر ہوئے بہت ہی زبردست تھے سب کے انتخاب۔ "کچن کارنر" واہ کیا خوشبو آرہی ہے منہ میں پانی بھی آگیا پھر جی دوڑ لگائی "آرائش حسن" پہ اور خشک جلد کے لیے ٹپس لی۔ "عالم میں انتخاب" واہ کیا غزل اور نظم تھی بہت اعلیٰ۔ "شوخئ تحریر" بہت اچھی باتیں پڑھنے کو ملی ہیں۔ "حسن خیال" واہ عائشہ آپ تو یہاں بھی چھائی ہیں۔ "شوبز کی دنیا" کیا بات ہے جی فواد خان مل گئے۔ حجاب ڈائجسٹ تسی آگئے تے چھا گئے اب اجازت چاہتی ہوں اس دعا کے ساتھ حجاب دن دگنی رات چوگنی ترقی حاصل کرے آمین۔

☆اب اس دعا کے ساتھ اگلے ماہ تک کے لیے رخصت چاہوں گی کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تا کہانی آفات ومصائب سے محفوظ رکھے۔

ناقابل اشاعت کہانیاں:۔

کوئی عیسیٰ نہیں، زندہ آمین در گور ہیں، خطا کار نہیں، صد شکر۔

husanekhyal@gmail.com

طباعت کی غلطی کی بنا پر مصنفہ پھول عابد اور اقبال بانو کی تحریر عنیقہ محمد بیگ اور سحرش فاطمہ کے نام سے شائع ہوئیں۔ ادارہ حجاب اس غلطی پر اپنی مصنفین وقارئین سے معذرت خواہ ہے۔

حیض

حیض (Menses) ایک وریدی خون ہے جو کہ ایک صحت مند عورت میں، صحت مندانہ حالت میں مہینے میں ایک بار چند روز کے لیے خارج ہوتا ہے یا دوسرے لفظوں میں رحم سے خون آنول (Muces) اور رحم کے اجزاء کا ہر مہینے اخراج حیض کہلاتا ہے۔ حیض مختلف حالتوں میں غائب ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے مثلاً......:

❖ بلوغت سے پہلے کا عرصہ
❖ ایام حمل میں
❖ ایام رضاعت (دودھ پلانے کا زمانہ)
❖ سن یاس کا زمانہ

دورانیہ

حیض بالعموم تندرست عورتوں میں ہر چار ہفتہ یعنی 28 دن کے بعد آیا کرتا ہے لیکن بعض عورتوں کو 24 روز اور بعض کو 32 روز کے بعد بھی آتا ہے جو کہ بے قاعدگی نہ ہونے اور درمیانی وقفہ کے ایک ہی حالت پر ہونے کی صورت میں داخل مرض نہیں یعنی اگر چوبیس روز کے بعد حیض آتا ہے تو چوبیس روز بعد ہی برابر آتا رہے گا۔ اگر 32 روز بعد آتا ہے تو 32 روز بعد ہی برابر آتا رہے گا۔ یہ صورت غیر طبعی ہے اور مرض کے ساتھ وابستہ نہیں لیکن اگر اس صورت میں غیر متوازن کیفیت ہوجائے یعنی 25 روز بعد آنے والا حیض کسی مہینے 32 روز کے بعد آئے تو یہ غیر صحت مندانہ رجحان ہے۔

مقدار

تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ حیض کے خون کی مقدار مختلف عورتوں میں مختلف ہوتی ہے تاہم اوسط نکالا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ ان ایام میں خون روزانہ کسی ایک خاص مقدار میں برآمد ہوتا ہے اور کبھی ایک آدھ روز بند ہوکر پھر سے جاری ہوجایا کرتا ہے اوسطاً ایک تندرست عورت کو 10 تا 15 تولہ خون آتا ہے یا 100 سے 200 گرام۔

خصوصیات

اس قسم کے مخلوط میں انجماد کی صلاحیت کم ہوتی ہے کیونکہ رحم کی نالی کی خارج شدہ تیزابی ورترش محلول مل کر اس کی رنگت اور خوبی کو بدل دیتی ہیں۔ اس لیے اکثر یہ سیال حالت میں رہتا ہے، بعض اوقات خون کی کثرت اس تیزابی سیال کو کمزور بنادیتی ہیں تب ایسی حالت میں خون جم جاتا ہے۔

عمر

مختلف ممالک کے آب و ہوا کے اختلاف، طریقہ معاش، بدنی حالت کے اختلاف کی وجہ سے حیض آنے کی عمر بھی مختلف ہوتی ہے چنانچہ پاکستان جیسے گرم ملک میں گیارہ بارہ یا تیرہ برس کی عمر میں حیض آنا شروع ہوجاتا ہے بلکہ اس سے بھی بعض زیادہ گرم حصوں میں 9 برس کی عمر سے ہی حیض شروع ہوجاتے ہیں جو لڑکیاں عیش وآرام کی زندگی بسر کرتے ہوئے مرغن غذائیں استعمال کرتی رہتی ہیں وہ جلد حائضہ ہوجاتی ہیں۔

علامات

حیض سے قبل بہت بے آرامی اور سستی محسوس ہوتی ہے۔ پیروں میں بوجھ اور بے چینی کا احساس ہوتا ہے بعض حالات میں علامات بہت معمولی ہوتی ہیں اگر عورت کی تندرستی اور صحت بالکل درست ہے تو کوئی علامت حیض سے قبل معلوم نہیں ہوتی اور کسی میں بدنی کمزوری کا احساس ہوتا ہے، بدن ٹوٹنے لگتا ہے طبیعت ست ہوجاتی ہے۔ کام کاج میں دل نہیں لگتا پیروں میں کسی قدر ابھار اور تناؤ محسوس ہوتا ہے۔ کمر پیٹ اور سر میں درد، خفیف حرارت پستانوں میں تناؤ اور سختی پیدا ہوجاتی ہے۔ بعض عصبی مزاج والی لڑکیوں میں دیوانگی کا سا دورہ ہوجاتا ہے چند روز تک یہی حالت رہتی ہے اس کے بعد سفید رطوبت برآمد ہونے لگتی ہے پھر سرخی مائل ہوجاتا ہے۔ خون حیض بلوغت کی دلیل ہے اور قابلیت تولید کی علامت بھی، شروع میں اکثر لڑکیوں کو حیض بے قاعدہ طور پر آیا کرتا ہے۔ بعض اوقات میں دو دو، تین اور

بعض اوقات چار ماہ بعد آیا کرتا ہے بعد میں یہ حالات باقاعدہ اور معمول کے مطابق ہوجاتے ہیں۔

مدت حیض

حیض کی مدت بھی مختلف عورتوں میں مختلف ہوتی ہے' بعض عورتیں صرف ایک دو دن حائضہ رہتی ہیں' بعض کو متواتر ایک ایک ہفتہ بلکہ آٹھ آٹھ روز تک برابر حیض آتا رہتا ہے اگر ان تمام حالات کا اوسط نکالا جائے تو حیض کی مدت تندرست عورتوں میں چار روز قرار پاتی ہے۔ کم از کم تین روز اور زیادہ سے زیادہ سات روز حیض کی طبعی مدت قرار دی جاتی ہے۔ اس کی کمی بیشی غیر طبعی حالات کے وجود کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

تغیر رنگت

رحم سے آنول کے سے سیلان کی کمی غیر معمولی طور پر زیادتی ہوجاتی ہے' تھوڑے ہی وقت کے بعد اس کا سیلان بھورا ہوجاتا ہے کیونکہ اس میں خون کے کچھ اجزاء شامل ہوجاتے ہیں اور دوسرے اور تیسرے دن سیلان خالص خون کا سا ہوجاتا ہے جو نا سازی طبع پہلے محسوس ہوتی ہے وہ رفع ہوجاتی ہے اور سیلان حیض مقررہ وقت تک رہنے کے بعد کم ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ سیلان کا رنگ خالص خون کے بعد بھورے آخر میں سفید اور پھر بالکل ختم ہوجاتا ہے۔

دوران حمل اور دوران رضاعت

حمل کے دوران اور دودھ پلانے کے زمانے میں حیض عموماً نہیں ہوتے کیونکہ حمل کے زمانے میں اسی خون سے بچے کی نشوونما ہوتی ہے اور وضع حمل کے بعد اسی خون سے دودھ بنتا ہے جو کہ بچہ کی قدرتی غذا ہوتی ہے بعض ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جن میں عورتوں کو دودھ پلانے کے زمانے میں بھی ٹھیک اور مقررہ وقتوں میں حیض ہوتے ہیں۔

سن یاس

حیض کے ختم ہونے کی عمر حالات اور ماحول کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتی ہے بعض حالات میں تیس برس کی عمر بعض عورتوں میں پچاس ساٹھ برس کی عمر حیض آنا بند ہوجاتا ہے لیکن اکثر عورتوں میں چالیس برس کی عمر کے آگے پیچھے حیض آنا بند ہوجاتا ہے۔ حیض کے موقوف ہوجانے کے بعد عمر کا جو حصہ ہے اسے "سن یاس" کہتے ہیں یعنی ناامیدی کی عمر کیونکہ اس عمر میں عورتیں حاملہ نہیں ہوتیں اور بچوں کی امید آس سے ناامید و مایوس ہوجایا کرتی ہیں۔

احتیاطیں

❖ حیض کے دوران معمولات زندگی کے کام جاری رکھنے چاہئیں مثلاً گھر کے کام کاج' نہانا دھونا لیکن نیم گرم پانی کا استعمال کرنا چاہیے۔

❖ موسمی سردی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہیے' سرد پانی سے منہ ہاتھ ہونے اور زیر ناف ٹھنڈا پانی ڈالنے سے احتیاط کرنی چاہیے وگرنہ عروقِ رحم سکڑ کر خون حیض کو روک دیتے ہیں۔

❖ سرد' ترش پھل' برف' دہی وغیرہ سے پرہیز مناسب ہی۔

❖ قبض نہ ہونے دی جائے۔

❖ جسمانی صفائی کا خاص خیال رکھا جائے' نرم و صاف پیڈ یا کپڑا استعمال کیا جائے۔ میلے کچیلے چیتھڑے ہرگز استعمال میں نہ لائے جائیں۔

❖ ایام حیض میں محنت مشقت کے کام زیادہ نہ انجام دیئے جائیں' اچھلنے کودنے' زینہ پر بار بار اترنے چڑھنے سے پرہیز کریں۔ امراض نفسانی' غم' خوف اچانک اور بے حد خوشی سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے اس لیے کہ یہ بھی فتور حیض کا باعث بن جاتے ہیں۔

Sexual Inter Course سے پرہیز کرنا چاہیے۔

❖ دوران حیض درد یا کوئی اور تکلیف ہو تو اس کا علاج علاج بالمثل سے ہوسکتا ہے۔

❖ حیض کی باقاعدگیوں اور امراض سے متعلق اگلے باب میں درج کیا جائے گا۔

(جاری ہے)

انور کمال بھی چلے

کینیڈا میں مقیم پاکستانی اداکار انور کمال جوان دنوں کراچی آئے ہوئے تھے وہ عمرے کی سعادت حاصل کرنے سعودی عرب روانہ ہوگئے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ واپسی پر آئندہ ماہ کینیڈا روانہ ہوجائیں گے۔

ایک مذاق......ذرا ہٹ کے

فلمساز، ہدایتکار سعید رضوی امریکہ کے ڈیڑھ ماہ کے دورے کے بعد وطن واپس آ گئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ اپنی نئی فلم کی لانچنگ تقریب آئندہ ماہ کریں گے۔ دورہ امریکہ کو مثبت قرار دیتے ہوئے بتایا کہ وہاں میں نے ایک انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر فلم سے خصوصی کورس بھی کیا ہے۔ مجھے دوسرے ممالک بالخصوص بھارت سے زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔ میں نے ہمیشہ جدید تکنیک پر فلمیں بنائی ہیں (سفید جھوٹ) اور اس کی میں نے تربیت بھی حاصل کی ہوئی ہے۔ میں اپنی نئی فلم جدید تکنیک پر بناؤں گا۔ آج کل کی بننے والی فلموں پر عدم اظہار اطمینان کیا۔

امید بہار رکھ

سینئر اداکار مصطفیٰ قریشی نے کہا ہے کہ صدر مملکت ممنون حسین فلم انڈسٹری کی فلاح و بہبود اور اس کی تعمیر کے لیے مثبت اقدامات کررہے ہیں (واہ رے سادگی) ان اقدامات سے فلمی صنعت ایک بار پھر اپنے پیروں پر کھڑی ہوجائے گی (اس کا مطلب فلمی صنعت بے ساکھی کی محتاج ہے)۔ مصطفیٰ قریشی نے مزید بتایا کہ اسلام آباد میں ہونے والے اجلاس میں فلمی صنعت کی بہتری اور اس کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی امداد سمیت فلم انڈسٹری کی بہتری کے لیے کئی فیصلے کیے گئے۔ اجلاس میں نیف ڈیک جیسا ادارہ قائم کرنے کے ساتھ ایک کمیٹی ایک آرٹ اینڈ کلچرل کمیٹی کے قیام اور مستحق فنکاروں، ہدایتکاروں اور ٹیکنیشنز حضرات کی مالی مدد کے لیے بھی تجویز دی گئی۔ صدر مملکت نے ساری تجاویز غور سے سنیں اور انہیں ہر ممکن حل کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ فلمی صنعت کی بہبود کے لیے ہونے والے اجلاس ہر تین ماہ بعد منعقد ہوں

گے۔ جس میں اہم فیصلے کیے جائیں گے۔ علاوہ ازیں اجلاس میں ملک بھر کے فنکاروں، ہدایتکاروں، مصنفوں اور ٹیکنیشنز کے لیے امدادی فنڈز دینے کا فیصلہ کیا گیا اور ان کے ناموں کی منظوری بھی دی گئی۔

ہم تاں ہوں گے کوئی ہم سا ہوگا

سینئر اداکار راحت کاظمی نے کہا ہے کہ نیشنل پرفارمنگ آرٹ کے تربیت یافتہ اور تربیت پانے والے فنکار دنیا بھر میں تہلکہ مچا رہے ہیں اور انہوں نے پاکستان کا امیج بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ (صحیح کہہ رہے ہیں آپ......؟) راحت کاظمی نے کہا کہ آج کے ٹی وی ڈراموں کا معیار بہت بہتر ہے لیکن میرے پاس ڈراموں میں کام کرنے کے لیے وقت نہیں۔ (وقت یا آفر) اگر موقع ملا تو مستقبل قریب میں ٹی وی ڈراموں میں ضرور کام کروں گا۔ انہوں نے اپنے صاحبزادے علی کاظمی کے بارے میں کہا کہ وہ اس وقت کئی ڈراموں میں اداکاری کررہا ہے لیکن میں نے علی کو اچھے اسکرپٹ کے ڈراموں میں کام کرنے کی تلقین کی ہے علی ایک باصلاحیت اور ذہین لڑکا ہے وہ امریکہ سے باقاعدہ اداکاری ہدایتکاری کی تربیت لے کر واپس آیا ہے۔ (یہ تو آپ کہہ رہے ہیں)

ماورا حسین......فلم

اداکارہ ماورا حسین کو بھارتی فلم "صنم تیری قسم" کی کامیابی کے بعد شادی کی کئی پیشکش ہوچکی ہیں (اتنا روئے گیں تو ایسی ہی آفر ہوگی) انہیں یہ آفرز براہ راست اسلام آباد سے ملی ہیں

ملک میں ہم فنکارائیں سیکیورٹی کے باعث آزادانہ گھوم پھر نہیں سکتے۔

تنہائیاں

"تنہائیاں" فیم فنکارہ مرینہ خان نے حال ہی میں ایک نجی چینل میں بطور ریسرچ آفیسر ملازمت اختیار کرلی ہے اور انہوں نے وہاں کام بھی شروع کردیا ہے۔ مرینہ خان کا شمار ٹی وی کی باصلاحیت فنکاراؤں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے مختلف النوع کردار کرکے شہرت حاصل کی ان کے مقبول ڈراموں میں دھوپ کنارے شامل تھا لیکن مرینہ خان کو تنہائیاں میں شہرت ملی تھی اور ناظرین آج بھی قباچہ (بہروز سبزواری) اور مرینہ خان کے کردار کو نہیں بھول سکے ہیں۔

لیکن انہوں نے شادی کے بارے میں کہا کہ جب نصیب میں ہوجائے گی اور ویسے بھی ابھی میری پوری توجہ اپنے کیریئر پر ہے۔ میڈیا سے گفتگو میں کہا کہ فی الحال شادی کے چکر میں پڑ کر اپنی ساری محنت پر پانی نہیں پھیرنا چاہتی (بھلے ملک پہ پھیر دیں) اور ویسے بھی اس بات کا فیصلہ میرے گھر والے ہی کریں گے۔

ثمائمہ ملک......ارتھ ٹو

پاکستانی فلموں کو وقت دینے والی اداکارہ ثمائمہ ملک نے کہا ہے کہ فلم کو کامیاب کرانے کے لیے کہانی اور ہدایتکاری کا بڑا دخل ہوتا ہے (اچھا...... ہمیں ابھی پتا چلا) اور اگر یہ دونوں شعبے معیاری ہوں تو نئی کاسٹ سے بھی فلم کامیاب ہوسکتی ہے۔ ثمائمہ ملک نے ایک انٹرویو میں کہا کہ میرے لیے یہ کسی اعزاز سے کم نہیں کہ میں نے اپنے کیریئر کے آغاز میں ہی کامیابی حاصل کی (اس کو کہتے ہیں منہ میاں مٹھو) اور اہم بات یہ تھی کہ مجھے بالی ووڈ میں جانے کا موقع ملا اور میں نے وہاں ملک کی لاج رکھی لیکن میں نے بالی ووڈ جاتے ہوئے کہا تھا کہ میری ساری ترجیحات اپنے ملک کے لیے ہیں اور جب بھی یہاں مجھے کاسٹ کیا گیا تو میں پہلے اپنے وطن کو ترجیح دوں گی اور میں کسی حد تک اپنے وعدے کو نبھا رہی ہوں یہ الگ بات ہے کہ میری

ژالے سرحدی کی خواہش

ٹی وی فنکارہ ژالے سرحدی نے کہا ہے کہ محبت کے بغیر زندگی نامکمل ہے۔ ژالے سرحدی نے کہا کہ انہیں گاڑی میں زیادہ بیٹھنا اچھا نہیں لگتا اسی لیے جب بھی وہ بیرون ممالک جاتی ہیں پیدل چل کر اپنی خواہش پوری کرتی ہیں (یہاں کی ٹوٹی ہوئی سڑکوں پہ ان کے قدم جو ڈگمگاتے ہیں) جبکہ اپنے

دوسری فلم راجہ نٹور لعل باکس آفس پر زیادہ کامیابی حاصل نہ کرسکی

انہوں نے کہا کہ پاکستانی فلمیں ملک اور بیرون ملک کامیابی حاصل کررہی ہیں اور سب سے بڑی بات پورے ملک میں ملٹی پلیکس اور سنگل سینماؤں کی تعمیر ہورہی ہے یہی وجہ ہے کہ شبان کی فلم ارتھ ٹو سے مجھے کافی توقعات ہیں اس میں میرا پاورفل کردار ہے ارتھ ٹو جب ریلیز ہوگی تو لوگ اس میں میرا کردار بھلا نہیں سکیں گے۔ (بھلے آپ سچ کو بھول جائیں)

ایک تھی لڑکی

اداکارہ تمنا بیگم مرحومہ کی تیسری برسی کی تقریب ناظم آباد میں واقع مرحومہ کی رہائشگاہ پر منعقد کی گئی۔ مرحومہ تمنا کا شمار ملک کی صف اول کی اداکاراؤں میں ہوتا تھا انہوں نے اپنی فنکارانہ زندگی میں مختلف النوع کردار کرکے شہرت حاصل کی ان کی فلموں میں جوڑی اداکار تھا کے ساتھ کافی مقبول ہوئی اور دونوں نے متعدد فلموں میں کردار نگاری کرکے شائقین کو محظوظ

کیا۔ تمنا بیگم کے ساتھ یہ بھی کسی سانحے سے کم نہیں کہ ان کے جنازے میں فلم ٹی وی یا کسی فلمی شخصیت نے شرکت نہیں کی بلکہ ان کی تدفین میں اہل محلہ کی قلیل تعداد شامل تھی۔ تمنا بیگم کا اصل نام صفیہ بیگم تھا انہوں نے اپنے فلمی کیریئر کا آغاز فلم دامن سے کیا تھا ان کی یادگار فلموں میں نصیب اپنا اپنا، انجمن، ایک تھی لڑکی، شرافت، بن بادل برسات، زینت، پرکھ، بھروسہ، سسرال، بڑے میاں دیوانے، اپنے ہوئے پرائے، ایک چہرہ دو روپ، بیوی ہو تو ایسی، امراؤ جان ادا، گھرانہ، سہرے کے پھول، آس، تیرا غم رہے سلامت، ساون آیا تم نہیں آئے، قسمت، عزت، بے مثال، ملاپ، تیرے میرے سپنے، زنجیر، نیا انداز سمیت دیگر فلمیں شامل ہیں مرحومہ کی ڈائمنڈ جوبلی فلموں میں آج اور کل، شبانہ، یہ زمانہ اور ہے اور بوبی شامل ہیں۔ تمنا بیگم نے ٹی وی پر بھی متعدد ڈراموں میں کام کیا یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مرحومہ کی آخری فلم صنم 2015ء میں نمائش کے لیے تو پیش کی گئی لیکن کراچی میں اب تک ریلیز نہ ہوسکی۔

ممتاز کی آواز

آرٹس کونسل لیجنڈ فنکاروں کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ایک ایسے پروگرام کی تیاری میں معروف ہے جس میں فلم ٹی وی اسٹیج کے فنکاروں کو ان کے کارہائے پر ایوارڈز سے نوازا جائے گا معلوم ہوا ہے کہ مارچ کے وسط میں آرٹس کونسل میں فنکاروں کو ان کی فنکارانہ خدمات پر ٹریبوٹ پیش کرنے کے لیے ان کی خصوصی دستاویزی فلموں کی تیاری شروع کردی ہے۔ علاوہ ازیں آئندہ ماہ ہونے والے اس پروگرام میں ممتاز کے فن کے حوالے سے ایک پروگرام ترتیب دیا جارہا ہے اور اس میں ان کے فلمی اور غیر فلمی گیتوں کو اس پروگرام کا حصہ بنایا جائے گا۔

پہلی بار معمر رانا

اداکار، فلمساز معمر رانا کی پہلی بطور ہدایتکار فلم "سکندر" تقریباً چالیس فیصد مکمل ہوچکی ہے آخری اسپیل میں فلم کی پوری کاسٹ معمر رانا، جیا علی، میرا، ایم وارثی اور ندیم حصہ لے گی جیسے ہی کولمبو سے شوٹنگ کے لیے این او سی جاری ہوا۔ معمر رانا کاسٹ اور تکنیکی عملے سمیت سری لنکا روانہ ہوجائیں گے۔ فلم سکندر ایکشن سے بھرپور ہوگی اور معمر رانا نے بطور ہدایتکار بہترین مجرے دیے ہیں جو شائقین فلم کی توجہ کا مرکز بنیں گے۔

(دیکھتے ہیں یہ فلم ڈبے میں جاتی ہے یا......)

نیکی کر دریا میں ڈال

معروف گلوکار علی ظفر نے انسانیت کی خدمت کے پیش نظر کراچی کے جناح اسپتال میں کینسر وارڈ کا دورہ کیا اور وہاں انتظامات دیکھ کر اطمینان کا اظہار کیا اور مریضوں کے علاج معالجے کے لیے پانچ لاکھ کا عطیہ دیا۔ انہیں جناح اسپتال کے مختلف شعبوں کا دورہ کرایا گیا علاوہ ازیں انہوں نے اپنے تاثرات میں اپنے اس عزم کا اظہار کیا کہ کینسر کے علاج و معالجے کے اقدامات کو مزید بہتر بنانے کے لیے مخیر افراد سامنے آئیں اس سے انسانی خدمت کو مزید تقویت ملے گی اور اس سے ایک صحت مند پاکستان وجود میں آئے گا۔

میری کہانی

فلمساز و ہدایتکارہ مہرین جبار نے امریکہ میں اپنی نئی فلم کی تین چوتھائی فلمبندی مکمل کرلی ہے اور وہ اس فلم کو ایک منفرد پروجیکٹ قرار دے رہی ہیں۔ انہوں نے امریکہ کی مختلف ریاستوں میں فلم کی عکسبندی کی۔ فلم کی کاسٹ میں عدیل حسین، صنم سعید، علی کاظمی، عتیقہ اوڈھو پر مناظر عکسبند کیے گئے فلم کی کہانی محمد سمیع نے لکھی ہے اس فلم کا مرکزی خیال محبت اور دوستی پر ہے واضح رہے کہ مہرین جبار نے اس سے قبل رام چند پاکستانی بنائی تھی جس میں غلطی سے سرحد پار کرنے والوں کے مسائل کو موضوع بنایا تھا۔

مہوش حیات کے خیالات

فلم ٹی وی کی شہرت یافتہ اداکارہ مہوش حیات نے آسکر ایوارڈ یافتہ فلمساز ہدایتکارہ مصنفہ شرمین عبید چنائے کو ان کی فلم اکیڈمی ایوارڈ کی نامزدگی پر مبارکباد دی ہے (ہمکمن لگایا جارہا ہے) انہوں نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ شرمین عبید چنائے کی خواتین کے حقوق کے

لیے خدمات قابل تحسین ہیں اور خاص کر اکیڈمی ایوارڈ کے لیے دستاویزی فلم A Girl in the price of givenessriver کے لیے نامزدگی پر اپنی جانب سے بھرپور مبارکباد دی۔ مہوش حیات نے کہا کہ شرمین عبید چنائے نے فلم میں خواتین پر مظالم کی نشاندہی کی اس کے تدارک کے لیے موثر اقدامات کیے جائیں جن سے مجبور اور بے کس خواتین پر ہونے والے ظلم وستم کا خاتمہ ہو۔

شمع عروسہ

پاکستان کی نامور ادیبہ اور ڈرامہ نگار فاطمہ ثریا بجیا کے انتقال پر پاکستان ٹیلی وژن کے چیئرمین، عطاء الحق قاسمی، مینجنگ ڈائریکٹر، محمد مالک و دیگر اعلیٰ افسران نے شدید غم اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ فاطمہ ثریا بجیا بحیثیت ادیبہ اور ڈرامہ نگار ان کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ وہ تہذیب کی علامت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مخلص اور محبت کرنے والی شخصیت تھیں اور ان کے تحریر کردہ ڈرامے صدیوں یاد رکھے جائیں گے۔ اس سلسلے میں کراچی ٹیلی وژن مرکز پر ایک دعائیہ تقریب منعقد ہوئی جس میں کراچی مرکز کے جنرل منیجر، عطاء اللہ بلوچ، ایگزیکٹیو پروگرام منیجر، عفیفہ صوفیہ الحسینی دیگر شعبوں کے سربراہان اور کارکنان کی بڑی تعداد نے شرکت کی اور مرحومہ کے ایصال ثواب کے لیے فاتحہ خوانی کی۔

ٹوٹکے

خدیجہ احمد

داڑھ کی درد کے لیے

لہسن کے جو چھیل کر داڑھ پر شہادت کی انگلی سے ملیں پھر بقدر دس کے گرم پانی سے کلی کریں اس کے بعد دودھ یا پودینہ کا استعمال کریں۔

درد سر

لہسن کا تیل لے کر درد کے مقام پر ملیں، یہ درد کو اس طرح زائل کردے گا گویا کہ درد تھا ہی نہیں اور ساتھ ہی لہسن کے ٹکڑے چبا کر پانی پئیں تاکہ سر درد کے اسباب بھی ختم ہوجائیں اگر معدہ کی خرابی کی وجہ سے ہے۔

چکر کا آنا

لہسن اور زیتون کے تیل میں آملیٹ بنائیں اور روزانہ ایک مرتبہ اور مسلسل تین دن کھائیں، یہ عام آملیٹ کی طرح ہوتا ہے صرف پیاز کی جگہ لہسن، ہلکا نمک ڈالیں یہ عمل چکر آنے کو ختم کردے گا۔

دانت کا درد

آدھا جو لہسن دانت درد کے مقام پر رکھیں اور تھوڑی دیر صبر کریں۔ نہایت ہی سرعت کے ساتھ یہ درد کو آرام دے گا اور اگر درد جبڑے میں ہو جبڑے کے درد کے مقام پر کان کے اندر رکھیں۔

بے سکونی اور بے خوابی کے لیے

لہسن کو چھیل لیں اور کسی بھی تیل میں ملا کر ڈھک کر چالیس دن تک دھوپ میں رکھیں پھر اس میں سے ایک چمچہ روزانہ چالیس دن تک کھائیں۔

آنکھوں کے لیے

صرف لہسن کا پتہ چبائیں اور صبح و شام آنکھ پر رکھیں اس سے آنکھ کی بیماری میں شفاء حاصل ہوگی اگرچہ آشوب چشم ہی کیوں نہ ہو۔

نظر تیز کرنا

چار بادام، چٹکی بھر سونف اور ذرا سی مصری لے کر رات کو سوتے وقت کھا لیجیے اور اسے کھانے کے بعد ہرگز پانی نہ پیجیے۔ نگاہ دن بدن تیز ہوتی جائے گی۔

زخم درست کرنا

تل لیں اور اسے شہد میں پیس کر لیپ سا بنا لیں اور پھر اس لیپ کو مرہم کی مانند محفوظ کرلیں جب بھی کہیں زخم ہو وہاں یہ لیپ مرہم کی مانند مل دیں، زخم جلد مندمل ہوجائیں گے۔

آنکھوں کے درد کا علاج

آنکھوں پر خالص دودھ کی ملائی کسی کپڑے پر رکھ کر باندھ دیں اس دوران آنکھیں بند رکھیں کم از کم پانچ گھنٹے آنکھیں بند ہی رہنے دیں۔ آنکھوں کے ہر مرض کی شفا اس میں ہے۔

آنکھوں میں درد ہو تو روئی کا پھاہا لیں اور اسے گرم دودھ میں ڈبو دیں اور آنکھوں کے پاس پاس ٹکور دیں، آنکھوں کا درد دور ہوجائے گا۔

آنکھوں میں ذرا سا شہد ڈال لیں اور پھر پندرہ بیس منٹ بعد اسے دھولیں، آنکھوں کا درد دور ہوجائے گا اور بینائی میں اضافہ ہوگا۔

پلکوں کو دراز کرنے کی ترکیب:۔

دودھ لیں اور کسی فلالین کے کپڑے کو اس گرم دودھ میں ڈال کر آنکھوں پر رکھ دیں جب اس کی گرمائش ختم ہوجائے تو اس عمل کو بار بار کریں مگر پانچ چھ بار سے زیادہ نہیں، اس سے پلکوں کی نشوونما ہوگی اور خوب صورت دکھائی دیں گی۔

چیچک کے داغ دور کرنا

خالص پستہ لیجیے اور اسے پیس کر سفوف بنا لیجیے اور پھر رات کو سوتے وقت چیچک کی داغوں پر مسلسل ملیے چھ ماہ ایسا کرتے رہیں، پہلے داغ مدہم پڑجائیں گے پھر آہستہ آہستہ ختم ہوجائیں گے اس طریقے سے آپ کو انتظار ضرور کرنا پڑے گا مگر اس انتظار کا نتیجہ خوب صورتی کی شکل میں سامنے آئے گا۔

یادداشت تیز کرنا

چند بادام اور ذرا سی کالی مرچ لیجیے اور اسے پیس کر یکجان کر کے کسی بوتل میں بند کر لیجیے۔ ہر صبح اٹھنے کے بعد نہار منہ اسے کھائیے کچھ ہی عرصے بعد آپ کا حافظہ اتنا تیز ہو جائے گا کہ آپ کو بچپن کی باتیں یاد آنے لگیں گی۔

کانٹا نکالنا

جب جسم میں کانٹا چبھ جائے اور اس قدر اندر چلا جائے کہ کوشش کے باوجود نہ نکلتا ہو تو گھبرائیے نہیں۔ ذرا سا گڑ لیجیے اور پیاز لے کر اسے کاٹ لیجیے اور ان دونوں کو ملا کر اس جگہ پر باندھ دیجیے کانٹا خود بخود باہر آ جائے گا۔

درد شکم کے لیے

ذرا سا گڑ لیجیے اور چند مرچوں کے بیج نکال لیجیے اور پھر اسے یکجا کر کے تین چار میں نگل لیجیے۔ کچھ ہی دیر بعد آپ خود کو مکمل صحت مند پائیں گی۔ ذرا سا نمک کھائیے اور اوپر سے پانی کا ایک گلاس پی لیجیے درد شکم کو افاقہ ہوگا۔

امراض جگر کے لیے

جگر کا کوئی بھی عارضہ ہو تو رات کو ایک مولی لے کر شبنم میں رکھ دیجیے۔ اسے صبح اٹھ کر نہار منہ کھائیے آپ تین ہفتے میں کسی بھی ڈاکٹر سے اپنا معائنہ کروا لیجیے آپ امراض جگر سے نجات پا چکے ہوں گے۔

درد کان سے شفا کے لیے

مولی کو باریک باریک ٹکڑوں میں کاٹ لیجیے اور پھر اسے سرسوں کے تیل میں ڈال کر خوب گرم کر کے رس نکال لیجیے اور پھر اس کو کسی بھی شیشی میں محفوظ کر لیں درد کے وقت کان میں چند قطرے ٹپکا لیجیے شفا نصیب ہوگی۔

دانتوں کی کیڑے ختم کرنا

چنبیلی کے کچھ پتے لیجیے اور انہیں پانی میں ابال لیجیے ہر صبح نہار منہ اس پانی سے غرارے کیجیے دانتوں کے کیڑے ختم ہو جائیں گے۔

ھچکی کے لیے

ہچکی آ رہی ہو تو اس کا سب سے مجرب علاج یہ ہے کہ پانی میں شکر ڈال کر اس کا شربت بنا لیں اور پھر اسے پی لیں ہچکی ختم ہو جائے گی۔

ہچکی مسلسل آ رہی ہو اور بند نہ ہوتی ہو تو آپ نرم گنے کی گنڈیریاں بنا لیجیے اور انہیں مسلسل چوسیے ہچکی بند ہو جائے گی۔ ہچکی مسلسل آ رہی ہو تو ذرا سی چینی کھا لیں ہچکی ختم ہو جائے گی۔

آواز بیٹھ جائے تو......

آدھ سیر پانی میں ایک تولہ سونف ڈال کر اسے پکا لیجیے چوتھا حصہ رہ جانے پر اسے اتار لیجیے اور چھان کر اس میں طبیعت کی خواہش کے مطابق چینی ملا لیجیے اور اسے استعمال کیجیے دو تین بار پینے سے شفا حاصل ہوگی۔

سونف ذرا ذرا سی منہ میں ڈال کر دن میں کئی بار چبائیں اور اس کا رس پیتے رہیے گلا صاف ہو جائے گا۔

اگر لو لگ جائے تو......

پیاز کا رس نکال کر اسے پی لیجیے چند بار ایسا کرنے سے مکمل افاقہ ہوگا۔ ہاتھوں پر زیتون کا تیل یا ٹماٹر کے ٹکڑے ملیے اس طرح ہاتھ نرم و ملائم ہو جائیں گے۔

چھرے کے دانے ختم کرنے کے لیے

کالی مرچ لیں اور اسے صندل کی مانند رگڑ کر چہرے پر یہ لیپ مل لیجیے دو چار روز ایسا کرنے سے چہرے سے دانے ختم ہو جائیں گے۔

منہ کی بدبو کو ختم کر لیجیے

دن میں دو تین بار سونف چبائیے اور اس کا عرق پی لیجیے چند دن میں آپ کے منہ سے بدبو کی بجائے خوشبو آنے لگے گی۔